بی۔اے علوم اسلامیہ۔ پرچہ ب

68

توضیح الحدیث والفقہ والتاریخ

شیخ محمد اقبال
پروفیسر خان محمد چاولہ

علمی کتاب خانہ ○ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور

PUNJAB
UNIVERSITY
LIBRARY
LAHORE

CLASS NO ....

BOOK NO ....

M-152—Punjab University Press—20,000—13-6-97

ذخیرہ صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی

جو 2001ء میں میاں صاحب نے

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطا فرمایا

Marfat.com

26 SEP 1998

Marfat.com

Marfat.com

ذخیرہ

برائے بی۔ اے (پرچہ ب)

توضیح الحدیث والفقہ والتاریخ

مشکوٰۃ المصابیح	:	کتاب الآداب
المختصر للقدوری	:	کتاب الصلوٰۃ
تاریخِ اسلام	:	بنو امیہ و بنو عباس

شیخ محمد اقبال　　پروفیسر خان محمد چاولہ

علمی کتاب خانہ　کبیر سٹریٹ / اردو بازار　لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : توضیح الحدیث والفقہ والتاریخ
نام مصنف : شیخ محمد اقبال و پروفیسر خان محمد چاولہ
ناشر : علمی کتاب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور
مطبع : ندیم یونس پرنٹنگ پریس لاہور
سال اشاعت : 1995
قیمت : -/70 روپے

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

گذشتہ سال (۱۹۹۲ء) میں بی۔اے علوم اسلامیہ پرچہ الف کی کتاب "توضیح القرآن" شائع ہوئی تو اساتذہ کرام کی طرف سے اسے بہت پذیرائی ملی، متعدد خطوط وصول ہوئے بالخصوص سینئر اساتذہ کرام کی جانب سے، جن میں اس کتاب کی مختلف خوبیوں کے حوالے سے اسے بے حد سراہا گیا، ہم علوم اسلامیہ کے ان تمام اساتذہ کرام کے بہت ممنون ہیں۔
اس کے بعد کئی حلقوں (پروفیسرز، سٹوڈنٹس، احباب) کی طرف سے پرچہ ب کی کتاب کے لیے مسلسل تقاضا ہوا۔ چنانچہ اس حوصلہ افزائی اور تقاضے کے تحت زیرِ نظر کتاب ..... "توضیح الحدیث والفقہ والتاریخ" شائع کی جارہی ہے۔ امید ہے انشاء اللہ اس کتاب کو بھی قبول عام حاصل ہوگا۔

کتاب کے مواد کا مستند اور صحیح ہونا اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ عربی متن، اردو ترجمہ، الفاظ کے معانی، تشریحات، تاریخ اسلام کے حصہ میں واقعات کا بیان سب پر آپ مکمل اعتماد کر سکتے ہیں۔ دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں سٹوڈنٹس کی سہولت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ فقہ کا حصہ ان کے لیے عام طور پر سب سے مشکل ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اس حصہ کو خاص طور پر انتہائی سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب سٹوڈنٹس کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

اللہ رب العزت کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے اس حقیر و عاجز بندے کو اس کتاب کی تالیف و ترتیب کی توفیق بخشی۔

خان محمد

(خان محمد چاولہ)

ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

Marfat.com

52700

فہرست

مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْحِ (کِتَابُ الْاٰدَابِ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
١	بَابُ السَّلَامِ	٩
٢	بَابُ الْاِسْتِیْذَانِ	٣٠
٣	بَابُ الْمُصَافَحَۃِ وَالْمُعَانَقَۃِ	٣٧
٤	بَابُ الْقِیَامِ	٤٢
٥	بَابُ الْعُطَاسِ وَالتَّثَاؤُبِ	٤٩
٦	بَابُ الْاَسَامِیْ	٥٠
٧	بَابُ الْبَیَانِ وَالشِّعْرِ	٧٥
٨	بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ	٩٠
٩	بَابُ الْمُفَاخَرَۃِ وَالْعَصَبِیَّۃِ	١٠٧
١٠	بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَۃِ	١١٣
١١	بَابُ الشَّفَقَۃِ وَالرَّحْمَۃِ عَلَی الْخَلْقِ	١٢٧
١٢	بَابُ الْحُبِّ فِی اللّٰہِ وَمِنَ اللّٰہِ	١٣٤
١٣	بَابُ مَا یُنْہٰی عَنْہُ مِنَ التَّہَاجُرِ وَالتَّقَاطُعِ وَاتِّبَاعِ الْعَوْرَاتِ	١٣٩
١٤	بَابُ الْحَذَرِ وَالتَّاَنِّیْ فِی الْاُمُوْرِ	١٤٤
١٥	بَابُ الرِّفْقِ وَالْحَیَاءِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ	١٤٧
١٦	بَابُ الْغَضَبِ وَالْکِبْرِ	١٥٤
١٧	بَابُ الظُّلْمِ	١٦٠

Marfat.com

المختصر للقدوریؒ

(کتابُ الصَّلوٰۃ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	باب اوقات الصَّلوٰۃ	۱۷۱
۲	باب الاذان	۱۸۰
۳	باب شُروط الصَّلوۃ الّتی تَتقدّمها	۱۸۸
۴	باب صفة الصلوٰۃ	۱۹۶
۵	باب القراءۃ	۲۱۲
۶	باب الجماعة	۲۱۸
۷	باب قضاءِ الفوائِت	۲۳۵
۸	باب الاوقات الّتی تُکرہ فیها الصّلوٰۃ	۲۳۷
۹	باب السنن والنوافل	۲۳۹
۱۰	باب سجود السّهو	۲۴۶
۱۱	باب صلوٰۃ المریض	۲۵۴
۱۲	باب سجود التلاوۃ	۲۶۰
۱۳	باب صلوٰۃ المسافر	۲۶۶
۱۴	باب صلوٰۃ الجمعة	۲۷۶
۱۵	باب صلوٰۃ العیدین	۲۸۶
۱۶	باب صلوٰۃ الکسوف	۲۹۵
۱۷	باب صلوٰۃ الاستسقاء	۲۹۸
۱۸	باب قیام شهر رمضان	۳۰۰
۱۹	باب صلوٰۃ الخوف	۳۰۵
۲۰	باب الجنائز	۳۱۱
۲۱	باب الشهید	۳۲۵
۲۲	باب الصّلوٰۃ فِی الکعبة	۳۳۲

Marfat.com

تاریخ اسلام

بنو اُمیّہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	حضرت معاویہؓ	۳۳۸	۱۱	ولید ثانی بن یزید عبدالمالک	۴۳۳
۲	یزید بن معاویہؓ	۳۵۸	۱۲	یزید ثالث بن ولید	۴۳۵
۳	معاویہ ثانی بن یزید	۳۶۹	۱۳	ابراہیم بن ولید بن عبدالمالک	۴۳۷
۴	مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیرؓ	۳۷۰	۱۴	مروان ثانی بن محمد بن مروان	۴۳۸
۵	عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیرؓ	۳۷۴	۱۵	بنو امیّہ کے زوال کے اسباب	۴۴۶
۶	ولید بن عبدالملک	۳۹۴	۱۶	اموی دور کی عوامی روح	۴۵۲
۷	سلیمان بن عبدالملک	۴۰۹	۱۷	نظامِ حکومت	۴۵۴
۸	حضرت عمر بن عبدالعزیز	۴۱۳	۱۸	تہذیب وتمدن	۴۶۳
۹	یزید ثانی بن عبدالملک	۴۲۶			
۱۰	ہشام بن عبدالملک	۴۲۸			

بنو عبّاس

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	ابو العباس السفاح	۴۶۶	۶	محمد الامین	۵۰۸
۲	محمد المنصور	۴۷۰	۷	عبداللہ المامون	۵۱۴
۳	محمد المہدی	۴۸۷	۸	معتصم باللہ	۵۲۷
۴	موسیٰ الہادی	۴۹۳	۹	واثق باللہ	۵۳۲
۵	ہارون الرشید	۴۹۵			

Marfat.com

مِشْكٰوةُ الْمَصَابِيْح

(كِتَابُ الْآدَابِ)

Marfat.com

تعارف مشکوٰۃ المصابیح

احادیث مبارکہ کی جمع و تدوین کا کام مکمل ہو جانے کے بعد ان کے انتخاب اور شروح کا سلسلہ شروع ہوا منتخب احادیث کے مجموعوں میں سب سے زیادہ شہرت مَصابیحُ السّنۃ (یا مَصابیح الدُّجیٰ) کو ملی جو شافعی مذہب کے عالم، محدث اور مفسر رکن الدین محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد الفرا البغوی (متوفی ۵۱۶ ھ/۱۱۲۲ء یا ۵۱۰ھ/۱۱۱۷ء) کی تالیف ہے۔ البغوی ھرات کے قریب ایک گاؤں بَغ یا بغشور کے رہنے والے تھے بغوی نے اس کتاب میں مضامین کے لحاظ سے ترتیب دے کر احادیث جمع کی ہیں۔ اس تالیف کا مقصد تشریع لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے میں مدد دینا تھا۔ اس میں کل ۴۷۱۹ احادیث ہیں، بخاری کی ۳۲۵، مسلم کی ۸۷۵ اور ۱۰۵۱ متفق علیہ اور باقی دیگر مجموعوں سے لی گئی ہیں (معجم المطبوعات العربیۃ، عمود ۵۷۳)۔ بغوی کا دعویٰ ہے کہ اس مجموعہ میں کوئی منکر یا موضوع حدیث نہیں۔ سب سے پہلے وہ صحیحین سے ماخوذ احادیث (صحیح) دیتے ہیں اور پھر دیگر مجموعوں سے لی گئی احادیث (حسن)۔ بغوی نے اختصار کے مقصد سے اسناد نہیں دی۔

مشکوٰۃ المصابیح جو مصابیح السنۃ کا تکملہ ہے ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی کی تالیف ہے۔ انہوں نے ہر حدیث کے شروع میں راوی حدیث کا نام دیا ہے اور مصابیح السنۃ کی دو فصلوں (صحیح اور حسن) کے بعد ایک تیسری فصل کا اضافہ کیا ہے جس میں صحیحین سمیت مجموعہ ہائے احادیث کی ایسی احادیث ہیں جو مضمون سے مناسبت رکھتی ہیں مشکوٰۃ المصابیح کو بہت مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ یہ آج تک دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے اور صحیحین کے بعد سب سے زیادہ اس کی شرح لکھی گئی ہیں۔ انگریزی، اردو وغیرہ مختلف زبانوں میں اس کے بہت سے تراجم بھی شائع ہوتے ہیں۔

Marfat.com

بَابُ السَّلَامِ

لُغوی معنی: سلام کے لغوی معنی ہیں:

۱۔ سلامت (سلامتی)۔ عافیت۔ اس اعتبار سے عرب میں ایک سدا بہار درخت کو سلام کہتے ہیں۔

۲۔ بے عیب اور بے نقص ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام اس لیے سلام ہے کہ وہ عیب اور نقص سے پاک ہے۔

۳۔ بے روگ ہونا۔ قلبِ سلیم بے روگ دل کو کہتے ہیں۔

۴۔ شکستہ حال اور سکستہ دل نہ ہونا۔

۵۔ بچاؤ اور حفاظت میں رہنا۔ جنت کو دار السلام کہتے ہیں کہ مومن اس میں آفات سے محفوظ رہے گا۔

۶۔ برائت یعنی لاتعلق ہونا۔ سَلَامِ المتارکۃ کا یہی مفہوم ہے۔

بعض علما کے نزدیک سلام اور سلامت ہم معنی ہیں اور بعض کے ... یک سلام جمع ہے سلامت کی۔ سلام کے مترادف سِلْم کا لفظ بھی آتا ہے۔ سلام کے لفظ ... سلم کا خیال بھی پیدا ہوتا ہے لہٰذا سِلْم اور سَلْم کے معنی صلح ہیں۔ مُسَالَمَتْ کے معنی ہیں مصالحت۔ سلام بطور مصدر بھی آتا ہے۔

مراد و تعریف: شرع میں سلام سے مراد یہ ہے کہ طرفین میں سے ایک فریق دوسرے کو قصد و نیت کے ساتھ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اور طرفِ ثانی پہلے کو وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کے دعائیہ کلمات کہے۔ ان ابتدائی اور جوابی کلمات میں وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ وَمَغْفِرَتُہٗ کے کلمات بھی بڑھائے جا سکتے ہیں۔

یہاں نیت سے مراد اعزاز و محبت کی نیت ہے۔

طرفِ اوّل کو مُسَلِّم (یا مبتدی) اور طرفِ ثانی کو مُسَلَّمٌ عَلَیْہِ (یا مُجیب) کہتے ہیں۔

اوپر جس سلام کی تعریف بیان کی گئی ہے اسے سَلَامُ الْمُتَارَکَۃِ سے ممیز کرنے کے لیے سَلَامُ التَّحِیَّۃِ بھی کہتے ہیں۔ سَلَامُ الْمُتَارکت سے مراد وہ سلام ہے جس کے ساتھ آدمی کسی سے پیچھا چھڑا کر الگ تھلگ ہو جائے۔ قرآن کریم کی درج ذیل عبارت میں سَلَامُ الْمُتَارَکَۃ ہی مراد ہے۔

Marfat.com

وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (۲۵: ۶۳)

ترجمہ: اور جب اکھڑ لوگ ان سے بول اٹھتے ہیں تو یہ کہتے ہیں، سلام ہے۔

یہاں سلام کے لغوی معنی ہیں: تَسَلُّمْ یعنی پیچھا چھڑانا، بَرَاءَت یعنی لاتعلق ہونا اور مُتَارَکَۃ یعنی یکسو ہو جانا۔ مراد یہ ہے کہ بھئی! ہم میں تمہاری ہم زبانی کی طاقت نہیں۔ ہم جاتے ہیں، سلام ہے۔

سلام اور تحیت، تَحِیَّت کا لفظ حیاۃ سے تَفْعِلَہ کا صیغہ ہے۔

جاہلی عرب ملاقات کے وقت عموماً حَیَّاکَ اللّٰہُ کے الفاظ سے سلام کہتے تھے لہٰذا تَحِیَّت آہستہ آہستہ حیاکَ اللہ کا مصدر ٹھہرا۔ بعد میں ملاقات کی ہر قسم کی دعا اس کے مفہوم میں شامل ہو گئی لیکن اس کا غالب استعمال حَیَّاکَ اللہ کے لیے ہی رہا۔ اسلام آیا تو جاہلی الفاظ کا سلام متروک ہوا لیکن تحیّت کا لفظ اسم مصدر کے طور سے باقی رہا۔ اسلام میں چونکہ تحیّت صرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کے الفاظ سے ہوتی ہے اس لیے اس کے معنی عموماً تسلیم ہی لیے جاتے ہیں۔

تحیّت عام ہے اور ہر دعائیہ کلام کے لیے بولا جاسکتا ہے۔ سلام خاص ہے اور صرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کے لیے آتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ارشاد ہے:

وَ یُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّ سَلٰمًا ○ (۲۵: ۷۵)

ترجمہ اور اس میں ان کی دعا و سلام سے پیشوائی ہوگی۔

یہاں تحیّت کا لفظ عام دعا کے لیے آیا ہے۔

سلام کی معنوی وسعت

سلام سے نہ صرف مادی بلکہ روحانی سالمیت بھی مراد ہوتی ہے۔ اس سالمیت کا ہر فردِ بشر محتاج ہوتا ہے۔ آقا و غلام، امیر و غریب اور سیاہ و سپید کی اس میں کوئی تفریق نہیں۔

اسلام ایک ہمہ گیر اور انسانیت پرور دین ہے۔ وہ انسان کو شخصی زندگی کے حصار سے نکال کر عالم انسانیت کی کھلی فضا میں لاتا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سب اولادِ آدم کی فلاح و بہبود کا صدقِ دل سے نہ صرف خواہاں ہوں بلکہ اس کے لیے کوشاں بھی رہے تاکہ دیگر افراد اس کے جذبات اور میلانات سے متاثر ہوں اور انسان دوستی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے۔

خیر خواہی کے زبانی اظہار کی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن اس کی بنیادی صورت صرف ایک ہے جسے ربِ کریم نے ذریتِ آدم کے لیے لازم ٹھہرایا ہے۔ یہ سلام تحیت ہے۔ اس سے بڑھ کر

Marfat.com

صاف، سادہ اور شیریں صورت محال ہے۔ اس میں بے حد و کنار لچک اور وسعت پذیری ہے۔ سلام کا دائرہ عالمِ اجساد سے بھی آگے نکل کر ارواح اور جنّ و ملک کی دنیا بلکہ پوری کائنات کو گھیر لیتا ہے۔ مسافرانِ عدم ہمارے سلام پر مسرور ہوتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ شجر و حجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کا نذرانہ پیش کیا کرتے تھے۔

سلام فرشتوں کا شعار : قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ یہی رسم ملائکہ کا بھی شعار ہے حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس فرشتے حاضر ہوئے تو کلام کا آغاز سلام کے کلمات سے ہوا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت خدیجہؓ حضرت صدیقِ اکبرؓ اور حضرت عائشہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے سلام پہنچایا۔ انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کو سلام کو سلام کہا۔ نیک انسان کی وفات کے وقت فرشتے بھی یہی الفاظ کہتے ہیں۔ جنت میں داخلہ کے موقع پر فرشتے اسی طور کے سلام سے مومنین کو خوش آمدید کہیں گے۔ باغِ جنت کے مکین سلام ہی سے ایک دوسرے کا استقبال کریں گے۔

سلام اولادِ آدم کا ورثہ : حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو سب سے پہلے ان کی زبان پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے الفاظ رواں ہوئے۔ اس کے بعد انہیں سلام کی رسم سکھائی گئی اور بتایا گیا کہ یہ رسم تیری اولاد کا ورثہ ہے۔ وقت گزرتا گیا۔ یہ ورثہ کبھی گم ہوا اور کبھی پھر ہاتھ آگیا جب کوئی نبی تشریف لائے تو انہوں نے کلماتِ سلام کی یاد از سرِ نو تازہ کی لیکن انسان کا حافظہ ٹھوکر کھاتا ہی رہا۔ کسی نے ہاتھ باندھ کر نمستے کہا اور کسی نے گڈ مارننگ (صبح بخیر) اور گڈ ایوننگ (شام بخیر) وغیرہ کی ترکیبیں ایجاد کیں اور کبھی سپاٹ ہتھیلی ماتھے کے ایک کونے سے چھو کر سمجھے کہ حق آشنائی ادا ہو گیا۔ یہود نے اس کا خلاصہ تیار کیا اور دور سے ایک انگلی دکھا کر فارغ ہو گئے۔ عرب نے بھی ملتی جلتی شکل ڈھونڈی۔ کبھی حَیَّاکَ اللّٰہُ (اللہ تمہیں زندہ رکھے) اور کبھی اَنْعِمْ صَبَاحًا (خوش صباح رہو) وغیرہ کے الفاظ سے ملاقات کا حق ادا کیا۔ ان میں سنتِ ابراہیمی کے بقیہ کے طور سے سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کی تحیت بھی تھی لیکن بہت کم۔

تحیت کے نو ایجاد کلمات کو دیکھا جائے تو ان میں صرف شخصی، مادی اور زمانی راحت کی خواہش بیدار نظر آتی ہے لیکن کلماتِ ربانی کی معنویت زمان و مکان کی حدود سے آگے بہت آگے ہے۔ سلام کے الفاظ میں افراد و اقوام کیا پوری موجودات مدِ نظر ہے۔ اس سے زمانی و مکانی ہی نہیں بلکہ ابدی فلاح بھی مطلوب ہے۔ یہ کلمات سچے دل سے ادا کیے جائیں تو بندے کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے دین و دنیا کو سلامت رکھے۔ میں تیری جان، تیرے مال اور تیری آبرو کی حرمت کو تسلیم کرتا ہوں۔ ان پر ہاتھ ڈالنا حرام ہے۔ مجیب اپنے دل کا یہ پیغام

Marfat.com

دیتا ہے کہ تجھ پر بھی اللہ کی طرف سے سلامت نازل ہو۔ میں بھی تیرا ہمدرد اور خیرخواہ ہوں۔

سلام کی مختلف حیثیتیں: سلام کو راقم سطور کی رائے میں دو حیثیتیں حاصل ہیں:

۱۔ تحفہ انسانیت

۲۔ شعارِ اسلام

سلام بحیثیتِ تحفۂ انسانیت

سلام کو اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم کی رسم قرار دیا ہے اس لیے سیاسی موانع کے سوا اسے ایک ملّت میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اس رسم کو عام کرنے کی کوشش کرے۔ اسلام کی کوئی نیکی بھی غیر مسلمانوں میں شائع ہو جائے تو غنیمت ہے۔ اس سے مسلم اور غیر مسلم قریب تر ہوتے جائیں گے۔ غیر مسلموں کو اسلامی آئین و رسوم کے اجزا کے ذریعے اپنے قریب لانا از بس مستحسن ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ ان سے قرب ختم کرنے کے لیے ان کے غیر اسلامی دستورِ حیات کو اپنایا جائے۔ غیر مسلم سے الفت رکھی جا سکتی ہے لیکن ان سے محبت رکھنے کی اجازت نہیں۔ محبت صرف نیک مسلمان سے روا ہے۔ الفت یہ ہے کہ راہ و رسم رہے اور جائز حد تک خیرخواہی بھی ہو لیکن محبت کی حدود بے کنار ہیں۔ یہ صرف اللہ اور اس کے مومن بندوں کے لیے ہی مختص ہو سکتی ہے۔

غیر مسلموں پر سلام ڈالنے کے بارے میں علماء مختلف الخیال ہیں۔ ابن عباسؓ ایسے حکمت پرور صحابی اس کے حق میں ہیں۔ سلام کے کلمات غیر مسلموں میں تبلیغ کا بیش قدر کام انجام دے سکتے ہیں بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ اقوام کا جغرافیائی بُعد مٹ رہا ہے۔ یہ الفاظ اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہیں کہ امن کی متاعِ مطلوب اسلام کے دامن میں اب بھی موجود ہے۔ سلام کی رسم اس دور میں کیا مسلم اور غیر مسلم سب دنیائے انسانیت کا کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ یعنی مشترکہ کلمہ ہو سکتا ہے۔

موجودہ دور میں رسمِ سلام کو زندہ رکھنے کی ایک اور پہلو سے بھی ضرورت ہے۔ اسلامی تہذیب کا جاہلی ثقافت سے زبردست تصادم ہو رہا ہے۔ جاہلی ثقافت اپنے ساتھ دولت کی جھنکار اور چکا چوند کا عالم لاتی ہے۔ اس لیے اس دور میں ہر اسلامی رسم و رواج کو زندہ رکھنا فرضِ عین کے رتبہ تک پہنچ رہا ہے۔

بعض سیاسی موانع غیر مسلموں کو سلام کہنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مثلاً کفار بات بات پر کینہ توزی کا ثبوت دیں اور مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں تو انہیں سلام نہ کیا جائے کیونکہ اس سے اہلِ اسلام کی تذلیل ہو گی۔ ظہورِ اسلام کے وقت عرب کے چاروں طرف پُرغرور بادشاہوں

Marfat.com

کے راج جمے ہوئے تھے۔ انہیں جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت نامے بھیجے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کے بجائے سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی کے الفاظ تحریر کرائے۔ امن کا پیغام پہنچانا لازم تھا لہذا پہنچا دیا لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ اسلام کا پہلو دبتا نظر نہ آئے اور مکتوب الیہ کا دماغ اور نہ چڑھ جائے۔ اہلِ اسلام کو چاہیے کہ وقتی احوال و ظروف کو سامنے رکھ کر موزوں الفاظ میں غیر مسلموں کو سلام کہیں اور اگر ان سے پہل کرنے میں تذلیل ہوتی ہو تو ایسا نہ کریں۔ مجبوری یا مقہوری کا دَور ہو تو بے شک انہی کے الفاظ استعمال کر لیں بشرطیکہ ان میں کفر یا شرک کا شائبہ نہ ہو۔

وقتی احوال و ظروف پر اس لیے تاکید ہے کہ بعض حالات میں ایسے مسلمانوں پر بھی سلام ڈالنا روا نہیں ہوتا جو علانیہ فسق میں مبتلا ہوں یا کسی ناگوار بدعت میں ملوّث ہوں۔ شاید عامۃ المسلمین کی ناراضی سے شرما کر اپنی اصلاح کر لیں لیکن اس مقاطعہ سے فتنہ اور بڑھتا ہو تو اس سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

سلام بہ حیثیت شعارِ اسلام

ذُرّیتِ آدمؑ میں سے سلام کی رسم کو صرف اہلِ اسلام ہی نے اپنا رکھا ہے' اس لیے اسے شعارِ اسلام کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اس کو زندہ رکھنا اور اس کی تعظیم ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے سلام کو اسلام کا حق قرار دیا ہے۔ جب بھی دو یا دو سے زائد مسلمان بھائی آپس میں رُوبہ رُو ہوں تو چاہیے کہ بے گانہ وار نہ گزریں بلکہ اخوت اور محبت کا اظہار کرتے جائیں۔ کشادہ پیشانی کی جھلک دکھائی، مہر کی نگاہ سے دیکھا اور سلام کے شیریں الفاظ ہدیہ کر دیے۔

واقف مسلمان ہو یا ناواقف، جب بھی سامنے آئے اسلام اس پر سلام ڈالنے کی تاکید کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کے دل ایک ہیں۔ ایک ہی برادری سے وابستہ ہیں۔ جب بھی ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو مدتوں کے بچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح مل کر خوش ہوتے ہیں۔ سلام کے الفاظ انہیں یاد دلاتے ہیں کہ اسلامی اخوت فولاد کی طرح مضبوط ہے۔ اس کو قائم و دائم رکھنا ہم پر حق ہے۔

اسلام کے ہر شعار کی طرح شعارِ سلام کی تعظیم بھی لازم ہے کوئی آدمی غیر شرعی کام میں مصروف ہو مثلاً جوا کھیل رہا ہو تو اسے ہرگز سلام نہ کہا جائے۔ پیشاب کر رہا ہو تو جب بھی سلام ڈالنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے اس شعار کی بے ادبی ہوگی۔

خوشامد کی خاطر غیر مسلم درکنار مسلم کو بھی سلام نہ کہا جائے۔ آج کل مطلب اور غرض کا سلام

Marfat.com

عام ہے۔ یہ اس قدسی شعار کی توہین ہے۔ سلام کی تعریف میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ اس میں اعزاز اور محبت کی نیت شرط ہے۔ اگر برادرانہ ملاقات کا خیال نہ ہو اور نیت میں سلامت کے بجائے خوشامد ہو تو ایسا سلام ممنوع ہے۔

آداب و مسائل :

۱۔ افضل یہ ہے کہ مبتدی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے چاہے دوسری طرف ایک ہی آدمی ہو۔ اس میں مذکر و مؤنث کی تخصیص نہیں۔ واحد کا صیغہ لانا یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کہنا بھی درست ہے لیکن افضلیت جمع ہی کے صیغہ میں ہے۔ مبتدی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ پر وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ بلکہ وَبَرَکَاتُہٗ کے الفاظ بھی بڑھا سکتا ہے۔

۲۔ جواب میں ابتدائی کلمات سے حتی الوسع بہتر الفاظ کہے جائیں مثلاً وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہے۔ اگر مبتدی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہے تو مجیب بے شک وَمَغْفِرَتُہٗ کے الفاظ بھی بڑھا دے۔

۳۔ سلام کی ابتداء کرنا فرد کے لیے سنت ہے اور جماعت کے لیے سنتِ کفایہ یعنی پوری جماعت سے ایک شخص بھی سلام کہہ دے تو سنت ادا ہو جائے گی۔

۴۔ سلام کا جواب دینا فرد کے لیے واجب اور جماعت کے لیے واجبِ کفایہ ہے۔

۵۔ جب کوئی آدمی کسی کی طرف سے سلام کا پیغام لائے تو مجیب وَعَلَیْکَ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ کہے یعنی پیغام لانے والے پر بھی سلام ڈالے۔

۶۔ مکتوب کا آغاز اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ سے ہوتا ہے۔ اسے پڑھتے ہی وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہنا چاہیے۔

۷۔ جواب فوراً دینا چاہیے۔ اگر بلا عذر تاخیر کی جائے تو گناہ ہوگا۔

۸۔ ہر واقف و ناواقف مسلمان کو سلام کہا جائے۔

۹۔ ناواقف عورت کو سلام نہ کہا جائے سوائے اس کے کہ وہ بڑھیا ہو۔ اگر اجنبی عورت کو سلام کہا گیا تو اس پر جواب دینا واجب نہ ہوگا۔

۱۰۔ <u>سلام میں پہل کون کرے</u> ؟ اس سلسلہ میں درج ذیل ہدایات پیشِ نگاہ رہنی چاہئیں :

چھوٹا بڑے کو سلام کرے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ کم سن بچوں سے سلام کہنے میں پہل کریں تاکہ بچوں کو سلام کی تربیت ہو۔

تعداد میں چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کہے۔

گزرنے والا کھڑے ہوئے کو سلام کہے۔

کھڑا ہوا بیٹھے ہوئے کو سلام کہے۔

سوار پیدل کو سلام کہے۔

Marfat.com

یہ ہدایات مستحب کے درجہ میں ہیں اور بتاتی ہیں کہ سنت میں پہل کرنا کس کے ذمے ہے۔ اگر کوئی فریق اپنی طرف سے پہل کر جائے تو فضیلت اسی کے لیے ہے۔ قرآن حکیم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد ہے: وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (الانعام: ۶:۵۴)

ترجمہ: اگر آپؐ کے پاس ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے آئیں تو آپ ان سے السلام علیکم فرمائیں۔

۱۱۔ آدمی مجلس سے اُٹھے تو سلام کہے۔ واپس آئے تو دوبارہ سلام کہے۔

۱۲۔ جس مجلس میں مسلم وغیر مسلم شریک ہوں اس پر سلام ڈالا جائے۔

۱۳۔ گھر سے جاتے یا آتے وقت اہلِ خانہ کو سلام کہا جائے۔

۱۴۔ مندرجہ ذیل کو سلام منع ہے:

جو شخص نماز پڑھ رہا ہو۔

جو لوگ مسجد میں نماز کے منتظر بیٹھے ہوں۔

جو قرآن کی تلاوت کر رہا ہو۔

مجلس جس میں دینی اور علمی درس یا وعظ یا مباحثہ ہو رہا ہو۔

قاضی جو عدالت کر رہا ہو۔

جو آدمی کھانا کھا رہا ہو۔

جو آدمی نہا رہا ہو۔

جو آدمی پیشاب کر رہا ہو ــــ جو آدمی خلافِ شرع کام میں مشغول ہو۔

ثمرات: سلام کے متعدد ثمرات ہیں۔ مثلاً

۱۔ محبت کی افزائش: سلام امتِ مسلمہ کی باہمی محبت کا سرآغاز ہے۔ اس مختصر اور سہل کلمہ کے بدولت بیگانگی شناسائی میں اور نفرت محبت میں بدل سکتی ہے جہاں ادنیٰ کدورت ہو وہاں اس لفظ کی تاثیر معجزہ دکھاتی ہے اور کدورت کو مٹا دیتی ہے۔ جہاں محبت پہلے سے موجود ہو وہاں اس سے مزید خلوص پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ سربلندی: سلام سے کلام کے مواقع اٹھیں گے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوگی اور اتحاد کا دور دورہ ہوگا۔ قوم میں قوت کے آثار نظر آئیں گے اور اغیار مرعوب ہوں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے، اَفْشُوا السَّلَامَ كَيْ تَعْلُوْا (الترغیب والترھیب)

ترجمہ: سلام عام کرو تاکہ تم سربلند ہو۔

۳۔ مساوات: سلام کے آداب میں امیر و غریب اور حاکم و محکوم سب برابر ہیں اس لیے

Marfat.com

اس سے مساوات کا رنگ ابھرتا ہے۔

۴۔ تکبر کی شکست : سلام رعونت کو فنا کرتا ہے۔ جب کوئی رئیس یا مالدار شخص کسی غریب مسلمان کو سلام کہتا ہے تو ساتھ ہی اس کے دل میں یہ احساس بیدار ہوتا ہے کہ یہ شخص ہزار نادار سہی احترام میں میرا ہم پلہ ہے۔ اس کے دل میں عاجزی اور فروتنی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلْبَادِیُٔ بِالسَّلَامِ بَرِیْٔ مِنَ الْکِبْرِ (سلام کا آغاز کرنے والا کبر سے لاتعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوار کو پیدل پر سلام ڈالنے کی تلقین ہے۔

۵۔ مغفرت : باہم تسلیم کرنے والے مسلمان ایک دوسرے کی روحانی فلاح کے لیے سچے دل سے دعا کرتے ہیں۔ دن بھر میں ہر مسلمان کے لیے بیسیوں مسلمان یہ دعا دہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول کرتا ہے اور درِ مغفرت وا کرتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام موجبِ مغفرت ہے۔

۶۔ برکت : سلام کی تلقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کو یہ کلمات اس قدر عزیز ہیں کہ انہیں مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ یعنی من جانب اللہ کہتا ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کے ادا کرنے سے روحانی اور مادی لحاظ بہت برکت حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً ط (۲۴: ۶۱)

ترجمہ: جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے افراد پر سلام ڈالو یہ ہوگی بابرکت اور پاکیزہ نعمت۔

حدیث (۱)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا

اور عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے

سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ

اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَئُ السَّلَامَ

اسلام (کا) کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا، یہ کہ تو کھانا کھلائے اور سلام ڈالے

Marfat.com

عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ   مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

ان پر جنہیں تو پہچانتا ہے اور جنہیں تو نہیں پہچانتا   متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

اَیُّ الْاِسْلَامِ: کون سا اسلام۔ مراد ہے اسلام کا کون سا عمل۔

تُطْعِمُ: تُو کھلائے۔ اَطْعَمَ اس نے کھلایا۔ اَلطَّعَام کھانا۔ ماکولات میں سے غذا کے طور پر کھائی جانے والی کوئی چیز۔

تَقْرِئُ: اَقْرَئَہُ السَّلَامَ یا اَقْرَأَ عَلَیْہِ السَّلَامَ اس نے سلام کہا۔

اَلسَّلَام: سلامتی۔ عافیت، عیب، نقص۔ مرض سے محفوظ ہونا۔ بچاؤ اور حفاظت میں رہنا۔ صلح، امان۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں سے ایک سلام ہے، یعنی عیب اور نقص سے پاک۔ جنّت کو دارالسلام کہتے ہیں کیونکہ اہلِ جنّت اس میں آفات سے محفوظ رہیں گے۔ شرع میں سَلَام سے مراد یہ ہے کہ ملاقات ہونے پر دو فریقوں میں سے ایک فریق دوسرے کو قصد و نیت کے ساتھ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے اور دوسرا جواب میں وَعَلَیْکُمُ السَّلَام کہے۔

عَرَفْتَ: تُو نے پہچانا۔ عَرَفَ اس نے پہچانا۔ تَعْرِفُ تُو پہچانتا ہے۔ لَمْ تَعْرِفْ تُو نے نہ پہچانا۔

تشریحِ حدیث ①

اس حدیثِ مبارکہ میں رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک آدمی کے سوال کے جواب میں کھانا کھلانے اور سلام کہنے کو اسلام کا بہترین عمل بیان فرمایا ہے۔ ان دونوں کاموں کی معاشرتی زندگی میں بیحد اہمیت و افادیت ہے۔

کھانا کھلانا: قرآن حکیم اور حدیث شریف میں مسکین، نادار، یتیم، قیدی وغیرہ یعنی ہر ایسے انسان کو کھانا کھلانے کی تلقین کی گئی ہے جو حاجت مند ہو، بے بس ہو، خود کھانا کھانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس کے وسائل سے محروم ہو۔ جو لوگ جنّت میں جائیں گے ان کے نیک اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں: وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا "اور وہ اللہ کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں" (الدّھر، ۷۶: ۸)۔ یعنی کھانے کی استطاعت سے محروم لوگوں کو کھانا کھلانا جنّت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور کھلانے کی قدرت رکھتے ہوئے نہ کھلانا دوزخ میں لے جانے کا سبب

Marfat.com

بنتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ جنتی دوزخ والوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی تو وہ جواب میں کہیں گے: قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ، " وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے" (المدثر ۷۴ : ۳۹ تا ۴۴) ارشاد نبوی ہے: وہ شخص مومن نہیں جو سیر ہو کر کھائے جبکہ اس کا ساتھ والا ہمسایہ بھوکا ہو، گویا بھوکے کو کھانا کھلانا اور ایمان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

کھانا کھلانے کے ساتھ ساتھ اس امر کی تلقین بھی کی گئی ہے کہ دوسروں کو بھی ترغیب دی جائے کہ وہ مسکین و یتیم وغیرہ کو کھانا کھلائیں۔ دوسروں کو ایسی ترغیب نہ دینا بھی دوزخ میں جانے کا باعث بنتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: " اور جس کا نامۂ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا، کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش وہ (یعنی دنیا میں ہونے والی موت) فیصلہ کن ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، مجھ سے میرا اقتدار جاتا رہا۔ (اللہ فرشتوں کو حکم دے گا) اسے پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو، پھر اسے ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا" (الحاقۃ ۶۹ : ۲۵ تا ۳۴) سورہ الماعون میں ارشاد ہے: اَرَأَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ، "کیا تو نے نہیں دیکھا اس شخص کو جو یوم جزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین میں تمام انسانوں کا رزق فراہم کر رکھا ہے لیکن بعض انسان زیادہ رزق حاصل کر لیتے ہیں، بعض قدرے کم اور بعض محروم رہ جاتے ہیں۔ اس کے بے شمار اسباب ہیں، بعض قدرتی اور دوسرے انسانوں کے اپنے پیدا کردہ۔ جن کے پاس زیادہ رزق ہے ان پر فرض ہے کہ وہ محروم اور بے بس لوگوں کی مدد کریں، ان کی اپنی عافیت ایسا کرنے میں ہے ورنہ وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے اور آخرت میں بھی۔ وافر رزق دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے اور اس میں سرخرو ہونے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ ناداروں پر اس مال کو خرچ کرے اگر وہ مال سے محبت کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں ذلت اس کا مقدر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزت و نعمت دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے معزز بنا دیا۔ اور جب وہ اسے آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے، میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا، ہرگز نہیں

Marfat.com

بلکہ تم یتیم کے ساتھ عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بے حد محبت کرتے ہو۔" (الفجر، ۸۹: ۱۵ تا ۲۰)

مساکین کو کھانا کھلانے اور کھلانے کی ترغیب دینے کی یہ تمام تعلیمات حلال رزق سے متعلق ہیں۔ جو مال حرام ذرائع سے اکٹھا کیا ہو وہ تو انہیں لوٹانا چاہیے جن سے ہتھیایا گیا ہے۔

فرد کے ساتھ ساتھ منظم معاشرے یعنی ریاست کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسا اہتمام کرے کہ ملک کے اندر کوئی شخص بھوکا نہ سوئے، کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے، یعنی معاشرے کے ہر فرد کو مکمل سماجی تحفظ حاصل ہو۔ معاشرے کے بے بس اور بے سہارا لوگوں کو محض مال دار لوگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا ملک کے لیے بے حد خطرناک ہے۔

سلام کہنا: اس حدیث شریف میں اسلام کا دوسرا بہترین عمل سلام کہنا بیان کیا گیا ہے' ہر شخص کو سلام کہنا، خواہ وہ واقف ہو یا اجنبی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ (تم پر سلامتی ہو، تم ہر نقصان، روگ، تکلیف سے محفوظ رہو) ایک بہت ہی جامع قسم کی نیک تمنا اور دعا ہے۔ دوسرے کے لیے خیر خواہی کے زبانی اظہار کی اس سے زیادہ اچھی اور جامع کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اس میں جان، مال، عزت آبرو، سکون، خوشی، اطمینان غرض ہر چیز کی سلامتی کی اور ہر قسم کے شر، برائی، دکھ، تکلیف سے بچاؤ کی دعا ہے۔ اس کے مقابلے میں دیگر تمام صورتیں مثلاً گڈ مارننگ (صبح بخیر)، گڈ ایوننگ (شام بخیر)، گڈ نائٹ (شب بخیر)، لانگ لو (دیر تک زندہ رہو) وغیرہ نہایت محدود معنی کی اور کمتر صورتیں ہیں۔ اسی طرح کی صورتیں وہ ہیں جو عربوں نے آج کل، شاید اہلِ مغرب کی تقلید میں اپنا رکھی ہیں، جیسے صَبَاحَ الْخَیْرُ (صبح بخیر)، مَسَاءُ الْخَیْرُ (شام بخیر)، حَیَّاكَ اللہُ (اللہ تجھے زندہ رکھے)، اَطَالَ عُمُرَكَ (تیری عمر لمبی کرے)، وغیرہ۔

سلام سے باہم انس و محبت اور خیر خواہی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اجنبیت، بیگانگی، کدورت، نفرت، تجر سب ختم ہو جاتے ہیں۔ سلام معاشرے کا شعار ہو، اور سلام کو عام کیا جائے تو معاشرے کی فضا محبت، یگانگت، خلوص اور خیر خواہی کی بن جاتی ہے۔ نبی اکرمؐ نے سلام کو عام کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: اَفْشُوا السَّلَامَ کَیْ تَعْلُوْا۔ سلام کو عام کرو تاکہ تم سر بلند ہو (الترغیب والترہیب)۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے!

"تم جب تک ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہ ہو گے اور جب تک تم آپس میں محبت نہ رکھو ایمان والے نہ ہو گے تو کیا میں اس بات کا پتہ نہ دوں کہ جب تم اسے کرو تو تمہیں

Marfat.com

ایک دوسرے سے محبت ہو جائے۔ اپنے درمیان سلام کی رسم عام کر دو۔"

جسے سلام کیا جائے اسے چاہیے کہ سلام کا بہتر جواب دے یا کم از کم لوٹا دے۔ ارشادِ ربانی ہے: وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا، "جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طریقے سے سلام کرو یا اُسے لوٹا دو۔ (النساء، ۴: ۸۶)۔ یعنی اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے جواب میں وہ کم از کم وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ ضرور کہے جبکہ بہتر یہ ہے کہ اس پر وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کا اضافہ کر دے۔ (تشریح کے لیے باب کے شروع میں باب کا خلاصہ بھی دیکھ لیجیے)

حدیث (۲)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا (کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن کے لیے

عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهٗ اِذَا مَاتَ

مومن پر چھ باتیں (حق) ہیں، جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرے اور جب وہ مرے تو اس کے پاس حاضر ہو

وَيُجِيْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهٗ وَيُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ

اور جب اسے بلائے تو جواب دے اور جب اس سے ملے تو سلام کہے اور جب اسے چھینک آئے تو اس کی تشمیت کرے

وَيَنْصَحُ لَهٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ۔ لَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ

اور وہ اس کی خیر خواہی کرے غائب ہو یا حاضر ہو۔ میں نے اس حدیث کو صحیحین میں نہیں پایا

وَلَا فِیْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ النَّسَائِيِّ

اور نہ حمیدی کی کتاب میں البتہ صاحب الجامع نے اسے نسائی کی روایت سے ذکر کیا ہے۔

الفاظ کے معانی:

خِصَالٌ: جمع ہے خَصْلَةٌ کی، پختہ عادت۔ یہاں خصلت سے مراد بات، امر ہے۔

يَعُوْدُ: بیمار پرسی کرتا ہے۔ عَادَ اس نے بیمار پرسی کی۔

يَشْهَدُ: حاضر ہوتا ہے، شریک ہوتا ہے۔ شَهِدَ حاضر ہوا۔ مراد ہے جنازے میں شریک ہوتا ہے۔

Marfat.com

یُجِیۡبُ : وہ جواب دیتا ہے۔ اَجَابَ اس نے جواب دیا۔ دَعَا اس نے بلایا۔ اس نے دعوت دی۔ دَیُجِیۡبُہٗ اِذَا دَعَاہُ اور جب اسے پکارے تو جواب دے۔ اس کا ایک خاص مفہوم تو یہ ہے کہ جب مسلمان بھائی ضیافت پر بلائے تو انکار نہ کرے بلکہ قبول کر کے جائے لیکن اس مفہوم میں بہت وسعت ہے۔ اس سے عام مراد یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مسلمان نیک کام یا مدد کی طرف پکارے تو فوراً پہنچے۔

یُشَمِّتُ : اس کا ماضی شَمَّتَ، مصدر تَشۡمِیۡتُ، جس کا معنی ہے کہ آدمی چھینکے اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہے تو ساتھ والا اسے یَرۡحَمُکَ اللّٰہُ کہے۔

یَنۡصَحُ لَہٗ : اس کی خیر خواہی کرے۔ نصیحت کے معنی ہیں خیر خواہی۔

تشریح حدیث (۲)

اہلِ ایمان آپس میں اخوت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں، ایک مومن کے دوسرے مومنین پر بہت سے حقوق ہیں (جو دوسروں کے فرائض ہیں)، ان حقوق کی کما حقہٗ ادائیگی سے باہمی محبت و یگانگت اور خیر خواہی کی فضا بنتی ہے اور اگر ان حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی برتی جائے تو ایک دوسرے کے خلاف شکوک و شبہات رکھنے، نفرت، بیگانگی اور نفسا نفسی کا ماحول بن جاتا ہے جو معاشرے کے لیے تباہ کن ہے۔ اسلام نے حقوق العباد متعین کر کے ان کی ادائیگی کی تلقین کی گئی ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں مومن کے دوسرے مومنین پر چھ حقوق بیان کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بیمار پرسی، یہ سنّتِ کفایہ ہے۔ ۲۔ نمازِ جنازہ، یہ فرض کفایہ ہے۔ ۳۔ دعوتِ قبول کرنا یا پکار پر پہنچنا، یہ مستحب ہے۔ ۴۔ سلام کرنا، یہ سنّت ہے۔ ۵۔ تشمیت، یہ مستحب ہے۔ ۶۔ خیر خواہی کہیں واجب اور کہیں مستحب ہے۔

۱۔ <u>مریض کی عیادت</u> : آدمی جب تندرست ہوتا ہے تو اپنے یومیہ معمولات کے سلسلے میں بہت سے انسانوں سے ملتا جلتا رہتا ہے لیکن جب صاحبِ فراش ہو جاتا ہے تو اس کے تمام معمولات معطل ہو جاتے ہیں۔ نہ کسی سے میل جول اور نہ کوئی سرگرمی، تنہائی اور اوپر سے مرض کی تکلیف اور وسوسے۔ اگر دوست احباب اور عزیز رشتے دار وغیرہ اس کی عیادت کو آئیں تو اس سے اس کا احساسِ تنہائی دور ہو گا، اس کا دل بہلے گا۔ بیماری کا سامنا کرنے کا حوصلہ بڑھے گا۔ اسی لیے اس حدیثِ مبارکہ میں بیمار پرسی کو مومن کا دوسرے مومنین پر حق بتایا گیا ہے۔ یعنی دوسرے مومنین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیمار بھائی کی عیادت کریں۔

رسولِ اکرمؐ خود بھی صحابہؓ میں سے جو بیمار ہوتا اس کی عیادت فرمایا کرتے تھے اور دوسروں کو

Marfat.com

عیادت کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز پوچھے گا، اے فرزندِ آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہے گا، تو تو ربّ العالمین ہے (یعنی تو کبھی بیمار نہیں ہوتا)۔ میں تیری عیادت کیونکر کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تجھے یاد نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا.... (مسلم)

مریض کی عیادت کرنے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: جو شخص بھی شام کو کسی مریض کی عیادت کرتا ہے اس کے لیے ستر ہزار فرشتے صبح تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک نخلستان تیار ہو جاتا ہے اور جو صبح ایسا کرے اس کے لیے ستر ہزار فرشتے شام تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے ایک نخلستان مہیا ہو جاتا ہے (ابو داؤد، ترمذی)۔

مریض کی عیادت کرتے ہوئے اسے تسلی دینی چاہیے اور اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے: "جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے تسلی دے کر اس کا غم دور کرو۔ اس سے اس کے دل کو راحت ملتی ہے" (ترمذی) مریض کے لیے کسی طرح بھی پریشانی کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ اس کے پاس نہ تو زیادہ دیر بیٹھنا چاہیے اور نہ اونچی آواز میں بات کرنی چاہیے۔ مریض کے گھر والوں سے اپنی خاطر مدارات بھی نہیں کرانی چاہیے۔ یہ اخلاقی طور پر معیوب بات ہے۔ کیونکہ اس کے گھر والے ایک تو مریض کی دیکھ بھال کی تکلیف اٹھا رہے ہوتے ہیں اور اس کے علاج معالجے پر خرچہ برداشت کر رہے ہوتے ہیں اوپر سے ان پر عیادت کرنے والوں کی خاطر مدارات کی مشقت اور مالی بوجھ پڑ جائے تو یہ ان کے لیے تکلیف دہ ہو گا۔

مریض سے اپنے لیے دعا کرانا چاہیے کیونکہ اس کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے: "جب کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرو کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح (مقبول) ہوتی ہے" (قزوینی)۔

۲۔ <u>جنازے میں شرکت</u>: مسلمان کی نمازِ جنازہ اس کی بستی یا محلے کے تمام لوگوں پر فرضِ کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ یہ فریضہ ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ مرنے والے کے لیے نمازِ جنازہ یعنی اس کی مغفرت کی دعا کرنا اور اس کی میّت کی تجہیز و تکفین اور دفن اس کا لوگوں پر آخری حق ہے۔ اسلام نے انسان کی میّت کو بھی عزت و احترام کے ساتھ دفن کرنے کی تعلیم دی ہے۔ انسان خطا کار ہے اس سے غلطیاں اور کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کی وفات پر اہلِ محلہ یا بستی کے رہنے والے جمع ہو کر اس کے لیے استغفار کریں تو امید ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس

52670

Marfat.com

کے گناہ معاف کر دے گا۔ اس سے متوفیؒ اور اس کے پسماندگان کے ساتھ محبت کا بھی اظہار ہوتا ہے جس سے باہمی محبت بڑھتی ہے اور پسماندگان کا غم بھی ہلکا ہوتا ہے۔ جنازے میں شرکت کرنے والوں کو ثواب بھی ملتا ہے۔

متوفیؒ کے پسماندگان اور اس سے خصوصی تعلق رکھنے والے تو تدفین کے بعد ہی فارغ ہوتے ہیں لیکن راستے میں ملنے والے عام لوگ جنازے کو کندھا دے کر اور تھوڑا ساتھ چل کے جنازے کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: "جو شخص کسی کے جنازے کے ساتھ چلے اور تین بار کندھا دے دے تو اس نے جنازے کا حق ادا کر دیا" (ترمذی)۔

۳۔ <u>دعوت قبول کرنا</u>: دعوت سے مراد کھانے کی دعوت (ضیافت) بھی ہو سکتی ہے اور کسی کام میں مدد اور تعاون کی درخواست بھی ہو سکتی ہے۔ دعوت کسی بھی قسم کی ہو قبول کی جانی چاہیے، سوائے اس کے کہ کوئی شرعی یا معقول عذر ہو (مثلاً برائی اور گناہ میں تعاون کی دعوت ہو یا حالات اسے دعوت کو قبول کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوں)، ایسی صورت ہو تو وہ معذرت کر سکتا ہے۔ کھانے کی دعوت محبت کی وجہ سے دی جاتی ہے اور محبت کا جواب محبت سے ہی دیا جانا چاہیے۔ کھانے کی دعوت ٹھکرانے سے دعوت کرنے والے کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور اگر دعوت نیکی کے کام میں تعاون کرنے کی ہو تو اس کا بھی مثبت جواب دینا چاہیے۔ نیکی کے پھیلنے میں ہی سب کا بھلا ہے۔ اگر نیکی کے کام میں تعاون کی دعوت دینے والے کو مثبت جواب نہ ملے تو ظاہر ہے کہ وہ تنہا تو اس کام کو نہ کر سکے گا، وہ اسے چھوڑ دے گا، اس کی حوصلہ شکنی ہو گی، اور معاشرہ اس نیک کام اور اس نیک کام کے کرنے والے دونوں سے محروم ہو جائے گا کہ پھر شاید وہ کبھی ایسے کام کے کرنے کا بیڑا نہ اٹھائے۔ اگر وہ اپنی مدد کے لیے بلائے تو بھی اس کی پکار پر لبیک کہنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے معاشرے میں باہمی محبت اور تعاون کی فضا بنتی ہے جو اچھے اور مضبوط معاشرے کے قیام کے لیے انتہائی ضروری ہے، اگر ایسا نہ ہو تو نفسا نفسی کا عالم ہو گا جو معاشرے کے خاتمے کے مترادف ہے۔

۴۔ <u>سلام</u>: ملاقات ہونے پر سلام کرنا بھی ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق ہے۔ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے اس کے لیے زیادہ اجر و ثواب ہے۔ سلام صرف واقف کو نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو شخص بھی سامنے آئے اسے سلام کرنا چاہیے۔ یہ نیک تمنا کا اظہار اور دعا ہے۔ اس سے انس و محبت پیدا ہوتے ہیں، بیگانگی، کدورت اور تکبر ختم ہوتے ہیں۔ (سلام کے احکام و آداب اور فوائد و ثمرات کے لیے دیکھیے شروع میں باب کا خلاصہ)۔

۵۔ تشمیت: تشمیت سے مراد یہ ہے کہ چھینکنے والا شخص اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو پاس بیٹھا ہوا شخص یَرْحَمُکَ اللّٰہُ (= اللہ تم پر رحم کرے)۔ عام طور پر انسان کو چھینک اس وقت آتی

Marfat.com

ہے جب اس کے جسم میں تھوڑی سی غیر معمولی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے اور وہ غیر معمولی صورت یہ ہے کہ ناک کے اندرونی حصے میں رطوبت اٹک جاتی ہے۔ اسے دور کرنے کے لیے ہوا کا زوردار جھٹکا لگتا ہے جسے چھینک کہتے ہیں۔ اس سے رکاوٹ دور ہو جاتی ہے، ناک کے آس پاس کے خانوں سے فاضل رطوبت ناک کے راستے بہنا شروع ہو جاتی ہے اور طبیعت کو فرحت ملتی ہے اور جسم کی صورتِ حال معمول پر آجاتی ہے۔ گویا صحت ہو جاتی ہے۔ اس پر چھینک لینے والے کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے (یعنی اللہ کا شکر ادا کرنے) کی تعلیم دی گئی ہے اور پاس بیٹھے ہوئے شخص کو اس کے لیے اللہ کی رحمت کی دعا کرنے یَرْحَمُكَ اللّٰہ کہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تشمیت ایک نیک دعا ہے اپنے بھائی کے لیے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ محبت، خلوص اور خیر خواہی کا اظہار ہے اور یہ ایک مومن کا اپنے مومن بھائی پر حق ہے۔

۶۔ **خیر خواہی**: اس حدیث مبارکہ میں ایک مومن کے دوسرے مومن پر جو حقوق بیان کیے گئے ہیں ان میں سے چھٹا اور آخری حق خیر خواہی ہے اور یہ ایک ایسا جامع حق ہے کہ تمام اچھی باتیں، تمام نیک تمنائیں، تمام حقوق اس کے تحت آجاتے ہیں۔ دین اسلام تو ہے ہی انسان کی خیر خواہی۔ ارشادِ نبوی ہے: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، یعنی دین تو خیر خواہی ہے۔ جو شخص دین اسلام کا پیروکار ہے وہ ہر انسان کا بھلا چاہتا ہے۔ مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائی کا دوسرے بھائی پر حق ہے کہ وہ اس کی خیر خواہی کرے۔ وہ جس طرح اپنے لیے بھلا چاہتا ہے، خیر خواہی کی جستجو کرتا ہے اسی طرح اپنے ہر مومن بھائی کے لیے بھی بھلا چاہے اور خیر کی جستجو کرے۔ رسول کریمؐ کا ارشاد ہے: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ، یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

دوسرے کی خیر خواہی کرنے سے انسان کا جاتا کیا ہے؟ اپنا نقصان کیے بغیر دوسرے کا بھلا چاہنے سے اس کی جیب سے کیا جاتا ہے؟ اور بدخواہی کرنے سے کیا مل جاتا ہے۔ نفع و نقصان تو اپنی قسمت سے ملتے ہیں، اللہ کے قبضے میں ہے نفع اور نقصان بھی۔ دوسرے کے لیے نفع کی، بھلے کی خواہش کرنا خلوص و محبت کا اظہار ہے، یہ عالی ظرفی کا مظاہرہ ہے، ایسا کرنے والے کو سکون و راحت ملتے ہیں اور باہمی محبت بڑھتی ہے۔ اس میں سب کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کاش کہ سب لوگ اس پر عمل کر سکتے۔

Marfat.com

حدیث (۳)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

اور ان (یعنی حضرت ابوہریرہؓ) ہی سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جنت میں داخل نہ ہو گے

حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ

جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور جب تک تم آپس میں محبت نہ رکھو ایمان والے نہ ہو گے تو کیا میں تمہیں اس بات کا پتہ نہ دوں

اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کہ جب تم اسے کرو تو تمہیں ایک دوسرے سے محبت ہو جائے اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔ اسے مسلم نے روایت کیا

الفاظ کے معانی:

تَحَابُّوْا: اصل میں تَتَحَابُّوْنَ تھا، حَتّٰی کی وجہ سے آخر سے نون گرا دیا اور سہولت کے لیے شروع سے ایک تاء حذف کر دی کہ تم باہم محبت کرو۔ تَحَابَبْتُمْ تم نے آپس میں محبت کی۔

لَا اَدُلُّ: میں راہنمائی نہ کروں، نشاندہی نہ کروں۔ دَلَّ اس نے راہنمائی کی۔ يَدُلُّ وہ راہنمائی کرتا ہے۔

اَفْشُوْا: تم عام کرو۔ اَفْشٰى اس نے عام کیا۔ تُفْشِيْ تو عام کرتا ہے۔ اَفْشِ تو عام کر۔

تشریح حدیث (۳)

رَحْمَةٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسی باتوں کی تعلیم دی جن سے مسلمانوں میں آپس میں محبت و یگانگت پیدا ہو۔ مسلمانوں میں آپس میں خلوص و محبت ہو تو وہ ایک متحد اور طاقتور قوم بن جائیں گے اور پھر وہ دنیا میں عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکتے ہیں اور وہ ایسے معاشرے کو قائم کر سکیں گے جس کا ہر فرد پُرسکون، پُرامن اور خوشحال زندگی بسر کر سکے گا۔ اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرمؐ نے جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان کو لازم قرار دیا اور ایمان کے لیے باہمی محبت کو۔ پھر باہم محبت کے لیے ایک نسخہ تجویز فرمایا اور وہ ہے سلام کو عام کرنا۔

سلام ایک ایسی جامع دعا اور تمنا ہے کہ اس میں انسان کی جسمانی و روحانی صحت و عافیت سے لے کر ہر نعمت کا حصول اور ہر قسم کے شر، مضرت، عیب اور نقص سے سلامتی اور بچاؤ شامل ہے۔ جب معاشرے کے تمام افراد ایک دوسرے کے لیے صدقِ دل سے ایسی دعا اور تمنا کا اظہار کریں تو فی الواقع ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہوں گے، پھر وہ معاشرہ امن و سکون اور خوشیوں اور مسرتوں کا گہوارہ بن جائے گا۔ جرائم اور برائیاں اور مظالم

Marfat.com

ناپید ہوں گے، کیونکہ یہ سب چیزیں تو خود غرضی، حسد، بغض، کینہ نفرت وکدورت اور تکبر جیسے رذائل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ سلام سچے دل کے ساتھ کیا جائے، منافقوں کی طرح نہیں، اور نہ ہی محض رسم کے طور پر۔

حدیث (۴)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان (یعنی حضرت ابوہریرہؓ) ہی سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ

سوار پیادہ پر سلام ڈالے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے پر

وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور قلیل (گروہ) کثیر (گروہ) پر متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

يُسَلِّمُ: سلام کرے۔ سَلَّمَ اس نے سلام کیا۔

الرَّاكِبُ: سوار۔ سواری کرنے والا۔ الْمَاشِيْ: پیدل۔ چلنے والا۔ الْقَاعِدُ: بیٹھنے والا۔

حدیث (۵)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان (یعنی حضرت ابوہریرہؓ) ہی سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ

چھوٹا بڑے پر سلام ڈالے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے پر

وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور قلیل (گروہ) کثیر (گروہ) پر۔ اس کی روایت بخاری نے کی

Marfat.com

حدیث (۶)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور انسؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَرَّ عَلٰی غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَیْہِمْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

کچھ لڑکوں کے پاس سے گزرے اور ان پر سلام فرمایا۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

مَرَّ: گزرا۔ یَمُرُّ، گزرتا ہے۔ اَلْمَارُّ گزرنے والا۔

غِلْمَانٍ: جمع ہے غُلَامٌ کی۔ لڑکے۔

تشریح حدیث (۴) (۵) (۶)

سلام میں پہل کون کرے؟ حدیث نمبر ۴ اور ۵ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے آداب بیان فرمائے ہیں یعنی یہ بتایا ہے کہ سلام میں پہل کون کرے۔ آپؐ کے ارشادات کی رُو سے:

۱۔ سوار پیدل کو سلام کرے (یعنی سلام کرنے میں پہل کرے)۔

۲۔ چلنے والا یا رہ گزر بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

۳۔ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

۴۔ جو تعداد میں کم ہوں وہ کثیر تعداد والوں کو سلام کریں۔

سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے۔ مندرجہ بالا احادیث مبارکہ میں مذکورہ آداب کو ملحوظ رکھنا مستحب ہے اگر کوئی ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو فضیلت اسی کو حاصل ہوگی، جیسا کہ حدیث نمبر ۶ سے ظاہر ہے کہ رسول اکرمؐ نے بچوں کو سلام کیا۔ نیز جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیت سے ظاہر ہے:

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ، یعنی اگر آپؐ کے پاس ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے آئیں تو آپؐ ان سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فرمائیں۔ (الانعام، ۶: ۵۴)۔ اس آیت کریمہ میں حضور نبی اکرمؐ سے خطاب ہے کہ آپؐ آنے والے اہل ایمان کو سلام فرمائیں۔

سلام کے آداب کی حکمت: سلام کے ان آداب کی حکمت یہ ہے کہ غرور و تکبر کا خاتمہ کیا جائے۔ جس حیثیت میں انسان کے تکبر میں مبتلا ہونے کا امکان ہو سکتا ہے اسے سلام میں پہل کرنے

Marfat.com

کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ سلام میں پہل کرنے سے غرور کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے:
اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیٌٔ مِنَ الْکِبْرِ۔ یعنی سلام میں پہل کرنا عجز و انکسار کو ظاہر کرتا ہے۔
سوار پیدل سے بہتر پوزیشن میں ہوتا ہے۔ اگر سوار یا چلنے والا یہ امید رکھے کہ پیدل یا بیٹھا ہوا شخص اسے پہلے سلام کرے تو یہ تکبر ہے۔ اسی طرح عمر میں چھوٹا بڑے سے یا قلیل تعداد والا گروہ کثیر تعداد والے گروہ سے سلام میں ابتدا کی توقع کرے تو تکبر ہو گا۔ عمر میں بڑے اور کثیر التعداد جماعت کا حق فائق ہے۔

بچوں کو سلام کرنا: حدیث نمبر ۵ میں بتایا گیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے گذرتے ہوئے بچوں کو سلام کیا۔ بچوں کو اگر بڑا سلام کرنے میں پہل کرے تو اس سے ایک تو اس میں حد درجہ عجز و انکسار پیدا ہو گا دوسرے بچوں کو سلام کرنے کی تربیت ملے گی کہ بچوں کو تربیت دینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان کے سامنے عملی نمونہ پیش کیا جائے۔ اس سے بچوں کے ساتھ بے حد شفقت اور پیار کا اظہار بھی ہوتا ہے۔
تاہم سلام کے آداب کی رو سے ہمیشہ چھوٹے کو ہی سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حدیث (۷)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِذَا سَلَّمَ عَلَیْکُمْ اَھْلُ الْکِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَیْکُمْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

جب تم پر اہلِ کتاب سلام ڈالیں تو کہو، اور تم پر بھی۔ متفق علیہ ہے

تشریح حدیث (۷)

مدینہ منورہ کے یہودی وہاں بہت رعب داب رکھتے تھے اور مغرور و متکبر تھے۔ راہ چلتے مسلمانوں پر پھبتیاں کستے، طنز کرتے، ان کا راستہ تنگ کر دیتے، مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ منافقانہ اور معاندانہ تھا۔ دلوں میں ان کے خلاف بغض و کینہ رکھتے تھے۔ وہ سلام کرتے وقت بھی شرارت سے کام لیتے۔ ایک دفعہ یہودیوں کا ایک گروہ رسولِ اکرمؐ کے پاس آیا تو انہوں نے السلام علیکم کے بجائے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ (= تم پر موت ہو، تمہیں موت آئے) کہا۔ وہ اَلسَّامُ کا لفظ دبی زبان سے اس طرح کہتے تھے کہ واضح طور پر سنائی نہ دے اور کہہ بھی دیں۔ اُن کی اِن شرارتوں کے پیشِ نظر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم فرمائی کہ ان کے جواب میں وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کے بجائے صرف وَعَلَیْکُمْ (= اور تم پر) کہہ دیا کرو۔ اگر یہود

Marfat.com

نے السَّامُ عَلَيْكُمْ (= تم پر موت آئے) کہا تو وَعَلَيْكُمْ کہنے کا مطلب ہو گا کہ تم پر بھی موت آئے۔ اور اگر انہوں نے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا ہو تو وَعَلَيْكُمْ کہنے سے مراد ہو گی اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس طرح یہ جواب ہر لحاظ سے درست ہے اور محض جواب ہے، اس میں پہل کر کے کچھ نہیں کہا گیا۔ یوں ان کی شرارت کا جواب بھی ہو جائے گا اور اگر انہوں نے فی الواقع صحیح سلام کیا ہو تو یہ اس کا صحیح جواب ٹھہرے گا۔

حدیث ⑧

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ أَخْلَاطٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ

ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں ملے جلے لوگ تھے مسلمانوں سے اور مشرکین

عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

بت پرست اور یہود سے تو آپ نے اُن پر سلام فرمایا متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی :

أَخْلَاطٌ : جمع ہے خِلْطٌ کی۔ خلط کے معنی ہیں دوسری چیز میں ملا ہوا۔
عَبَدَةٌ : جمع ہے عَابِدٌ (پرستش کرنے والا۔ پجاری) کی۔
أَوْثَان : جمع ہے وَثَنٌ (بُت) کی۔

تشریح حدیث ⑧

یہودیوں کی سازشوں، شرارتوں اور کینہ پروری کے پیش نظر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرما دی تھی کہ وہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں، تا کہ ان کا غرور و نخوت ٹوٹے۔ اگر انہیں سلام میں ابتدا کرنے کو روا رکھا جاتا تو اس سے ان کے غرور و تکبر میں اضافہ ہوتا۔ ان کے سلام کا جواب دینے کی اجازت تھی اور وہ بھی صرف وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی) کے الفاظ سے۔
حدیث نمبر ۸ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مخلوط مجلس ہو یعنی اس میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین بت پرست اور یہودی بھی بیٹھے ہوں تو اہل مجلس کو سلام کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

بَابُ الْاِسْتِیْذَانِ

معنی و مفہوم : اِذن کے معنی ہیں : (۱) علم ۔ (۲) اجازت ۔ (۳) حکم ۔ اِسْتِیْذان اس سے باب استفعال کا مصدر ہے ، معنی ہے : علم کی جستجو کرنا ، اجازت طلب کرنا ۔ شرع میں استیذان سے مراد یہ ہے کہ اپنے یا پرائے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے آدمی معلوم کر لے کہ اندر کون ہے اور پھر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرے ۔

اسلام میں استیذان کی اہمیت

اسلام سے قبل عرب میں پردے کا رواج نہ تھا ۔ دروازوں کے پٹ تک نہ ہوتے تھے اور نہ ان پر پردے لٹکائے جاتے تھے ۔ دروازے پر کوئی کھڑا ہوتا تو سب اہل خانہ نظر کے سامنے ہوتے تھے ۔ تہذیب اور شائستگی کا فقدان تھا ۔ رشتہ دار اور دوست آشنا بے تکلف گھر میں چلے آتے اور کوئی برا نہ مانتا تھا ۔

اسلام آیا تو پردے کا حکم نازل ہوا ۔ گھر کی حرمت اور باپردگی کی بھی تلقین ہوئی ۔ اس بات سے روک دیا گیا کہ کوئی آدمی بغیر اذن و اجازت کے گھر میں قدم رکھے ۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ط (۲۴ : ۲۷)

ترجمہ : اے ایمان والو ! سوائے اپنے گھروں کے (اور) گھروں میں داخل نہ ہو حتّٰی کہ ان کے مکینوں (کی موجودگی) معلوم کر لو اور ان پر سلام ڈالو ۔

اپنے گھروں کے بارے میں تنبیہ ہوئی کہ دروازے میں بے محابا قدم مت رکھو ۔ گھر میں عورتیں ہوں تو اور بھی احتیاط کرو ۔ پہلے اذن طلب کرو ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی عورت بغیر اوڑھنی یا موزوں ستر کے بیٹھی ہو اور تمہاری نگاہ اس پر جا پڑے ۔ ایک صحابی اجازت حاصل کیے بغیر کاشانۂ نبوت میں جا حاضر ہوئے ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا ، واپس جاؤ اور کہو " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ " ، کیا میں آ سکتا ہوں ؟ (خازن ، سورۃ نور)

معاشرہ کی بنا چونکہ گھر کی بنیاد پر ہے اس لیے گھریلو زندگی کی حرمت اور نگہبانی پورے معاشرہ کو سالمیت عطا کرتی ہے ۔ اسلام نے خانگی حرمت کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ حکومت کے کسی کارندے کو بھی عام حالات میں کسی کے گھر میں بغیر آگاہ کیے داخل ہونے کی اجازت نہیں ۔

Marfat.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

رَسُوْلُ الرَّجُلِ اِلَی الرَّجُلِ اِذْنُہٗ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: دو آدمیوں کے درمیان اذن قاصد کا کام کرتا ہے۔

جو شخص دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت نظر ڈالتا ہے وہ گویا اس کی عزت و آبرو کے حصار میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَنْ سَبَقَتْ عَیْنُہٗ اِسْتِئْذَانَہٗ فَقَدْ اَدْمَرَ (تفسیر نیشا پوری)

ترجمہ: جس کی آنکھ نے استئذان سے پہل کی تو اس نے ہلاکت کا سامان کیا۔

اس موضوع پر چند مزید احادیث درج ذیل ہیں:

اگر کسی شخص نے بغیر اذن کے تیرے گھر جھانکا اور تو نے کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو تیرے لیے کوئی مضائقہ نہیں۔ (مسلم باب الاستئذان)

اگر کسی شخص نے اذن ملنے سے پہلے دروازے کا پردہ ہٹا کر کسی کے گھر کی کوئی پوشیدنی بات دیکھی تو اس نے اس حد کو چھوا جس حد تک پہنچنا نہیں چاہیے تھا۔ اگر نظر ڈالتے گھر کے آدمی نے سامنے آکر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو میں حمایت نہیں کروں گا۔ اور اگر کوئی شخص کسی کے کھلے دروازے کے پاس سے گزرا اور اس کی نظر (اچانک) پڑ گئی تو اس کی کوئی خطا نہیں۔ خطا گھر والوں کی ہے۔ (ترمذی ابواب الاستئذان)

اس حدیث میں یہ تلقین بھی ہے کہ دروازوں پر پردے ڈالو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن گھر میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے اندر جھانکا۔ آپؐ تیر کی انی لے کر اس کی طرف تیزی سے بڑھے گویا اسے زخمی کر دیں گے۔ وہ شخص پیچھے ہٹ گیا۔ (ترمذی، مسلم)

ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے کمرہ میں تھے کہ ایک شخص نے اندر نظر ڈالی۔ آپؐ کے ہاتھ میں سلائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو اس سلائی سے تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا۔ استئذان کا حکم نگاہ ہی کے لیے ہے۔ (مسلم، بخاری۔ الفاظ ترمذی کے ہیں)

استئذان کا حکم ارکان خانہ کے لیے بھی ہے۔ قرآن حکیم نے تین اوقات ایسے بتائے ہیں جن میں نابالغ بچوں کو بھی گھر میں قدم رکھنے سے پہلے اذن طلب کرنا ہے۔ یہ تین وقت وہ ہیں جب کہ آدمی عموماً پورے شرعی ستر میں نہیں ہوتے یعنی عشاء کے بعد، فجر سے پہلے اور دوپہر کو گرمی کے وقت۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت انسؓ سے ارشاد فرمایا، بیٹا! جب گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کہو۔ یہ تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے برکت کا موجب ہوگا۔

(ترمذی ابواب الاستئذان)

Marfat.com

ایک صحابیؓ کے سوال پر حضورؐ نے انہیں فرمان دیا کہ گھر میں والدہ کے سوا کوئی فرد بھی نہ ہو تو جب بھی اذن مانگنا چاہیے۔ اس کو اس بات پر حیرت ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، کیا تُو اسے بے ستر دیکھنا چاہتا ہے؟ آپ کی مراد یہ تھی کہ عین ممکن ہے کہ سائل کی والدہ کسی وقت پورے ستر سے نہ بیٹھی ہو۔ ایسے میں اس کا اچانک گھر جا پہنچنا درست نہ ہو گا۔

آدابِ استئذان

۱۔ کسی کے گھر جانا ہو تو پہلے معلوم کر لو کہ آیا گھر میں کوئی ہے۔ اگر ہو تو دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کہو اور اذن طلب کرو۔ اگر جواب نہ آئے تو واپس چلے جاؤ۔

۲۔ استئذان کے الفاظ یہ ہیں:

السلام علیکم! کیا میں آ سکتا ہوں؟

بنو عامر کا ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہونے کے لیے آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر اُجڈ الفاظ میں اجازت چاہی۔ آپؐ نے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اسے استئذان کا طریقہ سکھلاؤ۔ اسے بتاؤ کہ کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ! کیا میں آ سکتا ہوں؟ عامری نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیا اور عرض کیا: السلام علیکم! کیا میں آ سکتا ہوں؟ آپؐ نے اسے اِذن فرمایا۔ (تفسیر خازن)

۳۔ استئذان تین بار ہوتا ہے۔ اگر جواب نہ آئے یا اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔

۴۔ اِذن طلب کرتے وقت دروازے کے سامنے کھڑا ہونا منع ہے۔ ہو سکتا ہے۔ نگاہ اندر چلی جائے اور گھر کی بے پردگی ہو۔ اس لیے دروازے کے دائیں یا بائیں پہلو کھڑے ہونا چاہیے۔

۵۔ استئذان کے جواب میں اگر گھر والے پوچھیں، کون ہے؟ تو اپنا معروف نام یا کنیت وغیرہ بتاؤ۔ صرف "میں ہوں" مت کہو۔

۶۔ اہلِ خانہ کہیں تو لوٹ جاؤ مُصر ہو کر ان کے لیے ملال اور بدمزگی پیدا نہ کرو۔

ثمرات

استئذان سے دوسروں کی آبرو اور شرم و حیا کی پاسداری کا جذبہ قوت پکڑتا ہے جسے دوسروں کی عزت و حرمت کا دھیان ہو گا وہ اپنی پاک دامنی کی بھی فکر رکھے گا لہٰذا استئذان آبرو اور حیا کے تحفظ کے لیے از بس ضروری ہے۔ سورۂ نور میں آیاتِ استئذان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اخلاقی بصیرت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

Marfat.com

حدیث ⑨

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰی قَالَ اِنَّ عُمَرَ

ابو سعید خدری سے روایت ہے انہوں نے کہا، ہمارے پاس ابوموسیٰ آئے (اور) کہا کہ عمرؓ نے

اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهٗ فَاَتَیْتُ بَابَهٗ فَسَلَّمْتُ ثَلٰثًا فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ

مجھے کہلا بھیجا کہ میں اس کے پاس آؤں تو میں اس کے دروازے پر آیا اور تین بار سلام کہا تو مجھے جواب نہ ملا

فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاْتِیَنَا فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَیْتُ

پس میں پلٹ آیا تو اس نے کہا تجھے کس چیز نے روکا کہ ہمارے پاس آئے؟ تو میں نے کہا کہ میں تو آیا تھا

فَسَلَّمْتُ عَلٰی بَابِكَ ثَلٰثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَیَّ فَرَجَعْتُ

اور آپ کے دروازے پر تین بار سلام کہا اور آپ لوگوں نے مجھے جواب نہ دیا تو میں واپس چلا گیا

فَقَدْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلٰثًا

(کیونکہ) مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (کہ) جب تم میں سے کوئی بار اذن طلب کرے

فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ اَقِمْ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةَ

اور اسے اذن نہ دیا جائے تو وہ پلٹ جائے تو عمر نے کہا، اس پر ثبوت قائم کرو

قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰی عُمَرَ فَشَهِدْتُّ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

ابوسعید نے کہا، میں اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور عمر کے پاس گیا اور میں نے گواہی دی۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

اَرْسَلَ : بھیجا۔ روانہ کیا۔ پیغام بھیجا۔ کسی آدمی کو بھیجا۔

اَتٰی : آیا۔ اٰتِیْ میں آتا ہوں۔ اَنْ اٰتِیَ کہ میں آؤں۔

رَدَّ : پھیرا۔ لوٹایا۔ جواب دیا۔ یَرُدُّ جواب دیتا ہے۔ یُرَدُّ جواب دیا جاتا ہے۔ لَمْ یَرُدَّ

Marfat.com

جواب نہ دیا گیا۔ جواب نہ ملا۔ لَمْ تَرُدُّوْا تم نے جواب نہ دیا۔
اَذِنَ : اذن دیا۔ یُؤْذَنُ اذن دیا جاتا ہے۔ لَمْ یُؤْذَنْ اذن نہ دیا گیا۔
یَرْجِعُ : پلٹتا ہے۔ لِیَرْجِعْ اسے چاہیے کہ واپس چلا جائے۔
اَقَامَ : قائم کیا۔ اَقِمْ قائم کر۔
اَلْبَیِّنَۃُ : ثبوت۔ واضح دلیل۔

تشریح حدیث (۹)

پوری روایت بقول حضرت ابوسعیدؓ یہ ہے کہ میں ایک بار انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ ابوموسیٰ اشعری تشریف لائے۔ وہ کچھ گھبرائے ہوئے تھے۔ بولے، میں نے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہونے کی تین بار اجازت مانگی۔ وہ خاموش رہے اور میں واپس چلا آیا۔ حضرت عمرؓ نے مجھے فوراً بلا بھیجا اور پوچھا، تم کیوں نہ آئے؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے تین بار اجازت مانگی تھی لیکن اذن نہ ملا تو واپس چلا گیا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی تین بار اذن طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ حضرت عمرؓ بولے، اللہ کی قسم! تمہیں اس پر شہادت لانا ہوگی۔ کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے یہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ اُبَیّ بن کعب نے فرمایا، وَاللہ ہم میں سے سب سے چھوٹا آدمی تمہارے ہمراہ جائے گا۔ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ چل دیا اور حضرت عمرؓ کے سامنے حدیث بیان کی (خازن دبغوی، سورہ نور) اس حدیث سے استیذان کے بارے میں دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ تین بار اجازت طلب کرنا: کسی کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت طلب کرنی چاہیے، اجازت تین بار مانگنی چاہیے۔ اجازت مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان میں 'کیا میں اندر آسکتا ہوں' کے مفہوم کا جملہ بولنے کے ساتھ ساتھ السلام علیکم بھی کہنا چاہیے۔

۲۔ اجازت نہ ملنے پر لوٹ جانا: تین دفعہ اجازت طلب کرنے پر اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیے۔ یعنی اس کے بعد مزید انتظار کرنا اور اجازت طلب کیے جانا اپنا وقت ضائع کرنے اور گھر والوں کو تنگ کرنے کے مترادف ہے۔ کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے یہ آداب ہیں جو رسول کریمؐ نے ہمیں سکھائے ہیں، عام صورتوں میں ان پر عمل کرنا بے حد مفید ہے۔ البتہ استثنائی صورتیں بھی ہوتی ہیں، مثلاً اجازت طلب کرنے والے کو یقین ہو کہ گھر والے گھر میں ہی ہیں اور اس کی آواز سن نہیں پائے۔ یا سوئے ہوئے ہیں اور اسے پہلے سے اجازت ہے جاکر ملاقات کرنے کی، یا اسے کوئی اور وسوسہ ہو جائے (یعنی کسی حادثاتی صورت کا گمان ہو جائے)، وغیرہ۔ ایسی کسی استثنائی صورت

Marfat.com

ہیں، ظاہر بات ہے کہ اجازت طلب کرنے والے کی صوابدید پر ہوگا، جیسا وہ مناسب خیال کرے اسے کر لینا چاہیے۔ احکام و آداب معمول کی صورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حدیث کے بارے میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بیشتر وقت حضورؐ کی خدمت میں گذارا تھا اس لیے کم احادیث ہوں گی جو انہوں نے نہ سن رکھی ہوں۔ پس جب ان کے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کی جاتی جو انہوں نے نبی کریمؐ سے نہ سُنی ہو تو وہ اس پر شہادت طلب فرماتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حدیث کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے اور ہم تک احادیث کا جو ذخیرہ پہنچا ہے وہ حد سے زیادہ احتیاطوں کی چھلنی سے گزر کر پہنچا ہے۔ لہٰذا ان کی صحت سے انکار کرنا حقیقت سے انکار کرنا ہے۔

حدیث (۱۰)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَيْنٍ

اور جابر سے روایت ہے انہوں نے کہا، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قرضہ کے بارے میں حاضر ہوا

كَانَ عَلٰى اَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ اَنَا

جو میرے باپ پر تھا میں نے دروازے پر دستک دی تو آپؐ نے فرمایا، کون ہے؟ میں نے کہا، میں

فَقَالَ اَنَا اَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

تو فرمایا، میں۔ میں۔ گویا آپؐ نے اسے ناپسند فرمایا۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

دَقَّ : کوٹنا۔ کھٹکھٹایا۔ دَقَقْتُ میں نے کھٹکھٹایا۔ دستک دی۔

تشریح حدیث (۱۰)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ اجازت طلب کرنے والے سے اگر گھر والا پوچھے کہ کون ہے تو اسے جواب میں اپنا نام بتانا چاہیے تاکہ گھر والا اسے پہچان سکے، پھر اس کی مرضی اجازت دے یا نہ دے۔ جواب میں میں نہیں کہنا چاہیے، اس سے صحیح شناخت نہیں ہوتی، کیونکہ ضروری نہیں کہ

Marfat.com

گھر والا محض آواز سن کر شناخت کر سکے۔

۲۔ گھر والے کو حق ہے کہ دروازہ کھولنے سے پہلے اجازت طلب کرنے والے کی شناخت کے لیے اس سے نام وغیرہ پوچھے۔

۳۔ عمر اور مرتبے میں بڑا شخص نامعقول جواب پر اس جواب کو دہرا کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر سکتا ہے۔

Marfat.com

بَابُ الْمُصَافَحَةِ وَالْمُعَانَقَةِ

معنی و مفہوم

مُصَافَحَہ : یہ لفظ صَفْحٌ یا صُفْحٌ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں : تلوار کی چپٹی سطح . . . .
صَفْحُ الْکَفِّ ہتھیلی کو کہتے ہیں ۔ مُصَافحہ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے اس طرح ہاتھ ملانا کہ ایک کی ہتھیلیاں دوسرے کی ہتھیلیوں سے مل جائیں ۔

مُعَانَقَہ : یہ لفظ عُنُقٌ (= گردن) سے نکلا ہے ۔ مُعانقہ کے لغوی معنی ہیں آپس میں گردن ملانا۔ عرف عام میں معانقہ سے مراد ہے آپس میں گردن اور سینہ ملانا یعنی گلے ملنا ، بغلگیر ہونا۔

مصافحہ و معانقہ کی اہمیت

باہمی قُرب انسان و حیوان میں محبت و الفت کا ایک ہمہ گیر مظہر ہے ۔ ماں بچے کو جوش محبت میں سینے سے چمٹا لیتی ہے ۔ جانوروں کی دنیا میں مائیں بچوں کو فرطِ محبت سے چاٹنے لگتی ہیں بلکہ انسان کی دنیا میں بھی بعض قبائل ایسے ہیں جہاں مائیں بچوں کو چاٹ کر اظہارِ محبت کرتی ہیں ۔ بعض قبیلوں میں یہ رواج ہے کہ مائیں بچے کی ناک سے ناک رگڑتی ہیں ۔ بعض ملکوں میں لڑکے اور لڑکیاں درکنار بوڑھے اور بوڑھیاں بھی باہوں میں باہیں ڈالے مستِ خرام نظر آتے ہیں بلکہ سرِ راہ ایک دوسرے کو بے تکلف چوم لیتے ہیں ۔ اگر اس قسم کے بدنی ملاپ کی رخصت دے دی جائے تو نوبت فوراً جنسی بے تکلفی تک پہنچ جاتی ہے ۔ لہٰذا اسلام نے باہمی قُرب کی جائز اور شفقت آمیز صورتوں کی تو اجازت دی لیکن شہوت انگیز مظاہر کی ممانعت کر دی ہے ۔ ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

قُبْلَةُ الْمُسْلِمِ اَخَاهُ الْمُصَافَحَةُ (احیاء العلوم ۔ حقوق المسلم)

ترجمہ : مسلمان کا اپنے بھائی کو چومنا یہ ہے کہ اس سے مصافحہ کرے ۔

اسلام نے عام ملاقاتوں میں ہاتھ ملانے کو مستحب بلکہ سنّت قرار دیا ۔ لیکن عورت سے مرد کا مصافحہ ممنوع ٹھہرایا ۔ معانقہ کی اجازت صرف اس صورت میں دی کہ کوئی آدمی مسافرت میں ہو یا اس کا والہانہ انتظار ہو اور وہ آئے تو شوق کی بے قراری خود بخود معانقہ تک لے جائے ۔ ایسے میں ماتھا چُوم لینے کی بھی اجازت ہے ۔ مرد اور عورت کا معانقہ بہرحال حرام ہے ۔ البتہ باپ اپنی بیٹی کو پیشانی پر بوسہ دے سکتا ہے ۔ بیٹی کم سِن ہو تو گال چُومنے کی بھی اجازت ہے ۔

معصوم بچے نہ صرف خود سراپا عصمت ہوتے ہیں بلکہ دوسروں میں بھی اپنی بھولی بھالی اور تقدس

Marfat.com

پرورصورت سے عصمت کا جذبہ ابھارتے ہیں۔ ان سے جب بھی پیار ہوگا اس میں پاکیزگی ہی ہوگی۔
ان کو پرورش کے لیے ماں کے دودھ کے ساتھ پیار کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پیار ان کو فرحت اور شگفتگی عطا کرتا ہے اور اس سے ان کی ذہنی اور بدنی نشوونما کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ جو بدقسمت بچے ماں کی گود سے محروم ہوتے ہیں ان کی پرورش میں خلا رہ جاتا ہے۔ وہ یتیم اور غریب بچے جن کو خاندان یا محلّہ کے لوگوں سے پیار کے بجائے بے التفاتی ملتی ہے۔ ان کے اعصاب میں ہمیشہ کے لیے تناؤ رہتا ہے اور معاشرہ میں کامیاب زندگی گزارنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یتیم بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا بڑا ثواب ہے۔ یتیم بچوں کو بھلا کون چومتا ہے۔ اس لیے اس کا نعم البدل انہیں اس صورت میں مل سکتا ہے کہ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا جائے۔ اس سے بچے کو جو ایک گونہ تسکین حاصل ہوتی ہے اُس کو اسی کا دل جانتا ہے۔

بچے کو اگر محبت کی آبِ حیات نہ ملے تو شیرِ مادر کے باوجود اس کے اعصاب تشنہ رہ جاتے ہیں۔ جو تشنگی بچپن میں رہ جاتی ہے وہ ساری عمر بجھائے نہیں بجھتی۔ جو لوگ بچوں کو پیار سے محروم رکھتے ہیں وہ ان پر ظلم کے پہاڑ گراتے ہیں۔ ایک صحرا نشین رئیس کو اپنے بچوں سے پیار کرنے میں عار تھا اس سے جنابِ رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: جسے ترس نہیں آتا اس پر ترس نہیں ہوتا۔

بزرگانِ دین اور علمائے کرام کے ہاتھ کو تعلیم اور دینی سعادت کی نسبت سے بوسہ دینا جائز ہے۔
بوسہ کی چھ قسمیں ہیں:

۱۔ بوسۂ رحمت۔ مثلاً معصوم بچے کو چومنا۔
۲۔ بوسۂ شفقت۔ مثلاً اولاد کا والدین کے ہاتھ چومنا۔
۳۔ بوسۂ محبت۔ مثلاً بھائی کا بھائی کی پیشانی پر بوسہ دینا۔
۴۔ بوسۂ تحیت۔ مثلاً بوقتِ ملاقات کسی بزرگ ہستی کا ہاتھ چومنا۔
۵۔ بوسۂ شہوت۔ میاں بیوی کا بوسہ۔
۶۔ بوسۂ دیانت۔ مثلاً حجرِ اسود یا قرآن کا چومنا۔

آداب و مسائل

۱۔ مصافحہ سنت ہے۔
۲۔ ہاتھ ملانے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا جاتا ہے۔ غور سے دیکھیں تو مصافحہ تحیت ہی کا تکمیلی جزو ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلامُ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

تَمَامُ التَّحِيَّۃِ الْاَخْذُ بِالْیَدِ

ترجمہ: تحیت کی تکمیل ہاتھ ملانے میں ہے۔

۳۔ ہتھیلی سے ہتھیلی ملائی جائے۔ صرف انگلیاں ملانا درست نہیں۔

۴۔ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔

۵۔ رخصتی مصافحہ کا اگرچہ سنّت ہونا ثابت نہیں لیکن پسندیدہ ضرور ہے۔

۶۔ مصافحہ میں کسی قسم کا تکلّف شامل نہ کیا جائے۔ وہ مصافحہ جس میں تکلف اور خود نمائی کا رنگ ہو مہر و محبت سے خالی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا کوئی ثواب نہیں۔

۷۔ مصافحہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے آگے جھکنا منع ہے۔

۸۔ بزرگانِ دین اور علمائے کرام کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے۔

مصافحہ کے ثمرات

مصافحہ سے محبت اور ہمدردی کے جذبات اُبھرتے ہیں۔ امراء اور رُؤسا غرور سے محفوظ رہتے ہیں اور اخوت و مساوات کا آئین پختہ ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مصافحہ میں رسمی تکلف کا جذبہ نہ ہو بلکہ محبت، خیر خواہی اور رضائے الٰہی کی روح کارفرما ہو۔ اس کا نتیجہ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے یہ ہوگا کہ دلوں میں اگر کچھ کدورت تھی بھی تو صاف ہو جائے گی۔ برادرانہ محبت اور شفقت کی موج اٹھے گی اور بدخواہی اور بداندیشی کے خس و خاشاک کو بہا لے جائے گی۔ جس قدر گناہ ہوتے ہیں اُن کے پس منظر میں عموماً دو رجحان کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک تو حکمِ الٰہی سے غفلت اور دوسرے انسان سے بے مہری۔ مصافحہ کی روح ان دونوں رجحانوں کو مٹاتی ہے۔ درج ذیل حدیث میں اس کی خوب وضاحت ہے:

"جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں، ہاتھ ملاتے ہیں اور حمد و استغفار کرتے ہیں تو ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔"

Marfat.com

حدیث (۱۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا

اَلْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ وَّعِنْدَهٗ الْاَقْرَعُ ابْنُ حَابِسٍ فَقَالَ الْاَقْرَعُ

حضرت حسن بن علیؓ کو آپ کے پاس اقرع بن حابس تھا تو اقرع نے کہا

اَنَّ لِیْ عَشَرَةً مِّنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا

کہ میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا

فَنَظَرَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا پھر فرمایا،

مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ. وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَثَمَّ لُکَعُ

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا متفق علیہ ہے۔ اور ہم ابوہریرہؓ کی اثم لکع والی حدیث بیان کریں گے

فِیْ بَابِ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَیْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ

اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم و علیہم اجمعین کے بارے میں

اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَذُکِرَ حَدِیْثُ اُمِّ هَانِیٍٔ فِیْ بَابِ الْاَمَانِ

ان شاء اللہ تعالیٰ اور ام ہانیؓ کی حدیث باب الامان میں بیان کی گئی ہے

الفاظ کے معانی

قَبَّلَ : بوسہ دیا۔ چوما۔ قُبْلَہ بوسہ۔

اَلْوَلَد : اولاد۔ یہ لفظ واحد، تثنیہ، جمع اور مذکر و مؤنث سب کو شامل ہے۔

اَثَمَّ لُکَعُ : کیا وہاں منا ہے؟ اَ = کیا، ثَمَّ = وہاں، لُکَعُ = منا حضور صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور باہر کھڑے ہو کر آواز دی ۔ کیا مُنا ہے ؟ آپؐ کی مراد حضرت حسنؓ سے تھی ۔ حضرت حسنؓ دوڑتے ہوتے آئے اور نانا کو فرطِ محبت سے لپٹ گئے ۔ (مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت) ۔

تشریح حدیث (۱۱)

اس حدیث مبارکہ میں اولاد سے محبت کے اظہار کی تعلیم دی گئی ہے ، اولاد سے محبت کے اظہار کا ایک طریقہ انہیں بوسہ دینا ہے ۔ رسول کریمؐ نے خود اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو بوسہ دیا ۔ جب اقرعؓ بن حابس نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں ، میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا تو اس پر آپؐ نے ان الفاظ سے انہیں تنبیہ فرمائی کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا ۔ اپنی اولاد سے محبت تو ایک فطری جذبہ ہے ، جانور بھی اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں ۔ اقرعؓ کو بھی اپنی اولاد سے محبت تو ضرور ہوگی لیکن وہ بوسہ وغیرہ دے کر محبت کے اظہار کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھتے ہوں گے ۔ شاید عربوں پر ان کے صحرائی ماحول کا اثر تھا کہ وہ اس طریقے سے محبت کے اظہار کو پسند نہیں کرتے تھے ۔ عام طور پر وہ اپنی اولاد کی تربیت میں سختی کا رویہ اپناتے تھے ۔

بچے معصوم اور کمزور ہوتے ہیں وہ رحم اور پیار کے مستحق اور محتاج ہیں ۔ اگر انہیں محبت ملے تو وہ بڑے ہو کر نارمل انسان بنتے ہیں اور دوسروں سے محبت کرتے ہیں اور اگر وہ بچپن میں محبت سے محروم رہیں تو کئی نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں اور معاشرے کے لیے مسئلہ بن جاتے ہیں ۔ لیکن محبت کو صرف دل میں چھپا کر رکھنا کافی نہیں ، اس کا اظہار بھی ضروری ہے ۔ رسُولِ اکرمؐ نے نہ صرف بچوں سے محبت کرنے کی تعلیم دی بلکہ خود اس کے اعلیٰ عملی نمونے بھی پیش کیے ۔ آپؐ نے اپنے پرائے سب بچوں سے شفقت فرمائی ۔ آپؐ ان کو پیار کرتے ، چُومتے ، انہیں پیار سے کھلاتے ، ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ، ان کو دعا دیتے ۔ پیار سے گود میں لے لیتے ۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ کے گھر جب بھی تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا ، وہ انہیں لاتیں تو آپؐ ان کو پیار کرتے اور اپنے سینہ مبارک سے لپٹا لیتے ۔ ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول کریمؐ اپنی نواسی امامہؓ کو کندھے پر بٹھائے ہوئے مسجد نبوی میں تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی ۔ رکوع میں جاتے تو انہیں اتار دیتے ۔ پھر کھڑے ہوتے تو کندھے پر چڑھا لیتے ۔ اسی طرح آپؐ نے نماز ادا فرمائی ۔ آپؐ سفر سے آتے تو جو بچہ راستے میں ملتا اسے سواری پر بٹھا لیتے ۔ بچوں کی دوڑ لگواتے تاکہ دیکھیں سب سے پہلے ہمیں کون چھو لیتا ہے ۔ بچے دوڑتے ہوئے آتے تو کوئی آپؐ کے سینہ مبارک پر گرتا کوئی پیٹ مبارک پر ۔

Marfat.com

بَابُ الْقِيَامِ

معنی و مفہوم

قیام کا لغوی معنی ہے: کھڑے ہونا۔ مشکوٰۃ المصابیح کے باب القیام میں سے نصاب میں صرف دو احادیث لی گئی ہیں۔ ان دو احادیث میں بنیادی طور پر بعض آدابِ مجلس کی تعلیم دی گئی ہے۔ تاہم مشکوٰۃ کے باب القیام میں ان دو کے علاوہ بعض احادیث میں کسی شخص کی تعظیم میں کھڑے ہونے کی بابت تعلیمات ملتی ہیں۔ ان کے پیشِ نظر یہاں قیام سے مراد ہے: کسی شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا۔

قیام کی ممانعت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی شخص کی تعظیم کی غرض سے کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح کے باب القیام سے چند احادیث ملاحظہ کیجیے:

(۱) "حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا: انہیں (یعنی صحابہؓ کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، وہ جب آپؐ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کھڑے ہونا آپؐ کو ناپسند ہے" (اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حسن اور صحیح حدیث ہے)۔

(۲) "حضرت معاویہؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے اس سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے" (اسے ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا)۔

(۳) "حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھڑی کا سہارا لیے ہوئے نکلے تو ہم آپؐ کے لیے کھڑے ہو گئے پس آپؐ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہوا کرو جیسے عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں" (اسے ابو داؤد نے روایت کیا)۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا ممنوع ہے۔ جب رسول کریمؐ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی تعظیم میں کھڑے ہونے سے منع فرما دیا اور صحابہ کرامؓ کا یہ معمول بھی ہو گیا کہ وہ آپؐ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپؐ کی تعظیم میں کھڑے نہیں ہوتے تھے تو آپؐ کے سوا کسی دوسرے شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا کیونکر

Marfat.com

جائز ہو سکتا ہے، خواہ وہ دوسرا شخص کتنے ہی بڑے اقتدار اور جاہ و حشمت کا مالک ہو، کیونکہ اس کا مرتبہ حضورؐ کے مرتبے سے تو یقیناً کمتر ہے، بلکہ موازنہ ہی ناممکن ہے۔

بعض احادیث میں قیام کی اجازت کا مفہوم بھی ملتا ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ کے باب القیام میں ہی ایک متفق علیہ حدیث درج کی گئی ہے جو اس طرح ہے: "روایت ہے حضرت ابو سعید خدریؓ سے کہا: جب بنو قریظہ نے حضرت سعدؓ (بن معاذ) کی ثالثی قبول کر لی تو آپؐ نے انہیں بلا بھیجا اور وہ آپؐ کے قریب ہی تھے، تو وہ (یعنی حضرت سعدؓ) گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب وہ مسجد کے نزدیک آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارؓ سے فرمایا: تم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ (قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ)۔

اس حدیث کی علماء نے متعدد تاویلیں کی ہیں مثلاً: (۱) حضرت سعدؓ جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے ...... اور بیمار تھے، آپؐ نے انصارؓ سے فرمایا کہ سواری سے اترنے میں ان کی مدد کرو۔ چنانچہ آپؐ نے قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ فرمایا ہے اور قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ نہیں فرمایا۔ (۲) یہ کھڑے ہونا نیکی اور اکرام کے طور پر تھا تعظیم کے لیے نہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب کاشانۂ نبوت میں تشریف لاتیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہو کر لختِ جگر کی پیشوائی فرماتے۔ حضرت عکرمہؓ پردیس سے مکہ واپس آئے تو آپؐ فرطِ محبت سے کھڑے ہو گئے اور انہیں سینے سے لگا لیا۔

مذکورہ بالا اور دیگر روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ایسا تعظیمی قیام قطعی طور پر ممنوع ہے جس سے ایک شخص کی بڑائی اور دوسروں کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ اہلِ اقتدار (حکمرانوں، امراء و رؤساء) کے لیے قیام کی رسم کو تو اسلام نے بالکل ختم کر دیا ہے۔ البتہ محبت و احترام کے لیے قیام کی اجازت ہے۔ کسی بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھا کر اس کی جگہ خود بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔

ممانعت کی وجوہات

تعظیم کے لیے قیام کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کی دو بڑی وجوہ ہیں:

۱۔ شخصی تعظیم شخصیت پرستی کا پیش خیمہ ہے اور شخصیت پرستی شرک ہے۔ کسی انسان کو دنیا میں خواہ کتنا بڑا مرتبہ اور اقتدار حاصل ہو جائے وہ اس لائق ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کی پرستش کی جائے۔ وہ تو خود بھی ایک فانی مخلوق اور ربِّ کائنات کا بندہ ہے تو وہ معبود کیونکر بن سکتا ہے۔ انسان کا ماضی بتاتا ہے کہ ابتدا میں اس نے عظیم ہستیوں کی تعظیم کی اور پھر یہی تعظیم بڑھ کر پرستش بن گئی۔ انسانوں کو دیوی دیوتا اور اوتار اور آخر کار خدا بنا لیا گیا۔ اسی

Marfat.com

طرح کئی بادشاہوں نے اپنی تعظیم کو اتنا بڑھایا کہ آخر الوہیت کا دعویٰ کر دیا۔ اسلام جو خدا کی خالص توحید کا تصور دیتا ہے شرک کی ہر قسم کی بیخ کنی بھی کرتا ہے۔ مقتدر انسانوں کی تعظیم کے لیے قیام کی ممانعت بھی شرک کو جڑ سے اکھاڑنے کا ایک اقدام ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کا علمبردار ہے۔ اسلام کے نزدیک دنیا بھر کے تمام انسان رنگ، نسل، زبان وغیرہ کے امتیازات کے بغیر برابر ہیں تمام انسانوں کی اصل ایک ہے، وہ سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ پیدائشی اور نسلی طور پر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے معزز ترین وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے" (۴۹ : ۱۳) اور جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوتا ہے وہ دوسروں کا سب سے زیادہ احترام کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ وہ تو تکبر کے شائبے سے بھی اجتناب کرتا ہے اور ایسے ہر قول و فعل سے پرہیز کرتا ہے جس میں دوسروں کی تحقیر و توہین کا کوئی خفیف احتمال بھی ہو۔ رسول کریمؐ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی اسی مساواتِ انسانی کی تعلیم دی تھی۔ آپؐ کا ارشاد ہے: "کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کی بدولت"۔

اسلام ہر انسان کے قابلِ احترام ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

(ترجمہ) "اور یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت بخشی" (بنی اسرائیل، ۱۷ : ۷)۔ لہٰذا اسلام کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ کسی بھی طور کسی انسان کی توہین کی جائے۔ انسانی معاشرے کے استحکام کے لیے اشد ضروری ہے کہ ہر فرد بشر کا احترام کیا جائے۔ ہر انسان کے نہ صرف جان، مال، آبرو محترم ہوں بلکہ اس کے نازک سے نازک احساسات کی بھی پاسداری کی جائے۔ ایسا کرنے سے ہی ایک مضبوط و مستحکم انسانی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے جس میں ہر شخص کو اپنی تخلیقی صلاحیتیں بروئے کار لانے کے مواقع حاصل ہوں اور وہ معاشرے کے ہمہ جہت ارتقاء کے عمل میں اپنا پورا کردار ادا کرے۔ اس کے برعکس اگر معاشرے کے چند افراد تو بے انتہا قابلِ تعظیم بن جائیں اور باقی سب احترام سے محروم ہوں تو نہ تو ایسے محرومِ احترام لوگ معاشرے کی ترقی میں کوئی قابلِ ذکر حصہ لے سکتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو گا۔

Marfat.com

آداب و مسائل

۱- جو آدمی اس بات کا خواہش مند ہو کہ اُس کے آنے پر لوگ سرو قد کھڑے ہو جائیں وہ گنہگار ہے۔

۲- خوشامد کے لیے کسی کے آنے پر کھڑا ہونا حرام ہے۔

۳- ایسا شخص جو دینی اعتبار سے لائق تعظیم ہو اس کی خاطر کھڑا ہونا جائز ہے، کیونکہ اس میں کوئی خوشامد ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ بالواسطہ طور پر دین کی عظمت موجود ہوتی ہے۔

۴- دوست یا رشتہ دار سفر سے آئے تو اس کے لیے کھڑا ہونا روا ہے۔

۵- کسی شخص کے مجلس سے اٹھنے پر اس کے ساتھ تعظیماً اُٹھنا روا ہے لیکن مشایعت کی اجازت نہیں۔

۶- یہ اندیشہ ہو کہ میں کھڑا نہ ہوا تو آنے والے کے دل میں بغض اور کینہ پیدا ہو گا اور وہ فتنہ اٹھائے گا تو کھڑا ہونا روا ہے۔

۷- کوئی آدمی مجلس میں آئے اور آگے جگہ نہ ہو تو کنارے پر ہی بیٹھ جائے لیکن بہتر یہ ہے کہ اہل مجلس کچھ سمٹ کر اس کے لیے جگہ بنا دیں۔ اس فراخ دلی کی آج کل گاڑیوں میں بہت ضرورت ہوتی ہے۔

۸- کسی آدمی کو حق نہیں کہ کسی بیٹھے ہوئے آدمی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھے۔

۹- آنے والے کو اجازت نہیں کہ دو آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے دھکیل کر ان کے درمیان جگہ بنائے۔

۱۰- وسط مجلس میں کھڑا ہونا گناہ ہے۔

۱۱- کوئی آدمی اپنی جگہ سے عارضی طور پر جائے تو واپسی پر اس جگہ کا مستحق ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ جاتے وقت اپنی جگہ کوئی نشانی وغیرہ رکھ جائے۔

حدیث (۱۲)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے منجانب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ

آپؐ نے فرمایا (کوئی) آدمی (کسی) آدمی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے

Marfat.com

ثُمَّ يَجْلِسَ فِيْهِ

(تاکہ) پھر اس میں (خود) بیٹھے

وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

بلکہ گنجائش پیدا کرو اور کشادگی کرو۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

لَا يُقِيْمُ : نہی کے معنی میں فعل مضارع منفی ہے۔ نہ اٹھائے۔

مَجْلِسٌ : بیٹھنے کی جگہ۔

تَفَسَّحُوْا۔ تَوَسَّعُوْا : یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ وضاحت اور تاکید کے لیے یکجا آئے ہیں۔ ان کے معنی ہیں، مجلس میں کشادگی یا فراخی پیدا کرنا۔ البتہ ایک باریک فرق یہ ہے کہ تَفَسَّحْ نتیجہ ہوتا ہے تَوَسُّعْ کا۔ اس لیے راقم ہذا نے تَوَسُّعْ کے معنی کشادگی کرنا اور تفسّح کے معنی گنجائش کرنا لکھے ہیں۔ کیونکہ کشادگی کا نتیجہ گنجائش ہے۔

تشریح حدیث (۱۲)

اسلام نے جن مجلسی آداب کی تعلیم دی ہے ان کی بنیاد اس کے اساسی عقائد وافکار ہیں۔ اسلام مساوات، اخوت، باہمی محبت اور ایثار کا علمبردار ہے لہٰذا وہ نشست و برخاست کے طور طریقوں میں بھی ان افکار کو کارفرما دیکھنا چاہتا ہے وہ مجلس میں کسی امتیاز یا اونچ نیچ کا روادار نہیں۔ نہ کسی شخص کی تعظیم واجب ہے اور نہ کسی کی توہین کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے بجائے وہ مجلس میں اخوت، مساوات، محبت اور ایثار کی فضا قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے اور یہی تقاضا ہے احترام آدمی اور تہذیب اور شائستگی کا۔

مذکورہ بالا حدیث شریف میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں بیٹھے ہوئے کسی آدمی کو اٹھا کر اس کی جگہ خود بیٹھنے سے منع فرمایا ہے یقیناً ایسا کرنا تہذیب کے خلاف ہے اور نہایت معیوب بات ہے۔ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کا فعل یا تو تکبّر کے تحت ہوتا ہے یا دھوکا دہی سے اور یہ دونوں صورتیں ہی قابلِ مذمت ہیں۔ اسلام کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، کوئی برتر نہیں اور نہ کوئی کسی سے کمتر ہے۔ کسی کے لیے بڑائی کا اظہار جائز نہیں اور نہ کسی کی توہین کرنے کی اجازت ہے۔ کسی کو اٹھا کر خود بیٹھنے سے اس شخص کی بڑی توہین اور دل آزاری ہوتی ہے جسے اٹھایا جائے ایسی مذموم حرکتیں دلوں میں رنجشیں

Marfat.com

اور نفرتیں پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔
اس ممانعت کے ساتھ ساتھ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ نئے آنے والے کو جگہ فراہم کرنے کے لیے کشادگی اور گنجائش پیدا کریں تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ سکے۔ قرآن حکیم میں بھی اس ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ (المجادلہ ۵۸:۱۱) "اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کیا کرو، اللہ تمہارے لیے فراخی پیدا کرے گا۔"
آنے والے بھائی یا بھائیوں کے لیے کشادگی پیدا کرنے سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر جگہ کشادہ ہو اور نیا آنے والا شخص بڑے آرام سے بیٹھ سکتا ہو، بغیر اس کے اہلِ مجلس اس کے لیے جگہ بنانے کے لیے کوئی تردد کریں، ایسی صورت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آنے والے کے لیے تھوڑا سا ایک طرف ہٹ جائیں تاکہ اس کا اکرام اور عزت افزائی ہو۔ اس سے اس کا دل خوش ہوگا، باہمی محبت بڑھے گی۔ حضرت واثلہ بن خطاب (حضرت عمرؓ کے قبیلے کا ایک شخص) سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جبکہ آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا ایک طرف ہٹ گئے۔ اس آدمی نے کہا، اے رسولؐ! جگہ میں کافی گنجائش ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یقیناً مسلمان کا حق ہے کہ جب اسے اس کا بھائی دیکھے تو وہ اس کے لیے تھوڑا سا ہٹ جائے (بیہقی)

حدیث (۱۳)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابوہریرہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ

فرمایا، جو شخص اپنی نشست سے اٹھا پھر اس کی طرف لوٹا

فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

Marfat.com

الفاظ کے معانی

قَامَ : اُٹھا۔ کھڑا ہوا۔	مَجْلِسْ : بیٹھنے کی جگہ۔ نشست
رَجَعَ : واپس آیا۔ لوٹا	اَحَقُّ : زیادہ حقدار

تشریح حدیث (۱۳)

اس حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدابِ مجلس میں سے اس ادب کی تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نشست سے اٹھ جائے اور پھر وہاں واپس آئے تو اس نشست پر اس کا حق زیادہ ہے۔ مجلس میں بیٹھنے والے کو کسی چھوٹے بڑے کام یا حاجت سے تھوڑی دیر کے لیے مجلس سے اُٹھ کر جانا پڑ سکتا ہے، یہ معمول کی بات ہے۔ اب اگر وہ تھوڑی دیر کے بعد لوٹ کے آئے اور اسے وہ نشست نہ ملے تو یہ بات اس کے لیے بڑی زحمت اور کوفت کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا مجلس میں بیٹھے لوگوں کو چاہیے کہ اس کی نشست خالی رہنے دیں۔ تاہم کامن سینس کا تقاضا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر جانے والا شخص جاتے ہوئے اپنے کسی ہمنشین کو بتا جائے کہ وہ ابھی واپس آجائے گا یا اپنی نشست پر کوئی نشانی (رومال وغیرہ) رکھ جائے۔ اگر ان آداب پر عمل نہ کیا جائے تو بعض اوقات بڑی بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات جھگڑا فساد بھی ہو جاتا ہے۔ اس لیے اہلِ مجلس کو ہمیشہ نشست و برخاست کے یہ اصول پیشِ نظر رکھنے چاہئیں۔

Marfat.com

بَابُ الْعُطَاسِ وَالتَّثَاؤُبِ

چھینک اور جمائی کا باب

عُطَاس عَطَسَ سے مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ عَطَسَ میں طا پر فتحہ ہے لیکن بعض کے نزدیک اس کو کسرہ دینا بھی جائز ہے۔ یَعْطِسُ مضارع ہے۔ بعض کی رائے میں طا پر ضمہ یعنی یَعْطُسُ بھی درست ہے۔ مَعْطِس کے معنی ہیں ناک۔

عُطَاس کے اصل معنی ہیں کھلنا۔ پھوٹنا۔ مثلاً عَطَسَ الصُّبْحُ۔ صبح پھوٹی۔ اس بنا پر صبح کو عَاطِس بھی کہتے ہیں۔ عام استعمال میں عطاس کے معنی ہیں چھینک۔

تَثَاؤُب اسم مصدر ہے تَثَاءَبَ سے۔ الف کے بعد ہمزہ ہے واؤ غلط ہے۔ ثُؤَبَاءُ اسم ہے جس کے معنی ہیں جمائی۔

تَثَاءَبَ کے معنی ہیں: جمائی لی۔ اگرچہ ثُئِبَ اور تَثَأَّبَ بھی یہی مفہوم رکھتے ہیں لیکن عام استعمال تَثَاءَبَ کا ہے۔

تَثَاؤُب کے اصل معنی ہیں: ایسی چیز کھانا یا پینا جس سے کچھ دیر غنودگی طاری ہو جائے۔ اس سے جمائی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے تَثَاؤُب جمائی لینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا جیسے بارش سماء سے آتی ہے تو اسے بھی عربی میں سماء کہنے لگے۔

چھینک اور جمائی

چھینک اور جمائی کا انسان کی بدنی اور ذہنی صحت سے خاصا تعلق ہے۔ چھینک صحت کی دلیل ہے اور جمائی سُستی کی علامت۔

چھینک

اللہ تعالیٰ نے انسانی بدن کی صحت اور سالمیت کے لیے اس کے اندر سینکڑوں خودکار نظام بنا رکھے ہیں ورنہ انسان چند ہی لمحوں میں خوفناک بیماریوں کا شکار ہو جائے۔ کہتے ہیں ہارون الرشید نے ایک دفعہ پانی مانگا۔ پیالہ پیش کرتے ہوئے اس سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کو یہ پیالہ مفت نہ مل سکے تو اس کے عوض آپ کیا دینے کو تیار ہیں۔ اس نے کہا، نصف سلطنت۔ پھر سوال ہوا اگر یہ پانی بدن میں جاکر باہر آنے سے رک جائے (یعنی پیشاب بند ہو جائے)

Marfat.com

تو؟ جواب دیا، نصف سلطنت۔ پوچھنے والا بول اٹھا، بس معلوم ہوا کہ آپ کی ساری سلطنت پیالہ بھر پانی کے بدن میں آنے جانے کی قیمت ہے۔

صحت کے خودکار نظاموں میں سے ایک نظام چھینک کا بھی ہے۔ چھینک کیا ہے؟ ناک میں گندہ مواد اٹک جاتا ہے جس کے دور کرنے کو ہوا کا زوردار جھٹکا لگتا ہے۔ اس سے رکاوٹ دور ہو جاتی ہے، ناک کے آس پاس کے خانوں سے فاضل رطوبت کا ناک کی راہ سے بہاؤ شروع ہو جاتا ہے اور طبیعت کو فرحت ہوتی ہے۔ بدن میں چھینک کا نظام نہ ہو تو ناک اور اس کے ارد گرد کھوپڑی میں گندہ مواد جمع ہو کر بہیم دکھوں کا موجب ہو جائے۔ بعض دفعہ جب ناک سے آنے والی رطوبت کا نکاس بند ہو جاتا ہے تو بڑی آفت آجاتی ہے۔ طرح طرح کے علاج کرتے ہیں۔ اس کا ایک علاج آپریشن بھی ہے لیکن اس سے بھی مستقل آرام کی ضمانت نہیں ملتی۔ چھینک طبعی اور بے دام علاج ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

چھینک سے ناک پر ہی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ پورے بدن کو مزے سے ہلا دیتی ہے۔ اس فرحت بخش جھٹکے سے بدن کی کئی بند نالیاں رواں ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعض فوائد عام مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان میں بعض کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے مثلاً:

۱۔ بینائی صاف اور روشن ہو جاتی ہے۔

۲۔ مسام کھل جاتے ہیں۔

۳۔ معدہ ہلکا پڑ جاتا ہے۔

۴۔ دانت، کان اور کمر کا درد مدھم پڑ جاتا ہے یا دور ہو جاتا ہے۔

تشمیت

جب کوئی شخص چھینک آنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو پاس کے مسلمان بھائی کو چاہیے کہ اسے یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہے۔ اس جواب کو تشمیت کہتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے لیکن اس میں خلوص اور خیر خواہی کی دلفریب روح ہے۔

آداب و مسائل

۱۔ چھینک آنے پر صفائی اور تہذیب کا دھیان رکھنا چاہیے۔

- منہ کو جھکا لیا جائے۔
- حاضرین کی طرف سے منہ پھیر لیا جائے۔
- منہ پر کپڑا رکھا جائے ورنہ ہاتھ سے ہی ڈھانپ لیا جائے۔
- چھینک کی آواز کو پست رکھنے کی کوشش کی جائے۔

Marfat.com

○ چھینک کے بعد ناک کو کپڑے وغیرہ سے اچھی طرح صاف کر لیا جائے۔

۲۔ جسے چھینک آئے وہ معاً کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

آخری دو صورتیں افضل ہیں۔

۳۔ سننے والا اسے فوراً یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہے۔ اسے جواب کہتے ہیں۔

۴۔ اگر چھینکنے والا ایک سے زائد بار چھینک کر تحمید کرے تو اس کا جواب تین بار تک ضرور دینا چاہیے۔ پہلی بار کا جواب واجب ہے، دوسری اور تیسری بار کا مستحب۔ اس سے زائد بار کا جواب دینا سامع کی مرضی پر ہے۔

۵۔ چھینکنے والا تحمید کرے سننے والا اُسے یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہے۔ اس کے بعد پہلا شخص شکریہ کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ کہے:

یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ یا یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ

یہ جواب الجواب مستحب ہے۔

۶۔ خطبے کے دوران تشمیت کی اجازت نہیں۔

۷۔ تشمیت سب حاضرین کر دیں تو بہتر ورنہ یہ واجبِ کفایہ ہے۔

۸۔ مرد کو جوان عورت کی یا عورت کو جوان مرد کی بالجہر تشمیت کی اجازت نہیں۔ چاہے تو خاموشی سے تشمیت ہو سکتی ہے۔

جمائی

بعض دفعہ سستی، پُرخوری اور بے کاری کی وجہ سے بدن پر غنودگی سی طاری ہو جاتی ہے اور اس کے سبب خود کار نظام ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ بدن بوجھل ہو جاتا ہے کیونکہ فضل مادہ کا پوری طرح اخراج نہیں ہوتا۔ خون کی صفائی میں فرق آ جاتا ہے اور اسے زیادہ صاف ہوا کی ضرورت پڑتی ہے۔ بدن میں صاف ہوا پہنچانا پھیپھڑوں کے ذمے ہے۔ وہ کبھی سارے بدن کے ساتھ نیم غافل پڑے ہوتے ہیں۔ جب بدن تازہ ہوا کی مطلوبہ مقدار کے لیے اصرار کرتا ہے تو پھیپھڑے نیم غنودگی ہی کی حالت میں ہوا کا ایک اور زوردار جھٹکا اندر کھینچ کر پھر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ پھیپھڑوں کے اس غافلانہ اور بے ترتیب عمل کو جمائی کہتے ہیں۔

جمائی سے غفلت اور بوجھل پن پیدا ہوتا ہے اور حواس کُند ہو جاتے ہیں۔

سُستی سے جمائی اور جمائی سے سُستی پیدا ہوتی ہے لہٰذا جمائی کو روکا نہ جائے تو اس کا

Marfat.com

سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی کئی خرابیاں ہیں :

۱۔ ہوا کی یکلخت اور طوفانی رو سے گلے کے خراب ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

۲۔ اگر منہ کے قریب کوئی مکھی مچھر اڑ رہا ہو تو ہوا کا تھپیڑا اسے سیدھے کھلے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔

جمائی آنے پر منہ بند کر دیا جائے تو ہوا ایسی کی صورت میں اندر نہیں جا سکتی۔ مجبوراً پھیپھڑوں کو اپنا کام اسلوب سے سنبھالنا پڑتا ہے اور جمائیوں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جمائیوں کی باگ ڈھیلی چھوڑنا اور منہ پسار کر "ھَا : ھَا" کی دھومیں مچانا خوش آئند نہیں ہوتا۔ جمائی آ ہی جائے تو کھلے منہ کی نمائش لگانے کے بجائے اس پر فوراً ہتھیلی رکھ دی جائے۔ ایک تو بدنمائی نہ ہوگی اور دوسرے ہوا کی مضر رو اور مکھی مچھر وغیرہ سے حفاظت رہے گی۔

بعض دفعہ نیند کی یورش سے جمائیوں کا تار بندھ جاتا ہے۔ اس کو روکنے کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ منہ پر پانی کے چھینٹے دیے جاتے ہیں۔

حدیث (۱۴)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

ابوہریرہ سے (روایت ہے) منجانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَکْرَهُ التَّثَاؤُبَ

یقیناً اللہ کو چھینک پسند ہے اور جمائی ناپسند ہے

فَاِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ

تو جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور اللہ کی حمد کرے

کَانَ حَقًّا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهٗ

تو ہر مسلمان پر جس نے اسے سنا لازم ہو جاتا ہے

اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ

کہ وہ اسے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہے

Marfat.com

فَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطٰنِ

اب رہی جمائی تو وہ محض شیطان کی طرف سے ہے

فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ

اور جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے اسے روک دے

فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ

کیونکہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے (تو) شیطان اس کی ہنسی اڑاتا ہے

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ

بخاری نے اس کی روایت کی ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی

قَالَ هَا ضَحِكَ الشَّيْطَانُ مِنْهُ

ہا کہتا ہے (تو) شیطان اس کی ہنسی اڑاتا ہے

الفاظ کے معانی

يُحِبُّ: چاہتا ہے۔ پسند کرتا ہے۔ اَحَبَّ چاہا۔ پسند کیا۔

عَطَسَ: (عَطِسَ یعنی ط پر زبر اور زیر دونوں درست ہیں) چھینکا۔ عُطَاس چھینک۔

يَكْرَهُ: ناپسند کرتا ہے۔ كَرِهَ ناپسند کیا۔

اَلتَّثَاؤُبُ: جمائی۔ تَثَاءَبَ اس نے جمائی لی۔

كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ: ہر مسلمان پر واجب ہو جاتا ہے۔ حق کے لغوی معنی ہیں ثابت شدہ چیز۔

هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ: وہ شیطان سے ہے۔ شیطان وہ چیز جو اللہ سے غافل اور دور کر دے۔ جمائی اور غفلت لازم و ملزوم ہیں اس لیے جمائی بھی ایک شیطان ہے۔

بعض کے نزدیک مِنَ الشَّيْطَانِ سے مراد یہ ہے کہ شیطان کی جانب سے ہے یعنی:

(ا) وہ اس کا سبب ہے۔ یا (ب) اس کا واسطہ ہے۔ یا (ج) اس کی طرف مائل کرتا ہے۔

رَدَّ: پھیرا۔ واپس کیا۔ روکا۔ يَرُدُّ روکتا ہے۔ لِيَرُدَّ روکے۔

ضَحِكَ: ہنسا۔ ضَحِكَ مِنْهُ اس کی ہنسی اڑائی۔

Marfat.com

تشریح حدیث (۱۴)

چھینک

اسلام سے پہلے عربوں کے توہمات میں سے ایک یہ تھا کہ وہ چھینک کو ایک بیماری سمجھتے تھے۔ اسے منحوس خیال کرتے اور اس سے بد فال لیتے تھے اور چھینک کو حتی المقدور روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عُطاس (چھینک) فُعال کے وزن پر ہے جو بیماریوں کا وزن ہے، مثلاً سُعال (کھانسی)، زُکام، دُوار (سر کو چکر آنا) وغیرہ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص چھینک مارتا تو سننے والا اسے کہتا "میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ اس چھینک کی نحوست تجھ پر آئے کہ نہ مجھ پر (بِكَ لَا بِي)"[۱]

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے اس توہم کو دور فرماتے ہوئے چھینک کو ایک پسندیدہ فعل قرار دیا اور چونکہ یہ ایک پسندیدہ فعل ہے اس لیے چھینک آنے پر متفکر ہونے کے بجائے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ سننے والے کو چاہیے کہ وہ چھینک مارنے والے کو بددعا دینے کے بجائے اس کے لیے اللہ کی رحمت کی دعا کرتے ہوئے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ (اللہ تم پر رحم کرے) کہے۔ جواباً چھینک مارنے والا اسے کہے: یَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست کرے) یا کہے: يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ (اللہ ہمیں بھی معاف کرے اور تمہیں بھی)۔ چھینک سننے والا یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہتا ہے تو اسے اصطلاح میں تسمیت یا تشمیت یعنی سین اور شین دونوں کے ساتھ کہتے ہیں جس کے معنی ہیں چھینک مارنے والے کو یہ دعا دینا کہ اللہ اسے چھینک سے پہلے والی وقار اور سکون کی حالت و ہیئت پر لے آئے۔

اس حدیث شریف میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھینک کو اللہ کا پسندیدہ فعل قرار دے کر ایک طرف تو دورِ جاہلی کے اس وہم کا بطلان کیا کہ چھینک ایک بیماری اور نحوست ہے اور دوسری طرف اسے مسلمانوں کے درمیان محبت اور ہمدردی کے جذبات کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا کہ سننے والا چھینک والے کو دعا دے۔ چھینک یقیناً صحت کی علامت ہے جیسا کہ اس باب کے تعارف میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

جماہی

اس حدیث مبارکہ میں جماہی کو شیطان کی طرف سے بتایا گیا ہے اور تلقین فرمائی گئی

---

[۱] محمود شکری آلوسی: بلوغ الارب، اردو ترجمہ پیر محمد حسن ۳: ص ۳۴۹ و بعد

Marfat.com

ہے کہ جمائی کو روکنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔ جمائی سستی، کاہلی اور غفلت کا باعث بنتی ہے جو بہر طور پر ناپسندیدہ ہے۔ آدمی کو چاق و چوبند، چست اور مستعد ہونا چاہیے بہت کھل کر زور دار جمائی لینا اور منہ سے ہا، ہا کی آواز نکالنا اور بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ اس لیے جمائی لینے سے جہاں تک ممکن ہو اجتناب کرنا چاہیے۔ (اس کی تشریح کے لیے دیکھیے اس کا باب کے آغاز میں تعارف)۔

حدیث (۱۵)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ

اور ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِکْ بِیَدِہٖ عَلٰی فِیْہِ

جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنا منہ ہاتھ سے ڈھانپ لے

فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَدْخُلُ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ مسلم نے اس کی روایت کی ہے

الفاظ کے معانی

تَثَاءَبَ: اس نے جمائی لی۔

اَمْسَکَ: اس نے روکا۔ لِیُمْسِکْ وہ روکے۔

فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَدْخُلُ: شیطان داخل ہوتا ہے۔ شیطان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے یا شرارت کرے۔ یہاں اس کے مندرجہ ذیل معانی ہو سکتے ہیں۔

۱۔ سستی۔ جب بھی جمائی آئے اس سے سستی بڑھتی ہے یا بہ الفاظ دیگر ہر جمائی کے ساتھ شیطان داخل ہوتا ہے۔

۲۔ موذی چیز۔ مثلاً مکھی، مچھر وغیرہ۔

۳۔ بیماری کا کوئی موجب۔ بیرونی ہوا کے اچانک گلے میں داخل ہونے سے گلے کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

تشریح حدیث (۱۵)

اس سے پہلے والی حدیث شریف (نمبر۱۴) میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ جمائی ناپسندیدہ فعل ہے اس لیے اسے روکنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ اس حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص جمائی لے (یعنی اسے روکنے میں کامیاب نہ ہوسکے) تو پھر منہ پر ہاتھ رکھ لے کیونکہ کھلے منہ کی صورت میں شیطان اندر داخل ہوجاتا ہے۔ جمائی سستی، کاہلی، بے رغبتی، بے عملی اور غفلت کا نتیجہ ہے اور کھلے منہ کے ساتھ جمائی لینے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ جمائیوں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔ پے درپے جمائیاں آتی ہیں۔ اگر منہ پہ ہاتھ رکھ لیا جائے تو ان پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ ہوا میں موجود گرد اور جراثیم وغیرہ کے منہ میں جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ چیزیں اگر منہ میں داخل ہوجائیں تو مختلف امراض کا باعث بنتی ہیں، جبکہ جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لینے سے یہ چیزیں منہ میں داخل نہیں ہوسکتیں اور آدمی ان ممکنہ بیماریوں کے حملے سے محفوظ رہتا ہے۔

Marfat.com

بَابُ الاَسَامِیْ

معنی ومفہوم

اِسم : عام استعمال میں اس کے معنی ہیں : نام ۔ اِسم کی جمع اَسْمَاء ہے اور جمع الجمع اَسَامِی ۔ اِسم کی اور لغتیں بھی ہیں : اُسْم ، سِمٌ ، سُمٌّ ۔

اسم کا لفظ سُمُوٌّ سے مشتق ہے ۔ سُمُوٌّ کے معنی ہیں : رفعت ، بلندی ۔ اسم کسی چیز کی اس معنوی یا صوری علامت کو کہتے ہیں جس سے اس کا تعین اور شہرت ہو ۔

لغت کے لحاظ سے اسم کا بنیادی عنصر شہرت ہے ۔ عربی میں ذکر کے پھیلاؤ کے لیے رَفع کا لفظ بھی آتا ہے اس لیے مشہور علامت کو اسم کہنے لگے ۔

اسم کا اشارہ عرض اور جوہر دونوں کی طرف ہو سکتا ہے ۔ مثلاً : وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ میں حقائق اشیاء کی طرف بھی اشارہ ہے ۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ارشاد ہے : هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (مریم ۔ ۶۵)

اس کا لفظی ترجمہ بظاہر یوں نظر آتا ہے ، کیا تجھے اس کے کسی ہم نام کا علم ہے ؟ لیکن اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے ، کیا تو نے اس جیسی صفات کسی اور میں دیکھی ہیں کہ اس کی طرح کے صفاتی ناموں کا مستحق ہو ؟ حضرت یحییٰ کی بابت فرمایا :

لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا (مریم ۱۹ : ۷)

مراد یہ کہ اس دور میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کوئی نظیر ومثیل نہ تھا ۔

قرآنِ حکیم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماء دیکھیے ۔ ان اسماء کے لغوی معنی ان کی شخصیتوں میں جھلملا رہے ہیں ۔ آدم علیہ السلام کو اس لیے آدم کہا کہ وہ گندم گوں تھے ۔ حضرت یحییٰ کا نام اس لیے یحییٰ ہوا کہ وہ علم وحکمت کی روح سے زندہ تھے اور ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رہنا تھا ۔

مندرجہ بالا حقائق کی بنا پر اس کے معانی میں بہت وسعت ہو سکتی ہے ۔ مثلاً :

۱ ۔ حقیقی نام

اسے عرفِ عام میں اسم بامسمّٰی کہتے ہیں یعنی اسم کا صاحب اسم کے اوصاف وکردار کے عین مطابق ہونا ۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے :

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ (۱۳ : ۳۳)

Marfat.com

مراد یہ کہ مشرکین نے اللہ کے شرکاء بنا رکھے ہیں۔ (اے نبی!) ان سے فرمایئے کہ ان کی ذرا صفات تو بتاؤ۔

اس کے پیشِ نظر علماء کے ایک گروہ کے نزدیک اسم عینِ مسمّیٰ یعنی عینِ شخصیت ہوتا ہے یعنی ظاہر و باطن ہر دو کی علامت کا کام دیتا ہے۔

۲۔ محض نام

لوگ بعض اشیاء اور اشخاص کے ایسے نام رکھ دیتے ہیں جن کا ان اشیاء و اشخاص کی حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا مثلاً:

ا۔ کسی چنگے بھلے انسان کا نام حجر یا عقرب (بچھو) رکھ دیا۔

ب۔ بُروں کو اچھے القاب دیے۔

ج۔ اچھوں کو بُرے القاب دیے۔

۳۔ تعبیر یا لیبل۔ یعنی:

کسی شے یا شخص کی حقیقت کو اپنی دانست میں جیسا سمجھا ویسا نام دیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ (اعراف ا،)

مراد یہ کہ کیا بتوں سے ایسی صفات منسوب کرتے ہو اور پھر ان کے بارے میں بحثتے ہو جن کے پیچھے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں؟ مشرکوں کی دانست میں اُن کے بُت اُن کے خالق، مالک اور رازق تھے۔ لہٰذا انہیں ایسے مغالطے پر تنبیہ کی گئی۔

ایسے ناموں کی مندرجہ ذیل مزید مثالیں بھی ہو سکتی ہیں۔

ا۔ غلام کو اپنا بندہ کہنا حالانکہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔

ب۔ مظاہر فطرت مثلاً فلک، زمانہ، ہوا، بارش وغیرہ کو بُرے الفاظ سے یاد کرنا۔

۴۔ کُنیت

عربوں میں کُنیت کا عام رواج تھا۔ بچّوں اور بچیوں بلکہ جانوروں اور اشیاء کی بھی کُنیت رکھ دیتے تھے۔ بعض اشخاص کی کنیت اس قدر مشہور ہوئی کہ نام کو لوگ بھول ہی گئے۔

صاحبِ مشکوٰۃ نے باب زیرِ نظر کا نام باب الاسماء نہیں بلکہ بابُ الاَسامی رکھا ہے... جمعُ الجمع اسی لیے لائے ہیں کہ اس میں ہر قسم کے نام اور لیبل شامل ہو سکتے ہیں۔

فلسفۂ اسماء

نام شخصیت کی علامت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے نام کی لاج عزیز ہوتی ہے

Marfat.com

بارہا اس لاج کی خاطر وہ جان اور مال کی قربانی بھی دے دیتا ہے۔ مرنے کے بعد دنیا میں انسان کا نام ہی رہ جاتا ہے۔ انسان کی زندگی بھر یہ کوشش رہتی ہے کہ اس کے بعد اس کا نام زندہ اور تابندہ رہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو نام شخصیت کی علامت ہی نہیں بلکہ بعض دفعہ عین شخصیت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بیش قدر حقیقت ہوتی ہے۔ بعض لوگ نام کو اس حد تک خودی کا ترجمان قرار دیتے ہیں کہ وہ اپنے نام میں کسی کو شریک ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ ایسے لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نئے نام لاتے ہیں۔ البتہ جہاں محبت آمیز روابط ہوں وہاں نام پہ نام رکھنا محبت پروری کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔

نام سے چونکہ آدمی کی آبرو وابستہ ہوتی ہے اس لیے تقریباً ہر شخص اپنے نام کے معنی و مفہوم کو سچ کر دکھانے کی کوشش کرتا ہے اور بارہا جب کسی عزم کا اظہار کرتا ہے تو کہہ اُٹھتا ہے کہ مجھے "فلاں" کہتے ہیں۔

نام انسان کے کردار پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ ایک صحابیؓ کا نام حَزن تھا۔ حَزن کے معنی ہیں، سخت زمین۔ ان کے پوتے حضرت سعید بن مُسَیّب کا بیان ہے کہ اس نام کی وجہ سے ہمارے سارے خاندان میں سخت مزاجی رہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند اور اسماء کے علاوہ حارث (کمانے والا) اور ہمّام (صاحبِ عزم) کی بہت ترغیب دی ہے، کیونکہ ان سے انسان میں ہمت اور محنت کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص مُضطجع (لیٹنے والا) تھا۔ حضورؐ نے بدل کر مُنبعِث (قیام کرنے والا) رکھا۔ حضرت علیؓ میدانِ جنگ میں قدم رکھتے تو فرمایا کرتے تھے:

سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہ

ترجمہ: میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے۔

اچھے نام اچھے جذبات کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اولاد کا والد پر حق ہے کہ ان کے اچھے نام رکھے اور انہیں اچھا ادب سکھائے (بہارِ شریعت۔ بحوالہ بیہقی)

ہر شخص اپنے لیے اچھا نام پسند کرتا ہے۔ کانے کو کانا کہا جائے تو بُرا مانتا ہے حالانکہ وہ کانا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو اچھے ناموں سے یاد کرنے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ ایک دوسرے کو اچھے ناموں سے بلاؤ گے تو تم میں خلوص پیدا ہوگا۔ اپنے ناموں کی طرح باپ دادا کے نام بھی پیارے ہوتے ہیں۔ ان کا انسان کے اخلاق پر دیرپا اثر ہوتا ہے۔ نیک بزرگوں کے نام نیکی کے علم ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

Marfat.com

نے جنگِ حنین میں فرمایا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

ترجمہ: میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔

نیک اور صاحبِ عظمت اصحاب کے ناموں پر نام رکھے جائیں تو ان کے اوصاف و اخلاق کو اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھے لوگوں کے ناموں پر نام رکھو۔ آپؐ نے خصوصیت سے انبیائے کرامؑ کے نام اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

افراد کے اسماء میں قوم کے مجموعی کردار اور تہذیب و ثقافت کی تصویر نظر آتی ہے۔ مہذب اقوام کے نام مہذبانہ ہوتے ہیں اور غیر مہذب اقوام کے غیر مہذبانہ۔ جو قوم گل و یاسمن کے تختوں میں پروان چڑھی اس نے اپنے نام پھولوں کے نام پہ رکھے اور جو دین و ثقافت کی گود میں پل کر جوان ہوئی اس کے ناموں میں دین و ثقافت کی روح سماگئی۔ جن اقوام میں رنگ برنگ کے پتھروں اور چرند و پرند کی گوناگوں انواع کے سوا کوئی ارفع تصور نہیں ہوتا ان میں کوئی اپنا نام "کالا پتھر" رکھ لیتا ہے اور کوئی سیاہ پرندہ"۔ عربوں میں غراب (کوا) اور حُبّاب (سانپ) وغیرہ نام اکثر ہوا کرتے تھے۔ اسلام نے ان کا رواج توڑ ڈالا۔

آداب و مسائل

انسانیت کے نبّاضِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ اور اسماء کی تاثیر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آپؐ نے ایسے الفاظ اور ناموں سے منع فرمایا جو خیالات اور کردار میں بگاڑ پیدا کریں۔ اس کے پیشِ نظر آپؐ نے کئی اصحاب کے نام بدل دیے۔ آپؐ کے ارشادات کی روشنی میں ان الفاظ اور اسماء کا پس منظر دیکھا جائے جن کو آپؐ نے بدل ڈالا تو معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل الفاظ و اسماء سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۱۔ ایسے نام جن سے نیکی کے بارے میں خود ستائی یا غرور کا اندیشہ ہو۔
ایک صحابیہؓ کا نام بَرَّہ (نیک عورت) تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدل کر جُوَیْرِیہ رکھ دیا۔

۲۔ ایسے نام جن سے تکبّر کی بو آتی ہو۔

۳۔ ایسے نام یا القاب جن میں شرک کی جھلک ہو۔ مثلاً مَلِکُ الْاَمْلَاک۔

۴۔ ایسے نام یا الفاظ جن سے اپنے بارے میں خواہ مخواہ یہ گمان پیدا ہو کہ میں بُرا ہوں۔

Marfat.com

مثلاً کوئی شخص یہ بتانا چاہے کہ میری طبیعت ناساز ہے تو کہے خَبُثَتْ نَفْسِیْ (میری طبیعت بد ہوئی)۔ اُسے کوئی اور موزوں الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ مثلاً کہے:
لَقِسَتْ نَفْسِیْ (میری طبیعت سُست ہوئی)

۵۔ ایسے الفاظ جن سے بُروں کو اچھا کہا جائے۔ مثلاً فاسق یا منافق کو سَیِّد (آقا) کہنا۔

۶۔ ایسے نام جن سے بُری اشیاء کے بارے میں یہ تاثر ہو کہ یہ مرغوب ہیں۔ جاہلی عرب انگور کو کَرْم اور شراب کو بِنْتُ الْکَرْم کہتے تھے اس سے شراب کے بارے میں اچھا تاثر پیدا ہوتا تھا، اس لیے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔

۷۔ ایسے الفاظ جن سے بُرے عقائد پیدا ہوں۔ مثلاً کائنات کی بست وکشاد تو اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن کسی پر بُرا وقت آئے تو وہ دہر یعنی زمان کو گالیاں دینے لگے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابیہ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ انہوں نے بخار کو بُرا بھلا کہا۔ آپؐ نے فرمایا، بخار کو بُرا نہ کہو۔ یہ انسان کی خطاؤں کو اسی طرح مٹاتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو۔

۸۔ ایسے نام جن سے قوم کے مزاج میں فساد رونما ہو۔
عربوں میں حرب (جنگ)، عاصی (نافرمان)، مُرّہ (تلخی) ایسے نام اکثر تھے۔ یہ نام امن شکنی، جنگ جوئی اور غارت گری کے جذبات کو اور قوت دیتے تھے۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان سے منع فرمایا۔

۹۔ ایسے نام جن میں بد مذاقی پائی جائے۔
ایک شخص کی کنیت اَبُو الْاَجْدَع تھی۔ اَجْدَع کے معنی ہیں کٹا ہوا۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے منع فرما دیا۔

۱۰۔ ایسے نام جن سے کسی کی تذلیل ہوتی ہو۔ مثلاً کوئی شخص اپنے غلام کو عَبْدِیْ کہے۔

حدیث (۱۶)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السُّوْقِ

انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے

فَقَالَ رَجُلٌ یَا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

کہ ایک شخص نے اے ابو القاسم کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف توجہ فرمائی

Marfat.com

فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو اس نے کہا، میں نے اس کو پکارا تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

میرے نام پہ نام رکھ لو لیکن میری کنیت پہ کنیت نہ رکھو۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

اِلْتَفَتَ : متوجہ ہوا۔ رخ کیا۔

سَمُّوْا : تم نام رکھو۔ سَمّٰی نام رکھا۔ تَسْمِيَةٌ مصدر ہے : نام رکھنا

لَا تَكْتَنُوْا : تم کنیت نہ رکھو۔ اِكْتَنٰى : اس نے کنیت رکھی۔

کنیت

کنیت اس نام کو کہتے ہیں جو اَبُو یا اُمّ سے شروع ہوتا ہے، جیسے ابوبکرؓ، ابوہریرہؓ، اُمّ ہانی وغیرہ۔ کُنْیَت کی جمع کُنًی ہے۔

اَبُوْ یا اَبٌ کے مندرجہ ذیل معنی ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر کنیت کے مفہوم میں بھی فرق ہوگا اسی پر اُمّ کی کنیت کا بھی قیاس کر لیا جائے۔

۱۔ باپ : اس معنی کے اعتبار سے بیٹے یا بیٹی کے نام سے کنیت ہوتی ہے جیسے ابوعبداللہ (عبداللہ کا باپ) یا اُمّ خالد یعنی خالد کی ماں۔

۲۔ مالک۔

۳۔ والا۔ مثلاً ابولہب : شعلے والا۔ ابوالفضل : فضیلت والا۔ ابوالعلاء : بلندی والا۔ اَبُوبطن : بڑے پیٹ والا۔ ابو یقظان : جاگنے والا۔ یہ مرغ کی کنیت ہے۔ ابوحُصَین : چھوٹے قلعے والا۔ یہ لومڑ کی کنیت ہے۔ یہاں حصین سے مراد لومڑ کا بھٹ ہے۔

۴۔ ایجاد یا اصلاح کرنے والا۔ یا پرورش کرنے والا۔ یا ترقی یا کمال عطا کرنے والا۔ مثلاً ابوضیف یا اَبُوالاضیاف : مہمان پرور۔ ابوالکلام : کلام میں کمال رکھنے والا۔

۵۔ سرغنہ : مثلاً : ابوالحارث : شیر۔ کیونکہ وہ سب درندوں کا سردار ہے۔ ابومالک : بھوک، بڑھاپا۔ کیونکہ یہ انسان پر خوب قابض ہو جاتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے کنیت مبالغہ کا مفہوم رکھتی ہے۔

Marfat.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کُنیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چار صاحبزادے ہوئے تھے جو قبل بعثت ہی رحلت فرما گئے تھے۔ سب سے بڑے فرزند کا نام قاسمؑ تھا۔ ان کے نام کی رعایت سے آپ کی کُنیت ابوالقاسم ہوئی۔ ابوالقاسم کا ایک اور مفہوم بھی ہے یعنی سب سے بڑھ کر عمدہ تقسیم کرنے والا۔ اس کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی وضاحت سے اشارہ فرمایا ہے۔

ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کی ترغیب دی ہے اور اپنے اسم شریف کی بھی اجازت مرحمت فرمائی ہے لیکن کنیت سے منع فرمایا کیونکہ معنوی لحاظ سے اس میں حضورؐ کا جو اختصاص ہے اس میں کوئی اور کیونکر شریک ہو سکتا ہے۔ احادیث سے نظر بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت صرف آپؐ کی حیاتِ دنیوی تک ہی تھی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اجازت عطا فرمائی تھی کہ آپؐ کے بعد اپنے بیٹے کا نام اور کنیت آپؐ کے نام اور کنیت پر رکھ لیں بعض علماء کی رائے میں یہ اجازت صرف حضرتِ علیؓ تک محدود تھی۔ بہرحال بہتر یہی نظر آتا ہے کہ آپؐ کی کنیت اختیار نہ کی جائے اور نام و کنیت سے کسی صورت یک جا تسمیہ نہ کیا جائے۔

حدیث (۱۷)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

یقیناً اللہ کو تمہارے ناموں میں سب سے پیارا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے مسلم نے اس کی روایت کی ہے

تشریح حدیث (۱۷)

اس حدیث مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسانوں کے ناموں میں سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن سب سے پیارے ہیں۔ بعض دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ نام عبدالرحمٰن سے افضل ہے کیونکہ اللہ ذاتی نام ہے اور رحمٰن صفاتی۔ اللہ تعالیٰ کے اور

Marfat.com

بھی صفاتی نام ہیں جن میں عبد کی اضافت کر کے نام رکھا جا سکتا ہے مثلاً عبدالمالک۔ عبدالرزاق وغیرہ۔

ان سب مذکورہ اسماء سے احمد اور محمد بہتر ہیں کیونکہ ذاتِ باری نے خود رکھے ہیں۔

حدیث (۱۸)

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور سمرہ بن جندب سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا تُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَّلَا رَبَاحًا وَّلَا نَجِيْحًا وَّلَا اَفْلَحَ

اپنے لڑکے کا نام نہ رکھ یسار اور نہ رباح اور نہ نجیح اور نہ افلح

فَاِنَّكَ تَقُوْلُ اَثَمَّ هُوَ فَلَا يَكُوْنُ فَيَقُوْلُ لَا

کیونکہ تو کہے گا: کیا وہ یہاں ہے؟ اور وہ نہ ہوگا تو جواب میں کوئی کہے گا نہیں

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ

اس کی روایت مسلم نے کی ہے اور اس کی ایک اور روایت میں ہے، آپؐ نے فرمایا

لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحًا وَّلَا يَسَارًا وَّلَا اَفْلَحَ وَلَا نَافِعًا

اپنے لڑکے کا نام نہ رکھ رباح اور نہ یسار اور نہ افلح اور نہ نافع

الفاظ کے معانی

سَمّٰی: نام رکھا تُسَمِّیْ تو نام رکھتا ہے لَا تُسَمِّ تو نام نہ رکھ۔ لَا تُسَمِّيَنَّ تو ہرگز نام نہ رکھ۔ ثَمَّ۔ هُنَالِكَ: وہاں۔

تشریح حدیث (۱۸)

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں ایسے خوش معنی ناموں سے منع فرمایا کہ ان کے مسمّی سے کوئی الگ یا دور ہو تو یہ سمجھا جائے کہ وہ کسی مستحسن چیز سے دور ہوا ہے۔ مثلاً کسی کا نام "رحمت" ہو اور اس کا کوئی عزیز یا دوست یہ کہے کہ "رحمت" مجھ سے خفا ہے۔ بار بار ایسا کہنے سے رحمت کی بے وقعتی ہو گی۔ ایک اُمّ المومنین کا نام بَرّہ تھا۔ حضور

Marfat.com

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نام بدل کر جُوَیرِیہ کر دیا۔ برّہ کے معنی ہیں نیکوکار عورت حضورؐ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ جب آپؐ حضرت برّہ کے ہاں سے تشریف لے آئیں تو کہا جائے کہ آپؐ برّہ یعنی نیک عورت کے پاس سے چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی خیال سے چند مزید ناموں سے بھی منع فرمایا۔ مثلاً یسار، رباح، نجیح، افلح، نافع، یعلی، برکۃ وغیرہ۔

ان اسماء کے مندرجہ ذیل لغوی معانی ہیں:

یَسَار : آسانی، سہولت

رَبَاح : نفع پانا۔ تجارت کا بڑھانا

نَجِیح : بامراد

اَفْلَحُ : بہت کامران

نَافِع : فائدہ بخش۔ مفید۔ بھلا۔

یَعْلیٰ : عَلِیَ (عَلَاءً) (بلند ہوا) سے اسم مضارع ہے۔ مراد ہوگی بلند ہونے والا۔

حضورؐ نے کچھ مدت بعد ایسے ناموں کی ممانعت ترک فرما دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ان ناموں میں خوشنمائی کا پہلو بھی ہے اور ان سے طبیعت میں اچھی تاثیر بھی ہو سکتی ہے اس لیے آپؐ نے ان سے منع فرمانا چھوڑ دیا۔

حدیث (۱۹)

وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِي سَلَمَةَ قَالَتْ سُمِّيْتُ بَرَّةَ

اور زینب بنت ابی سلمہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میرا نام برّہ رکھا گیا تھا

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ

اپنے کو پاکیزہ مت جتاؤ اللہ تم میں سے نیکی والوں کو زیادہ جانتا ہے

Marfat.com

سَمُّوْهَا زَيْنَبَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اس کا نام زینب رکھو اس کی روایت مسلم نے کی

الفاظ کے معانی

بَرَّۃ: نیک عورت۔ بَرٌّ نیک مرد۔ بَرٌّ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔
لَا تُزَکُّوْا: پاکیزہ مت بتاؤ۔ صفائی مت پیش کرو۔ زَکّٰی پاکیزہ بتایا۔ صفائی پیش کی۔ نیک ظاہر کیا۔

تشریح حدیث (۱۹)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بَرّہ بنت ابی سلمہ اور بَرّہ بنت جحش دونوں کا نام بدل کر زینب رکھا۔ (مسلم)

زینب بنت جحش امہات المومنین میں سے تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی اُمیمہ کی صاحبزادی تھیں۔

بَرّہ کے نام کو بدلنے کے حدیث سے دو سبب نظر آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس اسم والی عورت کے دل میں نیکی کا غرور نہ پیدا ہو جائے جیسا کہ حدیث بالا سے ثابت ہے اور دوسرا یہ کہ اس نام کی بے قدری نہ ہو جیسا کہ آئندہ حدیث سے ثابت ہوگا۔

زینب ایک خوشنما اور خوشبو دار درخت ہے۔

حدیث (۲۰)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ بِنْتًا کَانَتْ لِعُمَرَ یُقَالُ لَهَا عَاصِیَةُ

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ عمرؓ کی ایک بیٹی تھی جس کو عاصیہ کہا جاتا تھا

فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْلَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھا۔ اس کی روایت مسلم نے کی ہے

تشریح حدیث (۲۰)

عاصیہ کے معنی ہیں نافرمان عورت۔ جاہلی عربوں میں جھگڑے فساد کی خوبو بہت تھی اس لیے

Marfat.com

ایسے ناموں کو پسند کرتے تھے۔کسی کا نام حرب (جنگ) کسی کا عُتلہ (سرکشی) اور کسی کا مُرّہ (تلخی) رکھ دیا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان ناموں سے ممانعت فرما دی۔

حدیث (۲۱)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللهِ

تم میں سے کوئی آدمی "میرا غلام" اور "میری باندی" نہ کہے تم سب اللہ کے بندے ہو

وَکُلُّ نِسَائِکُمْ اِمَاءُ اللهِ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ

اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، بلکہ کہے میرا لڑکا

وَجَارِیَتِیْ وَفَتَایَ وَفَتَاتِیْ وَلَا یَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ

اور میری لڑکی اور میرا نوجوان اور میری نوجوان اور غلام "میرا رب" نہ کہے

وَلٰکِنْ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ

بلکہ کہے "میرے آقا" اور ایک روایت میں ہے: وہ کہے "میرے آقا"

وَمَوْلَایَ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَا یَقُلِ الْعَبْدُ لِسَیِّدِہٖ مَوْلَایَ

اور "میرے مولا" اور ایک روایت میں ہے: غلام اپنے آقا کو "میرے مولا" نہ کہے

فَاِنَّ مَوْلَاکُمُ اللهُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

کیونکہ یقیناً تمہارا مولا اللہ ہے۔اس کی روایت مسلم نے کی ہے

الفاظ کے معانی

عَبْدٌ : غلام، بندہ۔جمع عَبِیْدٌ۔اَمَۃٌ لونڈی۔بندی۔جمع اِمَاءٌ۔

غُلَامٌ : لڑکا۔جَارِیَۃٌ : لڑکی۔

فَتًی : نوجوان لڑکا جمع فِتْیَانٌ۔فَتَاۃٌ نوجوان لڑکی۔

Marfat.com

سَیِّدٌ : سردار۔ مالک۔ آقا۔
مَوْلٰی : مالک۔

تشریح حدیث (۲۱)

اسلام نے قانوناً غلامی کو ممنوع قرار نہیں دیا، جس کی متعدد وجوہ تھیں، مثلاً اس زمانے میں معاشرے میں اس کی جڑیں بہت گہری تھیں اور اسے یکلخت ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ تاہم رسول اکرمؐ نے اس سماجی برائی کے خلاف اپنی سخت کراہت کا اظہار متعدد احادیث میں فرمایا گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منشا یہ تھی کہ یہ آہستہ آہستہ بالکل ختم ہو جائے۔ دوسری طرف آپؐ نے غلاموں اور باندیوں کے احوال کی اصلاح کے لیے بہت سی اخلاقی تعلیمات فرمائیں ان کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین فرمائی۔

اس حدیث شریف میں حضورؐ نے مالکوں کو ممانعت فرمائی۔ اپنے غلام کو "میرا غلام" اور لونڈی کو "میری باندی" کہنے کی۔ غلام اور لونڈی کہہ کر پکارنے سے ان کی تحقیر ہوتی ہے اور ان کے نازک احساسات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اسی طرح غلام اور لونڈی کو منع فرمایا اپنے مالک کو "میرا رب" کہنے سے۔ اس سے بھی مالک کی بے جا تعظیم اور غلام، باندی کی تذلیل ہوتی ہے۔ اس کے بجائے انہیں "میرے آقا" کہنے کی تعلیم دی۔

اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات منجملہ ان اقدامات کے ہیں جو آپؐ نے غلاموں اور لونڈیوں کے حال کو بہتر بنانے کے لیے کیے۔

حدیث (۲۲)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ وَلَا تَقُوْلُوْا يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ
انگور کو کرم مت کہو اور "اے دہر کی کم بختی" مت کہو
فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ
کیونکہ یقیناً اللہ ہی دہر ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا

Marfat.com

الفاظ کے معانی

اَلْعِنَبُ : انگور

اَلْکَرْمُ: انگور کو کَرْم کہتے ہیں۔ کَرْم کا لفظی معنی کَرَم (فیاضی، نفاست وغیرہ) میں دوسرے پر غالب آنا۔

خَیْبَۃٌ : گھاٹا۔ خسران۔ ضیاع۔ کم نصیبی۔ کم بختی۔

تشریح حدیث (۲۲)

دہر

مفہوم

دہر اصلِ لغت کے اعتبار سے زمان کے معنی رکھتا ہے چاہے اس کی مدت کم ہو چاہے زیادہ۔ قرآنِ حکیم میں بھی دہر "زمانِ محض" کے معنی میں آیا ہے۔ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ کے معنی ہیں، زمان کا کوئی وقفہ۔

دہر کی حقیقت

جب تک کائنات باقی ہے اور روز و شب کے نقوش جھلملا رہے ہیں اس وقت تک زمان بھی رہے گا لیکن زمان کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا حتمی اور دو ٹوک جواب ازبس مشکل ہے۔ ارضی زندگی کے ہزاروں سال کائنات کے کسی اور مقام پر ایک لمحہ کے برابر ہو سکتے ہیں۔ صاحبِ معراج علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس سے ہو کر سات آسمانوں کی سیر فرمائی، متعدد مناظر نگاہوں سے گزرے، خلوت کدۂ حق میں جلوہ ساماں ہوئے۔ اور پھر بیت المقدس سے ہوتے ہوئے واپس تشریف لائے۔ تاہم فضائے مکہ کی چشمِ مشتاق نے ابھی تک پلک بھی نہیں جھپکی تھی۔

زمان کا عقدہ آج تک کسی فلسفی یا حکیم سے حل نہ ہو سکا۔ انسان فکر کی عمیق گہرائیوں میں ڈوب کر دیکھے تو گمان ہی نہیں بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ زمان کا کوئی خارجی وجود نہیں، یہ محض ایک ذہنی حقیقت ہے۔ یہ حواس کا ایک ایسا فریب ہے جس میں مبتلا ہوئے بغیر چارہ نہیں۔ یہ ذہن کا تار و پود ہے جو ذہن ہی میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں بنتا ہے۔ اسے ایک عملی حقیقت کے طور سے قبول نہ کیا جائے تو ذہن انتشار اور افراتفری بلکہ فوری ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

زمان کی حقیقت کچھ بھی ہو ہمارے محدود حواس اسے رواں دواں وقت کی حیثیت ہی میں جانتے ہیں جو لمحوں، ساعتوں، دنوں، ہفتوں مہینوں اور سالوں کے پر لگائے اڑے

Marfat.com

چلا جاتا ہے۔ کبھی دن اور کبھی رات کے روپ میں بدلتا ہے اور کبھی موسموں کے رد و بدل میں جلوہ آرائی کرتا ہے۔ زمان کا سلسلۂ دراز روزِ آفرینش سے جاری ہے مسلسل چلا آتا ہے لیکن کہیں سے نہیں آتا، برابر جارہا ہے، لیکن کہیں نہیں جاتا۔

دہریت

جاہل عربوں کا ایک گروہ دہر کو خارجی اور فعّال حقیقت تسلیم کرتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کے تو منکر تھے لیکن دہر کو صفات قدرت سے متصف مانتے تھے۔ ان کو بعد کے ادوار میں دہریہ کہنے لگے جس سے دہری بطور مفرد آتا ہے۔ دہر کے بارے میں ان کے مندرجۂ ذیل عقائد تھے۔

۱۔ عالم ازلی و ابدی ہے۔ اس کا کوئی خالق یا صانع نہیں۔ اس میں ایک خود کار نظام کا انحصار طبع اور دہر پر ہے۔ طبع کے قریب المعنی فطرت اور نیچر کے لفظ ہیں اور دہر کے ہم معنی زمان اور وقت کے الفاظ ہیں۔

۲۔ حیات کا سررشتہ طبع کے ہاتھ میں اور ممات کا دہر کے ہاتھ میں ہے۔ زندگی عناصر کی ترکیب و ترتیب کا نام ہے۔ طبع کا کام یہ ہے کہ ان عناصر کو باہم مربوط رکھے۔ دہر طبع کی گرفت کو رفتہ رفتہ کمزور کرتا جاتا ہے حتّٰی کہ اجزائے بدن کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ یہی موت ہے۔ ایک شاعر نے اس جاہلی تصوّر کو یوں پیش کیا ہے ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

عربوں کے نزدیک "یہ ظہورِ ترتیب" طبع کے عمل سے ہوتا ہے اور "اجزاء کی پریشانی" دہر کا کرشمہ ہے۔

۳۔ دہر کا عمل عموماً تدریجی ہوتا ہے جس میں چار مرحلے آتے ہیں۔ اس کی مثال فصل سے ملتی ہے۔ یعنی فصل

اگتی ہے
پروان چڑھتی ہے
پختہ ہوتی ہے
سوکھ کر ختم ہو جاتی ہے

عربوں کا خیال تھا کہ حیوانات کی زندگی بھی چار ادوار سے گزرتی ہے۔ آخری دور فنا کا دور ہوتا ہے۔

Marfat.com

۴۔ موت وحیات کا سلسلہ پیہم اور غیر مختتم ہے۔ عناصر پریشان ہو کر پھر ترکیب پاتے ہیں اور جدید نوع یا نئی شکل وصورت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ ۴۵: ۲۴)

ترجمہ: اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری زندگی یہی دنیا کی زندگی ہے ہم مریں گے اور زندہ ہو جائیں گے۔ ہمیں صرف دہر ہلاک کرتا ہے۔

آیت میں نَحْيَا کا لفظ نَمُوتُ کے بعد آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دہریہ زندگی کے غیر منتہی تسلسل کے قائل تھے۔ یعنی جو وجود ختم ہو جاتے ہیں ان کے عناصر سے نئے مختلف وجود پیدا ہوتے ہیں۔ وہ قیامت کے قائل نہ تھے اور نہ بعث یعنی اجساد کے دوبارہ جی اٹھنے کو تسلیم کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ زندگی خاکدانِ ارضی تک ہی محدود ہے۔ آخرت کو نہ مانتے تھے۔

۵۔ زمان ازلی، ابدی اور غیر فانی ہے۔ وہ ہر چیز کو ہلاک کر دیتا ہے حتیٰ کہ موت کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے کیونکہ عناصر جب ترکیب نو سے حیاتِ جدید حاصل کرتے ہیں تو ان کی موت کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ایک بار فرزدق نے جریر پر یوں چوٹ کی ؎

فَإِنِّي أَنَا الْمَوْتُ الَّذِي هُوَ نَازِلٌ
بِنَفْسِكَ، فَانْظُرْ كَيْفَ أَنْتَ تُحَاوِلُهُ

ترجمہ: میں تو موت ہوں جو تجھ پر نازل ہوگی
پس سوچ لے تو اس سے کیا حیلہ کرے گا

جریر نے جوابی وار کیا ؎

أَنَا الدَّهْرُ يُفْنِي الْمَوْتَ، وَالدَّهْرُ خَالِدٌ
فَجِئْنِي بِمِثْلِ الدَّهْرِ شَيْئاً تُطَاوِلُهُ

ترجمہ: میں دہر ہوں جو موت کو فنا کر دیتا ہے۔ دہر کو دوام ہے۔ پس میرے سامنے کوئی ایسی چیز لا جو اس سے بڑھ جائے

۶۔ دہر ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ زمان اصل چیز میں دوران ہے۔ لیل و نہار کا اختلاف اور ایام کی رفت و گزشت درحقیقت دہر کے چکر اور پھیر ہیں۔

۷۔ زمان کا عمل اگرچہ بالعموم تدریجی ہوتا ہے لیکن اس کی رفتار کا کوئی اعتبار نہیں۔

Marfat.com

بعض دفعہ اندھی اونٹنی کی طرح اس کی رفتار بے طور ہو جاتی ہے جس پہ قدم رکھ دیا اسے کچل ڈالا۔ کوئی شخص مصیبت میں گھر جاتا تو کہتے کہ دہر اس سے بگڑ گیا ہے۔

جاہلی عربوں کے وہم میں سب دکھ اور سارے مصائب دہر کی ہی کج رفتاری سے پیدا ہوتے تھے اس لیے انہوں نے دہر اور اس کی حرکت کی نسبت سے جس قدر محاورے وضع کیے وہ عموماً آلام و اسقام ہی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مثلاً:

دَهَرَهُ اَمْرٌ اس کو کوئی بُری بات پیش آئی۔

اَبَادَهُ الدَّهْرُ اسے دہر نے ہلاک کر دیا۔

دَهَادِیر حوادث۔

قَوَارِعُ الدَّهْرِ مصائب۔

وَادَهْرَاهُ دہر تیری دہائی ہے

عرب کا ہر دہری خود کو گردشِ دوراں کا اسیر سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک اجرام سماوی کا رفتارِ زماں سے گہرا رابطہ تھا۔ اس پر بُرے دن آتے تو کبھی فلکِ کج رفتار کے شکوے کرتا، کبھی ستاروں کی گردش سے نالاں ہوتا اور کبھی بے مہریِ ایام کی فریاد کرتا تھا۔

۸۔ دہریہ رفتہ رفتہ دہر سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ اسے فاعلِ حقیقی اور غالب علی الکل سمجھنے لگے۔ اب دہر میں غلبہ کے معنی بھی آ گئے لہذا دَهَرَهُ کے معنی ہوتے: وہ اس پر غالب آیا۔ اب اس نظریہ نے سر اٹھایا کہ دہر جابر و قاہر مختارِ کُل ہے۔ کائنات کا امر اسی کے ہاتھ میں ہے۔

امر کے معنی اگرچہ عموماً حکم کے لیے کیے جاتے ہیں لیکن اس کی معنوی وسعت بہت زیادہ ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل متقارب معنی بھی ہیں:

(۱) ہدایت (۲) رہنمائی (۳) کارفرمائی (۴) بست و کشاد

دہری کے ذہن میں یہ بات تو آ گئی کہ موجودات خود بے بس اور ناچار ہیں .... فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ یعنی مختارِ مطلق ہستی کوئی اور ہے۔ لیکن اس ہستی کی تعیین و تشخیص وہ خطا کر گیا۔ اس نے سر رشتہ امر دہر سے منسوب کر دیا یعنی ایسی چیز سے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں اور محض تصور و تخیل کی پیداوار ہے۔ دہر کو اب وہ قادرِ مطلق، مختارِ کُل، موجبِ حوادث اور مسبب الاسباب ماننے لگا۔ لیکن اسے سوجھ بوجھ اور فکر و تدبر سے بالکل عاری سمجھا جاتا تھا۔

Marfat.com

دہریہ کے ہاں دہر کی بے وقعتی

دہریہ روح کے قائل نہ تھے اس لیے دہر کو جبّار و قہّار ماننے کے باوصف اسے بے سمع، بے بصر اور بے سماعت قوّت سمجھتے تھے۔ انہیں دہر سے کسی رحم، رعایت یا جاں بخشی کی توقع سرے سے نہ تھی اس لیے ان پر بھی جب کوئی مصیبت آتی تو دہر کی کوئی رعایت نہ کرتے اور اسے جی بھر کر کوستے تھے۔

دہریت کی تردید

اسلام نے دہریہ کے بے بنیاد اور جاہلانہ عقائد کی تردید کی اور انہیں بتایا کہ تم نے قادرِ مطلق کی تعیین میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ قادرِ مطلق دہر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ دہر تو محض فریبِ تخیل ہے۔ اس کا جب اپنا ہی کوئی وجود نہیں تو وہ موجودات پر کیونکر تصرف کرے گا۔ کائنات کا امر اللہ کے ہاتھ میں ہے، باقی ہر چیز مامور ہے۔ لیل و نہار کا غیاب و ظہور اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔ حدیث قدسی ہے۔

يُؤْذِيْنِي ابْنُ اٰدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔ (خازن۔ سورۂ جاثیہ)

ترجمہ: ابنِ آدم میرے خلاف بولتا ہے۔ وہ قادرِ مطلق کو برا کہتا ہے حالاں کہ قادرِ مطلق میں ہوں۔ کارفرمائی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں شب و روز کو پلٹاتا ہوں۔

ایک اور روایت میں یوں ہے:

يُؤْذِيْنِي ابْنُ اٰدَمَ يَقُوْلُ يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَلَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَاِنِّيْ اَنَا الدَّهْرُ اُقَلِّبُ لَيْلَهٗ وَنَهَارَهٗ فَاِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا۔ (خازن۔ سورہ جاثیہ)

ترجمہ: ابنِ آدم میرے خلاف بولتا ہے۔ کہتا ہے، اے دہر کی کم بختی! پس تم میں سے کوئی نہ کہے، اے دہر کی کم بختی! کیونکہ قادرِ مطلق تو میں ہی ہوں۔ میں شب و روز کو پلٹاتا ہوں۔ جب چاہوں انہیں روک دوں۔

ان روایات سے مندرجۂ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ دہر سے اہلِ عرب مالکِ امر یعنی کارفرما مراد لیتے تھے۔ چنانچہ پہلی روایت میں بِيَدِي الْاَمْرُ کے الفاظ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۲۔ ان احادیث سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ بعینہٖ دہر ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

Marfat.com

فَاِنِّیْ اَنَا الدَّھْرُ اُقَلِّبُ لَیْلَہٗ وَنَھَارَہٗ

اس میں ضمیر غائب کی ہے متکلم کی نہیں۔ یعنی شب و روز کی اضافت اللہ سے نہیں زمان سے ہے۔

۳۔ مشکوٰۃ کی دو حدیثیں جو متن میں درج ہیں اُن میں یہ الفاظ مشترک ہیں۔

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الدَّھْرُ

ان دونوں حدیثوں میں خطاب اہلِ اسلام سے ہے جن کے اذہان میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا واضح تصور موجود تھا۔ وہ دہر کی بے حقیقتی سے بھی واقف تھے لیکن جاہلیت کو گزرے ابھی زیادہ دن نہ ہوئے تھے۔ اس لیے عادتِ قدیم سے مجبور ہو کر بعض افراد مصیبت پڑنے پر دہر کو کوسنے لگتے تھے حالانکہ انہیں بخوبی علم تھا کہ سب حوادث اللہ تعالیٰ کی قدرت سے رونما ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی زبان سے نکلا ہوا دہر کا لفظ اللہ ہی پر صادق آتا تھا۔

۴۔ بعض لوگ دہر کو نیچر کا ہم معنی سمجھ کر احادیثِ زیرِ نظر سے نیچریت کا جواز لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کا نظام بعض مفروضہ ناقابلِ تبدیل اور ناقابلِ شکست قوانین کا پابند ہے اور اللہ درحقیقت انہی قوانین کا نام ہے۔ ہم نے سابقہ سطور میں دہر کی خوب وضاحت کر دی ہے۔ دہر کو نیچر کے مترادف سمجھنا صریحاً غلط ہے۔ نیچر کے قریب المعنی کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو وہ طبع (یا طبیعت) ہے۔ حدیث میں یہ کہیں نہیں آیا کہ اللہ (نعوذ باللہ) طبع یعنی نیچر ہے۔ اصلِ لغت کے لحاظ سے دہری کے معنی نیچری نہیں ہو سکتے ہیں بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو زمان کو ازلی وابدی اور خارجی حقیقت مانتا ہے اور اسے موجودات کا قہار اور جبار کارفرما تسلیم کرتا ہے۔ کیا اس عقیدہ کا نیچریت سے دُور کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

بَابُ الْبَیَانِ وَالشِّعْرِ

معنی و مفہوم

بیان

بیان کے لغوی معنی ہیں: خوب واضح ہونا۔ آشکار اور واشگاف ہونا۔

اصطلاح میں بیان اس کلامِ فصیح کو کہتے ہیں جو معنی و مدعا کو اس طرح واضح و واشگاف کرے کہ فوراً مخاطب کی سمجھ میں آجائے۔

شعر

شعر کے لغوی معنی ہیں جاننا۔ راز پالینا۔ محرم ہونا۔

اصطلاح میں شعر اس کلامِ موزوں کو کہتے ہیں جو اپنے معنی و مدعا کی تفہیم سے قطعِ نظر تیر و نشتر بن کر دل میں اتر جائے۔

جسے اردو میں شعر کہتے ہیں اس کے لیے عربی میں عموماً بیت کا لفظ آتا ہے۔ شعر کے بنیادی اور عام معنی شعر گوئی شاعری اور نظم کے ہیں۔ بیت شعر کا جزو ہوتا ہے۔

بیان اور شعر میں فرق

بیان عموماً کلام کو کہتے ہیں۔ بیان کا مقصود توضیح و تفہیم ہے اور شعر کا اثر آفرینی چاہے معنی مبہم رہ جائیں۔

کلام

کلام کلمات کے بامعنی مجموعہ کو کہتے ہیں۔ یہ نظم و نثر ہر دو کے لیے مستعمل ہو سکتا ہے۔

تمہید — بیان اور شاعری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم عطا کیا جس سے وہ فکر و معنی کی ثروت حاصل کرتا ہے۔ اس ذہنی ثروت کا افراد و اقوام کے درمیان تبادل ازبس لازم ہے ورنہ یہ ثروت از خود ختم ہو کر رہ جائے۔

علمی اور فکری تبادل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو توضیح و تفہیم کا ملکہ عطا فرمایا جسے بیان کہتے ہیں۔ بیان کے لیے گویائی یا کلام کی قوت بخشی اور کلام کو تحریر میں پیش کرنے کا فن سکھایا۔ ارشادِ الٰہی ہے: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ط

Marfat.com

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ○ (۵۵ : ۱-۴) مراد یہ کہ رحمانیتِ الٰہی کی جلوہ گری کی ایک صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس تعلیم کے لیے انسان ہی موزوں ہو سکتا تھا، لہٰذا اسے پیدا کیا اور پھر بیان یعنی کلام کے ذریعے سمجھنے سمجھانے کی صفت ودیعت کی۔ آیاتِ مذکورہ میں بیان کا لفظ اصطلاح کے طور سے نہیں آیا، بلکہ عام لغوی معنی میں آیا ہے۔ اس میں نظم و نثر ہر دو شامل ہیں۔ اصطلاحات کی دنیا میں نثر کے لیے بیان اور نظم کے لیے شعر کا لفظ آتا ہے۔

کلام اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ بُرے کلام کی ایک قسم وہ ہے جس پر نہایت رنگین اور نظر فریب پردے ہوتے ہیں۔ اس کو عالمگیر پیمانہ پر قبول ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے باقاعدہ مجلسیں مرتب ہوتی ہیں۔ اس کی ترتیب و تدوین ہوتی ہے اور ایوانِ علم میں اس کو نمایاں مقام مل جاتا ہے۔ یہ مخرب اخلاق نثر اور انسانیت سوز شاعری ہے۔ نظم و نثر میں تعمیری روح ہو تو اللہ تعالیٰ کی بیش قدر نعمتیں ہیں اور اگر تخریب کا کام کریں تو ان سے پناہ مشکل ہے۔ نظم و نثر نے کتنی ہی اقوام کو بام رفیع پر پہنچایا اور کتنی ہی اقوام کو پستی کے تاریک گڑھوں میں دھکیل دیا۔ اسلام نے ان کی بے پناہ قوت سے خبردار کیا اور ان سے تعمیری کام لینے کے لیے ہدایات صادر فرمائیں۔

بیان

بیان کے لیے قرآن و حدیث میں مندرجہ ذیل ضوابط مقرر ہیں :

۱۔ الفاظ سے زیادہ معنی و مفہوم کا خیال رکھا جائے۔

۲۔ صحیح لفظ اپنے صحیح معنی میں استعمال کیا جاتے۔

۳۔ بیان سے مقصود اچھے خیالات کا اظہار اور علم کی اشاعت ہو۔ محض اپنی خطابت کا لوہا منوانے کی خواہش نہ ہو۔ ایسے آدمی کے سب اعمال اکارت جاتے ہیں اور اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

۴۔ زیادہ سے زیادہ معانی کم از کم الفاظ میں بیان کیے جائیں۔ اسے بلاغت کہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے،

فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ الْخَیْرُ

ترجمہ : اختصار یقیناً بہتر ہے۔

حضورؐ نے فرمایا ہے، اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ میرا کلام ایسے کلمات پر مشتمل ہوتا ہے جو معانی کا مخزن ہیں، ان میں کوئی حرف یا لفظ زائد نہیں ہوتا مثلاً مشہور ہے

Marfat.com

خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ (بہترین کلام وہ ہوتا ہے جو قلیل ہو اور وضاحت کرنے والا ہو)

۵۔ واعظ کو باعمل ہونا چاہیے ورنہ اس کے وعظ کا الٹا اثر پڑے گا۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۶۱:۳)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک یہ بہت بُرا ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے خطیب دوزخ میں ہوں گے اور وہاں ان کے ہونٹوں پر آتشیں قینچیاں چل رہی ہوں گی۔

۶۔ کلام میں صاف گوئی سے کام لیا جائے۔ سخن سازی منافقت کی شاخ ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ دین کو سب سے زیادہ نقصان شیریں کلام منافقوں سے پہنچے گا۔

۷۔ صرف ایسے موقع پر بولنا چاہیے جہاں بولنے کی ضرورت ہو۔ بے کار اور لگاتار بولنا منع ہے۔

وہ ملکہ جسے اللہ تعالیٰ نے باہمی ربط وضبط اور علم کا نور پھیلانے کے لیے عطا فرمایا ہے اسے بے کار صرف کیا جائے یا غلط موقع ومحل پر استعمال میں لایا جائے تو کتنا ظلم اور کس قدر جہالت ہوگی۔ لایعنی کلام کے مقابل خاموشی میں ہزار حکمت ہے۔ گویائی کے آلات بدنی اور ذہنی طاقت کے خزینہ سے وافر حصہ وصول کرتے ہیں اس لیے اطبا، کمزوری کی حالت میں اور بعض امراض میں بولنے کی پابندی لگا دیتے ہیں۔ بے مقصد باتوں سے ذہن خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ گویائی چونکہ معنی ومطلب کی امین اور شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے ربط وضبط سے نکل جانے کا شخصیت پر تباہ کن اثر پڑتا ہے۔

پُرگوئی ذہنی بیماری ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل انواع عام ہیں۔

ثَرثَرَۃ: لگاتار اور لایعنی کلام، بے لگام بولنا۔

یہ ذہنی خبط اور اضمحلال کی دلیل ہوتا ہے۔

تَشَدُّق: ایسی سخن رانی جو مطلب سے تو چاہے خالی نہ ہو لیکن فائدہ سے تہی اور احتیاط سے بعید ہو۔ بے باک کلام۔

ایسا کلام تخریب کا ضامن ہوتا ہے۔

تَخَلُّل بِاللِّسَان: زبان کو منہ میں گردان رکھنا۔ سمع خراشی کرنا۔

Marfat.com

یہ مرض عموماً ان لوگوں کو لاحق ہوتا ہے جنہیں اپنی آواز بہت پیاری لگتی ہے۔ اس بیماری سے نہ بولنے والے کا پیچھا چھوٹتا ہے اور نہ اس سے ہم نشیں جان بچا سکتے ہیں۔

۸۔ لہجہ میں ناروا تکلف اور ساختہ پرداختہ تصنع ریاکاری کی دلیل ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں۔

تَنَطُّع : تالو کے پیچھے سے آواز نکال کر رعب سے بولنا۔
یہ تکبّر کی علامت ہے۔

تَفَیہُق : آواز سے منہ بھر کر اور لہجہ پسار کر بولنا۔
یہ عموماً خود فریب اور نام نہاد علماء کا لہجہ ہوتا ہے۔

شاعری

شاعری بنفسہٖ نہ بُری ہے نہ بھلی۔ اس میں اچھے خیالات پیش کیے جائیں تو قابلِ تحسین ہے۔ اور بُرے خیالات کی اشاعت کی جائے تو مذموم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک بار شاعری کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ کلام ہے۔ اس میں جو اچھائی ہے سو اچھائی ہے اور جو برائی ہے سو برائی۔

شعر کو ذہنی آراستگی، اخلاقی تعمیر اور قومی سربلندی کے لیے استعمال کیا جائے تو بہت قدر و قیمت کا مستحق ہوتا ہے۔ ایسے ہی شعر کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد باللسان کا نام دیا ہے۔ سورۃ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیات میں شعراء کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ

ترجمہ: اور شعراء کی پیروی تو گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اللہ کا بہت ذکر کیا اور ظلم کیے جانے کے بعد بدلہ لے لیا۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شعراء کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل: جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان کی فکر غلط راہوں پر چلتی ہے۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

دوم: جو صاحبِ ایمان اور صاحبِ عمل ہیں۔ ملّی حمیّت سے معمور ہیں اور ان کے اشعار میں اللہ کا ذکر ہے۔

شاعری اور مبالغہ لازم و ملزوم ہیں۔ مبالغہ کو احتیاط کی حدود میں بند رکھنا مشکل ہے اس لیے یہ بارہا کذب اور افتراء کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بغیر شاعری کو عموماً شاعری سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اس لیے اس زمانے میں بھی جب کہ عرب میں شاعری کو حکمت کا ہم معنی اور مردانگی کا زیور سمجھا جاتا تھا قرآن حکیم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ (یٰس ۳۶: ۶۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپؐ کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ آپؐ کے شایانِ شان ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

آپؐ کی طبع مبارک کو فطری طور پر اس فن شاعری سے اتنا بعید رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اس وقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں۔ آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں کہا، یوں رجز وغیرہ کے موقع پر کبھی ایک آدھ مرتبہ زبانِ مبارک سے مقفّیٰ عبارت نکل کر بے ساختہ شعر کے سانچہ میں ڈھل گئی ہو تو وہ الگ بات ہے۔ اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں کہتے۔ آپؐ خود تو شعر کیا کہتے کسی دوسرے شاعر کا شعر یا مصرع بھی ساری زندگی میں دو چار مرتبہ سے زائد نہیں پڑھا اور اور پڑھتے وقت اس میں ایسا تغیر کر دیا کہ شعر شعر نہ رہے محض مطلب شاعر ادا ہو جائے۔ غرض آپ کی طبعِ شریف کو شاعری سے مناسبت نہیں دی گئی تھی، کیونکہ یہ چیز آپؐ کے منصبِ جلیل کے لائق نہ تھی۔ آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپؐ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدوں ادنیٰ ترین کذب و غلو کے روشناس کرانا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہو سکتا کیونکہ شاعریت کا حسن و کمال کذب و مبالغہ، خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں۔ شعر میں اگر کوئی جز و محمود ہے تو اس کی تاثیر اور دل نشینی ہو سکتی ہے سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر بھی اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصلی روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح و عاقل دنگ ہو کر قرآن کو

Marfat.com

شعر یا سحر کہنے لگتے تھے حالانکہ شعر و سحر کو قرآن سے کیا نسبت ؟ کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر کبھی قومیت و روحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو؟ یہ کام شاعروں کا نہیں پیغمبروں کا ہے کہ اللہ کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپؐ پہلے سے شاعر تھے۔ شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اشعار کو پسند فرمایا ہے جن میں توحید و رسالت کی عظمت بیان ہوئی یا اخلاقی ترغیب کا سامان پیدا کیا گیا یا کفار کے ہجویہ اشعار کا جواب دیا گیا۔ ہجو کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ کفار کے مقابل ہو اور وہ بھی اس شرط سے کہ انہوں نے پہل کی ہو ورنہ قرآن تو ان کے بتوں کو برا کہنے سے روکتا ہے۔ مسلمان بھائی کے خلاف ہجو کہنا ممنوع ہے چاہے جواباً ہی ہو۔

کعبؓ بن زہیرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قصیدہ پڑھا تو آپؐ نے انہیں چادر عطا فرمائی اور بقول بعض ایک سو اونٹ بھی مرحمت فرمائے۔ یہ چادر حضرت معاویہؓ نے تیس ہزار اور بقول بعض بیس ہزار میں خریدی۔ خلفاء اسے جمعہ اور عید کے موقع پر پہنتے تھے (کتاب العمدہ ابن رشیق) حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد النبی میں منبر رکھا جاتا تھا اور وہ اس پر بیٹھ کر اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ نے ایک بار ان سے فرمایا، قریش کی ہجو کرو۔ جبرئیل تمہارے ساتھ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جاہلی شاعروں کے ان صاف اشعار کو یاد رکھتے تھے جن میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور ہوتا یا ان سے لغوی تشریح میں مدد ملتی تھی۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شعر عرب کا دیوان ہے (کتاب العمدہ) حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ شعر میں اچھی بات بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔ اس میں سے اچھی بات لے لو اور بری چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا وَ إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً۔

ترجمہ: بعض بیان جادو ہوتا ہے اور بعض نظم حکمت ہوتی ہے۔

طبیعت کی موزونی سے وقتاً فوقتاً ارفع خیالات کے شعر کہہ دیے جائیں تو حرج نہیں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ ایسے اکابر صحابہؓ سے اشعار منقول ہیں لیکن شاعری کو دیگر علوم کے مقابل مستقل علم کے طور سے اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عمرؓ کا

Marfat.com

قول ہے کہ شاعری ان لوگوں کا علم ہے جن کے پاس اس سے بہتر علم نہ ہو۔ (کتاب العمدہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ ذیل قسم کی شاعری سے منع فرمایا ہے۔

۱۔ آدمی شعر کی دنیا ہی میں کھو جائے۔ شعر گوئی اور شعر خوانی کو وظیفۂ حیات بنا لے اور کسی دوسری طرف توجہ نہ دے۔

۲۔ ایسے اشعار کہنا جو عمدہ خیالات سے خالی ہوں۔ ان میں صرف تخیل پردازی اور دروغ بافی ہو۔

۳۔ صرف موسیقی کی خاطر شعر کہنا۔

۴۔ ایسے اشعار کہنا جن میں عشق و عاشقی کا ذکر اور سفلی جذبات کا اظہار ہو۔

۵۔ وہ اشعار جن سے اپنی یا ممدوح کی شہرت مقصود ہو۔

۶۔ وہ شعر گوئی جسے وسیلۂ رزق بنایا جائے۔

حدیث (۲۳)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا

ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، دو آدمی مشرق سے آئے اور انہوں نے تقریر کی

فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور لوگ ان کی فصاحت سے متعجب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

یقیناً بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا

الفاظ کے معانی

لِبَيَانِهِمَا: لِ (لیے۔ بسبب)، بَیَان (فصاحت)
هُمَا (ان دو کی)، یعنی اُن کی فصاحت کی وجہ سے۔

مِنْ: یہاں اس کے معنی ہیں، کچھ

لَسِحْرًا: لَ (البتہ۔ یقیناً)، سِحْرًا خبر ہے اِنَّ کی۔

Marfat.com

تشریح حدیث (۲۳)

سحر یا جادو کا کام یہ ہے کہ اشیاء کو ناظرین کی آنکھوں کے سامنے کچھ سے کچھ بنا دے اور وہ معاً تسلیم کرلیں۔ کلام کا جادو یہ ہے کہ متکلم سامع کے دماغ کو جیسے چاہے متاثر کردے اور جو بات چاہے منوالے۔

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا سے مراد یہ ہے کہ بعض فصیح کلام ایسا اثر انگیز ہوتا ہے کہ سننے والے کے دل و دماغ کو گرفت میں لے کر اپنی تاثیر میں ڈبو دیتا ہے۔ وہ باتیں جنہیں دماغ دبیسے قبول نہ کرے فصاحت کے دم میں آکر لاشعوری طور پر تسلیم کرلیتا ہے۔

حدیث میں سحر سے مراد اصل سحر نہیں کیونکہ وہ حرام ہے یہاں اس سے مراد سحر کی سی تاثیر ہے۔

حدیث زیرِ نظر میں صرف بعض بیان کو مستحسن ٹھہرایا گیا ہے۔ بہتیرے خطباء کی فصاحت محض زبان آوری ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیان کا دامن آسمان کے دامن سے ملاتے ہیں لیکن اس میں معنویت نام کو نہیں ہوتی۔ ایسا بیان منافقت کا شاخسانہ ہوتا ہے۔

حدیث (۲۴)

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور ابی بن کعب سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

یقیناً بعض شاعری حکمت ہوتی ہے ۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے

تشریح حدیث (۲۴)

حکمت (دانائی) انتہائی پسندیدہ وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم (حکمت والا) ہے اور اس نے اپنے انبیاء و رسل کو بھی حکمت عطا کی۔ انہوں نے آگے عوام الناس کو حکمت کی تعلیم دی۔ اس حدیث شریف میں رسولِ کریم نے فرمایا ہے کہ کچھ شاعری حکمت ہوتی ہے

Marfat.com

جس شاعری میں حکمت ہو وہ یقیناً مفید اور قابلِ ستائش ہے اور جس میں حکمت نہ ہو بلکہ گمراہی کی باتیں ہوں وہ نقصان دِہ اور قابلِ مذمت ہے، شاعر مختلف موضوعات پر اشعار کہتے ہیں جن میں بعض اچھے اور دوسرے بُرے ہوتے ہیں۔ پھر بات کہنے کا انداز جدا جدا ہوتا ہے، بعض شاعر جھوٹ اور مبالغے سے کام لیتے ہیں جبکہ بعض حقیقت پسندی سے۔

مختصر یہ کہ شاعری ایک انسانی کلام ہے، اس کا اچھا یا بُرا ہونا اس کے موضوع اور اسلوب پر منحصر ہے۔

حدیث (۲۵)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

پُر تکبّر لہجہ بنانے والے ہلاک ہوئے۔ آپؐ نے یہ تین بار فرمایا۔ اس کی روایت مسلم نے کی۔

الفاظ کے معانی

نِطْع، نِطَع، نَطَع: زبان کھولنے کی جڑ سے اوپر کی خالی جگہ۔

تَنَطَّعَ: اس طرح لہجہ بنا کر بولنا کہ آواز زبان کی جڑ کے اوپر کے خلاء سے اٹھتی ہوئی معلوم ہو۔ یہ آواز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان رعب اور دبدبہ بٹھا رہا ہو۔ تَنَطُّع میں چونکہ تکبّر پایا جاتا ہے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا کہ اس انداز سے بولنے والا آدمی ہلاک یعنی برباد ہے۔

تشریح حدیث (۲۵)

اس حدیث شریف میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پُر تکبّر لہجہ بنانے والے ہلاک ہوئے۔ تکبّر (بڑا بننا) خواہ فعل میں ہو یا قول میں قابلِ مذمت اور باعثِ ہلاکت ہے۔ تکبّر کرنے والا اس بڑائی کے اپنے اندر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کے اندر فی الحقیقت نہیں ہے لہٰذا جب اس کی حقیقت ظاہر ہوگی، جو کہ لازماً ظاہر ہوگی، تو اس کے لیے ذلت

Marfat.com

اور شرمساری کا موجب بنے گی جو اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگی۔ انسان کو ہر طرح کے تکبّر سے پرہیز کرنا چاہیے اپنی اوقات میں رہنا چاہیے اسی میں اس کی عافیت ہے۔

حدیث (۲۶)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِیْدٍ

سب سے سچ بات جو شاعر نے کہی (وہ) لبید کا (یہ) قول ہے:

اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

جان لو، اللہ کے سوا ہر شے بے ثبات ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

كَلِمَةٌ : اگرچہ نحو میں مفرد لفظ کے لیے آتا ہے لیکن عام لغت میں یہ کلام کے معنی بھی دیتا ہے۔

لَبِیْدُ بْنُ رَبِیْعَه : بنو عامر کا رئیس اور شاعر تھا۔ صاحبِ معلقہ تھا۔ اسلام سے قبل بھی اس کا شرفاء میں شمار ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد اس نے شاعری موقوف کر دی اور کہا کہ میرے لیے قرآن بہت ہے۔ اخیر میں کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۴۱ ہجری میں ڈیڑھ سو برس کے لگ بھگ عمر پا کر رحلت کی۔

اَلَا : خبردار۔ آگاہ رہو۔ جان لو۔ حرفِ تنبیہ ہے۔

مَا خَلَا : سوا۔

بَاطِلٌ : مٹنے والا۔ زائل ہونے والا۔

تشریح حدیث (۲۶)

موجودات کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا ہر شے فانی اور بے ثبات ہے۔ ازل سے ابد تک بقا صرف ذاتِ الٰہیہ کو حاصل ہے۔ حضرت لبیدؓ بن ربیعہ

Marfat.com

نے اپنے ایک شعر کے پہلے مصرعہ میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے سچی بات قرار دیا ہے جو کسی شاعر نے کہی۔ لبید کا پورا شعر اس طرح ہے ؎

اَلَا کُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

دوسرے مصرعہ کا ترجمہ اس طرح ہے : اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے۔

حدیث (۲۷)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ

اور عمرو بن شرید سے روایت ہے ان کے باپ کی جانب سے۔ انہوں نے کہا،

رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ

ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سوار تھا کہ آپ نے فرمایا،

هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ اُمَيَّةَ بْنِ اَبِي الصَّلْتِ شَيْءٌ

کیا تیرے پاس امیہ بن ابی صلت کے کچھ شعر ہیں ؟

قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِيْهِ فَاَنْشَدْتُهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ

میں نے کہا ہاں۔ فرمایا، تو سناؤ۔ تو میں نے آپ کو ایک شعر سنایا تو فرمایا اور سناؤ

ثُمَّ اَنْشَدْتُهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ

پھر میں نے آپ کو ایک شعر سنایا تو آپ نے فرمایا، اور سناؤ

حَتّٰى اَنْشَدْتُهٗ مِائَةَ بَيْتٍ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ

یہاں تک کہ میں نے آپ کو ایک سو شعر سنائے۔ اسے مسلم نے روایت کیا

الفاظ کے معانی

رَدَفَ یا رَدِفَ : کسی کے پیچھے سواری پر بیٹھنا۔

Marfat.com

رِدف یا رَدِیف: پیچھے سوار ہونے والا۔
اُمیّہ بن ابی صلت: بنو ثقیف کا رئیس اور بلند پایہ شاعر تھا۔ ۶۳۰ عیسوی میں فتح طائف سے کچھ قبل وفات پائی۔ اسلام سے مشرف نہ ہوا تھا۔ نیک اور خدا ترس آدمی تھا۔ حنفیت کا پیرو تھا یعنی توحید کو مانتا تھا اور بت پرستی کے خلاف تھا۔ اس کے اشعار میں حمد الٰہی اور مذمت دنیا کے مضامین ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بارے میں فرمایا تھا کہ اس کی زبان ایمان لائی لیکن دل کافر رہا یعنی اس کے دل اور عقیدہ میں تضاد تھا۔
هِیهْ: دراصل اِیهْ اسم فعل ہے جس کے معنی ہیں (۱) لا (۲) اور سنا۔

تشریح حدیث (۲۷)

اُمیّہ بن ابی الصّلت اگرچہ ایمان نہ لایا تھا بلکہ اس کا رویہ اہل ایمان کی بابت مخالفانہ و معاندانہ رہا تھا لیکن چونکہ اس کے اشعار حمد الٰہی اور حکمت سے پُر تھے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے اشتیاق سے اور فرمائش کر کے اس کے اشعار سنے۔
اس حدیث مبارکہ سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ اہمیت کلام کی ہے نہ کہ اس کے کہنے والے کی۔ حکمت کی باتیں جس شاعر کے کلام میں بھی موجود ہوں اس کا پڑھنا، سُننا، اور سنانا جائز ہے۔

حدیث (۲۸)

وَعَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ بَعْضِ الْمَشَاهِدِ
اور جندب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی معرکے میں تھے
وَقَدْ دَمِيَتْ اِصْبَعُهٗ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ
اور آپؐ کی انگلی سے خون بہہ نکلا تو آپؐ نے فرمایا، تو صرف ایک انگلی ہی تو ہے
دَمِيْتِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
جو خون آلود ہوئی اور سمجھ جو کچھ پیش آیا اللہ کی راہ میں ہے۔ متفق علیہ ہے

Marfat.com

الفاظ کے معانی

مَشَاھِد جمع ہے مَشْہَد کی۔ مَشْہَد کے لغوی معنی ہیں؛ حاضر ہونے کی جگہ۔ شہید ہونے کی جگہ۔ یہاں معرکہ مراد ہے۔

دَمِیْتِ: خون آلود ہوا۔ اس سے خون بہا۔ دَمِیْتِ مؤنث کا صیغہ ہے۔

تشریح حدیث (۲۸)

یقین سے بتانا مشکل ہے کہ حدیث میں کس معرکہ کی طرف اشارہ ہے۔ آگے اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ شعر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود موزوں فرمایا یا کسی اور شاعر کا ہے۔ طبری وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ شعر حضور کا اپنا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ولید بن ولید کا ہے۔ اور بعض اسے عبداللہ بن رواحہؓ سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شعر انہوں نے غزوۂ مُوتہ میں کہا تھا۔

شعر میں زخمی انگلی سے خطاب ہے۔ اس سے کہا گیا ہے کہ بے شک تو زخم رسیدہ اور خوں چکاں ہے، لیکن مضائقہ نہیں کیونکہ تُو نے یہ زخم اللہ کی راہ میں اٹھایا ہے اس راہ میں انگلی تو کیا ساری جان بھی فدا ہو جائے تو عین سعادت ہوگی۔

حدیث (۲۹)

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور براء سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا

يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ اُهْجُ الْمُشْرِكِيْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِيْلَ مَعَكَ

قریظہ کی جنگ میں حسانؓ بن ثابت سے، مشرکوں کی ہجو کر کیونکہ یقیناً جبرئیل تیرے ساتھ ہے

وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانَ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان سے فرمایا کرتے تھے،

اَجِبْ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

میری طرف سے جواب دے۔ اے اللہ تو روح القدس سے اس کی تقویت کر۔ متفق علیہ ہے

Marfat.com

الفاظ کے معانی

یَوْمُ قُرَیْظَۃَ: بنو قریظہ کی جنگ۔ قریظہ یہودِ مدینہ کا ایک قبیلہ تھا۔ اس نے جنگ خندق میں اہلِ اسلام سے غداری کی تھی۔ جنگ کے خاتمہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غداری کی سزا دینے کے لیے ان پر فوج کشی کی۔

حَسَّان بن ثابت: انصاری شاعر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اشعار کہا کرتے تھے۔ کفار کی ہجو میں کمال رکھتے تھے۔ ان کا دیوان شعری سرمایہ ہی نہیں بلکہ اس وقت کا تاریخی تذکرہ بھی ہے۔ حضرتِ علیؓ کے دورِ خلافت میں ایک سو بیس کی عمر میں وفات پائی۔

هَجَا: ہجو کی۔ یَهْجُو: ہجو کرتا ہے۔ اُهْجُ: ہجو کر

اَیَّدَ: قوت دی۔ اَیِّدْ: قوت۔

اَجِبْ عَنِّی: میری طرف سے جواب دے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کی ہجو جواباً کی جاتی تھی۔

رُوحُ الْقُدُسِ: جبرئیل۔

تشریح حدیث (۲۹)

عربوں کے ہاں زبان دانی اور شاعری کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ قبائل کے مابین جنگ و قتال عام معمول تھا۔ اس محاذ آرائی اور جنگ میں شعراء بھی اہم کردار ادا کرتے تھے۔ وہ اپنے قبیلے کے محاسن و مفاخر اور حریف کے معائب و نقائص بیان کرتے۔ مقصود یہ ہوتا تھا کہ اپنے آدمیوں میں جوش و ولولہ پیدا کیا جائے اور دشمن کے آدمیوں کا حوصلہ پست کیا جائے۔ اعدائے اسلام نے مسلمانوں پر متعدد جنگیں مسلط کیں، ان جنگوں کے دوران اور آگے پیچھے بھی ان کے شعراء زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق مسلمانوں کی ہجو کہتے اور اپنے لوگوں کی تعریف کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت حسان بن ثابت اور بعض دوسرے شعراء ان کی ہجو کا جواب دیتے۔ اس حدیث شریف میں رسول کریمؐ نے حضرت حسان کو ایک جنگ میں اعداء کی ہجو کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ حضرت حسان چونکہ اپنے اشعار کے ذریعے حق کی مدد فرماتے تھے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ روح القدس کے ذریعے

Marfat.com

ان کی تقویت فرما۔

اس حدیث شریف سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ حق کی مدد کے لیے مجاہدین اسلام کی تعریف اور دشمنانِ اسلام کی ہجو میں اشعار کہنا نہ صرف جائز بلکہ بہت بڑی نیکی ہے۔ کفّار کے خلاف جنگ کے دوران شعرائے اسلام کے ملّی اور جنگی ترانے بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

Marfat.com

بَابُ
حِفْظُ اللِّسَانِ وَالْغِیْبَۃِ وَالشَّتْمُ

حِفْظُ اللِّسَانِ

معنی و مفہوم

حِفْظُ اللِّسَانِ کے لغوی معنی ہیں ، زبان کی نگہداشت کرنا یا اسے قابو میں رکھنا مراد یہ کہ زبان کو اپنے مقصد سے بھٹکنے نہ دیا جائے اور اسے اپنی حدود کے اندر رکھا جائے۔[1]

زبان کے مقاصد

زبان کے مندرجہ ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں :

۱۔ بیان : اپنی معلومات، مشاہدات اور افکار کا اظہار۔
۲۔ معاشرتی ربط : زبان معاشرتی ارتباط کا ایک بنیادی وسیلہ ہے۔

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا یعنی زبان سے تسخیر قلب ہوتی ہے اور دل کی دل سے راہ ہوتی ہے۔

برا کلام چونکہ ارتباط کے بجائے افتراق پیدا کرتا ہے اس لیے اسے ہجر کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے لَا تَقُوْلُوْا ھُجْرًا[2] (بدکلامی نہ کرو)

زبان کی حدود

زبان کی حدود یہ ہیں کہ آدمی صرف وہ بات کہے جس میں بھلائی ہو۔ برا کلام درکنار اس کلام سے بھی پرہیز کرے جو عبث اور مشتبہ ہو۔

عبث کلام وہ ہے جس میں نہ نفع ہو، نہ ضرر۔ اور مشتبہ کلام اسے کہتے ہیں جس میں نفع و ضرر دونوں کا احتمال ہو۔

حدیث میں حِفْظُ اللِّسَانِ کا راز یوں بیان ہوا ہے :

کُفَّ لِسَانَکَ اِلَّا عَنْ خَیْرٍ[3]

ترجمہ : زبان کو بھلی بات کے سوا ہر چیز سے روک لے۔

---

[1] مفردات راغب [2] الترغیب والترہیب [3] الترغیب والترہیب ۔ جزو ۳ :

Marfat.com

درازنفسی سے ان الفاظ میں منع فرمایا گیا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ لَكُمُ الْبَيَانَ كُلَّ الْبَيَانِ (احیاء العلوم، حقوق الاخوۃ)

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے لیے باتیں ہی باتیں ناپسند ہیں۔

زبان کی اہمیت

زبان کا دامنِ عمل بے کنار ہے۔ ایمان اور عمل کی بنیاد رکھنے میں زبان وافر حصہ لیتی ہے۔

زبان اور ایمان

ایمان کا مدار قلب پر ہے اور قلب کی استقامت زبان کی استقامت پر مبنی ہے اس لیے ایمان کے لیے تصدیق بالقلب کے ساتھ اقرار باللّسان لازم ہے۔ اس اقرار باللّسان کو ارکانِ اسلام میں اوّلیں درجہ حاصل ہے۔ ایمان اور زبان کے باہمی ربط کا مندرجہ ذیل حدیث سے اندازہ ہو سکتا ہے :

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ[۲]

ترجمہ : جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ بھلی بات کہے یا چپ رہے۔

مراد یہ کہ آدمی کو ایمان کی سلامتی درکار ہے تو زبان کو قابو میں رکھے۔

عمل بہت حد تک کلام کا تابع ہوتا ہے۔ اعضا نے بدن کی قیادت زبان کے ہاتھ میں ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ زبان راست رو ہو تو دیگر اعضا بھی سیدھی راہ چلتے ہیں اور اگر وہ بہک جائیں تو یہ بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

زبان کی سلطنت شخصی اعمال تک ہی محدود نہیں بلکہ جملہ علوم و فنون اور خیالات و نظریات پر بھی چھائی ہوئی ہے۔ علوم و افکار کے لیے الفاظ کے ظروف لابدی ہیں اور ان ظروف کی صانع زبان ہے۔ زبان ناقص ہو تو تصورات اور تخیلات بھی ناقص رہتے ہیں۔

زبان اور تخیل

الفاظ کے بغیر تخیل کا وجود ناممکن ہے۔ تخیل اپنی معنویت کے لیے الفاظ کا محتاج ہے۔ بلکہ بعض لوگ تو فکر و تخیل کو "خاموش کلام" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک ماہرِ نفسیات یہاں تک کہہ گیا ہے کہ سوچنا خاموشی سے بولنا ہے اور بولنا آواز کے لباس میں سوچنا

---

[۱] الترغیب والترهیب ج: ۳ [۲] اربعین نووی بحوالہ صحیحین۔

Marfat.com

ہے۔ اگرچہ یہ دعویٰ نقص سے خالی نہیں لیکن اس میں حقیقت کی طرف ایک واضح اشارہ ضرور ہے۔

الفاظ کے اثرات

زبان کی تخلیقات پائدار اور قوی الاثر ہوتی ہیں۔ ہر لفظ اور ہر صوت ایک زندہ قوت ہوتی ہے جو فضا میں متحرک نقوش یا لہروں کی صورت میں آباد ہو جاتی ہے۔ جدید سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ ہر صوت جداگانہ ہستی رکھتی ہے جو قوت یعنی انرجی (ENERGY) کا ایک متشکل جزو ہوتی ہے۔

صوت ایک فعّال قوّت ہے۔ اس میں زندگی اور ہلاکت ہر دو کی تاثیر ہوتی ہے اچھی اصوات پیغام حیات لاتی ہیں اور بُری اصوات ہلاکت بہ دوش ہوتی ہیں۔ ان کا اثر حیوانات اور نباتات پر ہی نہیں، جمادات پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ حالیہ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ موسیقی سے پودوں کی نشوونما بہتر اور تیز تر ہو جاتی ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بالواسطہ تائید ہو رہی ہے کہ اگر قرآن کو پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ دہشت سے پارہ پارہ ہو جاتے۔

الفاظ زندہ وجود رکھتے ہیں فضائے بسیط میں پرواز کر کے اپنا نشیمن تلاش کرتے ہیں جس چیز کے شایاں ہوتے ہیں اثر کرتا سے متاثر کرتے ہیں۔ زیر نظر باب کی دوسری فصل میں ایک حدیث آتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ منہ سے نکلی ہوئی لعنت فضا میں ادھر اُدھر پرواز کرنے کے بعد اس شخص پر اترتی ہے جو اس کا سزاوار ہو۔

اصوات کی جداگانہ ہیئات ثابت ہو چکیں۔ اب کوئی دن جاتا ہے کہ ان کی بُو بھی سائنس کی تجربہ گاہوں میں سند وجود حاصل کر لے۔ صدیوں کے تجربات کو کون جھٹلا سکتا ہے بعض اشخاص کے پاس بیٹھنے سے دل کو فرحت ہوتی ہے۔ بدمذہب افراد کے جسم سے بدبُو اٹھتی رہتی ہے۔ جب عقیدہ اور خیال بُو رکھتے ہیں تو اصوات و الفاظ اس سے کیونکر خالی ہونگے۔ حدیث ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے کلام کی بدبُو سے فرشتہ ایک میل دور ہٹ جاتا ہے[1] حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک بار اچانک بدبودار جھونکا آیا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو یہ جھونکا کیا تھا؟ یہ اُن لوگوں کی بُو تھی جو مومنین کی غیبت کر رہے ہیں[2]۔

---

[1] مشکوٰۃ، الترغیب والترهیب بحوالۂ ترمذی و ابن ابی الدنیا۔

[2] الترغیب، والترهیب بحوالۂ احمد و ابن ابی الدنیا۔

Marfat.com

بدن کی صفائی، خیالات کی صفائی پر اثر انداز ہوتی ہے۔اسی طرح خیالات اور کلمات بھی بدن کی صفائی کو متاثر کرتے ہیں۔ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے دو اشخاص کو غیبت کرنے کی بنا پر دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا تھا۔صوفیا کرامؒ کا قاعدہ تھا کہ دل میں کوئی بُرا خیال بھی گزرتا تو غسل فرماتے تھے۔دورِ جدید میں تو یہاں تک ثابت ہو چکا ہے کہ ناپاک خیالات سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

زبان اور ذہنیت کی تشکیل

زبان ذہنیت کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے۔حافظہ اور زبان کا آپس میں جو تعلق ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔اگر کسی درس کو حافظہ کے سپرد کرنا ہو تو خاموشی سے یاد کرنے کے بجائے زبان سے رٹنے سے جلد کامیابی ہوتی ہے۔زبان کو ذہن کے دوسرے ملکات پر بھی دسترس حاصل ہے۔

زبان کی صفائی سے ذہن کی صفائی اور کلام کے حسنِ ترتیب سے ذہن کا حُسنِ ترتیب حاصل ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ زبان کی نوک پلک اور اسلوب کی بہت نگہداشت کی جاتی ہے۔اخلاقی انحطاط کے دَور میں زبان پر بھی انحطاط آجاتا ہے۔

حسنِ کلام حسنِ عمل کی تمہید ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ حسنِ کلام جنت میں داخل کرتا ہے۔

صاف اور شائستہ کلام کے لیے از بس ضروری ہے کہ مطلب اور غیر متعلق مواد سے خالی ہو۔ارشادِ نبوی ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: انسان کا حسنِ اسلام ایک یہ ہے کہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔

ایک اور حدیث ہے:

لَا تَقُلْ بِلِسَانِكَ اِلَّا مَعْرُوْفًا[1]

ترجمہ: زبان سے صرف شائستہ بات کہہ۔

اَکْثَرُ النَّاسِ ذُنُوْبًا اَکْثَرُهُمْ کَلَامًا فِیْمَا لَا یَعْنِیْهِ[2]

ترجمہ: سب سے زیادہ گنہگار ہوتا ہے جو سب سے زیادہ بے مطلب کلام کرتا ہے۔

مراد یہ کہ زائد از کار باتوں سے ذہن میں غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں جو گناہ میں

---

[1] الترغیب والترهیب جزء ۳ - [2] الترغیب والترهیب جزء ۳

Marfat.com

ڈھلتے رہتے ہیں۔ اسی کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو مجھے زبان اور شرمگاہ کی (حفاظت کی) ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں[1]

شخصیت کی آئینہ دار

زبان شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ شخصیت کی نمود اور مظاہرہ تقریباً سب کو عزیز ہوتا ہے۔ زبان اس مظاہرہ کا سہل ترین ذریعہ ہے۔ اس لیے بسطِ کلام کا رجحان بالخصوص ان لوگوں میں جو ٹھوس شخصیت سے محروم ہوں عام پایا جاتا ہے لیکن اظہارِ شخصیت کا یہ کوئی ٹھوس ذریعہ نہیں بلکہ بناوٹی اور مصنوعی وسیلہ ہے، اس لیے خطاؤں اور لغزشوں سے لبریز ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث اس کی شاہد ہیں:

○ اتنی لغزش پاؤں سے نہیں ہوتی جتنی زبان سے ہوتی ہے۔

○ اکثر خطائیں زبان کی ہوتی ہیں۔

○ سب سے بڑھ کر دوزخ میں داخل کرنے والا منہ ہے۔

انسان زبان فرسائی کے ذریعے کوشش تو یہ کرتا ہے کہ سننے والوں پر اپنی شخصیت کا خوش نما نقش بٹھائے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اپنی کئی پوشیدہ خامیوں اور کوتاہیوں سے نادانستہ پردہ اٹھا دیتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

مَنْ حَفِظَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ[2]

ترجمہ: جس نے زبان کو سنبھالا اللہ نے اس کا پردہ رکھا۔

جنت یا دوزخ کا ذریعہ

کلمات کا چونکہ دیرپا اور دور رس اثر ہوتا ہے اس لیے بہتیرے فقرے ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی انہیں معمولی سمجھتا ہے لیکن وہ انسان کو دوزخ میں پہنچا تے ہیں۔ کثرتِ کلام سے سینکڑوں ایسے ہی فقرے زبان سے ادا ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی کوئی ایسی بات کہہ جاتا ہے جس کی اسے پرواہ نہیں ہوتی اور وہ اس سے دوزخ میں گرے چلا جاتا ہے[3]

الفاظ کی تاثیر سے لوگ عموماً بے توجہ رہتے ہیں۔ انہیں اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ بظاہر نہایت کم وزن الفاظ نے اعمال کے کتنے ہی سفینوں کو غرقاب کیا ہے۔ ایک صحابیؓ

---

[1] الترغیب والترھیب جزو ۳ [2] الترغیب والترھیب جزو ۳ [3] ریاض الصالحین بحوالہ بخاری

Marfat.com

کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، کیا تجھے نہ بتاؤں کہ دین کا سر آغاز اور عمود اور رفعت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں، یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا، دین کا سر آغاز اسلام ہے۔ اس کا عمود نماز ہے اور اس کی رفعت جہاد ہے۔ پھر فرمایا، کیا اس سب کا شیرازہ بند نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا، ہاں! یا رسول اللہ! آپؐ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا، اس کو اپنے تک روکے رکھ۔ میں نے عرض کیا، یا نبی اللہ! کیا ہم اپنی باتوں کے لیے بھی پکڑے جائیں گے؟ فرمایا، تیری ماں تجھے کھوئے، کیا لوگوں کو آگ میں منہ کے بل ان کی زبانوں کی حاصلات کے سوا کوئی اور چیز گرائے گی۔ (اربعین نووی بحوالہ ترمذی)

زبان کا تقویٰ

زبان کا اپنے مقاصد سے نہ ہٹنا اور حدود کا پابند رہنا اس کا تقویٰ ہے۔ یہی حفظُ اللسان ہے۔

جس طرح عام اخلاق کی بنا تقویٰ پر ہوتی ہے اسی طرح لسانی عمل کی بنا بھی تقویٰ پر ہے۔ جو آدمی کلام میں تقویٰ رکھنے سے عاجز ہو اس سے دیگر اعمال میں پرہیزگاری کی کیا اُمید ہو گی۔ کلام کی کثرت دل کو نرمی اور گداز سے محروم کر دیتی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ کلام کی جو کثرت ذکرِ الٰہی سے خالی ہو وہ دل کو پتھر کر دیتی ہے۔ مراد یہ کہ اس کے ہاتھوں آدمی طبعِ سلیم اور حُسنِ ذوق سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس سے نیک و بد کی تمیز رخصت ہو جاتی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِیْقَةَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یَخْزُنَ مِنْ لِسَانِہٖ
(الترغیب والترھیب)

ترجمہ: انسان جب تک اپنی زبان کو بند نہ کر سکے وہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ آدمی حق و باطل میں تمیز کر سکے۔

بے قابو زبان کی آفتیں

زبان کو قابو میں نہ رکھا جائے تو جیسا کہ بابِ زیرِ نظر کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے اس سے بے شمار آفتیں پیدا ہوتی ہیں جن میں بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ باطل گفتگو، بے کار مسئلے، لایعنی سوالات۔

۲۔ مِراء یعنی ناحق بحثنا۔

۳۔ خصومت۔ ناحق اور بلند بانگ دعوے پیش کرنا اور دوسروں سے لڑائی باندھ لینا۔

Marfat.com

۴۔ فحش کلامی ۔یادہ گوئی ۔

۵۔ اخلاق سوز شعر و موسیقی ۔

۶۔ فساد انگیزی ۔ افراد اور معاشرے میں جھگڑے اٹھانا ۔

۷۔ غیبت ۔

۸۔ خود ستائی ۔ ریاکاری ۔

۹۔ طعنہ زنی ۔

۱۰۔ پردہ دری ۔

۱۱۔ شماتت یعنی کسی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار کرنا ۔

۱۲۔ کسی کی ہنسی اڑانا ۔

۱۳۔ گھٹیا مذاق ۔

۱۴۔ لعنت گوئی ۔ بد دعائیں دینا ۔

۱۵۔ افشائے راز ۔

۱۶۔ وعدہ شکنی ۔

۱۷۔ دروغ ۔

۱۸۔ برائی کی اشاعت ۔

۱۹۔ منافقت ۔

انہی آفات کے پیشِ نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ زبان سے بڑھکر کوئی چیز طویل پابندی کی سزاوار نہیں ۔ (الترغیب والترھیب)

غالباً اسی وجہ سے بنو اسرائیل میں خاموشی کا روزہ ہوا کرتا تھا۔ ایک زبان کی پابندی سے ہزار راحتیں پیدا ہوتی ہیں ۔فرمانِ نبوی ہے : طُوْبٰی لِمَنْ مَلَکَ لِسَانَہٗ (الترغیب والترھیب) (ترجمہ) جس نے زبان پر قابو پایا اس کے لیے راحت ہے۔

خاموشی کی اہمیت : بے قابو زبان جو آفتیں لاتی ہے ان کے پیشِ نظر بے لگام بولنے سے خاموشی ہزار بہتر ہے ۔ حدیث ہے :

مَنْ صَمَتَ نَجَا ترجمہ : جو خاموش ہوا اس نے نجات پائی ۔

مراد یہ ہے کہ اس نے غیر محتاط کلام کی آفتوں سے نجات پائی ۔ لیکن حقیقی فضیلت اسی خاموشی میں ہے جس کے ہمراہ فکر و تدبر اور مطالعہ ہو۔ ایسی ہی خاموشی کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے ۔

Marfat.com

حدیث (۳۰)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سہل بن سعد سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ

جو مجھے ضمانت دیتا ہے اس کی جو اس کے جبڑوں کے درمیان اور اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے

أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے

الفاظ کے معانی

لَحْيٌ : جبڑے کی ہڈی۔ جبڑا۔ لَحْيَانِ دو جبڑے۔ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ جو دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان۔

مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ۔

تشریح حدیث (۳۰)

زبان درازی اور شہوت رانی ہی اکثر گناہوں کے موجب ہوتے ہیں جو ان کے فتنہ سے محفوظ ہو وہ جنت کا حق دار ہو جاتا ہے۔ (زبان کے غلط استعمال سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں اس کی تفصیل تمہیدی مقالے میں بیان کی جا چکی ہے)۔

حدیث (۳۱)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس کی جان پر حملہ کرنا کفر ہے۔ متفق علیہ ہے

Marfat.com

الفاظ کے معانی

سِبَاب کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (۱) سَبّ سے مصدر۔ اس صورت میں دوسرے مصدر سَبٌّ کے مقابلہ میں اس میں زیادہ مبالغہ ہوتا ہے۔ سَبّ کے معنی ہیں حقیقی عیوب بیان کرنا اور سِبَاب کے معنی ہیں کسی میں سچ اور جھوٹ دونوں طرح کے عیب بتانا۔
(۲) سَابَّ سے مصدر: اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے، ایک دوسرے کی عیب چینی کرنا، ایک دوسرے کو بُرا کہنا۔

سَبّ کے کئی درجے ہو سکتے ہیں۔ معمولی بُرا بھلا کہنے یا عیب نمائی سے گالی گلوچ تک اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔

سَبّ کا ایک اور مترادف شَتم ہے جو اس باب کے عنوان میں آیا ہے۔ شتم کے مفہوم میں بھی طعنہ سے لے کر گالی گلوچ تک شامل ہیں۔

کسی کو احمق یا جاہل کہنا بھی شتم ہے (احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۷۷)۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی پر ناحق باتیں چسپاں کرنا مثلاً اللہ سے بیٹا منسوب کرنا بھی شتم ہے۔

قِتَال: قَاتَلَ سے مصدر ہے یعنی ایک دوسرے سے جنگ کرنا۔ قتال اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں جان سے مارنا مقصود ہو۔

فسق کے اصل معنی ہیں: باہر نکل آنا مثلاً فَسَقَ الرُّطَبُ کھجور چھال سے باہر نکل آئی۔ اگرچہ فسق اصل لغت کے اعتبار سے کفر کو بھی شامل ہو سکتا ہے لیکن اس کا عام استعمال شرع کی خلاف ورزی اور حد شکنی کے معنی میں ہے جسے کبیرہ گناہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

کُفْرٌ: کی تنوین کا اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ ایک قسم کا کفر ہے یعنی اعتقادی کفر نہیں بلکہ عملی کفر یعنی کافرانہ حرکت ہے۔

تشریح حدیث (۳۱)

سباب کسی درجے میں بھی ہو حرام ہے۔ اس کا شمار کبائر میں ہے۔ سباب کے جواب میں بھی حتی الوسع صبر کرنا چاہیے۔ اس صبر کا بہت صلہ ہے۔ آدمی جوابی سباب میں حد سے بڑھ جائے تو آغاز کرنے والے کے برابر گنہگار ہو جاتا ہے۔

مسلمان کو ناحق قتل کرنے کی سزا جہنم ہے۔ جو شخص مسلمان سے جنگ کرنے کو عقیدۃً جائز سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ صرف دفاع کے لیے مسلمان پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے۔

Marfat.com

حدیث (۲۲)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَیُّمَا رَجُلٌ قَالَ لِاَخِیْہِ کَافِرٌ

جس آدمی نے اپنے بھائی کو کافر کہا

فَقَدْ بَاءَ بِھَا اَحَدُھُمَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

تو ان میں سے ایک اس کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

بَاءَ بِھَا: ایسی جگہ جہاں وہ بات پہنچی یعنی اس کا مورد۔ اس کا سزاوار ٹھہرا، اس کا وبال اٹھایا۔

فَقَدْ بَاءَ بِھَا اَحَدُھُمَا سے مراد یہ ہے کہ جسے کافر کہا گیا ہے وہ کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہو گا۔

تشریح حدیث (۲۲)

حدیثِ زیرِ نظر میں بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے۔ مسلمان کو دیدہ و دانستہ کافر کہنا اور اسے عقیدۃً کافر سمجھنا عین کفر ہے۔ ایمان مسلمان کی عزیز ترین نعمت ہے۔ وہ ہر نعمت کو اس کے سامنے ہیچ جانتا ہے۔ اس کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

مومن کو ایمان کی لاج جان سے بھی پیاری ہوتی ہے۔ جو لوگ اس کے شریکِ ایمان ہوتے ہیں ان کی ناموس کو اپنی ناموس سمجھتا ہے اور جو ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں ان کی تردید کے لیے جان و تن کی قربانی سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اسے قطعاً گوارا نہیں ہوتا کہ مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہا جائے کیونکہ یہ حق پہ صریح حملہ ہے۔ یہ حرکت مسلمان سے کبھی سرزد نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ وہ صرف نام کا مسلمان ہو۔

ایمان کے بعد نیکی کا درجہ آتا ہے۔ اعمالِ حسنہ زندگی کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ نیکی میں بڑی کشش ہے۔ نیک آدمی کو نہ صرف نیکی سے بلکہ نیکی والے سے بھی محبت ہوتی ہے۔ دلوں

Marfat.com

ایک ہی راہِ عشق کے جادہ پیما ہوتے ہیں۔
نیک آدمی کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ نیکی خوب پھیلے اور نیکو کاروں کی کثرت ہو۔ اسے منظور نہیں ہوتا کہ کوئی آدمی نیکی کی راہ سے الگ ہو جائے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ نیک آدمی پر جان بوجھ کر بُرائی کا لیبل لگائے اور اسے اپنی دنیا سے بیگانہ کرنے میں کوشاں ہو۔ یہ کام فاسق اور بداعمال شخص ہی کر سکتا ہے۔

حدیث (۳۳)

وَعَنْ اَنَسٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ	
اور انسؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ یقیناً	
رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا	
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک دوسرے کو برا کہنے والے جو کہیں	
فَعَلَی الْبَادِیْءِ مَا لَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ	رواہُ مُسْلِمٌ
وہ ابتدا کرنے والے پر پڑتا ہے جب تک کہ مظلوم حد سے نہ نکلے۔	اسے مسلم نے روایت کیا ہے

الفاظ کے معانی

اِسْتَبَّ۔ سَبَّ سے افتعال کا صیغہ ہے مُسْتَبّ اسم فاعل ہے یعنی بُرا کہنے والا۔
بَدَاَ: شروع کیا۔ بَادِی شروع کرنے والا۔
اِعْتَدَی حد سے نکلا یَعْتَدِی حد سے نکلتا ہے لَمْ یَعْتَدِ حد سے نہ نکلا۔

تشریح حدیث (۳۳)

کسی کو ایذا کی نیت سے بُرا کہنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو بُرا کہنے لگے تو پہلا ظالم اور دوسرا مظلوم ہوگا۔ مظلوم کو حتی الوسع ضبط و تحمل اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔ برداشت نہ کر سکے تو صرف اس قدر جواب دے جو ظالم کے کہے سے بڑھ کر نہ ہو۔ اگر وہ ظالم سے بڑھ جائے تو دونوں اس بدزبانی کے گناہ اور ظلم میں برابر کے شریک ہوں گے۔
اگر ظالم گالیاں دے تو مظلوم کو ویسی ہی گالیوں سے جواب دینے کی اجازت نہیں۔

Marfat.com

گالی گلوچ کسی حال میں روا نہیں۔ مندرجہ بالا حدیث میں سَبّ کے مفہوم میں گالی گلوچ شامل نہیں۔ اس سے مُراد صرف "بُرا کہنا" ہے۔

حدیث (۳۴)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ

تم قیامت کے روز لوگوں میں سب سے بُرا دو رُخے کو پاؤ گے

الَّذِیْ یَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

جو ایک رخ کے ساتھ ان کے پاس آتا ہے اور ایک رخ کے ساتھ ان کے پاس (متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

ذَا، ذُو کی نصبی حالت ہے۔ ذُوالْوَجْهَيْنِ کے معنی ہیں دو رخوں والا۔ وَجْه منہ یا رخ کو کہتے ہیں۔

اَتٰی: آیا۔ یَاْتِیْ آتا ہے۔

تشریح حدیث (۳۴)

دو رُخا پن

انسانیت اور راست روی کا تقاضا ہے کہ آدمی کی دو مخالف فریق سے راہ ورسم ہو تو ایسا نہ کرے کہ ہر ایک سے الگ الگ خلوص اور وابستگی جتا کر مطلب برآری کرے۔ مسلمان کے پاس آئے تو اسلام کا اظہار کرے اور یہودی کے پاس بیٹھے تو یہودیت کا دم بھرے۔ یہ دستور ان لوگوں کا ہوتا ہے جن میں اخلاقی جرأت کا فقدان ہو۔ بزدلی اور مصلحت پرستی ان سے مردانگی اور پامردی کے جوہر چھین لیتی ہے۔ ایمان ان کے قریب بھی نہیں آتا کیونکہ ایمان صبر و ہمت اور عزم و استقامت کا طلبگار ہوتا ہے۔ دو رُخے اور منافق شخص میں خودی اور حیا داری کا نشان ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔

Marfat.com

وہ کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سے باک نہیں کرتا۔ بُرائی کا پیکر اور فساد کا علمبردار ہوتا ہے، لہذا حدیثِ زیرِ نظر میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز اس کی بُرائی سب سے بڑھ کر رسوائے عام ہو گی۔

حدیث (۳۵)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ

تم پر صدق لازم ہے کیونکہ صدق نیکی کی طرف رہبری کرتا ہے اور نیکی یقیناً

يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ

جنت کی طرف رہبری کرتی ہے اور آدمی سچ کہے جاتا ہے اور سچ کے درپے رہتا ہے

حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَاِنَّ الْكَذِبَ

یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچ کر رہو کیونکہ جھوٹ یقیناً

يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ فَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ

بدی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور بدی یقیناً آگ کی طرف رہبری کرتی ہے

وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ

اور آدمی جھوٹ کہے جاتا ہے اور جھوٹ کے درپے رہتا ہے

حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ

یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذّاب لکھا جاتا ہے متفق علیہ ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے

قَالَ اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ

فرمایا کہ یقیناً سچ نیکی ہے اور یقیناً نیکی جنت کی طرف رہبری کرتی ہے

Marfat.com

وَاِنَّ الْکَذِبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ

اور یقیناً جھوٹ بدی ہے اور یقیناً بدی آگ کی طرف رہبری کرتی ہے

الفاظ کے معانی

اِیَّاکُمْ وَ: بچ کر رہو۔ عَلَیْکُمْ بِ: تم پر لازم ہے۔
یَھْدِیْ: رہنمائی کرتا ہے۔ رہبری کرتا ہے۔ راہ پر چلاتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے۔
ھَدٰی ماضی ہے۔
بِرٌّ: ہر قسم کی نیکیوں کے لیے ایک جامع لفظ ہے۔ (اس کے مقابل اِثْمٌ (گناہ) ہے۔
زَالَ: اپنی جگہ یا رستہ سے ہٹ گیا۔ ٹل گیا۔ قائم نہ رہا۔ لَا یَزَالُ: نہیں ہٹتا۔ قائم رہتا ہے۔ بدستور رہتا ہے۔
تَحَرّٰی، حَرٰی کے معنی ہیں جانب۔ تَحَرّٰی: کسی چیز کی جانب رخ کیا۔
فُجُوْر: بُرے کام کرنا۔ بداعمالی۔
کَذَّاب: بہت جھوٹ بولنے والا۔

تشریح حدیث (۳۵)

صدق

صدق کے لغوی معنی ہیں: سچ کہنا۔ راست ہونا۔ کامل ہونا۔
صدیق اسے کہتے ہیں جس کے رگ و پے میں صداقت بسی ہوئی ہو۔ یعنی (۱) ہمیشہ سچ بولے (۲) صداقت میں کامل ہو (۳) اپنے قول کی تائید عمل سے کرے اور (۴) سچائی کا اعتراف کرے۔
صدق کی مندرجہ ذیل تین قسمیں ہیں جو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں:

۱۔ دل کی سچائی۔
۲۔ زبان کی سچائی۔
۳۔ عمل کی سچائی۔

دل کی سچائی یہ ہے کہ آدمی کا دل صاف ہو۔ وہ جب کسی چیز کی نیت یا ارادہ کرے تو اس میں کھوٹ نہ ہو۔ اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے خلوص سے ایمان رکھے۔ اگر کسی آدمی سے برادری یا دوستی کا تعلق ہو تو اس میں دیانت اور خلوص ہو

Marfat.com

یہ تعلقات محض مطلب پرستی کی وجہ سے نہ ہوں۔

زبان کی سچائی یہ ہے کہ حق بات کے بیان کرنے میں کوئی جھجک نہ ہو اور ٹھیک ٹھیک کہہ دی جائے۔ ظالم اور جابر کفار کے سامنے حق بات کا اظہار کرنا جہاد ہے۔ اس راہ میں بعض دفعہ بہت مصائب اٹھانے پڑتے ہیں۔ جب کسی معاملہ میں کوئی شہادت دینی ہو تو سچ سچ ادا کی جائے اور اس میں جھوٹ کو قطعاً کوئی دخل نہ دیا جائے۔ جھوٹ قسم کبھی نہیں کھانی چاہیے جو شخص جان بوجھ کر جھوٹ بیان دیتا ہے یا اس میں جھوٹ قسم کھاتا ہے وہ ایسا کبیرہ گناہ کرتا ہے جو شرک کے قریب جا پہنچتا ہے۔

عمل کی سچائی سے مراد یہ ہے کہ انسان جس نیک کام کا ارادہ کرے اسے پوری دیانتداری سے بجالانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی حتی المقدور اطاعت کرے۔

جب آدمی دل زبان اور عمل کا سچا ہو تو لامحالہ نیک ہو کر رہے گا۔ اس لیے مندرجہ بالا حدیث میں آیا ہے کہ صدق نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی کا ثواب یہ ہے کہ جنت ملتی ہے۔ سچ میں شیرینی ہے۔ آدمی جوں جوں صدق پر کاربند ہوتا جائے اس کا ذوق اور بڑھتا ہے اور آخر صداقت کے انتہائی مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے صدیق کا لقب ملتا ہے۔

سچائی دل کی ہو، زبان یا عمل کی وہ ہر برائی کا راستہ بند کرتی ہے اور انسان کی زندگی کو حسن عمل سے آراستہ کرتی ہے۔ راستہ میں ہزار گھاٹیاں ہوں آخر کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ صداقت کو مقصود رکھو۔ اگر تمہیں اس میں ہلاکت نظر آئے تو کیا ہوا؟) اس میں یقیناً نجات ہے۔ مراد یہ کہ سچ بولنے والے کو بعض دفعہ بڑی ابتلاؤں سے گزرنا پڑتا ہے اور صدمے بھی اٹھاتا ہے لیکن صداقت میں آسمانی قوت و طاقت ہوتی ہے جو ہر بلا کو روند ڈالتی ہے۔ صداقت اپنے جلو میں سکون واطمینان کی نسیم لاتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ بے شک صدق اطمینان ہے۔

صدق کے مقابل کذب ہے جس طرح صدق بہت بڑی خوبی ہے اسی طرح کذب نہایت ہی قبیح برائی ہے۔ جھوٹا آدمی ہر قسم کے گناہ میں ملوث ہوجاتا ہے اور بالآخر دوزخ کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

جسے جھوٹ کی عادت پڑ جائے وہ اس میں بدستور ترقی کیے جاتا ہے۔ آدمی ہنسی مذاق کے لیے جھوٹ کہنے لگے تو سنجیدہ جھوٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بڑھتے بڑھتے کذاب کے

Marfat.com

کے درجے تک جا پہنچتا ہے۔
ادنیٰ ترین جھوٹ سے بھی دور رہنا چاہیے کیونکہ چھوٹا جھوٹ بڑے جھوٹ کو جنم دینے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

حدیث (۳۶)

وَعَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور امّ کلثوم سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ

جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہے

وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَیَنْمِیْ خَیْرًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

اور بھلی بات کہتا ہے اور بھلی بات پہنچاتا ہے متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

نَمَی: (۱) چڑھا۔ اونچا ہوا (۲) چڑھایا۔ اونچا کیا۔ پہنچایا۔
یہاں یہ لفظ دوسرے معنی میں آیا ہے۔ یعنی بات پہنچائی۔ نَمَی الْحَدِیْثَ (تشدید کے بغیر) اصلاح کی خاطر پہنچائی۔ نَمّی الْحَدِیْثَ (تشدید سے، فساد کی خاطر بات پہنچائی۔

تشریح حدیث (۳۶)

کذب اپنی اصل کے اعتبار سے حرام ہے لیکن ظلم اور فتنہ کے دفاع کے لیے سلیت کو چھپائے بغیر چارہ نہ ہو تو ایسا جھوٹ جس کا ضرر پیش نظر خطرہ پہ بھاری نہ ہو مباح ہے۔ بعض احوال میں یہ اخفاء واجب ہو جاتا ہے۔ فتنہ عظیم کے مقابل اس بے ضرر جھوٹ کا انتخاب لابدی ہوتا ہے۔ یہ جھوٹ ہمیشہ فتنہ سے دفاع کے لیے ہوتا ہے۔ جناب ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صرف تین صورتیں بتائی ہیں جو کچھ وضاحت کے ساتھ درج ذیل ہیں:

Marfat.com

۱۔ مسلمان بھائیوں کے درمیان اصلاح کرنا مثلاً:

ا۔ جب ان کے درمیان افتراق اور فساد کا اندیشہ ہو۔

ب۔ جب کوئی شخص کسی ظالم سے بھاگ کر پناہ لے اور وہ ظالم تلاش میں آئے۔

ج۔ کوئی شخص اپنا مال ظالم سے بچانے کے لیے کسی کے پاس چھپا کر رکھے اور وہ ظالم اسے حاصل کرنے آئے یا کسی سے کوئی ودلیعت چھیننا چاہے۔

۲۔ میاں بیوی ناچاقی سے بچنے کے لیے ایک دوسرے سے جھوٹ بول سکتے ہیں بشرطیکہ بعد میں اس سے ایسا فتنہ نہ اٹھے جس سے اپنا پائی اور گھرانے تباہ ہوتا ہیں۔

۳۔ جنگی اسرار کو چھپانا۔

اخفائے اصلیت کا ایک اور بھی طریقہ ہے جسے تَوْرِیَہ کہتے ہیں۔ توریہ سے مراد ہے کہ آدمی ایسے ذومعنی الفاظ یا عبارت کہے جس سے وہ جھوٹ کا مرتکب نہ ہو لیکن سامع سے اصلیت پوشیدہ رہ جائے۔ مندرجہ بالا تین صورتوں میں جہاں تک ممکن ہو توریہ سے کام لیا جائے لیکن اس کے لیے بڑی ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔

Marfat.com

بَابُ الْمُفَاخَرَةِ وَالْعَصَبِيَّةِ

مُفَاخَرَة

مفاخرہ کا مادہ فخر ہے۔ فَخْر یا (فَخَر) کے معنی ہیں: اپنی خوبیوں، خصلتوں اور جاہ و مال پر یا آباؤ اجداد یا خاندان کی عظمتِ رفتہ و حاضرہ پر خود ستائی کرنا۔

آباؤ اجداد، خاندان اور اپنے وہ اوصاف جنہیں آدمی وجہِ فضیلت شمار کرے حَسَب کہلاتے ہیں۔ اس اعتبار سے فخر کے معنی ہوں گے، حسب پر نازاں ہونا تفاخُر کے معنی ہیں، گھمنڈ، تکبر۔

مُفَاخَرَة: ایک دوسرے کے مقابل اظہارِ فخر کرنا۔ عربوں میں حریف خاندان بعض دفعہ مجلس منعقد کر کے اپنے اپنے خطیبوں سے خاندانی فضائل گنواتے تھے اس کو مُفاخرہ کہتے تھے۔ اب یہ لفظ اپنے عمومی معنی ہی میں مستعمل ہے۔

عَصَبِيَّت

اس کی اصل عصب ہے جس کے معنی ہیں: رگ۔

عَصَب: بل دے کر مضبوطی سے باندھ۔

عَصَبَہ: اولاد اور باپ کی طرف سے رشتہ دار۔

عُصْبَۃ یا عِصَابَہ: گروہ دس سے چالیس افراد کا۔

تَعَصُّب یا عَصَبِیَّہ: عَصَبَہ کی دوسروں کے خلاف حق و ناحق مدد کرنا۔ خاندان سے ظلم میں تعاون کرنا۔

خاندان سے محبت لازم ہے لیکن یہ محبت حد سے بڑھ جائے تو آدمی اندھا اور بہرا ہو کر خاندان سے گناہ میں بھی تعاون کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا محبت کو اتنا نہ بڑھنے نہ دیا جائے کہ تعصب میں بدل جائے۔

مفاخرت کی ممانعت

دورِ جاہلیت میں مُفَاخَرَة کا رواج عام تھا۔ اسلام نے اس کی بیخ کنی کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے بتایا کہ اللہ کی نگاہ میں عزت کی بنیاد خاندان پر نہیں بلکہ تقویٰ پر ہے۔

Marfat.com

خودنمائی انسان کا ایک جبلی خاصّہ ہے۔ اس کی تسکین صرف ٹھوس اور عمدہ اوصاف سے ہوسکتی ہے جو پیہم عرق ریزی، جاں فشانی اور ایثار کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ جب خود کو ان اوصاف سے عاری دیکھتے ہیں تو شخصیت کی دھاک بٹھانے کے لیے زبان کو جولاں کرتے ہیں۔ بزرگوں کے فضائل کو خوب چمکا کر بیان کرتے ہیں اور اپنے اندر کوئی خوبی ہو یا نہ ہو خود کو ہمہ صفت موصوف ثابت کرنے میں پورا زورِ کلام صرف کر دیتے ہیں۔

بزرگوں کے کارناموں کو بھلانا محسن کشی کے برابر ہے۔ ان کارناموں کی یاد تازہ رکھنا ضروری ہے لیکن ریاکارانہ اور جاہلانہ طریقے سے نہیں بلکہ اسلامی انداز سے تاکہ سننے والوں میں عزم و ہمت کے ولولے پیدا ہوں۔ جاہلانہ اور ریاکارانہ طریقہ یہ ہے کہ آدمی لذّت طلب اور آرام کوش ہو کر بزرگوں کا نام بیچتا پھرے۔

آبائی کارناموں کو بیان کرنے کا حق صرف مندرجہ ذیل صورتوں میں ہے:

۱۔ آدمی ان کارناموں کو اپنے عمل میں زندہ اور تابندہ رکھنے کا حوصلہ اور تڑپ رکھتا ہو۔

۲۔ اس سے فخر اور تکبّر وابستہ نہ ہو بلکہ تواضع کا اظہار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں خودنمائی[1] کے ساتھ تواضع[2] کی جبلّت بھی ودیعت کی ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ ظاہر ہونے ہی میں انسانیت کا کمال ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلّی اللہ علیہ وسلم سرورِ دوعالم ہیں لیکن آپؐ نے فخر کو قریب بھی بھٹکنے نہیں دیا۔

۳۔ اپنے حسب بیان کرنے سے دوسروں کو جلانا اور ستانا مطلوب نہ ہو بلکہ ان کے اندر بھی نیک جذبات پیدا کرنے مقصود ہوں۔

۴۔ ایک کی مدح میں دوسرے کے ذم کا پہلو نہ ہو۔ مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے کہ آپؐ کی مدح اس انداز سے کی جائے کہ کسی اور نبی کی شان پر زد پڑتی ہو۔

۵۔ مدح جائز اور شرعی حدود کے اندر ہو۔ غالی مدح انبیاء علیہم السلام کی بھی ممنوع ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میری تعریف میں ایسا غلو نہ کرو جیسا نصاریٰ حضرت عیسٰی کی تعریف میں کیا۔ اگر کوئی صحابی آپؐ کے سامنے اس غلو کے مرتکب ہوتا تو انہیں منع فرماتے تھے۔

---

[2] SEF-ABASEMENT – [1] SELF-ASSERTION

Marfat.com

۶۔ کفار کے مقابل بالخصوص جنگ میں مفاخرہ کی اجازت ہے، لہٰذا رجز بھی جائز ہے۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگِ حنین میں رجز یہ شعر پڑھا تھا۔

حدیث (۳۷)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور ابنِ عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اَلْکَرِیْمُ بْنُ الْکَرِیْمِ ابْنِ الْکَرِیْمِ ابْنِ الْکَرِیْمِ

کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم

یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ اِبْرَاہِیْمَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے

الفاظ کے معانی

کریم: اس حدیث شریف میں کریم کے مندرجہ ذیل معانی ہیں:
(۱) آبرومند، عزت دار (۲) شریف النسب (۳) عمدہ حسب رکھنے والا۔ حسب ان ذاتی اور آبائی اوصاف و خصائل کو کہتے ہیں جن کو آدمی وجہ شرف شمار کرتا ہو۔

حدیث (۳۸)

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فِیْ یَوْمِ حُنَیْنٍ کَانَ اَبُوْ سُفْیَانَ بْنُ الْحَارِثِ

اور براء بن عازب سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حنین کے معرکے میں ابوسفیان بن حارث

اٰخِذًا بِعِنَانِ بَغْلَتِہٖ یَعْنِیْ بَغْلَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی

فَلَمَّا غَشِیَہُ الْمُشْرِکُوْنَ نَزَلَ فَجَعَلَ یَقُوْلُ

تو جب مشرکین آپ پر بڑھ آئے تو آپ اتر پڑے اور فرمانے لگے،

Marfat.com

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں

قَالَ فَمَا رُاِیَ مِنَ النَّاسِ یَوْمَئِذٍ اَشَدُّ مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

انہوں نے کہا، لوگوں میں اس دن آپؐ سے بڑھ کر پُرعزم نہیں دیکھا گیا۔ متفق علیہ ہے

تشریح حدیث (۳۸)

اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب : ابن کا لفظ بیٹے کے لیے ہی نہیں بلکہ پوتے پڑپوتے اور پشت درپشت اولاد کے لیے بھی آتا ہے۔

عرب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پیدائش سے بہت قبل مذہبی حلقوں میں یہ پیش گوئی عام رائج تھی کہ عبدالمطلب کی اولاد میں ایک نبی اٹھے گا۔ حضورؐ کا اس ارشاد میں اسی پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے۔ جنگِ حنین بنو ہوازن اور بنو ثقیف سے ہوئی تھی۔ عین ممکن ہے یہ پیش گوئی انہی میں عام ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے زندگی کے پہلے چار برس بنو ہوازن کی ایک خاتون حضرت حلیمہ کے ہاں گزارے تھے۔ اس دوران میں آپؐ سے معجزات صادر ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہوازن میں یہ چرچا ہو گا کہ ابن عبدالمطلب نبوت پر سرفراز ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد آپؐ کی پیدائش سے قبل ہی وفات پا گئے تھے اور عبدالمطلب رؤسائے عرب میں سے تھے اس لیے ہوازن انہیں عبداللہ کے بیٹے کے بجائے عبدالمطلب کے پوتے کی حیثیت سے ہی جانتے ہوں گے۔

حُنین

مکہ سے پندرہ بیس میل آگے طائف کی راہ میں حُنین نام ایک وادی ہے۔ یہاں ہجرت کے آٹھویں برس اہلِ اسلام کی بنو ثقیف اور بنو ہوازن سے جنگ ہوئی تھی۔ اس کے اثنا میں ایک بار یوں ہوا کہ تقریباً سارا اسلامی لشکر پسپا ہو کر پراگندہ ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنے خچر پر جس کا نام دُلدل تھا سوار تھے۔ آپؐ برابر آگے بڑھتے گئے۔ تھوڑی دیر میں صحابہ کرامؓ واپس آ گئے اور جم کر ایسا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

ابو سفیان بن حارث حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چچیرے بھائی تھے۔ وہ تیر دل

Marfat.com

کی بوچھاڑ میں بھی آپؐ کے ہمراہ تھے اور دُلدل کی لگام تھامے رہے۔

حدیث (۳۹)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا

فَقَالَ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

اور عرض کیا، اے خیر البریّہ! تو فرمایا رسول اللہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاھِیْمُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

صلی اللہ علیہ وسلم نے، وہ ابراہیمؑ ہیں۔ اس کی روایت مسلم نے کی۔

تشریح حدیث (۳۹)

خَیْرٌ کا معنی ہے اچھا، بہتر، بہترین۔ اَلْبَرِیَّہ مخلوق۔ خَیْرُ الْبَرِیَّہ کا معنی ہے بہترین مخلوق۔

احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اولادِ آدم کے سردار تھے۔ آپؐ افضل الانبیاء تھے۔ آپؐ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیر البریہ فرمایا تو اس سے عجز و انکسار کا اظہار مقصود تھا۔

اس حدیث شریف میں ایک طرف تو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے انکسار کا اظہار فرمایا ہے دوسری جانب انبیاء کے مابین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم جدُّ الانبیاء تھے اور اپنی ذات میں ایک اُمّت تھے۔ آپؐ نے تن تنہا حق کی اشاعت و ترویج کے لیے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو ایک قوم بمشکل انجام دے سکتی ہے۔

نوٹ: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام و مرتبہ کے لیے دیکھیے "توضیح القرآن" میں متعلقہ مضمون۔

Marfat.com

حدیث (۴۰)

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ

میری مدح میں ایسا غلو نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابن مریمؑ کی بابت کیا تھا

فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

مَیں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں پس (مجھے) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

اَطْرٰی : تعریف میں مبالغہ کیا۔ تُطْرِی تُو تعریف میں مبالغہ کرتا ہے۔
لَا تُطْرِ : تو تعریف میں مبالغہ نہ کر۔ لَا تُطْرُوْا تم تعریف میں مبالغہ نہ کرو۔
اَطْرَتْ : اس مونث نے تعریف میں مبالغہ کیا۔

تشریح حدیث (۴۰)

تمام انبیاء و رسل نے توحید باری تعالیٰ کی تعلیم دی اور اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول بتایا لیکن بعد میں پیروکاروں نے اپنے نبی کی تعریف میں اتنا مبالغہ کیا کہ اسے مقام الوہیت پر بٹھا دیا اور یوں اس عقیدۂ توحید کو مسخ کر دیا جس کی اس کے نبی نے تعلیم دی تھی۔ حضرت عیسٰیؑ کے معاملے میں بھی ایسا ہی کیا گیا۔ آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر تین خداؤں کا عقیدہ (تثلیث) گھڑ لیا گیا اور توحید کے بجائے شرک کو اختیار کر لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سابقہ امتوں کی اس روش کے پیش نظر اپنی امت کو واضح طور پر فرمایا ہے کہ حضورؐ کی تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کیا جائے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ بخشا ہے صرف اسی مرتبے کا ذکر کیا جائے۔

نوٹ: حضرت عیسٰیؑ کی مدح میں آپ کے پیروکاروں نے جس غلو سے کام لیا اور جس کی قرآن حکیم میں مذمت کی گئی ہے اس کے لیے دیکھیے "توضیح القرآن" میں متعلقہ مقالہ۔

Marfat.com

بَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ

معنی و مفہوم

بِرّ : یہ لفظ اِثم یعنی گناہ کی ضد ہے اور ہر نیک عمل کو شامل ہے۔ اس اعتبار سے یہ خیر کے ہم معنی ہے۔

جہاں بِرّ کی اضافت والدین سے ہو وہاں اس سے مراد اطاعت اور حُسنِ سلوک ہوگا اور عُقوق (نافرمانی) کی ضد ہوگا۔

بَرّ اور بَارّ کے معنی ہیں: نیک، خوش سلوک۔ بَرّ کی جمع اَبْرار اور بارّ کی بَرَرَہ ہے۔

صِلَہ : وَصَلَ سے مصدر ہے۔ صِلہ کا لفظ کئی معنی رکھتا ہے۔ مثلاً: ملانا، جائزہ، عطیہ۔ اس کے ایک معنی صِلَۃُ الرَّحِم ہیں۔ رحم کے معنی ہیں نسبی قرابت۔ لغت میں صِلَۃُ الرَّحِم سے مراد ہوگی، نسبی رشتہ داروں سے وابستہ رہنا۔

شرع میں صِلہ کے معنی وسیع تر ہوتے ہیں یعنی نسبی اور سسرالی رشتہ داروں سے نرمی اور حُسنِ سلوک رکھنا چاہیے چاہے وہ بدسلوکی کا اظہار کرتے رہیں۔

لُغوی اور شرعی دونوں اعتبار سے صِلہ کے مختصراً یہ معنی لیے جا سکتے ہیں:

ملانا، جوڑنا، اکٹھا کرنا	متصل، بحال، جاری رکھنا
وابستہ کرنا، تعلق جوڑنا	سالم رکھنا، پختہ رکھنا
پیوند لگانا، پیوستہ کرنا	

صِلہ کے مقابل فصل اور ہجران کے لفظ بھی آتے ہیں لیکن عام استعمال قطع کے لفظ کا ہے۔ صِلہ کے برخلاف قطع کے معنی ہوں گے:

کاٹنا، توڑنا، شکستہ کرنا، بے رابطہ کرنا۔ بے کس کرنا۔

صِلہ رِحم واجب ہے اور قطع رِحم حرام۔

صلہ رحم کی اہمیت کو پوری طرح سمجھنے کے لیے اس کے مندرجہ ذیل تقاضوں کا علم ضروری ہے:

تحائف کا لین دین

ملاقات، پورے خاندان کے بھی وقتاً فوقتاً اجتماع ہونے چاہییں۔

پردیس سے نام و پیام رکھنا اور ہو سکے تو گاہے ماہے واپس آنا۔

Marfat.com

حدیث (۴۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہا، ایک آدمی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ

مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ

میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا، تیری ماں۔ بولا، پھر کون؟

قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ

فرمایا، تیری ماں۔ بولا، پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ بولا، پھر کون؟

قَالَ اَبُوْكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ

فرمایا، تیرا باپ۔ اور ایک روایت میں ہے فرمایا خدمت کر اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی

ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

پھر اپنے باپ کی پھر اپنے قریب تر (اور) قریب تر کی۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

صَحَابَۃ: ایک اور روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس لفظ سے یہاں مراد صحبت یعنی رفاقت یا ساتھ دینا ہے۔ حُسْنُ الصَّحَابہ سے مراد حسنِ سلوک ہے۔

اُمَّكَ: (میم منصوب کے ساتھ) اس سے پہلے فعل محذوف ہے۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ ماں کے ساتھ رہ کر اس کی خدمت کر۔

اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ: ایک اور روایت میں اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ ہے یعنی پھر تمہارے رشتہ داروں کا درجہ بہ درجہ حق ہے۔

تشریح حدیث (۴۱)

والدین

والدین کے اولاد پر اس قدر احسانات ہوتے ہیں کہ اولاد ان کی خدمت میں تمام

Marfat.com

زندگی بھی صرف کر دے تو حق ادا نہیں ہو سکتا۔ والدین جب اپنے بچوں کے دکھ بھرتے ہیں تو ساتھ ہی بڑی امنگوں سے ان کی درازیٔ عمر کے لیے بھی دعا مانگتے ہیں لیکن جب والدین کا بڑھاپا اپنے جلو میں ناتوانیوں اور بیماریوں کی قطار لے کر آتا ہے تو بے شک اکثر اولاد ان کی خدمت کو عین سعادت سمجھتی ہے مگر کتنے بچے اور بچیاں ہیں جو صدقِ دل کے ساتھ ان کی لمبی عمر کے لیے دعاگو ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ والدین کا حق کبھی نہیں چکایا جا سکتا۔ ہاں ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ والدین کسی کے غلام ہوں اور انہیں خرید کر آزاد کر دیا جائے۔(مسلم)

والدین کی بے لوث محبت اور ان کا جانی اور مالی ایثار اس وقت سے بچہ کے لیے وقف ہو جاتا ہے جب وہ ابھی شکمِ مادر میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد زندگی بھر جب تک والدین کے دم میں دم ہوتا ہے وہ بچہ کے آرام و آسائش اور تربیت و ترقی میں کوشاں اور سرگرداں رہتے ہیں۔ اولاد کی خوشی ان کی خوشی، اولاد کا غم ان کا غم ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے احسانات کا اندازہ انسانی قدرت سے باہر ہے۔ ان کے احسانات کا کمترین حق یہ ہے کہ اولاد اپنا جان و مال ان کے لیے وقف کر دے۔

والدین کے حقوق کا اعتراف سب مذاہب نے کیا ہے۔ مگر یہ خصوصیت اسلام ہی کو حاصل ہے کہ جہاں محبت کے قدرتی سوتے بہت جوش زن ہوں وہاں ان کے حدِ اعتدال سے نکلنے پر بندشیں لگا دی ہیں۔ تورات کہتی ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ پر لعنت کرے اس کو مار ڈالا جائے۔ اسلام اس افراط کی طرف تو نہیں جاتا مگر یہ ضرور کہتا ہے کہ جو آدمی اپنے باپ سے انکار کرے وہ دوزخی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی غیر کو اپنا باپ بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے (ترمذی) باپ اگر بیٹے کو قتل کر ڈالے تو اسے چاہے کوئی دیگر سزا دی جائے لیکن اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کون باپ ہے جو بیٹے کا خون جان بوجھ کر گرائے گا۔ اور اگر کوئی ایسا سنگدل ہو بھی تو شک کا فائدہ اٹھا کر قصاص سے بچ جائے گا۔

حقوق: اہمیت

والدین کے حقوق بہت اہم اور کثیر ہیں۔ جناب ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد خدمتِ والدین کا درجہ بتایا ہے اور اس کے بعد جہاد کا (ریاض الصالحین) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے پاس مال ہے اور صاحبِ اولاد ہوں اور میرا باپ میرے مال کو اڑانا چاہتا

Marfat.com

ہے حضورؐ نے فرمایا، تو بھی اپنے والد کی طفیل ہے اور تیرا مال بھی۔ (ابوداؤد)

والدین کو حق ہے کہ حسبِ ضرورت اولاد کے مال سے خرچ لیں۔ بعض اہلِ علم کا فتویٰ ہے کہ بیٹے کے مال پر باپ کا مکمل حق ہوتا ہے (ترمذی) بہرحال اس بات پر اتفاق ہے کہ والدین نادار ہوں تو اولاد پر ان کا خرچ اٹھانا فرض ہوتا ہے۔

والدین کا تعلق اور سب تعلقات پر بھاری ہے یہاں تک کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ بیوی کا وجود اپنے اور والدین کے درمیان دیوار بن رہا ہو اور اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بنتی ہو تو بعض حالات میں بیوی کو طلاق دے دینے کا حکم ہے۔

والدین غیر مسلم ہوں تو جب بھی ان کے حقوق میں کمی نہیں آتی۔ ہاں جب کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے امورِ دین میں کافر والدین کی متابعت نہ کی جائے[1] ان کو اسلام کی ترغیب دلائی جاتی رہے کیونکہ یہی ان کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

محبت و احترام

والدین انتہائی درجہ کی محبت اور احترام کے مستحق ہیں۔ سُورۃ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْل (آیت ۲۳، ۲۴) میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ ان کے بڑھاپے کے لیے یہ ہدایات خصوصیت سے دی ہیں کہ انہیں حرفِ افسوس تک نہ کہو، انہیں مت ڈانٹو، ان سے مؤدبانہ بولو، ان کے سامنے رحمت آمیز نیازمندی سے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے رحمت کی دعا مانگو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین پر شفقت کی نظر ڈالتا ہے اس کے لیے ایک مقبول حج لکھا جاتا ہے۔

والدین کے احترام کے ضمن میں یہ بھی لازم ہے کہ آدمی دنیا میں ایسا طرزِ عمل اختیار کرے کہ اس کے والدین کا اہلِ دنیا احترام کریں۔ یعنی نیکوکار ہو، دوسروں کے والدین کی تعظیم کرے اور ان کی گستاخی نہ کرے۔ دوسروں کے والدین کو برا کہنا اپنے والدین کو برا کہنے کے برابر ہے۔

تعمیلِ حکم

سوائے اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ والدین کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ اگر والدین تجھے کنبہ اور دنیا سے نکل جانے کا حکم دیں تو جب بھی ان کی نافرمانی نہ کر۔

---

[1] دیکھو سورۃ العنکبوت

Marfat.com

خدمت

بعض حالات میں والدین کی خدمت جہاد سے بالاتر ہوتی ہے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد کی اجازت لینے آیا۔ آپؐ نے فرمایا! کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا، ہاں، فرمایا، تو واپس جا اور ان کی خدمت میں جدّوجُہد کر۔ (ریاض الصالحین)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا، وہ تیرے جنت و دوزخ ہیں (ابن ماجہ) مطلب یہ کہ اگر تم ان کی رضا حاصل کر لو تو جنت میں جاؤ گے اور اگر رضا سے محروم رہ گئے تو دوزخ میں داخل ہوگے۔

والدین کی نافرمانی کو حدیث میں کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے (ترمذی) اور بتایا گیا ہے کہ والدین کی نافرمانی کی عقوبت انسان کو اس زندگی ہی میں گھیر لیتی ہے۔

والدین کی ناراضی سے بچنا

انسان کو والدین کی ناراضی سے بچنا چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں بلاشبہ قبول ہوتی ہیں: مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی دعا بیٹے پر (ترمذی) یہ حدیث بتاتی ہے کہ والدین کی دعا ہو یا بددعا وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔

والدین کے اقارب سے سلوک

جناب ہادیِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والدین ہی کی محبت اور خدمت گزاری پر تاکید نہیں فرمائی بلکہ ان کے اقارب کی محبت اور خدمت گزاری کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایک دفعہ آپؐ نے حضرتِ عباسؓ کے بارے میں فرمایا کہ جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ چچا باپ کے مثل ہوتا ہے (ترمذی)

والد کے دوستوں اور والدہ کی سہیلیوں سے سلوک

والد کے دوستوں کو چچا کے برابر اور والدہ کی سہیلیوں کو خالہ کے برابر سمجھنا چاہیے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین نیکی یہ ہے کہ والد کے تعلقات کو زندہ رکھا جائے۔

والدین کی موت کے بعد

والدین کی خدمت گزاری کا حق ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہوتا بعد میں بھی جاری رہتا ہے۔ ان کے لیے دعا و استغفار کرتے رہنا چاہیے۔

Marfat.com

اولاد کی نیکی کا ثواب والدین کو بھی پہنچتا ہے۔ اس لیے والدین کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انسان نیک ہو کر رہے تاکہ جنت میں اس کے والدین کے درجات بڑھیں۔

حدیث (۴۲)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِيْلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

اس کی ناک خاک آلود ہوئی اس کی ناک خاک آلود ہوئی اس کی ناک خاک آلود ہوئی عرض کیا گیا یا رسول اللہ کس کی؟

قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدَهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا

فرمایا، جس نے اپنے ماں باپ میں سے ایک یا دونوں کو (ان کے) بڑھاپے میں پایا

ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(اور) پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔ اس کی روایت مسلم نے کی

تشریح حدیث (۴۲)

رَغِمَ اَنْفُهٗ: لغوی معنی ہیں: اس کی ناک خاک آلود ہوئی۔ یہ عموماً اس وقت ہوتا ہے جب آدمی زمین پر ناک سے لکیریں کھینچتا ہے لہٰذا اس سے مراد ہے: وہ ذلیل ہوا۔ رُغام کے معنی ہیں خاک۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کو بوڑھے والدین کی خدمت کا موقع ملا اور اس نے پہلوتہی کی تو وہ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں محرومِ جنت ہوگا۔

حدیث (۴۳)

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور مغیرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ

اللہ نے یقیناً تم پر حرام ٹھہرائی ہے نافرمانی ماؤں کی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑنا

وَمَنْعًا وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ

اور بخل اور گدائی اور تمہارے لیے بُرا جانا قیل و قال

وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور سوال کی کثرت اور مال کا ضائع کرنا متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

مَنْع : روک لینا۔ نہ دینا۔ یہاں اس سے مراد بُخل ہے چاہے اپنے پاس سے کچھ نہ دینا یا دوسرے کا حق روک لینا۔

هَاتِ : اس کے لغوی معنی ہیں، لا مراد ہے مانگنا، گداگری۔

قِيلَ وَقَالَ : قِيلَ کہا گیا قَالَ اس نے کہا۔ محاورہ میں قیل و قال سے مراد ہے فضول باتیں اور افواہ بازی۔

كَثْرَةُ السُّؤَالِ : پوچھنے کی کثرت مراد ہے۔ بے کار مباحث میں کرید کرنا۔

تشریح حدیث (۴۳)

حدیث بالا میں مندرجہ ذیل امور سے منع کیا گیا ہے۔

۱۔ ماں کی نافرمانی

اس پر مفصل بحث والدین کے زیر عنوان دیکھیں۔

۲۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا

طلوع اسلام سے قبل عرب میں کہیں کہیں کم سن اولاد کے قتل کا رواج تھا۔ کبھی تو دیوتاؤں کو نذر چڑھانے کے لیے ایسا کرتے تھے اور کبھی افلاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان سے پیچھا چھڑاتے تھے۔ لڑکیوں کے قتل کا محرک عام طور پر یہ ننگ ہوتی تھی کہ کوئی شخص ان کا داماد نہ کہلا سکے۔ جو لوگ اس نقطۂ نظر کے حامل تھے وہ بیٹی کو اپنی آبرو کے لیے آفت سمجھتے تھے اور اس کی پیدائش پر یہاں تک غضب ناک ہو جاتے تھے کہ اسے زندہ گاڑ دیتے تھے۔

Marfat.com

اسلام نے اس ظلم کا قلع قمع کیا۔ اولاد کی قربانی کی قانوناً بندش کی۔ جو لوگ فاقہ کے خوف سے بچوں کو ہلاک کرتے تھے انہیں قرآنِ حکیم نے بتایا کہ تمہارا اور ان کا رزق رساں اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے افلاس کے خوف سے ان کی جانیں نہ لو۔ جو بچیاں زندہ درگور کی گئی تھیں ان کی بےبسی اور مظلومیت کا وہ نقشہ کھینچا کہ آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو جاتی ہیں۔

۳۔ بُخل

معاشرہ اور ریاست کا قیام و حفاظت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ خرچ کرنے کو سرمایہ نہ ہو۔ اگر ہر شخص اپنے سرمایہ کو بند کر کے رکھ لے یا صرف ذاتی مفاد میں خرچ کرے تو معاشرہ اور ریاست کے اخراجات کہاں سے آئیں گے مشترکہ ادارے اور جماعتی تحریکیں قائم نہیں ہو سکیں گی۔ اور قوم کی فلاح و بہبود کی امید ختم ہو جائے گی۔

جو قوم بخیل ہو اور اپنی تجوریوں کا منہ بند رکھے وہ ہلاکت کا شکار ہو جاتی ہے۔ غریب طبقہ سوسائٹی کے ایک معتد بہ حصہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ترقی سے محروم ہو جائے تو قوم کے بدن کا ایک کثیر حصہ مفلوج ہو جاتا ہے۔ محتاجی کی حالت میں غریب عوام چوری وغیرہ پر مجبور ہو جاتے ہیں جس سے قوم کا اخلاقی نظام برباد ہوتا ہے اور نظم و نسق میں خلل پڑتا ہے۔

بخل میں ایک خرابی نہیں ہزار در ہزار خرابیاں ہیں۔ ان سب کا ایک جامع نام ہلاکت ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۹۲ میں ہدایت ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت کی گود میں نہ جاؤ۔

دولت کا فائدہ یہ ہے کہ اسے خرچ کیا جائے ورنہ یہ انسان کی روحانی اور مادی زندگی کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔ دنیوی اور اُخروی دونوں زندگیاں اندوہناک ہو جاتی ہیں۔ سورۃ البقرہ کے پینتیسویں رکوع سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ بخیل ہیں یا خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے انجام کی مثال یوں ہے جیسے کسی کا ہرا بھرا باغ عین اس وقت جل جائے جب کہ بڑھاپا آچکا ہو اور اولاد ناتواں ہو۔

قرآنِ حکیم میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی بہت تاکید ہے اور اس کا عظیم اجر بتایا گیا ہے۔

۴۔ گداگری

اسلام ہاتھ سے کما کر کھانے کا حکم دیتا ہے اور دوسروں کے سہارے جینے سے منع

Marfat.com

کرتا ہے۔ گداگری ممنوع ہے۔ صرف انتہائی مجبوری کی صورت میں مانگنے کی اجازت ہے مگر اسی قدر کہ ضرورت پوری ہو جائے اس سے زائد مانگنا حرام ہے۔ اس بارے میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

جو شخص دولت بڑھانے کے لیے گداگری کرتا ہے وہ انگارے مانگتا ہے۔

آدمی گدائی کیے جاتا ہے حتّٰی کہ جب وہ قیامت کے روز آئے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی تک نہ ہو گی۔

رسہ لے کر اپنی پیٹھ پر ایندھن کا گٹھا اٹھالانا اور اسے بیچ کر اپنی عزت بچانا اس سے بہتر ہے کہ آدمی لوگوں سے مانگے۔ (مشکوٰۃ)

۵۔ قیل و قال

بے مطلب گفتگو کا دامن بڑھانا اور افواہیں پھیلانا گمراہی کا سبب ہوتا ہے صاحب حکمت انسان وہی ہے جو مطلب کی بات سے غرض رکھتا ہو اور اسی بات کو قبول کرتا ہے جس کے درست ہونے میں شبہ نہ ہو۔

۶۔ بے کار مباحث

جناب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں جس بات سے منع کروں اس سے رک جاؤ اور جس بات کا حکم دوں اس پر طاقت بھر عمل کی کوشش کرو اور سوالات کی کثرت سے بچو۔ (اربعین نووی)

یہاں جن سوالات سے منع کیا گیا ہے وہ غیر ضروری سوالات ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض لازم قرار دیے ہیں، ان کو ضائع نہ کرو، کچھ حدود مقرر کیں، ان سے آگے نہ نکلو۔ بعض چیزیں حرام ٹھہرائیں، ان کی حرمت نہ توڑو اور بعض چیزوں سے خاموش رہا تم پر رحم کی خاطر، بھول چوک سے نہیں، ان کو نہ کریدو۔

(اربعین نووی)

جن امور میں اہلِ اسلام کو واضح احکام مل چکے ہیں ان میں کرید کر کے مشکل پہلو نہیں ڈھونڈنے چاہئیں۔ ہادیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا والوں کے بوجھ اور گلے کے طوق اتارنے آئے تھے جو بوجھ اور طوقِ حضورؐ نے دُور کر دیے ذہن کو ان کی طرف مائل نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب حج کا حکم نازل ہوا تو کسی نے اٹھ کر سوال کیا، کیا ہر سال؟ حضورؐ چپ رہے۔ پھر عرض کیا، کیا ہر سال؟ آپؐ نے فرمایا، نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا (ترمذی) آپ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں میں

Marfat.com

سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کوئی سوال پوچھا اور اس کے جواب میں کوئی چیز حرام ٹھہرائی گئی (حجۃ اللہ البالغہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشکل مسائل اٹھانے سے بھی منع فرمایا ہے (شرح اربعین[1])

صحابہ کرامؓ کا قاعدہ تھا کہ حضورؐ سے بہت کم مسائل پوچھتے تھے اور جب کوئی اجنبی بدو آکر حضورؐ سے بے محابا سوال کرتا تو وہ متعجب ہوتے تھے (شرح اربعین ابن حجر) آپؐ نے فرمایا ہے. جب تک میں تمہیں اپنے حال پر رہنے دوں مجھے بھی اپنے حال پر رہنے دو[2]

بعض سابقہ امتوں نے بھی سوالات کی کثرت کی۔ ان کو جواب ملے اور وہ ان پر عمل نہ کر سکیں تو تباہ ہو گئیں۔ بنو اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا جس کا ذکر سورۃ البقرہ میں ہے۔ اگر وہ نہ پوچھتے کہ گائے کیسی ہونی چاہیے تو جو گائے وہ چاہتے ذبح کر سکتے تھے لیکن انہوں نے سختی کی تو ان پر بھی سختی کی گئی۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

۶۔ مال ضائع کرنا

اسلام میں نہ صرف جائز کمائی کا حکم ہے بلکہ جائز خرچ کی بھی پابندی ہے جو آدمی اپنی دولت بے کار اڑاتا ہے وہ اسلام کی نگاہ میں مجرم ہے۔ انسان کو اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ صرف جائز امور میں اپنی توفیق کے لحاظ سے خرچ کرے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حدیث (۴۴)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اور عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہا، فرمایا رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ

صلی اللہ علیہ وسلم نے، آدمی کا اپنے والدین کو برا کہنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے

قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ

صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا مرد اپنے ماں باپ کو برا کہتا ہے؟

[1] ابن حجر [2] صحیفہ ہمام بن منبہ

Marfat.com

قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ

فرمایا، ہاں! وہ کسی کے باپ کو بُرا کہتا ہے تو وہ اس کے باپ کو بُرا کہتا ہے

وَيَسُبُّ اُمَّهٗ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور وہ اس کی ماں کو بُرا کہتا ہے تو وہ (جواباً) اس کی ماں کو بُرا کہتا ہے۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

شتم اور سب ہم معنی ہیں معمولی بُرا کہنے سے گالی گلوچ تک کا مفہوم رکھتے ہیں۔

تشریح حدیث (۴۴)

نوٹ: سابقہ صفحات میں والدین کا عنوان دیکھیے۔

حدیث (۴۵)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ

جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے

وَيُنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور اس کی اجل میں تاخیر کی جائے تو وہ اپنا رشتہ ہیوستہ رکھے۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

اَحَبَّ: اس نے چاہا

نَسَاَ: اس نے مؤخر کیا۔ يُنْسَاُ مضارع مجہول۔

اَثَرٌ: اصل میں نشانِ قدم کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے اجل مراد ہے۔

حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تقدیر کا پابند نہیں، وہ جب چاہے اسے بدل دے۔

Marfat.com

تشریح حدیث (۴۵)

اقارب

اسلام ہمیں سچے مسلمانوں سے قلبی تعلق رکھنے کا حکم دیتا ہے لیکن ساتھ ہی فطری محبت کو بھی ملحوظ رکھتا ہے اور قربت کے لحاظ سے درجہ بہ درجہ حقوق قائم کرتا ہے، لہذا اقارب یعنی رشتہ داروں کے حقوق اوروں پر فائق ہیں۔

رشتہ داروں سے انسان کو طبعی محبت ہوتی ہے۔ اگر کبھی ناراضی پیدا ہو جائے تو اس کو دور کرنے کا ہمیشہ قریبی امکان رہتا ہے اس لیے رشتہ داروں کے ساتھ جو معاشرت قائم ہوتی ہے وہ پختہ رہتی ہے۔

جس جاں نثاری کا ثبوت رشتہ دار دیتے ہیں اس کی توقع اوروں سے مشکل ہے مستحکم برادری والے انسان کا دل مضبوط رہتا ہے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ مصیبت کے وقت رشتہ دار ہر ممکن قربانی دیں گے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے بھائی اور عم زاد کے دم سے (اکیلا) آدمی کثیر ہوتا ہے۔ رشتہ دار زندگی کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں پریشانیاں حتی الوسع قریب نہیں آتیں۔ انسان کی بدنی اور ذہنی قوتیں محفوظ رہتی ہیں۔

مستحکم رشتہ داری ایک عظیم قوت ہے جس سے بڑے بڑے کام لیے جاتے ہیں۔ رشتہ داروں کے سامنے جب کوئی فلاح وبہبود کا منصوبہ آتا ہے تو اسے تن دہی اور ایثار سے انجام پذیر کرتے ہیں۔ خاندان کا سربراہ اس منصوبہ کو ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ رقم کی ضرورت ہو تو سب اپنا اپنا حصہ خوشی سے ادا کرتے ہیں۔ ادا نہ کر سکیں تو منصوبہ ملتوی نہیں ہوتا بلکہ صاحب مقدور رشتہ داران کا حصہ ادا کر دیتے ہیں اور حساب بعد میں بے باق ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر شخص کو صرف اپنی نہیں اپنے رشتہ داروں کی بھلائی بھی منظور ہوتی ہے اس لیے دل لگا کر کام کرتا ہے مکان بنانے ہوں، کنویں کھودنے ہوں، کھیت آباد کرنے ہوں، جہاں رشتہ داروں کا تعاون ہو وہاں توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرابت نوازی، حسن خلق اور خوشگوار ہمسائیگی سے بستیاں آباد ہوتی ہیں اور عمریں دراز ہوتی ہیں (کنز العمال)، حدیث ہے کہ جس نیکی کا ثواب سب سے جلد ملتا ہے وہ قرابت نوازی ہے حتیٰ کہ خاندان والے فاجر بھی ہوں لیکن رشتہ داری بحال رکھتے ہوں تو ان کے اموال نمو پذیر ہوتے ہیں اور ان کی تعداد بڑھتی ہے۔ کوئی خاندان بھی ایسا نہیں کہ اس میں اتحاد ہو اور اس کو احتیاج آ لے (کنز العمال)۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے رشتۂ قرابت میں اپنی رحمت اور برکت ودیعت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کی ایک سبیل یہ مقدس رشتہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے جو اپنے رشتہ کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ وہ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرتا ہے ان کی زندگی کے سارے رخنے دور کرتا ہے اور ان کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیتا ہے۔

احادیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ رحم (قرابت) کی اصل رحمٰن ہے۔ جس نے اسے جوڑا اللہ تعالیٰ اس کی خستگی دور کرتا ہے اور جس نے اسے شکستہ کیا اللہ تعالیٰ اسے شکستہ حال کر دیتا ہے۔

قرابت داروں سے سچی محبت اور قلبی تعاون کی توقع ہوتی ہے اس لیے اسلام میں قرابت کو استوار رکھنے کی بہت تاکید ہے۔ سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں کی ایک صفت یہ بتائی ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا ہے اسے ملاتے ہیں مراد یہ کہ وہ قرابت کو توڑتے نہیں بلکہ جوڑے رکھتے ہیں۔ ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل ایمان باللہ کے بعد رشتۂ قرابت کا جوڑنا ہے۔ (کنز العمال) حضورؐ نے تاکید فرمائی ہے کہ اپنے انساب سیکھو جن سے تم اپنی قرابت استوار رکھتے ہو (کنز العمال)

اقارب کی دل جوئی کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنی چاہیے۔ جو آدمی اپنے رشتہ داروں کی محبت کی گرمی کم کرتا ہے وہ بہت بڑی کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی قرابت کو تازہ کرتے رہو چاہے سلام کے ذریعے ہی ہو (کنز العمال) مراد یہ کہ اور کوئی خدمت انجام نہ دے سکو تو وقتِ ملاقات سلام کر کے ہی قرابت داری کی یاد تازہ کرتے رہو۔

بارہا ایسے رشتہ داروں سے پالا پڑ جاتا ہے جن کے دل محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ ان سے سوائے کینہ کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ ایسے رشتہ دار بے شک پریشانی اور ملال کا باعث ہوتے ہیں لیکن یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع بھی مہیا کر دیتے ہیں۔ ان کی کینہ توزی اور شر انگیزی کا تحمل کر کے ان کے ساتھ تعلقات جوڑے رکھنے کی انتہائی تاکید ہے۔

جو آدمی قرابت کو قطع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے غضب کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ قاطعِ رحم کا عمل قبول نہیں ہوتا۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

مسلمان کے حسنِ سلوک کے مستحق اس کے سب رشتہ دار ہیں چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم

Marfat.com

لیکن مدارج میں فرق ہے۔

رشتہ دار غریب ہوں تو ان کی مالی امداد واجب ہوتی ہے۔ والدین، اولاد، دادا اور پوتا کا نفقہ چاہے وہ غیر مسلم ہی ہوں واجب ہے۔ ان کے بعد جو اقارب آتے ہیں ان کے نفقہ کے واجب ہونے کے لیے اتحادِ دین ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک غریب بچہ تھا۔ اس کے چچیرے بھائی اس کو خرچ نہیں دیتے تھے حضرت عمرؓ نے انہیں قید میں ڈال دیا۔

ایک دفعہ ایک یتیم کا سرپرست حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے اسے یتیم پر خرچ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر مجھے اس کا کوئی ایسا رشتہ دار ملتا جس سے اس کا بعید ترین تعلق ہو تو جب بھی اس پر اس کا نفقہ لازم قرار دیتا۔ (زاد المعاد۔ جلد ۲)

Marfat.com

بَابُ الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ

معنی و مفہوم

شَفَقَة: اس نرم دلی اور خیر خواہی کو کہتے ہیں جس میں اندیشہ شامل ہو یعنی جس کی خیر خواہی مقصود ہو اس کے بارے میں رہ رہ کر یہ خیال آئے کہ اسے کوئی ضرر یا تکلیف نہ پہنچے جیسے ماں اپنے ننھے کو موسم کی سختی سے بچاتی ہے۔ اردو میں ترس کہیں گے شفقت کی مندرجہ ذیل مثالیں ہو سکتی ہیں:

کسی مسلمان کو بے آبروئی سے بچانا مثلاً اس کی غیبت نہ ہونے دینا۔

پریشان حال آدمی کی مدد اور فکر کرنا۔

پڑوسی کے آرام و سکون کا خیال رکھنا۔

رَحْمَة: رحم، رَحْمَة اور مَرْحَمَة کے معنی ہیں: ترس یعنی وہ خیر خواہی جس میں گدازِ قلب شامل ہو مثلاً چھوٹے بچوں، لڑکیوں، بوڑھوں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا۔

شفقت اور رحمت قریب المعنی ہیں۔ جدید نفسیات کی رو سے ان دونوں جذبوں کا تعلق مادری جبلت سے ہے۔ مادری جبلت سے مراد وہ جبلت ہے جو دوسری کی پرورش اور خبر گیری کرنے کے لیے بے تاب رہتی ہے۔

خَلْق: خَلْق کا لفظ یہاں اسم مصدر ہے اور خلیقہ یا مخلوق کے معنی رکھتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک خَلق کا لفظ انسانوں کے لیے ہے اور خلیقہ جانوروں کے لیے آتا ہے لیکن اس فرق کو حتمی حیثیت حاصل نہیں۔

حدیث (۴۶)

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

Marfat.com

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّمْ يَرْحَمِ النَّاسَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ متفق علیہ ہے

تشریح حدیث (۴۶)

انسان اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کے باوجود نہایت کمزور ہے، قدم قدم پر اسے بے بسی اور لاچارگی کی صورت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے رحم کا سہارا لیتا ہے۔ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ نے اپنے رحم کو دوسروں پر رحم سے مشروط کر دیا ہے جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا۔

زندگی دکھ اور سکھ سے عبارت ہے۔ انسان کی بہت سی مصائب و تکالیف ایسی ہیں جو دوسرے انسانوں کی مدد سے دور کی جا سکتی ہیں۔ اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے ہمدردی رکھے اور ان کے دکھوں کا مداوا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے انسانیت کے اعلیٰ درجے کا تقاضا یہی ہے کہ انسان مذہب، رنگ، نسل، زبان، وطن، قومیت وغیرہ کے امتیاز سے بالا ہو کر ہر انسان کے دکھ میں اس کے کام آئے۔ اس حدیث شریف سے اسی بات کی تعلیم ملتی ہے۔

حدیث (۴۷)

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور نعمان بن بشیر سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ

تُو مومنوں کو دیکھے گا ان کی باہمی رحمدلی میں اور باہمی محبت میں اور باہمی مہر میں

كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ

ایک بدن کی مثال جب ایک عضو بیمار ہو

تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(تو) سارا بدن اس کی خاطر بے خوابی اور بخار کی دعوت دیتا ہے۔ متفق علیہ ہے

Marfat.com

الفاظ کے معانی

تَوَادُّ : (باہمی محبت)۔ اصل میں تَوَادُدٌ ہے۔
تَرَاحُمٌ : ایک دوسرے پر رحم کرنا تَعَاطُف تعاون اور باہمی مہربانی۔ ارتباط۔
تَدَاعَیٰ : ایک دوسرے کو بلایا یعنی اعضاء نے ایک دوسرے کو بلایا یا دعوت دی۔

تشریح حدیث (۴۷)

مسلمانوں کی شخصیت میں جذبۂ ایمان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ جن افراد کے دلوں میں ایک سا ایمان ہو ان کی زندگی کا جذباتی مرکز بھی ایک ہوگا۔ ان کی مثال زندہ جسم کے مانند ہوگی جس کے اعضاء کا مرکزِ حیات ایک ہے۔

اصحابِ ایمان کا آپس میں وہی رشتہ ہے جو اعضائے بدن کا باہم دگر ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ انسانی جسم میں سے اگر کسی عضو کو زخم آئے یا پھوڑا نکلے اور اس کے دکھ سے بخار آجائے تو بخار صرف اسی عضو تک محدود نہیں بلکہ سارے بدن میں سرایت کرجاتا ہے۔ سب اعضاء بے چین ہو جاتے ہیں۔

ایمان اور باہمی محبت لازم و ملزوم ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک تم ایمان نہ لاؤ گے جنت میں داخل نہ ہوگے اور جب تک تم میں باہمی محبت نہ ہوگی صاحب ایمان نہ ہوگے۔ جو مسلمان دوسرے مسلمان کے دکھ میں شریک نہیں ہوتا اور اسے رفع کرنے کی کوشش نہیں کرتا وہ ایک بہت بڑے اخلاقی فریضہ سے کوتاہی کرتا ہے۔

ایک دوسرے کی دستگیری مادی لحاظ سے ہی نہیں روحانی اعتبار سے بھی ہونی چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کا عادی ہو جائے تو اس سے یہ عادت چھڑانی چاہیے۔ گناہ کی بیماری سب سے بڑھ کر خطرناک بیماری ہے۔ اس کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے۔

اُخُوّت

قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مسلمان تو بھائی بھائی ہیں)
حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! میری بات سنو اور سمجھو۔ جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب اہلِ اسلام کی ایک برادری ہے کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں

Marfat.com

جب تک وہ خود اجازت نہ دے۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (طبری)

مسلمان باہمی مروّت محبت اور شفقت میں ایک جسد کے مانند ہیں۔ ایک عضو بیمار ہو تو کل جسم بے خواب اور بخار آلودہ ہو جاتا ہے۔

اسلامی اخوت کا رشتہ ناقابلِ شکست ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اگر کوئی مسلمان اسے توڑ لینا چاہے تو وہ اسلام سے ہی کٹ جاتا ہے۔ مسلمان کو قطعاً روا نہیں کہ اپنی جماعت کو چھوڑ کر اغیار کے ساتھ قلبی روابط رکھے۔ صاحبِ ایمان شخص کی دنیا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صالح مومنین کے لیے وقف رہتی ہے۔ وہ ان سے پورا خلوص رکھتا ہے۔

جذبۂ اُخُوت کی تقویت

ہر مسلمان کو لازم ہے کہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات بڑھاتا رہے مثلاً :

۱۔ کشادہ پیشانی سے ملے۔

۲۔ ملاقات کے وقت سلام کرے۔

۳۔ کوئی دعوت پر بلائے تو قبول کرے۔

۴۔ بیمار کی عیادت کرے۔

۵۔ وقتاً فوقتاً ملاقات کو جائے۔

نااتفاقی کی ممانعت

جس قوم میں نااتفاقی پیدا ہو جائے وہ ضعف کا شکار ہو جاتی ہے۔ قرآن و حدیث میں آیا ہے کہ آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی مسلمان کو بُرا کہنا فسق ہے اور اس سے جنگ روا جاننا کفر۔

حدیث ہے کہ مسلمان کو روا نہیں کہ اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ایسی نگاہ سے بھی اشارہ کرے جس سے وہ رنجیدہ ہو[1]

باہمی حقوق

۱۔ مکمل خیر خواہی اور اعانت

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر مختصراً یہ حق ہے کہ اس کا دل اور اس کی زبان اس کی

[1] احیاء العلوم باب حقوق المسلم

Marfat.com

خیر خواہ ہوں اور ضرورت پڑنے پر ہر جانی اور مالی ایثار کے لیے تیار ہو جائے قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ اس سے یہی مراد ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خدمت کے لیے ہر وقت آمادہ رہنا چاہیے۔ اسلام بے شک اپنے پیروؤں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ سب نوعِ انسانی کی بھلائی کے لیے مستعد رہیں لیکن جو مقام اور خصوصیت اپنے مسلمان بھائیوں کے حقوق کی ہے اسے کوئی اور کیونکر پہنچ سکتا ہے۔

خیر خواہی صرف دنیوی معاملات تک محدود نہیں ہو سکتی بلکہ اُخروی تیاری میں بھی مطلوب ہے۔ اسلام نیک بنتے اور نیک بنانے کا حکم دیتا ہے۔ برائی کی روک تھام اور نیکی کی اشاعت ہو تو اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جماعت کی خرابیاں اور کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کی قوت بڑھتی ہے۔

اگر انسان اپنے ہاتھوں مدد کرنے سے قاصر ہو تو کسی اور کو ہی اس کی سفارش کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ کوئی صدقہ صدقۂ زبان سے افضل نہیں۔ عرض کیا گیا، وہ کیسے؟ فرمایا:

ایسی سفارش جس سے تو خون ریزی روکے، ایک کو دوسرے سے فائدہ دلوائے اور کسی سے ناپسندیدہ چیز کو دور کرے۔

زبانی مدد کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے مسلمان کی بھلائی کے لیے دعا کی جائے۔ چونکہ اس دعا میں خلوص ہوتا ہے اس لیے اس کو شرفِ باریابی حاصل ہو جاتا ہے۔ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی دعا اتنی سرعت سے قبول نہیں ہوتی جتنی کہ غائبانہ دعا۔ (ترمذی)

۲۔ ایثار یعنی اپنی ذات پر ترجیح

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک صحابی کو بھیڑ کی سری تحفہ میں بھیجی گئی۔ انہوں نے کہا میرا فلاں بھائی زیادہ حاجت مند ہے' اسے بھجوا دی۔ اس شخص نے آگے دوسرے کو بھجوا دی اور سری سات آدمیوں سے ہو کر پہلے کے پاس لوٹ آئی۔

۳۔ مسلمان بھائی کے حق میں اچھا بولنا

اگر کسی مجلس میں دیکھے کہ کسی مسلمان کے خلاف ناحق تہمت تراشی ہو رہی ہے تو اس کا واجبی جواب دے۔ آبرو انسان کی سب چیزوں سے قیمتی متاع ہے۔ مسلمان کی آبرو کو ناحق تیروں سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

Marfat.com

۴۔ ہر حال میں جماعت سے وابستگی

سچے مسلمان کے دل میں یہ پختہ احساس ہوتا ہے کہ وہ جماعت کا ایک مستقل رکن ہے۔ اس کی زندگی جماعت کی زندگی سے جدا نہیں۔ وہ ملتِ اسلامیہ کے نفع و ضرر اور مسرت و الم میں برابر کا ساجھی ہے۔ اسے کسی وقت جماعت کی بہبود اور ترقی سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اگر قوم وقتی طور پر زوال کی زد میں آ بھی جائے تو اس سے مایوس ہو کر اوروں کی طرف راغب نہ ہو بلکہ اس کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اور اسی حالت پر مرگیا تو اس نے جاہلیت کی موت یعنی کافروں کی سی موت پائی۔ (بخاری)

حدیث (۴۸)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے[1] روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ

سب مومن فردِ واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ بیمار ہو

اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

تو اس کا سارا بدن بیمار ہو جاتا ہے اور اگر اس کا سر بیمار ہو تو اس کا سارا بدن بیمار ہو جاتا ہے اس کی روایت مسلم نے کی۔

نوٹ: اس حدیث کی تشریح کے لیے دیکھیے حدیث ۴۷ کی تشریح

حدیث (۴۹)

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اور ابو موسیٰ سے منجانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے، آپ نے فرمایا،

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا

مومن، مومن کے لیے گویا عمارت ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو باندھتا ہے

[1] یعنی نعمان بن بشیر سے۔

Marfat.com

ثُمَّ شَبَّكَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

پھر آپؐ نے اپنی انگلیوں کی جالی بنائی متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

بُنْیَان : مصدر بمعنی معمول ہے جیسے اردو میں تعمیر کا لفظ عمارت کے لیے آتا ہے۔
شَدَّ : باندھا، مضبوط کیا۔ یَشُدُّ باندھتا ہے مضبوط کرتا ہے۔ کستا ہے۔

بعض : حصّہ۔
شَبَّكَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ : حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے گزار کر انہیں جالی نا بنا کر یہ دکھایا کہ مسلمان جالی کے تاروں کی طرح آپس میں ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتے ہیں۔
مفصل شرح کے لیے اخوت کا عنوان دیکھا جائے۔

حدیث (۵۰)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ

قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ (کامل) ایمان والا نہیں ہوتا

حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہ (بھلائی) نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے متفق علیہ ہے

نوٹ : اس حدیث کی تشریح کے لیے حدیث ۴۹ کی تشریح کے تحت اخوت کا عنوان دیکھیے۔

Marfat.com

بَابُ الْحُبِّ فِی اللّٰہِ وَمِنَ اللّٰہِ

حُبّ کے معنی ہیں کسی چیز کو دل سے چاہنا یا اس کی طرف مائل ہونا۔
حَبَّۃُ الْقَلْب : دل کے مرکز کو کہتے ہیں۔
حُبّ میں حصول کی خواہش کارفرما ہوتی ہے یعنی آدمی جسے چاہے اسے یا اس کے اوصاف کو حاصل کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کا خواہاں ہو۔
حَبَّ یا اَحَبَّ (۱) دل سے مائل ہوا، راغب ہوا، پسند کیا، پیار کیا، چاہا، خواہش کی۔ (۲) پیارا لگا۔

مُحِبّ : چاہنے والا۔ خواہاں۔

حبیب : پیارا لگنے والا۔ پیارا۔

حِبّ : حبیب کا ہم معنی ہے۔ اس سے حِبَّہ مونث ہے۔

حِبّ کی جمع اَحبَاب ہے۔

حبیب : (۱) پیارا (۲) پیار کرنے والا۔ اس کی جمع اَحْباب، اَحِبّا اور اَحِبَّہ ہے۔

محبت اشخاص ہی سے نہیں اشیاء اور اوصاف سے بھی ہوتی ہے۔

حِسّی اور عقلی محبّت

محبّت کا تعلق جبلّتِ حصُول سے ہے۔ جبلّتِ حصُول کے عموماً مندرجہ ذیل محرک ہوتے ہیں:

۱۔ لذّت : مثلاً لذیذ طعام یا جمیل لباس کی خوشی۔
۲۔ فائدہ : مثلاً محض طعام یا محض لباس یا مکان کی ضرورت۔
۳۔ فضیلت : مثلاً علماء و صلحاء سے وابستگی کا سرور۔

محبت برائے لذّت کا مرتبہ سب سے ادنیٰ اور محبت برائے فضیلت کا سب سے اعلیٰ یا ارفع ہوتا ہے۔ یہ ادنیٰ مرتبہ خالص حِسّی ہے۔ اگر انسان اسی کی سطح پر رہے تو اس میں اور جانوروں میں نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ اس حِسّی محبّت کو ہم جوں جوں عقل کے تابع کیے جاتے ہیں اس کا درجہ بلند سے بلند تر ہوتا جاتا ہے اور اس کو محض حیوانی ہیجانات سے امتیاز حاصل ہو جاتا ہے۔ حِسّی درجے سے بلند تر ہونے کے بعد ہی ہم اسے صحیح معنی میں

Marfat.com

جذبۂ محبت کا نام دے سکتے ہیں، ورنہ اس کا وجود وقت بہ وقت کے ایک ابھرتے اور دبتے ہوئے ہیجان سے زیادہ نہیں ہوتا۔ محبت برائے لذت محض حسی محبت ہوتی ہے جو عقل کے فیصلوں سے پروا نہیں کرتی۔ اسی کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔[1]

ترجمہ: تیرا کسی چیز سے محبت رکھنا اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔

جب عقلی فیصلہ حسی محبت کے اندھے اور بہرے ہیجان کو بس میں کر لے تو وہ جذبۂ محبت معرضِ وجود میں آتا ہے جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتا ہے۔ بعض علمائے نفسیات جذبہ پر عقلی تسلط کے اس حد تک قائل ہیں کہ ان کے نزدیک یہ جذبہ صرف فکری یا تصوری سے وابستہ ہوتا ہے نہ کہ مادی شے سے۔

اسلامی نقطۂ نظر بھی یہی ہے مثلاً کھانے پینے کی خواہش میں غالب مقصد یہی ہونا چاہیے کہ زندگی کو ہلاکت سے بچایا جاتے تاکہ آدمی دین و ملت کے کام آسکے۔ اس میں حسی تلذذ کو بھی ضرور کچھ دخل ہوتا ہے لیکن اصل غلبہ عقل کو ہے لہٰذا شرع کی زبان میں اسے عقلی محبت کہتے ہیں۔ بنیادی لحاظ سے عقلی محبت بھی حسی اور طبعی ہی ہوتی ہے لیکن عقل اسے شرعی آداب کا پابند بنا دیتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دین کے بعد عقل کا سرچشمہ لوگوں سے محبت رکھنا اور ہر نیک و بد سے بھلائی کرنا ہے۔

(احیاء العلوم۔ حقوق الاخوۃ)

حسی اور عقلی محبت کے درمیان کوئی تضاد یا تصادم نہیں ہوتا۔ حسی محبت پر عقل و تدبر کا پہرہ لگ جائے تو اسے عقلی محبت کہتے ہیں۔ عقلی محبت مرتفع (SUB LIMATED) محبت ہوتی ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت

عقلی محبت کا اصل الاصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب محبتوں پر فائق ہے۔ اس محبت کو انسانی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی کو ہم ایمان کا نام بھی دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ۔ (۴۹: ۷)

ترجمہ: اور لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کر دیا۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الھویٰ

Marfat.com

انسان کو دیگر اشیاء سے بھی محبت ہو سکتی ہے لیکن ان سب محبتوں کو اسی محبتِ عظمیٰ کے تابع رہنا چاہیے۔ یہی محبت برائے فضیلت کا منتہا ہے۔

محبتِ الٰہی کے تقاضے

۱۔ اطاعتِ دین۔

ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران۔۳۱)

ترجمہ: (اے نبی!) کہہ دیجیے کہ تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو آپ کے اصحابؓ آپ کے وضو کے پانی کو بدن پر ملنے لگے۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا، وہ کیا چیز ہے جو تم سے یہ کام کراتی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جسے اس بات کی خوشی ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرے یا اللہ اور اس کا رسولؐ اسے چاہیں تو اسے چاہیے کہ جب بولے تو سچ بولے، اسے امانت سونپی جائے تو امانت گزاری کرے اور اپنے پڑوسی سے اچھا پڑوس رکھے۔ (مشکوٰۃ)

۲۔ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ۔

یعنی اللہ کی راہ چاہنا اور اللہ کی راہ نہ چاہنا۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ہدایات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

ا۔ کسی ایسی چیز سے تعلق نہ رکھا جائے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردے۔ قلبی تعلق قائم کرنے میں پوری احتیاط سے کام لیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے دوست کی راہ پر ہوتا ہے۔ جو آدمی تیرا ہم خیال نہ ہو اس کا ہم نشین ہونے میں کوئی بھلائی نہیں۔ (احیاء العلوم حقوق الاخوۃ)

ب۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتے ہیں ان سے محبت رکھی جائے۔ یہ دینی محبت ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ دینی برادری رشتہ کی برادری سے مضبوط تر ہوتی ہے۔

ج۔ فُسّاق سے چاہے وہ کلمۂ اسلام پڑھتے ہوں قلبی محبت نہیں رکھنی چاہیے۔

ثمرات: آدمی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے یعنی دل میں ایمان کی تڑپ ہو، اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق ہو اور اطاعتِ دین میں پوری طرح کوشاں رہے تو اس کا ثمر یہ ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ اسے چاہنے لگتے ہیں اور اس کی آبرو کو اللہ تعالیٰ سالم اور فروزاں رکھتا ہے۔

Marfat.com

حدیث (۵۱)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ

روحیں گروہ در گروہ لشکر ہیں توان میں سے جنہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا ان کی آپس میں الفت ہوئی

وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ

اور جنہوں نے ایک دوسرے کو نہ پہچانا ان میں اختلاف ہوا

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ

اس کی روایت بخاری نے کی اور مسلم نے اس کی روایت ابوہریرہ سے کی

تشریح حدیث (۵۱)

اس حدیث کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

ا۔ عالم وجود میں آنے سے پہلے ارواح گروہ در گروہ تھیں۔ جو روحیں طبعی استعداد کے لحاظ سے ایک تھیں ان میں یہاں آکر محبت ہوئی اور جن میں صلاحیتوں کا اختلاف تھا وہ یہاں آکر ایک دوسرے سے جدا رہیں۔

ب۔ اس دنیا والوں کی ارواح میں جبھی محبت پیدا ہوتی ہے کہ ان میں ایمان کے اعتبار سے تعارف ہو۔ جن میں ایمان کا اتحاد نہیں وہ ایک دوسرے سے جدا رہتی ہیں مراد یہ کہ محبت انہیں سے رکھنی چاہیے جو صاحب ایمان اور اطاعت گذار ہوں۔ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں ان کے اپنے اپنے عقائد کے لحاظ سے الگ الگ گروہ ہوں گے احادیث سے ثابت ہے کہ یہ گروہ قیامت کو بھی اسی طرح اٹھ کر آپس میں علٰحدہ علٰحدہ جمع ہوں گے۔ ارشاد نبوی ہے:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جسے وہ چاہتا ہے)۔

اصل محبت عقیدہ کی محبت ہے، اس لیے قیامت کو لوگوں کی گروہ بندی عقائد کی بناء پر ہوگی۔

Marfat.com

حدیث (۵۲)

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتَی السَّاعَۃُ

اور انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی

قَالَ وَیْلَکَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَھَا قَالَ

فرمایا، تجھ پر افسوس! تو نے اس کے لیے کیا تیار کیا ہے؟ بولا،

مَا اَعْدَدْتُ لَھَا اِلاَّ اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ

میں نے اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں

قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ

فرمایا، تو جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہوگا انس نے کہا، میں نے نہیں دیکھا کہ مسلمانوں کو

فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَھُمْ بِھَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

(کہ) کسی چیز سے اتنے خوش ہوئے ہوں اسلام لانے کے بعد جتنا اس (ارشاد) سے متفق علیہ ہے

تشریح حدیث (۵۲)

سائل نے سوال پوچھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ محض سوال پوچھنے کا ہی شوق رکھتے ہو یا اس کے لیے تیاری بھی کی ہے۔ اس نے جیسا کہ ایک اور روایت سے ثابت ہوتا ہے کہا کہ میں نے زیادہ نماز، روزہ اور صدقہ کی تیاری تو نہیں کی، البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور محبت رکھتا ہوں۔ اس کے جواب سے ظاہر ہے کہ اس نے فرض اور نفل عبادت میں حتی المقدور کوشش کی لیکن اسے بہر حال اپنی عاجزی کا اعتراف تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تسکین فرمائی کہ تم جسے چاہتے ہو اس کے ساتھ رہو گے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جنت میں تمہیں ایسا ٹھکانا ملے گا جہاں سے تم پر عرش الٰہی کی شعاعیں پڑتی رہیں گی۔ اس کے حسین جلووں سے آنکھوں کو سیراب کرتے رہو گے اور جب چاہو گے میرے پاس آسکو گے۔ مَعَ کے لفظ کے ضروری نہیں کہ معنی ہوں کہ تم ہر وقت میرے پاس ہوگے۔ حدیث میں بِھَا سے مراد ہے: حضور کے اس کلمہ سے۔

Marfat.com

بَابُ مَا نُهِیَ عَنْهُ

مِنَ التَّهَاجُرِ وَالتَّقَاطُعِ وَاِتِّبَاعِ الْعَوْرَاتِ

تہاجُر

هَجَرَ : قولاً یا عملاً الگ ہوا یعنی بول چال ترک کر دی یا ملاقات چھوڑ دی۔

هَجْرَ یا هِجْرَان : اسم مصدر ہے۔

کلام، ملاقات یا محبت کا تعلق توڑ لینا۔

تَهَاجُر : هَجَرَ سے تفاعل کا صیغہ ہے۔

: ایک دوسرے سے جدا ہونا۔ کشیدگی۔ ناچاقی۔ ترکِ کلام۔ ترکِ ملاقات۔ ترکِ محبت۔

تَقَاطُع

قَطَعَ : کاٹ کر جُدا کیا۔

تَقَاطُع : قَطَعَ سے تفاعل کا صیغہ ہے۔

: جدا ہونا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہونا۔

تقاطع سے دو مفہوم اخذ ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ملاقات ترک کرنا۔

۲۔ حسن سلوک چھوڑ دینا۔ مثلاً قَطْعُ الرَّحِمِ سے مراد ہے رشتہ داروں سے حسنِ سلوک بند کر دینا۔ تقاطع میں تہاجُر کے مقابلہ میں زیادہ مبالغہ ہے۔

اِتِّبَاعُ الْعَوْرَاتِ

تَبِعَ یا اِتَّبَعَ : پیچھے چلا۔ درپے ہوا

عَوْرَة

اس کی اصل عار ہے۔ عورت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ظاہر کرنے سے انسان کو عار آئے یا مذمت کا خوف ہو۔ پوشیدہ بات۔

اِتِّبَاعُ الْعَوْرَات : دوسرے آدمی کی ان باتوں کے پیچھے پڑنا اور ان کی ٹوہ لگانا جن سے اس کی سبکی یا مذمت ہو۔

Marfat.com

حدیث (۵۳)

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ابو ایوب انصاری سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ

آدمی کے لیے روا نہیں ہوتا کہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن رات سے زیادہ قطع تعلق رکھے

یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا

(یعنی) یہ دونوں آمنے سامنے آئیں تو یہ (شخص) منہ موڑے اور یہ (دوسرا شخص) بھی منہ موڑے

وَخَیْرُھُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

اور ان میں بہتر وہ ہوگا جو سلام کرنے میں پہل کرے گا متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

لَا یَحِلُّ : حلال نہیں ہوتا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں مراد ہے جائز نہیں ہوتا۔

ھَجَرَ : اس نے چھوڑ دیا، تعلق توڑ لیا۔ لَیَال جمع ہے لیل یا لیلۃ کی

اَعْرَضَ : اس نے منہ موڑا۔ یُعْرِضُ وہ منہ موڑتا ہے۔

تشریح حدیث (۵۳)

سورۃ الانفال میں ہدایت ہے کہ آپس میں نزاع نہ اٹھاؤ ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ایک مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ (جنہوں نے دین کے حصے بخرے کر دیے اور خود ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے آپؐ کا ان سے کوئی تعلق نہیں)۔ نا اتفاقی انسان کو تباہی کے گڑھے پر لا کھڑا کرتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسے شرک کی علامات میں شمار کیا ہے۔

اہل اسلام کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو محض ذاتی مفاد کی خاطر اپنے تعلقات میں رنجش اور ناچاقی کو راہ نہ دیں۔ اگر طبعی کمزوری کی وجہ سے شکر رنجی ہو بھی جائے تو اسے تین دن سے زیادہ طول دینا حرام ہے۔ اس دوران میں صلح کر لینی چاہیے ورنہ اس کے بعد فریقین

Marfat.com

آمنے سامنے آجائیں تو ہر ایک کو سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مُسَلَّم علیہ کو چاہیے کہ فوراً سلام کا جواب دے ورنہ گنہگار ہوگا۔ نااتفاقی سے بچنے کے لیے فراخدلی اور کشادہ ظرفی کی انتہائی ضرورت ہوتی ہے جس شخص سے خطا ہو جائے اسے چاہیے کہ معافی کا خواستگار ہو۔ دوسرے فریق کو اس کا عذر قبول کرکے درگزر سے کام لینا چاہیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس کے سامنے اس کے بھائی نے عذر پیش کیا اور اس نے قبول نہ کیا تو اس کی گردن پر ظالم چنگی والے کا سا گناہ ہوگا (دیکھئے اس باب کی آخری حدیث)

بعض حالات میں دینی ضرورت کے پیش نظر قطع تعلق ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی مسلمان کھلم کھلا فاسق و فاجر ہو یا بہت بڑا بدعتی ہو اور سمجھانے پر الٹا اور بگڑتا ہو تو اس سے علٰحدگی ہی بہتر ہے تاکہ مزید فتنہ نہ بڑھے۔

حدیث (۵۴)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابوہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ

بدگمانی سے بچ کر رہو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹ بات ہے

وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا

اور نہ (کسی کی) راز جوئی اور نہ (کسی کی) جاسوسی کرو اور نہ قیمت بڑھانے کو بولی دو

وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا

اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ باہم روگردانی کرو

وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ

وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا تَنَافَسُوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور ایک روایت میں ہے، خسیس باتوں میں نہ جھگڑو۔ متفق علیہ ہے

Marfat.com

الفاظ کے معانی

ظَنّ : اس کے اصل معنی ہیں گمان، اچھا ہو یا برا لیکن یہاں بُرا گمان مراد ہے۔

حدیث : بات، کلام۔ لَاتَحَسَّسُوْا باب تفعّل سے ہے اور اصل میں لَاتَتَحَسَّسُوْا ہے۔ ت کو تخفیف کے لیے حذف کیا گیا ہے۔ لَاتَجَسَّسُوْا کی بھی یہی صورت ہے ان دونوں لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں۔ البتہ تحسّس میں گہرائی زیادہ ہے۔ لَاتَنَاجَشُوْا باب تفاعل سے ہے۔ اصل میں لَاتَتَنَاجَشُوْا ہے۔ تخفیف کے لیے ایک ت محذوف کی گئی ہے۔ اس کا مادہ نجش ہے۔ نجش کے معنی ہیں محض دوسرے آدمی کا نقصان کرنے کے لیے کسی سودے میں زیادہ بولی دینا یا قیمت بڑھانا۔ اسی طریقہ سے لَاتَبَاغَضُوْا اور لَاتَدَابَرُوْا بھی باب تفاعل سے آئے ہیں۔ تدابر کے معنی ہیں: ایک دوسرے سے منہ موڑ لینا۔ عِبَاد جمع ہے عَبد (بندہ) کی تَنَافُس: خسیس باتوں میں جھگڑنا۔

تشریح حدیث (۵۴)

اہلِ اسلام کو چاہیے کہ آپس میں بھائیوں کی طرح محبت، مُروّت اور ہمدردی سے رہیں کامل مؤمن وہ ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی ویسی ہی بہتری چاہتا ہے جیسی اپنے لیے بلکہ بارہا اس کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے۔

کسی مسلمان کو روا نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے لاتعلق ہو جائے یا اس سے بغض رکھے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ مشکل میں اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے۔

مذکورہ صدر حدیث میں اہل اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مندرجہ ذیل باتوں سے پرہیز کریں۔

۱۔ مسلمان بھائی کے بارے میں بدگمانی نہ کریں۔ ہر مسلمان کے بارے میں اچھی رائے رکھیں اسے خواہ مخواہ بُرا آدمی نہ سمجھیں۔ اگر مسلمان ایک دوسرے پر بلا وجہ بدگمان ہونے لگیں گے تو اتحاد اور اتفاق کی بنیاد اکھڑ جائے گی۔ ایک دوسرے کا اعتبار نہ ہو تو باہمی سلوک اور تعاون کیسے قائم رہ سکتا ہے۔

بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے خلاف جو باتیں مشہور ہوتی ہیں ان کی بنیاد محض جھوٹ پر ہوتی ہے اور لوگ انہیں ایک دوسرے سے سُن کر بغیر تحقیق کے پھیلا دیتے ہیں۔ اس طرح ایک بے گناہ آدمی ناحق تہمت اور بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے قرآن حکیم نے تاکید کی ہے کہ بدگمانی سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی میں گناہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو (بغیر تحقیق کے) آگے پھیلا دینا ہی آدمی کے لیے کافی جھوٹ ہوتا ہے۔

۲۔ کسی کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ نہ لگائیں۔

نبی کے سوا کون ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے پاک ہو۔ اس لیے اگر کسی کے کوائف کی جستجو شروع کر دی جائے تو شاید اس کے کچھ عیوب کا سراغ مل جائے لیکن اس سے فائدہ کیا ہو گا؟ ایک آدمی کی شہرت داغ دار ہو گی، اس کے دل میں اپنے عیب جُو کے خلاف کینہ پیدا ہو گا اور تناجُر و تقاطع کی نوبت آ جائے گی۔

انسان کو عموماً دو چیزیں برائی سے دور رکھتی ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا خوف اور دوسرے دنیا کی شرم۔ بے حیائی دنیا کی شرم اُٹھ جانے کا ہی دوسرا نام ہے جب تک انسان کے گناہ درونِ پردہ رہتے ہیں اس کی آنکھوں میں شرم کی کچھ جھلک رہتی ہے لیکن جب اس کے گناہ بے نقاب ہو جاتے ہیں تو اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اور کھل کر بے باک ہو جاتا ہے۔ اس لیے تجسّس اور تحسّس سے معاشرہ کے مزید گناہ آلود ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ

ترجمہ: اگر تو لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑ جائے تو انہیں اور بگاڑ دے گا یا بگاڑنے کے قریب جا پہنچے گا۔

۳۔ اگر کوئی آدمی کسی چیز کا سودا کرے تو اس کو نقصان دینے کی غرض سے خریداری کا بہانہ کر کے قیمت نہ چڑھاؤ۔ دوسرے آدمی کے سودے پر صحیح نیت سے بھی سودا کرنا ممنوع ہے۔

۴۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔

حسد یہ ہے کہ آدمی خود تو دوسرے کی سی نعمت حاصل نہ کر سکے اور یہ خواہش رکھے کہ دوسرے بھی اس نعمت سے محروم ہو جائیں۔ حسد کی آگ انسان کی سب صلاحیتوں اور خوبیوں کو مٹا کر رکھ دیتی ہے اس لیے اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔

۵۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ بغض نااتفاقی اور تباہی کا نقیب ہوتا ہے۔ اگر دو مسلمانوں کے درمیان کچھ رنجش ہو جائے تو دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ ان میں صلح کرا دیں۔ اگر وہ دیکھیں کہ اس مقصد کے لیے جھوٹ کے بغیر چارہ نہیں تو اس کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ اس سے مزید فتنہ کا احتمال نہ ہو۔

۶۔ ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ مصیبت آ پڑنے پر دوست یا بھائی کا ساتھ چھوڑنا آئینِ مردانگی سے بغاوت ہے۔

Marfat.com

بَابُ الْحَذَرِ وَ التَّانِیّ

حَذَر

حَذَر کے لغوی معنی خوف کے ہیں لیکن اس سے مراد وہ خوف نہیں جو بزدلانہ فرار سکھاتا ہے بلکہ وہ خوف ہے جو ہوشیاری، بیدار طبعی اور مستعدی کی روح ہے۔ شکاری اپنی بندوق سنبھالے گھنے جنگل میں شیر کی تلاش میں نکلتا ہے، پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے، اِدھر اُدھر نگاہ پھیر کر دیکھتا ہے کہ اچانک کوئی درندہ حملہ آور نہ ہو جائے۔ وہ اندیشہ ناک ضرور ہے۔ کبھی کبھار رونگٹے بھی کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن وہ بزدل نہیں۔ قدم مسلسل آگے بڑھائے چلا جاتا ہے۔ اس ہمت آموز اور حوصلہ پرور اندیشہ کو حَذَر کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کا مرادف لفظ CAUTION ہے۔

بعض حالات انتہائی حَذَر کا مطالبہ کرتے ہیں اور بعض میں اس کی ضرورت کم ہوتی ہے بہرحال حیات کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہیں ہوتا سوائے ان افراد کے جنہیں نفع و ضرر اور صواب و خطا سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ہم انہیں غافل اور لاابالی کے لقب دیتے ہیں آدمی زندگی کا کوئی کام بھی کرے ہمیشہ شعوری یا لاشعوری طور پر دھیان رکھتا ہے کہ اس سے کوئی خطا یا خرابی سرزد نہ ہو جائے۔ اسی دھیان کا دوسرا نام حَذَر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ دنیا اور عورتوں سے تقویٰ رکھو۔ یہاں تقویٰ سے یہی حَذَر مراد ہے۔

راقم السطور نے اپنی تالیف اسلامی نظامِ حیات میں تقویٰ کے زیر عنوان اس امر پر بحث کی ہے کہ ایفائے عہد تقویٰ کے لیے ازبس لازم ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح حَذَر اور تقویٰ کا چولی دامن کا ساتھ ہے اسی طرح امانت گزاری اور ایفائے عہد بھی لازم و ملزوم ہیں۔ لہذا حَذَر اور امانت کا بھی گہرا رشتہ ہے۔ صاحبِ مشکوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ باب زیرِ نظر کی دوسری فصل میں امانت کی حدیث بھی لائے ہیں۔ ان احادیث میں امانت اعتماد کے ہم معنی ہے۔ صاحبِ مشکوٰۃ کا مطلب صاف یہ ہے کہ حَذَر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی دیکھ بھال کر دوسروں پر اعتماد کرے، عہد شکن آدمی سے دوبارہ دھوکا نہ کھائے، انہی لوگوں سے ہم نشینی رکھے جو بھروسے کے قابل ہیں، مشورہ انہی سے لے جو صاحبِ خلوص اور اہلِ خرد ہیں۔

Marfat.com

مندرجہ بالا بحث اور بابِ زیرِ نظر کی احادیث پر نگاہ ڈالی جائے تو حَذَر کے مندرجہ ذیل معانی سامنے آتے ہیں :

خوف رکھنا، چوکنا، بیدار طبع اور خطرہ سے ہشیار رہنا۔ خود پر ضبط رکھنا، سنبھل کر رہنا، فکر اور اندیشہ رکھنا، خطا اور خرابی کا دھیان رکھنا، حزم و احتیاط رکھنا، مجلس اور اعتماد کے لیے درست افراد کا انتخاب کرنا۔

تَأَنِّیْ کے لغوی معنی تاخیر کے ہیں لیکن وہ تاخیر مراد نہیں جو سستی، غفلت یا ٹال مٹول کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بلکہ وہ تاخیر جو احتیاط اور تامل سے وابستہ ہوتی ہے لہذا تَأَنِّی کے معنی ہوں گے :

تحمّل و تأمّل

آدمی جب کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے کچھ دیر رُک کر سوچنے لگے کہ اس میں بہتری ہوگی یا برائی یا اس کو انجام دینے کے کیا کیا طریقے ہو سکتے ہیں تو اس درنگ یا تاخیر کو تَأَنِّی کہیں گے۔ جدید نفسیات کا کہنا ہے کہ جب بھی ہم کسی کام سے رک جاتے ہیں تو اس وقت ہمارا ذہن لامحالہ کسی سوچ میں پڑ جاتا ہے چاہے اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔ نبّاضِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی لیے تَأَنِّی کا حکم فرمایا ہے۔ اسی کے پیشِ نظر راقم ہٰذا نے فصلِ اوّل کے متن کے ترجمہ میں تَأَنِّی کے معنی تأمُّل لکھے ہیں۔

تَأَنِّی جلد بازی کی ضد ہے اس سے انسان میں حلم و سکون اور متانت و تمکن کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ تَأَنِّی کا لفظ نرم خوئی اور وقار کے معنی میں بھی آتا ہے۔

حَذَر و تَأَنِّی کی اہمیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ حَذَر و تَأَنِّی اچھی سیرت اور اچھی روش ہے اور اخلاقِ نبوت میں سے ہے۔

عقل و تدبّر سے بصیرت کو جلا حاصل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں اہلِ ایمان کی ایک صفت یہ بتائی گئی ہے : وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ٥ (۲۵-۷۳)

ترجمہ : جب انہیں ان کے رب کی آیات سنائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔

مقصود یہ کہ آیاتِ قرآنی کو دھیان سے سُن کر ان میں فکر و تدبّر کرنا چاہیے۔ کسی کام کو اندھا دھند شروع نہ کیا جائے۔ عبادات میں بھی آداب و شروط کا خوب دھیان رہے مثلاً وضو میں عجلت کر کے ایڑی کا ہی ایک حصہ خشک رہنے دیا تو نماز نہ ہوگی۔ نماز کے ارشاد

Marfat.com

میں دھیان جس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔

عقل و تدبر ہی سے ان میں درستیِ اعمال کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخرت میں جزاء عقل کے موافق ملے گی۔ یہاں عقل سے مراد عقل کا استعمال ہے یعنی انسان کو جس قدر بھی عقل ملی ہے اسے مصرف میں لائے۔

تدبر کا تقاضا ہے کہ اسے عمل کی دنیا سے جدا نہ رکھا جائے۔ فکر کی ایسی شعبدہ بازیاں جن کا عمل سے کوئی واسطہ نہ ہو ہلاکت کے دروازے پر لا کھڑا کرتی ہیں۔ ذہنی عیاشی سے حذر چاہیے صرف اس مدبر کی رائے کا احترام کرنا چاہیے جس نے زندگی کے نشیب و فراز دیکھے ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ لَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَةٍ۔ ترجمہ: صرف تجربکار شخص ہی صاحبِ حکمت ہوتا ہے۔

حدیث (۵۵)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں کاٹا جاتا — متفق علیہ ہے

تشریح حدیث (۵۵)

ابوعزہ نامی ایک شاعر بدر کی جنگ میں مشرکین کی طرف سے گرفتار ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدے پر اسے آزاد فرما دیا کہ دوبارہ مشرکین کو اہلِ اسلام کے خلاف نہیں بھڑکائے گا۔ وہ واپس جا کر باز نہ آیا۔ اُحد کی جنگ میں پھر اسیر ہوا اور حضورؐ سے رہائی کی درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا: لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔
اس حدیث میں حذر کی تاکید ہے۔ اس عنوان پر مفصل بحث تمہیدی مقالہ میں گزر چکی ہے۔

Marfat.com

بَابُ الرِّفْقِ وَالْحَیَاءِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ

رفق

رفق کے معنی ہیں : نرمی ، ملائمت ـــــ مثلاً کسی شاخ کا نرم اور لچک دار ہونا۔ انسان کا رفق یہ ہے کہ اس کے مزاج میں اکڑ ، ضد اور ہٹ دھرمی نہ ہو ، احباب و اعزّہ کے مزاج سے جہاں تک ہو سکے موافقت کرے ، تلخی نہ کرے۔ اس کے خیالات میں لچک ہو یعنی اپنی غلطی پر جان بوجھ کر اصرار نہ کرے اور بموجب فرمانِ نبوی خُذْ مَا صَفَا دوسروں کے ہاں جو حق بات دیکھے اسے اختیار کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی مندرجہ ذیل حدیث میں رفق کے یہی معنی کام کر رہے ہیں۔

ایمان والے بُرد بار اور نرم مزاج ہوتے ہیں فرماں بردار اونٹ کی طرح۔ اگر اسے (نکیل سے) کھینچا جائے تو چلنے لگتا ہے اور اگر اسے چٹان پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔

(۲) قول کی لطافت ـــــ زبان میں دلآویزی ہو ، لہجہ کرخت نہ ہو ، الفاظ میں سادگی اور شیرینی ہو۔

(۳) فعل کی لطافت ـــــ ہر کام کو سکون و اطمینان کے ساتھ عمدہ ترین ، سہل ترین اور سادہ ترین طور سے انجام دے مثلاً ڈاکٹر مریض کا علاج دوا سے کر سکے تو آپریشن سے پرہیز کرے اور اگر آپریشن لابدی ہو تو نہایت سنبھل کر مکمل حزم و احتیاط کے ساتھ نشتر چلائے۔ زندگی کے جتنے امور ہیں مثلاً ناخن تراشنے سے دل کے آپریشن تک اور بچوں کی پرورش سے لے کر عالمی سیاست تک سب میں لطف آمیز احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ حتی الوسع ایسے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں جن سے اپنی یا دوسرے کی طبع کو ناگواری نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو باتیں پیش ہوتیں تو آپؐ آسان تر کو اختیار فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا (الترغیب والترھیب)

(۴) آسانی کرنا ـــــ یعنی کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ یا مشقت نہ ڈالنا ، جہاں تک ہو سکے دوسروں سے تکلیف دور کرنا ، بے جا پابندیاں نہ لگانا۔ حدیث نبوی ہے :

Marfat.com

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا

ترجمہ: آسانی پیدا کرو، تنگی نہ کرو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دیہاتی نے جو نیا نیا اسلام لایا تھا مسجد النبی میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے مارنے دوڑے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اسے کچھ نہ کہو اور پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ تمہیں آسانی کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے مشقت ڈالنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔

حیاء

حیاء لغت میں اس عار اور انکسار کو کہتے ہیں جو کسی قابلِ مذمت فعل سے طاری ہو جائے یا اس کے خوف سے آدمی بدی سے گریزاں رہے۔ شرع میں حیاء اس طبعی خاصہ کو کہتے ہیں جو بُرائی سے دور رکھتا ہے اور حق دار کا حق پہچاننے میں کوتاہی نہیں کرنے دیتا۔

شرعی نقطۂ نگاہ سے صحیح معنی میں حیاء وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو۔ اس کے کئی مدارج ہیں۔ بلند ترین درجہ یہ ہے کہ آدمی کو خلوت و جلوت ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے حیاء ہو۔ آدمی تنہائی میں بھی گناہ کا خیال کرے تو یہ سوچ کر فوراً باز آجائے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

خلق

خُلق یا خُلُق کے معنی ہیں:

۱۔ طبع۔ مزاج

۲۔ انسان کا معنوی جوہر

۳۔ وہ طبعی ملکہ جس سے حمیدہ اعمال اور پسندیدہ آداب کا از خود ظہور ہوتا ہے۔

۴۔ باطنی اوصاف و میلانات اور طبعی اعمال و آداب کا مجموعہ۔ اس کے لیے خلق کی جمع یعنی اخلاق کا لفظ بھی لاتے ہیں۔

خُلق طبعی بھی ہوتا ہے اور اکتسابی بھی لیکن اکتسابی خلق کو ہم اسی صورت میں خُلق کہہ سکتے ہیں کہ وہ طبعی کا درجہ اختیار کرے یعنی مزاج میں ایسا گھُل مِل جائے کہ اس میں تکلیف باقی نہ رہے۔

خَلق ظاہری صورت اور خُلق باطنی صورت کا نام ہے۔

Marfat.com

حُسنِ خلق

عام مفہوم: حُسْنُ الْخُلُقِ کے لغوی معنی ہیں: خلق کی عمدگی، خوبی اور نفاست یا بالفاظِ دیگر رذائل سے بچنا اور فضائل سے آراستہ ہونا۔

شرع میں حُسنِ خُلق سے مراد ہے، قرآن وسنت کا اتباع۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا تھا؟ آپؓ نے سائل سے پوچھا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ جواب دیا، پڑھتا ہوں۔ فرمایا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق قرآن تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ نیکی حسنِ خلق ہے۔

خاص مفہوم: شرعی مفہوم کے اعتبار سے حسنِ خلق کا دائرہ پورے اسلام کا دائرہ ہے لیکن خاص استعمال میں یہ لفظ حسنِ سلوک اور حسنِ معاملہ کے معنی میں آتا ہے اور اسے عبادات وغیرہ سے ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث ہے کہ مومن اپنے حسنِ خلق کے ذریعے رات بھر کے نماز گزار اور دن بھر کے روزہ دار کا درجہ پا لیتا ہے[1]۔ اس حدیث میں حسنِ خلق کو عبادت سے متمیز کیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ حُسنِ خُلق یہ ہے کہ تو رشتہ توڑنے والے سے تعلق قائم رکھے، زیادتی کرنے والے کو معاف کرے اور جو تجھ سے بخل کرے اس سے کشادہ دستی کرے[2]۔

علامہ خازنؒ نے اپنی تفسیر میں وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ کی تفسیر کرتے ہوئے حُسنِ خلق کے بعض نمایاں اجزاء شمار کیے ہیں جو درجِ ذیل ہیں:

لوگوں سے محبت
معاملات کی درستی
خویش وبیگانہ سے اچھے روابط رکھنا اور تہاجر وتقاطع سے بچنا۔
سخاوت
بخل اور حرص سے پرہیز
فراخ دلی
ادنیٰ واعلیٰ کی ایذاء رسانی پر صبر کرنا
حُسنِ اَدب

امام غزالی رقم طراز ہیں کہ حُسن الخلق کا ثمرہ الفت ہے اور سُوءُ الخلق کا ثمرہ بیگانگی[3]۔ اس کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حسن الخلق وہ سلوک ہے جس سے دوسرے کے دل میں الفت پیدا ہو۔ اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ بابِ زیرِ نظر [2] احیاء العلوم ج ۲۔ [3] احیاء العلوم جلد ۲ کتاب آداب الالفۃ... الخ

Marfat.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حسنِ خُلق

سورۃ القلم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ٥ (ترجمہ) اور آپؐ یقیناً خلق عظیم پر ہیں۔

اس کی تفسیر میں حضرت شبیر احمد صاحب عثمانی نے خلق کی شرح یوں فرمائی ہے:

"آپؐ کی زبان قرآن ہے اور آپؐ کے اعمال و اخلاق قرآن کی خاموش تفسیر قرآن جس نیکی، جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپؐ میں فطرۃً موجود اور جس بدی و درشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپؐ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپؐ کی کوئی حرکت اور چیز حدِ تناسب و اعتدال سے ایک انچ اِدھر اُدھر ہٹنے نہیں پاتی۔" (تفسیر عثمانی)

حدیث (۵۶)

وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ

اور نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا

سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کی بابت پوچھا

فَقَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ

تو فرمایا: نیکی حُسنِ خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکا

وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور تو نے نہ چاہا کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ اس کی روایت مسلم نے کی

الفاظ کے معانی

اَلْبِرُّ: نیکی ۔ اَلْاِثْمُ: گناہ ۔ حَاكَ: کھٹکا۔
كَرِهْتَ: تو نے ناپسند کیا۔ كَرِهَ: اس نے ناپسند کیا۔
اِطَّلَعَ: باخبر ہوا۔ مطلع ہوا۔ يَطَّلِعُ: باخبر ہوتا ہے۔

Marfat.com

تشریح حدیث (۵۶)

حُسنُ الخُلق کی شرح سابقہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ذیل میں اِثم و بِرّ کے فرق پر مزید بحث ہوگی۔

نیکی اور گناہ کی کسوٹی

قرآن و حدیث میں گناہ اور نیکی کے بارے میں واضح احکام ہیں۔ لیکن بعض صورتیں لاعلمی یا اشتباہ کی وجہ سے ایسی پیش آجاتی ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ فلاں کام کیا جائے تو گناہ ہوگا یا ثواب۔ صاحبِ ایمان شخص ایسے مواقع پر ٹھٹک جاتا ہے اور تامل کر کے قدم اٹھاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں وہ کس بنا پر فیصلہ کرے۔ جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا حدیث میں اس کی ایک عمدہ کسوٹی بیان فرمائی ہے یعنی دل سے پوچھا جائے۔ اگر دل میں کوئی کھٹکا نہ ہو اور اسے کام کی طرف رغبت ہو تو کام انجام دیا جائے ورنہ رک جانا چاہیے۔

اسی موضوع پر حضرتِ وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا، تو نیکی کے بارے میں سوال کرنے آیا ہے۔ میں نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا، اپنے دل سے پوچھ۔ نیکی وہ ہے جس پر روح مطمئن ہوئی اور دل بھی مطمئن ہوا اور گناہ وہ ہے جو جی میں کھٹکا اور اس نے سینے میں تردد کیا۔ (اربعینِ نووی بحوالہ احمد بن حنبل و دارمی)

قرآنِ حکیم سے واضح ہے کہ انسان کی فطرت صاف اور صالح ہوتی ہے۔ اس کا نیکی کی طرف میلان ہوتا ہے لیکن دنیا کی رنگینیاں اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں اور وہ گناہوں کی وادی میں بھٹک جاتا ہے۔ تاہم جب تک اس کا دل بالکل مردہ نہ ہو جائے اندر ہی اندر سے اسے بار بار نیکی کی پکار سنائی دیتی ہے۔ گناہوں کا احساس اسے ملول اور ندامت کرتا رہتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں انسان کی روح کے بارے میں ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (۹۱ : الشمس : ۱۰)

ترجمہ: قسم ہے جان کی اور جس نے اسے درست کیا پھر اس کو بدی اور نیکی سجھائی۔

Marfat.com

جس نے اپنی روح کو پاک کیا وہ کامیاب رہا اور جس نے اسے آلودہ کیا
وہ ناکام ہوا۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ روح کو نیکی اور بدی کا فطری طور سے علم ہوتا ہے لیکن روح کے آئینہ پر صحیح عکس اسی صورت میں پڑتا ہے کہ یہ صاف ہو۔ اگر اس پر زنگار چھا جائے تو اسے ٹھیک طور سے کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔ دل پر بدی کے غلاف یکے بعد دیگرے چڑھتے جاتے ہیں۔ بالآخر ایسا وقت آتا ہے کہ ان تہ بہ تہ غلافوں سے نیکی کی شعاعوں کا گزرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ گویا دل نیکی کے سفیر کے لیے ایک بند کمرہ ہو جاتا ہے جس پر قفل پڑے ہوں۔

مومن کے دل کی کیفیت اور ہے۔ اس کا آئینہ گناہوں سے داغدار بھی ہو جائے تو اس کی سطح کی صیقل کلیتہً ختم نہیں ہوتی۔ وہ نیکی کی شعاعوں اور بدی کے اندھیروں میں تمیز کرنے کی اہلیت کبھی نہیں کھوتا۔ صاحبِ ایمان شخص اگر گناہ کر بھی بیٹھے تو اس کے دل میں ہر گناہ کے ساتھ ایک کانٹا گڑ جاتا ہے جس کی خلش اسے بے چین رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اگر نیکی کی توفیق دے تو اسے مسرت ہوتی ہے اور اس کے دل میں اطمینان کی موج اٹھتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ بے اطمینانی۔

مومن کے لیے نیکی اور بدی دونوں کے رستے واضح ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسے یہ معرفت عطا فرمائی۔ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس معرفت سے فائدہ اٹھائے اور نیکی کی راہ پر چلے۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ (۷۶: الدھر: ۳)

یعنی ہم نے انسان کو (نیکی کا صحیح) راستہ بتا دیا ہے۔ اب وہ چاہے تو شکر گزار ہو (اور نیکی پر چلے) اور چاہے تو ناشکرا ہو (اور بدی کی راہ اختیار کرے)

حدیث (۵۷)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ

اور عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے انہوں نے کہا،

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

Marfat.com

اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا   رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

تم میں سے مجھے سب سے پیارے (وہ ہیں جو) تم میں اخلاقاً خوب ترین ہیں۔ اس کی روایت بخاری نے کی

تشریح حدیث (۵۷)

حُسنِ خُلُق

حُسنِ خُلق کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا اسلام کا لیکن عموماً باہمی حسنِ سلوک و ارتباط کے معنی دیتا ہے کیونکہ مجلسی اور معاشرتی زندگی ہی میں انسان کا اصل جوہر سامنے آتا ہے۔ یہیں اس کا امتحان بھی ہوتا ہے اور اسی میدان میں اسے تربیت بھی ملتی ہے۔ یہیں اس بات کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے نماز روزہ اور دیگر عبادات میں کس حد تک خلوص ہے۔ ایک عورت بہت عبادت گزار تھی لیکن اس کی زبان سے سارا محلّہ نالاں تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔

خُلق انسانیت کا جوہر ہے اس لیے اسلام نے اسے نکھارنے اور حسن وجمال کی رفعتوں پر پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ۔

ترجمہ: مجھے اچھے اخلاق کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے بھیجا۔

سابقہ امتوں میں بھی اخلاقی نفاستیں تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں آخری اور کامل ترین صورت عطا فرمائی۔ اہلِ اسلام کا فرض ہے کہ بہترین اخلاق کا ثبوت دیں۔ اس سے نہ صرف ان کی اپنی صفوں میں محبت اور اتحاد کی قوت پیدا ہو گی بلکہ اغیار بھی مسحور ہو کر اسلام سے وابستہ ہو جائیں گے۔

اخلاق کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں جن میں سے بعض اس باب کی دوسری اور تیسری فصل میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

بَابُ الغَضَبِ وَالکِبرِ

غضب

جب بھی انسان کی کسی خواہش کی مزاحمت کی جاتی ہے یا اس کی تسکین میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو وہ نزاع پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ نزاع کے ساتھ ناراضی کا جذبہ ضرور وابستہ ہوتا ہے۔ یہ جذبہ کبھی ضعیف اور کبھی قوی ہوتا ہے۔ قوی ہو تو عوامی لغت میں اسے غضب یا غصہ کہتے ہیں لیکن اصل لغت اور شرعی مفہوم کے اعتبار سے ناراضی کا جذبہ ضعیف ہو یا قوی اسے غضب ہی کہا جاتا ہے۔ لہذا غضب رضا، کی ضد اور ناراضی کا ہم معنی ہے۔ لسانُ العرب میں بھی اسے نقیض الرّضا، اور سخط کا ہم معنی بتایا گیا ہے۔ اس کے کئی مدارج ہیں معمولی غصّہ سے لے کر غیظ اور طیش تک اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔

غصہ پر قابو رکھنا

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبع میں کوئی چیز بے کار ودیعت نہیں فرمائی۔ ہر جبلّت اور ہر طبعی جذبہ انسان کی شخصیت اور بقا کے لیے ازبس لازم ہے۔ اگر وہ مخالف اور ستم شعار قوتوں سے نزاع کرنے کی جبلت سے محروم ہو جائے تو اس کی زندگی کو حریف انسان یا خون خوار درندے یا بیماریوں کے جراثیم یا آتش و آب و خاک و باد کی شورشیں دیکھتے ہی دیکھتے حرفِ غلط کی طرح بے نشان کردیں۔ لیکن یہ احتیاط اب انسان کے ذمے ہے کہ اپنی جبلتوں اور جذبات کو صحیح رستوں پر لگائے۔ مثلاً غضب کے جذبہ ہی کو لیجیے۔ اس سے ضرر دور ہوجاتے ہیں اور بدی کی مدافعت ہوتی ہے۔ شرعی امور کی محافظت کے لیے اس کا استعمال علیٰ مستحب بلکہ بعض دفعہ واجب اور فرض ہوجاتا ہے لیکن آدمی اسے قابو میں نہ رکھے اور بات بات پر بھڑکتا الجھتا رہے تو نہ صرف اپنی زندگی کو جہنم کی زندگی بنالے گا بلکہ دوسروں کا جینا بھی دوبھر کرے گا۔

غصہ یا ناراضی کے جذبہ کو مٹایا نہیں جاسکتا، لیکن دبایا جاسکتا ہے۔ اسے جائز حدود میں رکھ کر اس سے بڑے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں لہذا قرآن حکیم نے ... كَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ یعنی غصہ دبانے والوں کی نہ کہ اس کو فنا کرنے والوں کی فضیلت بتائی ہے۔ غصہ کو قابو میں رکھنا حوصلہ مندی، استقامت اور مردانگی کی دلیل ہے۔ جلد بھڑک اٹھنا

Marfat.com

اعصابی مریضوں کا خاصہ ہے۔ تندرست جذبات اور صحت مند اعصاب کے لوگ مغلوب الغضب نہیں ہوتے۔ حدیث ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو پچھاڑ دینے والا ہو۔ پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت خود پر قابو پاتا ہے۔

غصہ فرو کرنے کے طریقے

۱۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم کا وِرد غصہ کو دُور کرتا ہے۔

۲۔ غصہ کی بھڑک پانی سے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ آدمی پانی پیے یا وضو کرے تو افاقہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ ہیجان کا بدنی حالت سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ بیٹھنے یا لیٹ جانے سے غصہ دھیما پڑ جاتا ہے۔

۴۔ ٹھنڈی زمین پر لیٹ جانا رفع غضب کے لیے بہت مفید ہے بشرطیکہ کرتی اور حرج نہ ہو جس طرح مٹی سے بجلی کا اثر زائل ہوتا ہے اسی طرح غصہ بھی دور ہو جاتا ہے۔

۵۔ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھ لی جائے تو اس سے بھی غصہ جاتا رہتا ہے۔

غصہ دبانے کے ثمرات

۱۔ معاشرہ کی سالمیت

انسانی معاشرہ اسی صورت میں سالم رہ سکتا ہے کہ اس کے افراد باہمی تعلقات نہ توڑیں۔ یہ جبھی ممکن ہے کہ ایک دوسرے کی فرو گذاشتوں اور کوتاہیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے۔ کون ہے جس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد نہیں ہوتیں۔ اگر ہر شخص دوسرے کی خطا پر دل میں گرہ ڈال لے تو کشیدگی بڑھتی رہے گی اور اصلاح کی صورت نظر نہیں آئے گی۔

عفو کے چھینٹے کینہ کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ معلّمِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک دوسرے کو معاف کرو۔ تمہارے باہمی کینے رفع ہو جائیں گے۔

(کنز العمال ج ۲۔ باب العفو)

عفو کے دم سے محبت کی دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ دشمن دوست ہو جاتے ہیں پہلے ان کی یاد اور ملاقات سے رنج و ملال کی تلخی تھی اب راحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ غصہ کا دبانا زہر کے گھونٹ پینے کے برابر ہے لیکن اس زہر کے گھونٹ کا بعد میں اتنا میٹھا اثر ہوتا ہے کہ عمر بھر اس کی شیرینی کا مزا نہیں جاتا۔ حضرتِ عمرؓ کا قول ہے کہ دودھ یا شہد کے ہر گھونٹ سے غصہ کا گھونٹ بہتر ہوتا ہے۔

(کنز العمال ۲)

Marfat.com

غصہ کے بدولت ایثار کا جذبہ قوت مند ہوتا ہے۔ ایثار وہ جذبہ ہے جس کے ہوتے ہوئے معاشرہ کی صفوں میں ضعف پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ عزم و حوصلہ کی تربیت

اقوام کی کامرانی اور ظفر مندی کی پہلی شرط عزم و حوصلہ ہے۔ عزم و حوصلہ انسانی قوتوں کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ اس سے انسان کی استقامت اور شانِ مردانہ میں کمال پیدا ہوتا ہے جو انسانی شرف اور اعزاز کا مدار ہے۔ حوصلہ کی قوت کا ایک سرچشمہ عفو کی صفت ہے بلکہ عفو عزم و حوصلہ کا دوسرا نام ہے۔ قدرتی بات ہے کہ جس اخلاقی صفت کو جتنا بروئے کار لایا جائے وہ اتنی قوی ہوتی جاتی ہے۔ عفو سے جس قدر کام لیا جائے فراخ حوصلگی کی اتنی ہی تربیت ہوتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (۴۲ : ۴۳)

ترجمہ: اور جس نے تحمل کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ عزم کے کام ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت

قرآنِ حکیم سے ثابت ہوتا ہے کہ غصہ کو دبانے والے اور دیگروں کو معاف کرنے والے لوگوں کے لیے بڑا اجر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے اپنا غصہ روک لیا اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنا عذاب روک لیا۔ (بلوغ المرام)

کِبر[1]

کِبر کے معنی ہیں:
(۱) بڑا ہونا، عظمت
(۲) احساسِ برتری

احساسِ برتری کے مدارج

احساسِ برتری کے کئی مدارج ہیں: مثلاً:

ا۔ خود کو اچھا یا بڑا سمجھنا لیکن کسی اور کو پست نہ سمجھنا۔

ب۔ خود کو دوسروں کے مقابل بڑا اور افضل سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ جو حق میرا ہے دوسروں کا نہیں۔ لیکن اس خود فریبی کو اپنے تک ہی محدود رکھنا۔

ج۔ خود فریبی کا دوسروں پر اظہار کرنا اور اکڑ اور سرکشی دکھانا۔ اسے بالعموم تجبّر یا استکبار کہتے ہیں۔ تخیل اور خُیَلاء کے بھی یہی معنی ہیں۔ یہ تواضع کی ضد ہے۔

د۔ خودستائی اور خود رائی میں آکر حق سے انکار کر دینا۔ یہ ایمان کی ضد ہے اور کسی صورت روا نہیں۔

---

[1] ب پر زبر ہو تو معنی ہوں گے، عمر میں بڑا ہونا۔

احساسِ برتری کا جذبہ جبلتِ خودنمائی سے وابستہ ہے۔ یہ طبعی خاصّہ ہے اس لیے اس میں بجائے خود کوئی عیب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام نے اسی کبر کو بُرا بتایا ہے جو خلافِ واقع اور ناحق ہو۔ بعض حالات میں مثلاً کُفّار کے مقابل تکبّر روا ہوتا ہے لیکن اسی صورت میں جب کہ ان کا تکبّر توڑنا مقصود ہو اور خود عین اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں سراپا عجز ہو۔

انسان میں خودنمائی کی جبلّت نہ ہو تو وہ کوئی کارِ نمایاں انجام نہ دے سکے۔ نااہل افراد چھا جائیں اور دنیا نفاست اور ثقافت سے محروم ہو جائے مثلاً خودنمائی کا ایک شعبہ زیبائش ہے۔ یہ عین مستحب ہے۔ قرآنِ حکیم میں آیا ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

ترجمہ: اے اولادِ آدم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔

جبلّتِ خودنمائی اور احساسِ برتری کو اپنی جائز حدود کے اندر پابند رکھنا ازبس ضروری ہے ورنہ تکبّر انسان کو خودبینی اور خودرائی کے نشہ میں اس حد تک بدمست کر دیتا ہے کہ وہ حق و ناحق کی تمیز بالکل کھو بیٹھتا ہے۔ دیگر انسانوں کو قابلِ توجہ اور لائقِ التفات ہی نہیں سمجھتا اور ان کے حقوق کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ انکارِ حق اور تحقیرِ آدم کی نوبت آجاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کے لیے اتنی ہی جہالت کافی ہوتی ہے کہ وہ اپنی رائے کو پسند کرنے لگے (اوسط طبرانی، بیہقی[1]) اس بارے میں آپ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جس نے کہا میں عالم ہوں وہ جاہل ہے (طبرانی[2]) مراد یہ ہے کہ جس نے فخر سے علم کا دعویٰ کیا وہ درحقیقت جاہل ہے کیونکہ وہ تھوڑے سے علم پر نازاں ہو کر مزید تحصیل سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبّر انسان کو تلاشِ حق سے روک دیتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ نام و نمود پر جان چھڑکتا ہے اور بلند و بالا محلات، پُرشکوہ لباس اور فخر کے سامانوں پر بے دریغ دولت اُڑائے جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کے لیے اس کے پاس گنجائش ہی نہیں رہتی۔ انفاق فی سبیل اللہ اور تکبّر میں سخت تضاد ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ مسلمان کا صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے اور بُری موت کو روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے کبر اور فخر کو دور کر دیتا ہے (طبرانی۔ ترمذی[3])۔

تکبّر انسان کو آہستہ آہستہ نیکی کی راہ سے دُور لے جاتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں

---

[1] الترغیب والترہیب کتاب العلم [2] ایضاً [3] الترغیب والترہیب جزو ۲۔ ابواب الصدقات

Marfat.com

حق فراموشی، جبّاریت اور انسانیت کُشی کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مُہلکات میں شمار فرمایا ہے۔ تکبّر اور شیخی بازی کی سزا جہنّم ہے۔

حدیث (۵۸)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور اُن[1] سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ

پہلوان وہ نہیں جو پچھاڑ دینے والا ہے

اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

پہلوان تو صرف وہ ہے جو غصّہ کے وقت خود پر قابو پاتا ہے متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

شدید : پہلوان سخت پکڑ رکھنے والا۔

صُرَعَہ : وہ شخص جو دوسروں کو بہت پچھاڑے۔ صریع جسے پچھاڑا گیا ہو۔

عِنْدَ : بوقت

تشریح حدیث (۵۸)

مفصّل شرح کے لیے تمہیدی مقالہ دیکھا جائے۔

حدیث (۵۹)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ

اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ کبریاء میری چادر ہے اور عظمت میرا تہہ بند ہے

[1] حضرت ابو ہریرہؓ سے

Marfat.com

فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ

اور جس نے ان دونوں میں سے ایک بھی مجھ سے چھیننا چاہی (تو) میں اسے آگ میں داخل کروں گا

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَذَفْتُهُ فِی النَّارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور ایک روایت میں ہے: اسے آگ میں پھینکوں گا۔ اس کی روایت مسلم نے کی

تشریح حدیث (۵۹)

کِبْرِیَاء اور عظمۃ ہم معنی ہیں۔ البتہ کبریاء کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت کے لیے آتا ہے۔ اس میں عظمت کے مقابلہ میں مبالغہ زیادہ ہے۔

رِداء اور ازار سے یہاں مراد لباس ہے۔ یعنی میری کبریاء و عظمت میری ذات کا صفاتی لباس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا عکس بندے کو خود میں اتارنا چاہیے لیکن تکبّر محض صرف اسی ذاتِ بے ہمتا کو روا ہے۔ متکبّر کہلانے کا شرف اسی کا حق ہے۔ جو آدمی اپنے کمال کو کمالِ ذاتی سمجھ کر تکبّر کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی کبریاء کو چیلنج کرتا ہے۔ اس کی سزا جہنم ہو گی۔

Marfat.com

بَابُ الظُّلمِ

ظلم

اصلِ لغت کے اعتبار سے ظلم کے معنی ہیں:

کسی شے کو اصل حالت میں نہ رہنے دینا چاہے اس میں کمی یا زیادتی کر کے چاہے اس کا وقت یا ٹھکانہ بدل کر۔

عام استعمال میں ظلم کا لفظ حدود فراموشی اور عدمِ اعتدال کے معنی دیتا ہے۔

مثلاً

حق و ناحق میں تمیز نہ کرنا : مثلاً بُت پرستی

کسی کا حق کم کرنا یا نہ دینا : مثلاً اس کا مرتبہ نہ پہچاننا، اس کا جائز احترام نہ کرنا۔

کسی کا مال یا عُہدہ چھیننا۔

بے جا کام کرنا — مثلاً بند مکان میں فصل اگانا

بے وقت کام کرنا — مثلاً پھل کو پکنے سے پہلے توڑ لینا

بے محل کام کرنا — مثلاً کتوں کو لباس پہنانا

کام کو ادھورا انجام دینا

کام کو بے ضرورت بڑھا دینا

سیدھی چیز کو ٹیڑھا کرنا۔

مندرجہ ذیل بھی ظلم میں شامل ہیں:

ظالم کا ساتھ دینا

تظلم یعنی جوابی ظلم مثلاً بجائے عدالتی چارہ جوئی کے خود انتقام پر اُتر آنا اور جواب میں ظالم کے ظلم سے بھی بڑھ جانا۔

مدارج

ظلم کے کئی مدارج ہیں۔ یہ ادنی بے راہی سے لے کر شرک تک کو محیط ہے۔

Marfat.com

قسمیں

بعض علماء کے نزدیک ظلم کی تین قسمیں ہیں:

(اوّل) ظلم اللہ کی بابت : ا۔ کفر یا شرک
ب۔ عبادات میں کوتاہی یا بے اعتدالی۔

(ثانی) ظلم لوگوں کی بابت : ان کا حق نہ پہچاننا۔ ملک اور معاشرہ کو ضرر دینا۔

(ثالث) ظلم اپنی بابت : اپنا روحانی، اخلاقی اور مادی نقصان کرنا۔

طریقے

ظلم کے عموماً دو طریقے ہوتے ہیں:

(۱) قوت سے (۲) فریب سے

اثرات

۱۔ روحانی کرب

ظلم کی زہر انسانی روح کو چاٹ لیتی ہے۔

جن لوگوں نے ظلم سے دولت جمع کی ہے ان کی زندگیوں کو قریب سے دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ان کے دل راحت سے یکسر خالی ہیں۔ روحانی کرب کی آگ ان کی ہڈیوں تک کو سلگائے رکھتی ہے۔

۲۔ دنیا میں گرفت

اللہ تعالیٰ ظالم کو بارہا ڈھیل دیتا ہے کہ رجوع یا توبہ کرلے لیکن جب گردن پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ ظلم کی عقوبت جیتے جی پیچھا نہیں چھوڑتی۔

۳۔ آخرت میں گرفت

جب تک مظلوم ظالم کو نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ ظالم کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔

۴۔ آخرت میں نیکیوں سے محرومی

آخرت میں ظالم سے قصاص لینے کی ایک صورت یہ ہوگی کہ اس کی نیکیاں اس کے ظلم کے اندازہ سے مظلوم کے حساب میں ڈال دی جائیں گی اور اگر اس کی کل نیکیاں بھی ظلم کی کفایت نہیں کرسکیں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم کی گردن پر لاد دیے جائیں گے اس نے عمر بھر جس قدر نیکیاں کی ہوں گی ان سے تہی دامن ہو جائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے ہی ایک شخص کو حقیقی معنی میں مفلس بتایا ہے۔

Marfat.com

۵۔ نحوست

ظلم کی نحوست بعض دفعہ اس قدر وسیع اور دیرپا ہوتی ہے کہ پورے رقبۂ وقوع پر چھا جاتی ہے اور ایک عرصہ تک باقی رہتی ہے۔ سماوی آفات کی مصیبت میں اس رقبہ کے انسان درکنار چرند و پرند بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس نحوست کے ٹالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی ظالموں کا مقابلہ کرے اور ان کے انجام سے درسِ عبرت حاصل کرے۔

حدیث (۶۰)

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اور اُن[1] سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ

کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ (صحابہؓ نے) کہا، ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم ہے

وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ

نہ سامان آپؐ نے فرمایا، میری امت میں سے مفلس وہ ہوگا

مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ

جو قیامت کے روز نماز، صیام اور زکوٰۃ لائے گا

وَيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا

اور آئے گا تو اس کو بُرا کہا ہو گا اور اس پر بہتان لگایا ہو گا اور اس کا مال کھایا ہو گا

وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ

اور اس کا خون بہایا ہو گا اور اسے پیٹا ہو گا تو کچھ اِسے اس کی نیکیوں سے دیا جائے گا

وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ

اور کچھ اسے اس کی نیکیوں سے (دیا جائے گا) پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی

[1] حضرت ابو ہریرہؓ سے

Marfat.com

قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ

اس سے پہلے کہ چکایا جائے جو اس (کی گردن) پر ہے تو ان کی خطائیں لے کر

فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

اس پر ڈال دی جائیں گی اور وہ آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کی روایت مسلم نے کی

الفاظ کے معانی

اَتٰی : آیا۔ اَتٰی بِہٖ : لایا۔ یَاْتِیْ آتا ہے۔ یَاْتِیْ بِہٖ لاتا ہے۔

شَتَمَ : بُرا کہا۔ گالی دی۔ قَذَفَ : بہتان لگایا۔ تہمت لگائی۔

سَفَکَ : خون بہایا۔

اَعْطٰی : دیا۔ یُعْطِیْ دے گا۔ یُعْطٰی اسے دیا جائے گا۔

فَنِیَ : فنا ہوا۔ فَنِیَتْ اس سے مؤنث کا صیغہ ہے۔

قَضٰی : چکایا۔ یُقْضٰی چکایا جاتا ہے۔

خَطَایَا : جمع ہے خَطِیْئَۃٌ کی۔ خطائیں۔

تشریح حدیث (۶۰)

ہر عبادت سے مقصود تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ قرآنِ حکیم میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام عبادات کا مقصد تقویٰ بتایا گیا ہے۔ تقویٰ سے مراد دل کی ایسی کیفیت ہے جو انسان کو ایک طرف تو بدی کے ارتکاب سے بچاتی ہے اور دوسری جانب اسے نیکی کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے تقویٰ پیدا نہ ہو سکا تو گویا ان عبادات کا مقصد حاصل نہ ہو سکا، یہ عبادات بے مقصد رہیں۔ سب سے بڑی نیکی دوسرے انسان کی خدمت کرنا، اسے فیض پہنچانا اور اس کے دل کو خوشی دینا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ "لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو انہیں فائدہ پہنچاتا ہے۔" سب سے بڑی بدی دوسرے انسان کو اذیت دینا ہے۔

ایذا کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اس حدیث شریف میں اس کی ان صورتوں کا ذکر

Marfat.com

کیا گیا ہے : بُرا کہنا۔ گالی دینا۔ تہمت لگانا۔ دوسرے کا ناحق مال کھانا۔ خون بہانا، یعنی جان پر حملہ کرنا۔ پیٹنا۔ ان میں سے ہر صُورت سے انسان کو بہت دکھ اور نقصان پہنچتا ہے، جس کے نہایت بھیانک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ان سے باہمی نفرت اور بغض و عداوت
کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو معاشرتی امن وسکون کو تباہ کرکے اس میں سخت بگاڑ کا سبب
کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو معاشرتی امن وسکون کو تباہ کرکے اس میں سخت بگاڑ کا سبب بنتے ہیں ویسے بھی کتنے ستم کی بات ہے کہ ایک تو انسان قدرتی مصائب و آلام (آفاتِ سماویہ، بیماریوں وغیرہ) کا سامنا کرے اور اس کے علاوہ خود اپنے ہی بنی نوع کے ہاتھوں بھی دکھ اٹھائے۔ اس طرح تو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

اذیت دینے والا شخص دنیا میں بھی اپنے کیے کی سزا بھگتتا ہے، مثلاً دوسروں کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ روحانی بالیدگی پانے سے قاصر رہتا ہے بلکہ اس کی شخصیت مسخ ہو جاتی ہے اور وہ روحانی کرب میں مبتلا رہتا ہے۔ آخرت میں بھی وہ سخت سزا کا حق دار ہوگا، اس کی عبادات، نماز، روزہ، زکوٰۃ اس کی نجاتِ اُخروی کا ضامن نہ ہو سکیں گی اس کی نیکیاں لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی، پھر بھی اس کے مظالم کا حساب بیباق نہ ہوا تو مظلوم کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔ یوں وہ یومِ حساب کو بالکل تہی دامن ہو جائے گا، اور ایسے شخص کو حضورؐ نے اس حدیث میں حقیقی مفلس قرار دیا ہے۔
مختصر یہ کہ حقوق العباد کی پاسداری اور ادائیگی آخرت میں کامیابی کے لیے اشد ضروری ہے۔

Marfat.com

کتابُ المختصَر للقدوُرِی

(کتابُ الصَّلٰوۃ)

Marfat.com

تعارُف

پیشتر اس کے کہ قدوریؒ کی "مختصر" کی کتاب الصلوٰۃ کا متن مع ترجمہ وضروری تشریحات پیش کیا جائے مناسب ہوگا کہ فقہ، حنفی فقہ اور قدوریؒ کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔

فقہ کی تعریف

فقہ کا لغوی معنی سمجھ بوجھ ہے۔ اسلامی علوم میں فقہ ایک نہایت ہی اہم اور بلند پایہ علم کا نام ہے اور اس معنی میں اس کا مفہوم ایک ایسے علم کا ہے جس میں منصوص (جو نص سے ثابت ہے) کا حکم غیر منصوص (جو نص میں مذکور نہیں) پر اجتہاد کے ذریعے، جس کے قواعد مقرر ہیں، منطبق کیا جاتا ہے۔ یہ اصول سے فروع کے استنباط کا علم ہے۔ فقہ کے دائرۂ کار میں درج ذیل شعبے شامل ہیں:

۱۔ عبادات، جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔
۲۔ شخصی قوانین (نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ سے متعلق)۔
۳۔ مالی معاملات، جیسے خرید و فروخت، شراکت، مضاربت، تقسیم جائداد، غصب وغیرہ۔
۴۔ سزائیں، جیسے قتل، چوری، رہزنی، تہمت، زنا وغیرہ کی سزائیں۔
۵۔ عدالتی مسائل، جیسے دعویٰ، شہادت وغیرہ۔
۶۔ جہاد، مالِ غنیمت وغیرہ۔
۷۔ حکومتی امور، جیسے حکمران، وزراء، عمّال و حکّام کا تقرر وغیرہ، محاصل، جیسے خراج، عُشر، جزیہ وغیرہ۔
۸۔ غیر اقوام کے ساتھ معاملات۔

فقہ کے مآخذ

فقہ کے اصل اور اہم ترین مآخذ تو کتاب [illegible] سنّت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ چنانچہ کسی بھی مسئلے کا حکم معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآنِ حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہاں اس کا حکم نہ ملے، تو پھر سنّت [illegible] تے ہیں۔ اگر ان دونوں بنیادی مآخذ میں حکم

Marfat.com

نہ ملے تو اس کے بعد دو اور مآخذ ہیں : اجماع اور قیاس ۔ اجماع سے مراد یہ ہے کہ کسی زمانے میں تمام علمائے مجتہدین کسی فیصلہ پر متفق ہو جائیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے اجماعِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا درجہ ہے۔ چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کا حل نہ کتاب وسنّت میں موجود ہو اور نہ اس کے بارے میں اجماع ہوا ہو تو اس کا حل قیاس کے ذریعے (یعنی اپنی عقل اور رائے سے کام لے کر) تلاش کیا جاتا ہے۔ قیاس کے بھی کچھ قواعد وضوابط ہیں (فقیہ اس میں مکمل طور پر آزاد نہیں ہوتا)۔ قیاس کا جواز قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبوی سے ثابت ہے (اگرچہ اس کے عدمِ جواز کے بارے میں بھی قرآن وحدیث سے دلائل دیے جاتے ہیں)۔ چاروں مذاہبِ فقہ میں سے حنفی فقہ میں قیاس کا سب سے زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی لیے احناف کو اہل الرّائے بھی کہا جاتا ہے اور یہی بات غالباً حنفی فقہ کی اس قدر مقبولیت کا سبب ہے۔

قیاس کی بنیادی نظریہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام مخصوص اغراض ومطالح کے حصول کے لیے صادر ہوتے ہیں چنانچہ یہ اغراض ومصالح ان احکام کی علل غائیہ (اصل اسباب) ہیں پس فقہا ہر شرعی حکم کی مخصوص غرض ومصلحت معلوم کرتے ہیں جو اس کی علتِ غائیہ ہے پھر اگر ایک مسئلہ کے حکم کی علتِ غائیہ دوسرے مسئلہ میں پائی جائے تو چونکہ دونوں مسئلوں کی علتِ غائیہ مشترک یعنی ایک ہے اس لیے جس مسئلہ کا حکم نص سے معلوم ہے دوسرے مسئلہ پر، جس کا حکم نص میں مذکور نہیں، لاگو کر دیا جائے گا۔ مثلاً خمر (شراب) کو قرآنِ حکیم میں حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کی حرمت کا سبب اس کا نشہ آور ہونا ہے۔ پس اس پر قیاس کرتے ہوئے ہر وہ مشروب وغیرہ حرام ٹھہرے گا جس میں خمر کی حرمت کا یہ سبب (علتِ غائیہ) یعنی نشہ آور ہونا پایا جائے۔ فقہائے قیاس کے صحیح ہونے کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہیں، ان کے بغیر قیاس درست نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا چار دلائل شرعیہ (یا مصادرِ فقہ) کے علاوہ حنفی فقہا استحسان کو اور مالکیہ مصالح مُرسلہ کو بھی دلیلِ شرعی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ استحسان سے مراد یہ ہے کہ قیاس کو ترک کر کے ایسی صورت اختیار کی جائے جو لوگوں کے لیے زیادہ منفعت بخش ہو یا بہتر طور پر مشقت کو رفع کرنے والی ہو۔ مصالح مرسلہ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت عامہ کے لیے نص میں حکم موجود نہ ہو اور وہ مصلحت شریعت کی روح کے مطابق ہو تو اسے اختیار کرنے کا حکم دے دیا جائے۔ مصالح مرسلہ کی دلیل کو صرف معاملات میں استعمال کیا جاتا ہے عبادات میں ہرگز نہیں۔ مصلحت عامہ کا شریعت کی منشا کے مطابق ہونا بھی شرط ہے۔ اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصلحتِ عامہ کا تعلق ضروریاتِ زندگی (یعنی جو امور مذہب، جان، مال، آبرو، نسل کی حفاظت

Marfat.com

کے لیے ضروری ہوں) یا ایسے امور سے ہو جو معاش کی بہتری کے لیے ضروری ہوں اور ان کا تعلق ایسے اُمور سے نہ ہو جو تعیش اور زیب و زینت کی ذیل میں آتے ہیں۔ استحسان اور مصالح مرسلہ کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ شریعت کا مقصد رفاہِ عامہ کا حصول، انسان کی زندگی کو سہل بنانا اور اس سے بے جا مشقت کو دور کرنا ہے۔

فقہ کی ضرورت و اہمیّت

انسانی فکر اور تہذیب و ثقافت ہمیشہ سے ارتقاء پذیر ہیں اور رہیں گے۔ انسانی معاشرہ کبھی جامد نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ متحرک ہو کر آگے بڑھتا رہتا ہے اور جو معاشرہ متحرک نہ رہے اور جمود کا شکار ہو جائے وہ زوال پذیر ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ معاشرہ زندگی کے ہر شعبے میں مسلسل ارتقائی منازل طے کرتا رہتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس کے ثبوت میں دلائل اور مثالیں دینا محض وقت کا ضیاع ہے۔ اس ارتقاء کی وجہ سے نت نئے حالات اور مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جنہیں حل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ شریعتِ اسلامی میں ابتداء میں ہی قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کے احکام بتا دیے جاتے۔ اس سے پہلے بھی بہت سی شریعتیں انسان کو عطا ہوئیں، ہر نئی شریعت سابقہ شریعت سے مختلف اور اس کی ناسخ ہوتی تھی اور شریعت اسلامی نے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا (اگرچہ دین تمام انبیاء و رسل کا ایک ہی رہا)۔ سابقہ شریعتوں کے اختلاف و نسخ کا سبب یہی تھا کہ انسانی معاشرے کے حالات تبدیل ہو جاتے تھے، نئے نئے مسائل اور تقاضے پیدا ہو جاتے تھے جو ایک نئی شریعت کے متقاضی ہوتے۔ شریعتوں کو نازل کرنے والی ذاتِ الٰہیہ تو ایک ہی تھی لیکن جن کے لیے شریعت نازل کی جاتی تھی ان کے حالات بدل جاتے تھے۔ حالات میں تبدیلی کا یہ سلسلہ اسلامی شریعت کے نازل ہونے کے بعد منقطع تو نہیں ہو گیا البتہ شریعتوں کے نزول اور انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ضرور منقطع ہو گیا ہے۔ تو اب نت نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام کیونکر معلوم کیے جائیں؟ اسی سوال کا جواب علمِ فقہ ہے۔ فقہائے کرام نے اجتہاد کے ذریعے نئے مسائل کے احکام مستنبط کیے اور آئندہ کرتے رہیں گے۔ اجتہاد کا یہ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا اور آج تک جاری ہے۔

Marfat.com

حنفی فقہ

فقہ کے چار مذاہب نے شہرتِ دوام پائی ہے: حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ۔ یہ چاروں مذاہب اپنے بانیوں کے اسمائے گرامی، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل سے موسوم ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی غالب اکثریت انہی مذاہبِ اربعہ کی پیروکار رہی ہے۔ اور سب سے زیادہ مقبولیت حنفی فقہ کو حاصل رہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا بھر کے مسلمانوں کی دو تہائی تعداد حنفی فقہ کی پیروکار ہے۔ خلافتِ عبّاسیہ اور سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں حنفی فقہ کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل تھی۔ حنفی فقہ کے بانی ابوحنیفہؒ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔

امام اعظمؒ (۸۰ھ تا ۱۵۰ھ) نے اپنے مولد کوفہ میں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ رہنے کے بعد علماء کا مرکز بن گیا تھا، حماد بن ابی سلیمانؒ، عبدالرحمٰن بن ہرمزؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عمرو بن دینارؒ اور عامر شعبیؒ جیسے مشہور بزرگوں سے علوم متداولہ (علم کلام، کتاب وسنّت اور فقہ کا علم) کی تعلیم پائی۔ آپ کے شاگردوں میں عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن جراحؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، عبدالرزاق بن ہمامؒ، داؤد طائیؒ، یزید بن ہارونؒ، زُفر، ابویوسفؒ اور محمد بن حسن شیبانیؒ ایسے مشہور ائمہ شامل ہیں۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ آپ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حنفی فقہ کی تدوین کا زیادہ تر کام امام محمدؒ نے انجام دیا۔ امام محمدؒ کی تدوین کردہ کتابوں میں سے جن کی روایت ثقہ راویوں نے امام محمدؒ سے کی ہے انہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے اور یہ چھے ہیں: المبسوط، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر الکبیر... کتاب السیر الصغیر اور الزیادات۔ بعد میں متعدد علماء نے امام محمدؒ کی ان کتابوں پر (شرح و حاشیہ کا) کام کیا۔ چونکہ حنفی فقہ عباسی خلافت اور عثمانی سلطنت میں سرکاری مذہب رہا ہے اس لیے بے شمار علمائے کبار نے حنفی فقہ پر کام کیا اور اس کے لٹریچر کا ایک عظیم ذخیرہ تیار ہوگیا۔

قدوریؒ

متأخر علماء میں سے جن کی کتابوں کو بہت قبولِ عام حاصل ہوا ان میں سرخسی (مؤلف کتاب المبسوط)، کرخی (مؤلف خزانۃ الاکمل)، کاسانی (مؤلف بدائع الصنائع)، قدوریؒ (مؤلف کتاب المختصر)، مرغینانیؒ (مؤلف ہدایۃ)، محمود محبوبی (مؤلف وقایۃ مختصر الہدایۃ)، ابن الساعاتی (مؤلف مجمع البحرین)، نسفی (مؤلف کنز الدقائق)

Marfat.com

شامل ہیں۔ قدوریؒ کی المختصر، مرغینانیؒ کی ہدایۃ اور نسفی کی کنز الدقائق کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ قدوریؒ کا پورا نام ابو الحسن احمد بن محمد تھا۔ آپ بغداد کے محلہ قدور (کمہار محلہ۔ قدور جمع ہے قِدْرٌ کی۔ ہنڈیا) کے رہنے والے تھے اس نسبت سے قدوری کہلائے۔ آپ پانچویں صدی ہجری کے مشہور علماء میں سے ہیں۔ آپ کی مولفہ کتاب المختصر کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مرغینانیؒ کی بہت ہی مشہور کتاب ھدایۃ قدوریؒ کی المختصر اور امام محمدؒ کی الجامع الصغیر کی شرح ہے۔

Marfat.com

بَابُ اَوْقَاتِ الصَّلٰوۃِ

اَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِیْ

فجر (کی نماز) کا پہلا وقت تب ہوتا ہے جب صبح صادق طلوع ہو جائے

وَ هُوَ الْبَیَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِی الْاُفُقِ وَ اٰخِرُ وَقْتِهَا

اور وہ ہے افق میں پھیلنے والا سپیدہ اور اس کا آخری وقت (اس وقت تک ہے)

مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ[۱] وَ اَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ اور ظہر (کی نماز) کا پہلا وقت تب ہوتا ہے جب کہ سورج ڈھل جائے

وَ اٰخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی

اور اس کا آخری وقت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تب ہوتا ہے

اِذَا صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَیْهِ سِوٰی فَیْءِ الزَّوَالِ

جب ہر چیز کا سایہ اس (چیز) سے دوگنا ہو جائے، زوال کے سائے کو چھوڑ کر

وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهٗ[۲]

اور ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس (چیز) کے برابر ہو جائے

وَ اَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَی الْقَوْلَیْنِ

اور عصر (کی نماز) کا پہلا وقت تب ہوتا ہے جب کہ مذکورہ دونوں اقوال کے مطابق ظہر کا وقت نکل جائے

وَ اٰخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ[۳] وَ اَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

اور اس کا آخری وقت تب تک ہے جب تک سورج غروب نہ ہو جائے اور مغرب (کی نماز) کا پہلا وقت

Marfat.com

إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَغِبِ الشَّفَقُ

(تب ہوتا ہے) جب سورج غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت تب تک ہوتا ہے جب تک شفق غائب ہو جائے

وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي يُرَى فِي الْأُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

اور وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ سپیدی ہے جو افق میں سرخی کے بعد دکھائی دیتی ہے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَ الْحُمْرَةُ ؎۴

اور ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ وہ (یعنی شفق) سرخی ہے

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَآخِرُ وَقْتِهَا

اور عشاء (کی نماز) کا اوّل وقت تب ہوتا ہے جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت

مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ الثَّانِي ؎۵ وَأَوَّلُ وَقْتِ الْوِتْرِ

تب تک ہوتا ہے جب تک صبح صادق طلوع نہ ہو جائے۔ اور وتر (کی نماز) کا اوّل وقت

بَعْدَ الْعِشَاءِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ ؎۶

عشاء کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت تب تک ہے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے

وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ وَالْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ

اور مستحب ہے فجر (کی نماز) کو دن کی روشنی میں پڑھنا اور ظہر کو موسم گرما میں ٹھنڈا کر کے (یعنی دیر سے) پڑھنا

وَتَقْدِيمُهَا فِي الشِّتَاءِ وَتَأْخِيرُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ

اور موسم سرما میں اسے جلدی پڑھنا اور عصر کو اس وقت تک مؤخر کرنا جب تک سورج متغیر نہ ہو جائے

وَتَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ وَتَأْخِيرُ الْعِشَاءِ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ

اور (نماز) مغرب کو جلدی پڑھنا اور (نماز) عشاء کو رات کے تیسرے حصے سے پہلے تک مؤخر کرنا

وَيُسْتَحَبُّ الْوِتْرُ لِمَنْ يَأْلَفُ صَلٰوةَ اللَّيْلِ أَنْ يُؤَخِّرَ الْوِتْرَ

اور جو شخص تہجد کا عادی ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ مؤخر کر دے وتر کو

Marfat.com

إِلٰى اٰخِرِ اللَّيْلِ وَاِنْ لَّمْ يَثِقْ بِالْاِنْتِبَاهِ اَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ[۵]

رات کے پچھلے حصے تک اور اگر بیداری کا وثوق نہ ہو تو سونے سے پہلے وتر پڑھ لے

تشریحات

عبارت[۱]

اَلْفَجْرُ: اصل معنی پھاڑنا چیرنا ہے۔ صبح کو فجر اس لیے کہتے ہیں کہ اس وقت دن کا نور رات کی تاریکی کو چیر کر نمودار ہوتا ہے۔ الفجر الاوّل صبح کاذب کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ روشنی ہے جو ایک مستطیل سفید دھاری کی شکل کی ہوتی ہے جس کے دونوں طرف تاریکی ہوتی ہے۔ یہ روشنی پھیلتی نہیں۔ یہ کالے بھیڑیے کی دُم سے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ کالے بھیڑیے کی دُم کا نچلا حصہ سفید ہوتا ہے اور اس کے اطراف کالے ہوتے ہیں۔

اَلْفَجْرُ الثانی: اس سے مراد صبح صادق ہے یعنی سورج کی وہ روشنی جو اس کے طلوع ہونے سے پہلے مشرق میں نمودار ہوتی ہے اور پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے۔

اَلْبَيَاضُ: سپیدہ۔ اَلْمُعْتَرِضُ: پھیلنے والا۔

مَا لَمْ تَطْلُعْ: جب تک کہ طلوع نہ ہو (ما توقیتیہ ہے)۔

اس عبارت میں فجر کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے۔ اس کا اوّل وقت (یعنی جس سے پہلے یہ نماز پڑھنا درست نہیں) صبح صادق کے طلوع ہونے کا وقت ہے اور آخر وقت (یعنی جس کے بعد یہ نماز پڑھنا درست نہیں) اس وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے یعنی نمازِ فجر کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے سے ذرا پہلے تک ہے۔ اس دوران میں فجر کی نماز ادا کرنا درست ہے۔

عبارت[۲]

زَالَتْ: ڈھل گئی، زائل ہو گئی۔ زوال مصدر ہے۔ سورج کے زوال سے مراد ہے سورج کا وسط آسمان سے مغرب کی طرف کو جھکنا۔

صَارَ: ہو گیا۔ ظِلٌّ: سایہ

مِثْلَيْهِ: اس سے دو گنا۔ اس میں ہ کی ضمیر شئی کی طرف رجوع کر رہی ہے۔ یعنی جب

---

[۱] تشریحات میں سہولت کی خاطر متن کو اجزاء میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے

Marfat.com

ہر چیز کا سایہ اس چیز کی اپنی لمبائی سے دوگنا ہو جائے۔

سِوَی فَیْءِ الزَّوَالِ : زوال کے سائے کے سوا۔ فیئ کا معنی ہے سایہ۔ عین دوپہر کے وقت سایہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے یا بالکل نیچے چھپ جاتا ہے اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگتا ہے جب سایہ بڑھنے لگے تو جان لیجیے کہ سورج ڈھلنے لگا۔ نماز کے اوقات کا حساب لگاتے وقت سورج کے زوال سے پہلے کے اس سب سے چھوٹے سائے کو شمار نہیں کرتے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ نماز ظہر کا آخری وقت تب تک ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبائی کے برابر ہو جاتے تو لمبائی کے برابر کا یہ سایہ دوپہر کے سائے کو منہا کر کے نکالا جائے گا۔ اس کی وضاحت نیچے شکل سے ہو جائے گی۔

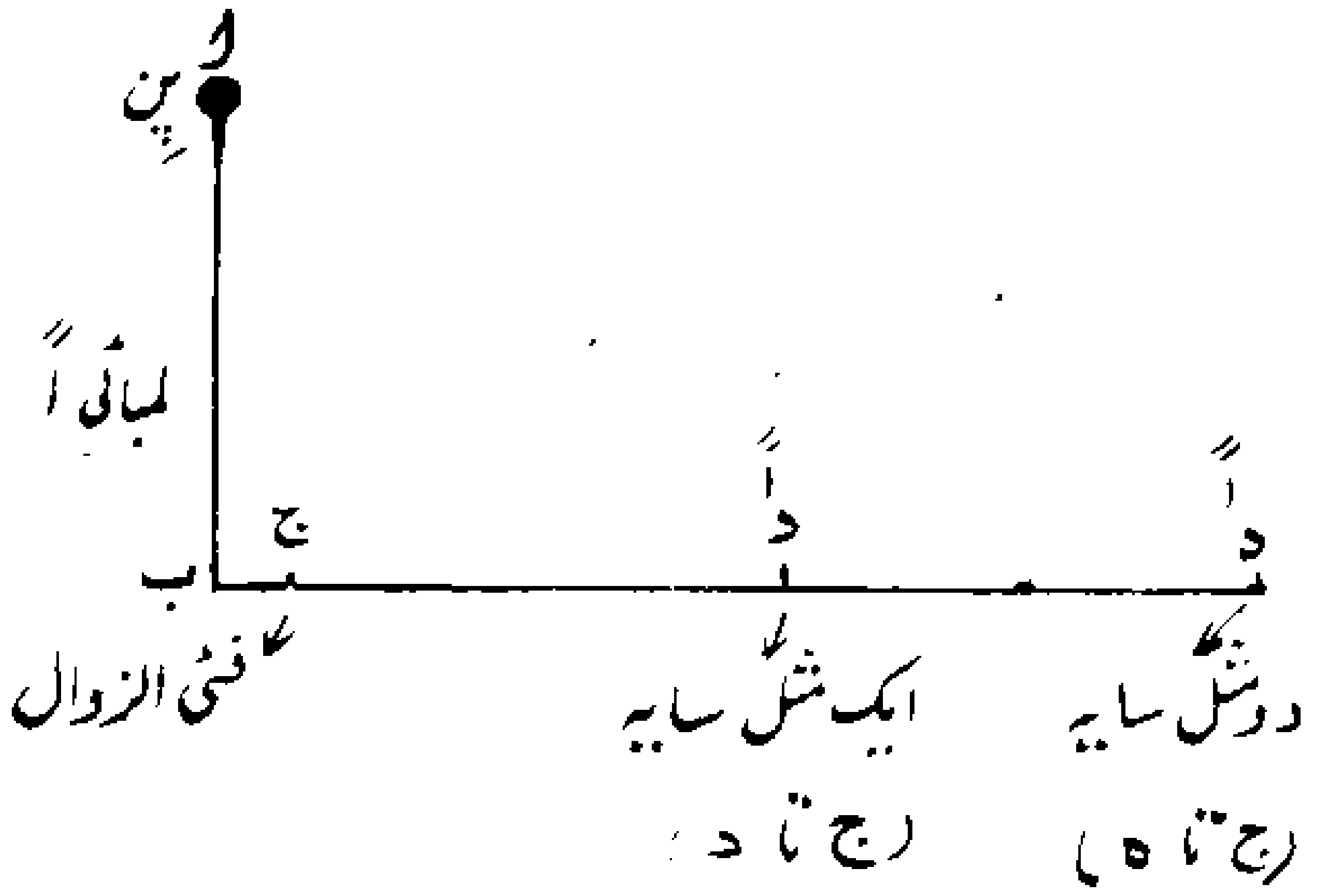

نماز ظہر کا اوّل وقت تب ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے یعنی آسمان کے وسط سے جھک جائے۔ اس کے آخر وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین (یعنی امام ابوحنیفہ کے دو شاگردوں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز ظہر کا آخر وقت اس وقت تک ہے جب تک ہر چیز کا سایہ، فئ الزوال کو منہا کر کے اس کی اپنی لمبائی سے دوگنا نہ ہو جائے جب کہ صاحبین کے نزدیک آخر وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبائی کے برابر نہ ہو جائے۔ (فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے)

عبارت ۵۳

خَرَجَ : نکل گیا۔ باہر ہو گیا۔

عَلَی الْقَوْلَیْنِ : دو قولوں کی بنا پر۔ یعنی نماز ظہر کے آخری وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے دو قولوں کی بنا پر۔ امام صاحب کا قول یہ ہے کہ آخری وقت اس وقت تک ہوتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبائی سے دوگنا نہ

Marfat.com

نہ ہو جائے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ جب تک ہر چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبائی کے برابر نہ ہو جائے۔

مَالَمْ تَغْرُبْ: جب تک غروب نہ ہو جائے۔ (مَا توقیتیہ ہے)

اس عبارت میں نمازِ عصر کا وقت بتایا گیا ہے۔ اس کا اوّل وقت وہ ہے کہ جب نمازِ ظہر کا آخری وقت اختتام کو پہنچ جائے، یعنی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس وقت جب ہر چیز کا سایہ، زوال کے سائے کو چھوڑ کر، اس چیز کی اپنی لمبائی سے دوگنا ہو جائے اور صاحبینؒ کے نزدیک تب جب ہر چیز کا سایہ اس چیز کی اپنی لمبائی کے برابر ہو جائے۔ یہ نمازِ ظہر کا آخری وقت ہے اس کے بعد نمازِ عصر کا اوّل وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور نمازِ عصر کا آخری وقت سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے تک ہے۔ یعنی جب کسی چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبائی سے زیادہ ہو جائے (اور امام صاحب کے قول کے مطابق دو مثل سے بڑھ جائے)، تو نمازِ عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سورج کے غروب ہونے پر نمازِ عصر کا وقت جاتا رہتا ہے۔

عبارت ۴

مَالَمْ تَغِبْ: جب تک غائب نہ ہو۔

اَلشَّفَقُ: سورج کے ڈوبنے کے بعد اس کی روشنی

اَلْبَيَاضُ: سپیدہ۔ اَلْحُمْرَةُ: سرخی۔

يُرىٰ: دیکھا جاتا ہے۔

اس عبارت میں مغرب کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے جو سورج کے غروب ہونے سے لے کر شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ شفق سے مراد کیا ہے؟ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ امام صاحب کے نزدیک شفق سے مراد وہ سپیدہ ہے جو افق میں سرخی کے بعد دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک افق میں سرخی کو شفق کہتے ہیں۔

عبارت ۵

اس عبارت میں عشاء کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے۔ اس کا اوّل وقت تب ہے جب شفق (امام صاحب کے نزدیک افق میں نظر آنے والی سفیدی اور صاحبینؒ کے نزدیک افق میں سرخی) غائب ہو جائے۔ اور اس کا آخری وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔

عبارت ۶

نمازِ وتر کا اوّل وقت نمازِ عشاء کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت صبح کے طلوع

Marfat.com

ہونے سے پہلے تک ہے۔

عبارت ۵

یُسْتَحَبُّ : پسند کیا جاتا ہے۔ ترجیح دیا جاتا ہے۔ اِسْتَحَبَّہٗ : اسے پسند کیا۔ اسے ترجیح دی۔ یَسْتَحِبُّ : وہ پسند کرتا ہے، ترجیح دیتا ہے۔ یُسْتَحَبُّ اس سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اس سے اسم مفعول کا صیغہ مُسْتَحَبٌّ ہے، پسندیدہ، ترجیح دیا ہوا۔ شرع میں اس کام کو مُسْتَحَب کہتے ہیں جس کے کرنے کی شارعؑ نے ترغیب دی ہو مگر اسے واجب قرار نہ دیا ہو۔

اَلْاِسْفَارُ : ظاہر کرنا۔ روشن کرنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ روشنی نمایاں ہو جائے۔

اَلْاِبْرَادُ : ٹھنڈا کرنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ موسم گرما کی سخت گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈا وقت کر کے پڑھی جائے یعنی اتنی دیر تک انتظار کیا جائے کہ دھوپ کی تپش کم ہو جائے۔

اَلصَّیْفُ : موسم گرما۔ تَقْدِیْم : مقدم کرنا۔ آگے بڑھانا۔ اَلشِّتَاءُ : موسم سرما۔

تَعْجِیْل : عجلت کرنا۔ جلدی کرنا۔

یَاْلَفُ : مانوس ہونا۔ عادی ہونا۔

صَلوٰۃُ اللَّیْل : رات کی نماز یعنی تہجد کی نماز۔

یُؤَخِّرَ : مؤخر کرنا۔ پیچھے ہٹانا۔

لَمْ یَثِق : وثوق نہ ہوا۔ بھروسہ یا یقین نہ ہوا۔

اَلْاِنْتِبَاہُ : بیدار ہونا۔ جاگنا۔

اَوْتَرَ : وِتر نماز پڑھی۔ اَلنَّوْمُ۔ نیند

اس عبارت میں جملہ فرض نمازوں کے مستحب اوقات بیان کیے گئے ہیں جو اس طرح ہیں: (۱) فجر کی نماز روشنی نمایاں ہونے پر۔ (۲) ظہر کی نماز موسم گرما میں ٹھنڈا وقت کر کے اور موسم سرما میں مقدم کر کے۔ (۳) عصر کی نماز اول وقت سے تاخیر کر کے لیکن اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ سورج کا رنگ بدل جائے۔ (۴) مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کرنا۔ (۵) عشاء کی نماز میں ایک تہائی رات گزرنے سے پہلے تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ (۶) وتر کی نماز کو رات کے آخری حصے تک مؤخر کرنا مستحب ہے اس شخص کے لیے جو تہجد کی نماز کا عادی ہو البتہ اگر اسے بیدار ہونے کا یقین نہ ہو تو سونے سے پہلے وتر کی نماز پڑھ لے۔

Marfat.com

مسائل

اس باب میں فرض نمازوں کے اوقات کے بارے میں مسائل بیان کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ فجر کی نماز

فجر کی نماز کا اوّل وقت تب ہوتا ہے جب صبحِ صادق طلوع ہو جائے اور صبحِ صادق سے مراد ہے افق میں پھیلنے والی سفیدی۔ یعنی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے جب سورج کی روشنی تمام افق پر چھا جائے اور پورے آسمان پر پھیل جائے۔ فجر کی نماز کا آخر وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ گویا فجر کی نماز صبحِ صادق کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک کے درمیانی عرصے میں پڑھی جاسکتی ہے۔ صبحِ صادق کے طلوع ہونے سے پہلے اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد نمازِ فجر ادا کرنا درست نہیں۔

۲۔ ظہر کی نماز

ظہر کی نماز کا وقت سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے یعنی جس وقت بھی سورج وسط آسمان سے جھکے اسی وقت ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ، زوال کے سائے کو شامل کیے بغیر اس کی لمبائی کے برابر ہے جب اس سے بڑھ جائے گا ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ یہ موقف صاحبینؒ (یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ظہر کا وقت اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ زوال کے سائے کو شامل کیے بغیر اس کی اپنی لمبائی سے دوگنا ہو جائے، اس کے بعد ظہر کا وقت نہ رہے گا۔

۳۔ عصر کی نماز

ظہر کی نماز کے آخر وقت کے اختتام کے بعد سے ہی عصر کی نماز کا اوّل وقت شروع ہو جاتا ہے اور نمازِ ظہر کا آخر وقت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوگنا سایہ تک ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک برابر کے سائے تک ہے۔ اور عصر کی نماز کا آخر وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج غروب نہیں ہو جاتا۔

۴۔ مغرب کی نماز

اس کا اول وقت تب ہوتا ہے جب سورج غروب ہو جائے۔ یعنی سورج کی پوری ٹکیا غائب ہو جائے اور اس کا آخر وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے۔

Marfat.com

شفق سے مراد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک افق میں سرخی کے بعد دکھائی دینے والی سفیدی ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اس سے مراد سرخی ہے جو افق میں نظر آتی ہے۔

۵۔ عشار کی نماز

عشار کی نماز کا وقت تب شروع ہوتا ہے جب شفق غائب ہو جائے (اور شفق سے مراد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک افق میں سرخی کے بعد نظر آنے والی سفیدی ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک سُرخی ہے) اور صبحِ صادق کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

۶۔ وتر کی نماز

اس کا وقت عشار کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

۷۔ مستحب اوقات

شریعت نے ہر فرض نماز کے وقت کا دورانیہ اچھا خاصا رکھا ہے تاکہ امّت کو سہولت رہے۔ ہر نماز کے اوّل وقت اور آخر وقت کے درمیان خاصا لمبا وقت ہوتا ہے۔ تاہم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر نماز کا مستحب وقت بھی بیان فرما دیا ہے یعنی آپؐ نے اس وقت نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور اس وقت نماز ادا کرنا پسندیدہ ہے۔ یہ مستحب اوقات حسب ذیل ہیں:

(i) فجر کی نماز کا مستحب وقت تب ہے جب سورج طلوع ہونے سے پہلے سورج کی روشنی اچھی طرح نمایاں ہو جائے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے: اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ، یعنی نمازِ فجر کے لیے روشنی پھیلنے دیا کرو کیونکہ اس کا اجر سب سے عظیم ہے۔

(ii) ظہر کی نماز کا موسم گرما میں مستحب وقت تب ہے جب دھوپ کی تمازت ہلکی پڑ جائے اور قدرے ٹھنڈا وقت ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اَبْرِدُوْا بِالظُّھْرِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ، یعنی نمازِ ظہر کے لیے وقت کو ذرا ٹھنڈا ہو جانے دیا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی جھلساہٹ ہے۔ البتہ موسم سرما میں نمازِ ظہر کو اوّل وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔

(iii) عصر کی نماز اوّل وقت سے تاخیر کر کے ادا کرنا مستحب ہے لیکن یہ تاخیر اس قدر نہ ہو کہ سورج کا رنگ بدل جائے۔

(iv) مغرب کی نماز اوّل وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے: اِنَّ اُمَّتِیْ لَا یَزَالُوْا بِخَیْرٍ مَا لَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی

Marfat.com

اِشْتِبَاكِ النُّجُوْمِ مُضَاهَاةً لِلْيَهُوْدِ، یعنی یقیناً میری امت کے لوگ اچھے رہیں گے جب تک نمازِ مغرب میں یہودیوں کے مانند اتنی تاخیر نہ کریں گے کہ ستاروں کا ہجوم ہو جائے۔

(۷) عشاء کی نماز کی ادائیگی میں ایک تہائی رات گزرنے سے پہلے تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَخَّرْتُ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِهٖ، یعنی اگر میری امت پر اس امر کے گراں ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز کو ایک تہائی یا نصف رات تک مؤخر کر دیتا۔

(۷ا) جو شخص نمازِ تہجد پڑھنے کا عادی ہو اس کے لیے وتر پڑھنے کا مستحب وقت رات کا پچھلا حصہ ہے البتہ اگر یہ بھروسہ نہ ہو کہ اس وقت بیدار ہو جائے گا تو سونے سے پہلے ہی وتر کی نماز پڑھ لے۔

Marfat.com

بَابُ الْاَذَانِ

اَلْاَذَانُ سُنَّۃٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَۃِ دُوْنَ مَاسِوَاھَا

اذان پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لیے سنت ہے ان کے سوا اور کسی نماز کے لیے سنت نہیں ہے

وَلَا تَرْجِیْعَ فِیْہِ وَیَزِیْدُ فِیْ اَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ

اور اس میں ترجیع نہیں۔ اور فجر کی نماز میں حَیَّ علی الفلاح کے بعد اضافہ کرے

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَیْنِ[1] وَالْاِقَامَۃُ مِثْلُ الْاَذَانِ

دو مرتبہ الصلٰوۃ خیر من النوم کا ۔ اور اقامت بھی اذان کے مانند ہے

اِلَّا اَنَّہٗ یَزِیْدُ فِیْھَا بَعْدَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

البتہ اس میں حَیَّ علی الفلاح کے بعد اضافہ کرے

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ مَرَّتَیْنِ[2] وَیَتَرَسَّلُ فِی الْاَذَانِ

دو مرتبہ قد قامتِ الصلٰوۃ کا۔ اور اذان کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے

وَیَحْدِرُ فِی الْاِقَامَۃِ وَیَسْتَقْبِلُ بِھِمَا الْقِبْلَۃَ فَاِذَا

اور اقامت کو تیزی سے کہے اور ان دونوں میں قبلہ رخ ہو۔ پھر جب

بَلَغَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَالْفَلَاحِ حَوَّلَ وَجْھَہٗ یَمِیْنًا وَشِمَالًا[3]

حَیَّ علی الصلٰوۃ اور حَیَّ علی الفلاح پر پہنچے تو اپنا چہرہ دائیں اور بائیں پھیرے

وَیُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَۃِ وَیُقِیْمُ فَاِنْ فَاتَتْہُ صَلَوَاتٌ

اور فوت شدہ نماز کے لیے اذان و اقامت کہے اور اگر اس کی کئی نمازیں فوت ہو گئی ہوں

Marfat.com

اَذَّنَ لِلْاُوْلٰی وَ اَقَامَ وَ کَانَ مُخَیَّرًا فِی الثَّانِیَۃِ

تو پہلی کے لیے اذان و اقامت کہے اور دوسری میں اسے اختیار ہے

اِنْ شَاءَ اَذَّنَ وَاَقَامَ وَ اِنْ شَاءَ اقْتَصَرَ عَلَی الْاِقَامَۃِ [۴]

چاہے تو اذان و اقامت کہے اور چاہے تو صرف اقامت پر اقتصار کر لے

وَ یَنْبَغِیْ اَنْ یُّؤَذِّنَ وَ یُقِیْمَ عَلٰی طُھْرٍ فَاِنْ اَذَّنَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ

اور مناسب یہی ہے کہ حالت پاکیزگی میں اذان و اقامت کہے اگر بے وضو اذان کہے

جَازَ وَ یُکْرَہُ اَنْ یُّقِیْمَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ اَوْ یُؤَذِّنَ وَ ھُوَ جُنُبٌ [۵]

تو جائز ہے اور بے وضو اقامت کہنا یا حالتِ جنابت میں اذان کہنا مکروہ ہے

وَلَا یُؤَذِّنُ لِصَلٰوۃٍ قَبْلَ دُخُوْلِ وَقْتِھَا اِلَّا فِی الْفَجْرِ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ [۶]

اور کسی نماز کے لیے اس کے وقت کے داخل ہونے سے پہلے اذان نہ کہے سوائے فجر کے ابویوسف کے نزدیک

تشریحات

عبارت [۱]

اَلْاَذَانُ : اس کے لغوی معنی اعلان کرنے، اطلاع دینے کے ہیں۔ اصطلاحِ شرع میں اس کا معنی نماز کا وقت آجانے کی اطلاع دینا ہے جس کے لیے خاص الفاظ ہیں جو حسبِ ذیل ہیں :

اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ، اشھد انّ محمّدًا رسول اللّٰہ، اشھد انّ محمّدا رسول اللّٰہ، حیّ علی الصّلوٰۃ، حیّ علی الصّلوٰۃ، حیّ علی الفلاح، حیّ علی الفلاح، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ۔

فجر کی اذان میں حیّ علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصّلوٰۃ خیر من النوم بھی کہا جاتا ہے۔

اذان ہجرتِ مدینہ کے پہلے سال شروع ہوئی۔ لوگوں کے لیے مسجد میں باجماعت

Marfat.com

نماز کے اوقات کا جاننا مشکل تھا اس لیے انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے جس سے لوگوں کو ان اوقات کا پتہ چل جائے تا کہ کوئی شخص جماعت سے محروم نہ رہے۔ ناقوس، بگل یا ڈھول بجانے، آگ جلانے وغیرہ کی تجاویز پیش کی گئیں جنہیں حضورؐ نے پسند نہ فرمایا کیونکہ ناقوس نصاریٰ استعمال کرتے تھے، بگل بجانا یہودیوں کا شیوہ تھا، ڈھول بجانا رومیوں کا دستور تھا اور آگ جلانا مجوسیوں کا طریقہ تھا۔ بعض نے نماز کے وقت جھنڈا بلند کرنے کی رائے دی مگر حضورؐ نے اسے بھی پسند نہ فرمایا، کسی فیصلہ پر پہنچے بغیر مجلس اختتام کو پہنچی۔ رات کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک فرشتہ خواب میں نظر آیا جس نے ان کو اذان اور اقامت سکھائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو جو وحی ہوئی وہ ان کے خواب والی اذان کے مطابق تھی۔ پس اذان کا یہ طریقہ اختیار کر لیا گیا۔ (احمد، ابو داؤد اور ابنِ ماجہ نے اس مضمون کی احادیث روایت کی ہیں۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی ایک روایت میں بھی لوگوں کی مذکورہ بالا تجاویز کا ذکر موجود ہے)۔

ترجیع : لغوی معنی لوٹانا، دہرانا، اعادہ کرنا ہیں۔ اصطلاح شرح میں شہادتین کو دہرانا ترجیع ہے۔ یعنی دو مرتبہ "اشهد ان لا إله الّا الله" ہلکی آواز میں کہنا اور پھر دو مرتبہ اسے اونچی آواز میں کہنا اسی طرح دو مرتبہ "اشهد ان محمّدا رسول الله" ہلکی آواز میں کہنا اور پھر دو مرتبہ اونچی آواز میں کہنا۔ گویا ہر شہادت کل چار مرتبہ کہی جائے۔ مالکیہ اور شافعیہ ترجیع کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ اور حنابلہ اس کے قائل نہیں۔

اذان نمازِ پنجگانہ اور جمعہ کی نماز کے لیے سنّت مؤکدہ کفایہ ہے۔ ان کے سوا اور کسی نماز مثلاً نمازِ جنازہ، عیدین کی نماز، نمازِ کسوف، نمازِ خسوف، نمازِ استسقاء وغیرہ کے لیے اذان نہیں دی جاتی۔ حنفیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے نمازِ فجر کی اذان میں حیّ علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم بھی کہا جاتا ہے۔

عبارت ۲

اَلْاِقَامَۃُ : مصدر ہے اَقَامَ یُقِیْمُ کا، قائم کرنا، کھڑا کرنا۔ اصطلاحًا مراد ہے باجماعت نماز قائم کرنے کی اطلاع دینے کا جس کے لیے مخصوص الفاظ ہیں۔

اَلْاِقَامَۃُ مِثْلُ الْاَذَانِ : اقامت بھی اذان ہی کے مانند ہے یعنی اس کے متعلق احکامات بھی وہی ہیں جو اذان سے متعلق ہیں۔

Marfat.com

اِلَّا اَنَّہٗ یَزِیْدُ فِیْھَا . . . . مَرَّتَیْنِ: اقامت اور اذان میں صرف یہ فرق ہے کہ اقامت میں اذان کے الفاظ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ دو بار کہنے کے بعد اس میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے الفاظ دو بار کہتے ہیں۔ اس طرح اقامت کے لیے مخصوص الفاظ یہ ہیں: [1]

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللہ، اشھد ان لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ اَللہُ اَکْبَرُ، اللہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ۔

عبارت [2]

یَتَرَسَّلُ فِی الْاَذَانِ: ترسّل کے معنی مہلت دینے اور ٹھہرنے کے ہیں۔ اذان میں ترسّل سے مراد یہ ہے کہ مؤذن دو جملوں کے درمیان اتنی دیر سکوت کرے کہ اس کے الفاظ کا جواب دیا جا سکے۔ تکبیروں کے درمیان یہ سکوت دو دو تکبیروں کے بعد ہونا چاہیے نہ کہ ہر تکبیر کے بعد۔

یَحْدِرُ فِی الْاِقَامَۃِ: قراءت، اذان اور اقامت میں حدر کرنے کا معنی ہے جلدی کرنا، یعنی الفاظ کو تیزی سے ادا کرنا۔ اقامت کے مخصوص الفاظ کو تیزی سے ادا کرنا چاہیے (اذان کے برعکس کہ اس میں ترسّل کرنا چاہیے)

یَسْتَقْبِلُ بِھِمَا الْقِبْلَۃَ: ان دونوں یعنی اذان اور اقامت میں قبلہ رُخ ہو۔ اذان میں قبلہ رُخ ہونا سنت ہے، البتہ مینار پر منہ پھیر پھیر کر اذان دینا سنت ہے تاکہ ہر طرف کے لوگ سن سکیں۔

فَاِذَا بَلَغَ . . . وَ شِمَالًا: تو جب مؤذن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ علی الفلاح

---

[1] حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک اقامت کے الفاظ اس طرح ہیں: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رّسول اللہ، حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح، قد قَامَتِ الصّلوٰۃ قد قامت الصّلوٰۃ، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔ مالکیہ کے نزدیک بھی اقامت کے الفاظ وہی ہیں جو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک ہیں فرق صرف یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک قَدْ قَامَتِ الصلوٰۃ بھی ایک بار کہنا ہے۔

Marfat.com

پر پہنچے تو اپنا چہرہ دائیں بائیں پھیر دے۔یعنی حیَّ علی الصّلوٰۃ کہتے وقت چہرہ دائیں طرف پھیر لے اور حَیَّ عَلَی الفَلَاح پر بائیں طرف۔ صرف چہرہ دائیں بائیں پھیرنے سینہ قبلہ کی طرف ہی رہے اور قدم بھی نہ مڑیں۔ دائیں بائیں چہرہ پھیرنے سے مقصود یہ ہے کہ دونوں اطراف کے لوگوں کو اطلاع ہو جائے اور وہ الفاظ سن لیں۔ (اقامت میں چہرہ دائیں بائیں پھیرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے حاضر لوگوں کی اطلاع کے لیے ہوتی ہے)۔

عبارت ۴۵

يُؤَذِّنُ : اذان کہے۔ اَذَّنَ : اذان کہی۔

اَلْفَائِتَۃُ : فوت ہونے والی۔اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے فَاتَ یَفُوْتُ فَوْتًا سے۔ فَاتَ الْاَمْرُ کا معنی ہے کہ کام کا وقت گزر گیا اور اسے انجام نہ دیا گیا فَاتَ الْاَمْرُ فُلَانًا کا معنی ہے کہ وہ اسے نہ پا سکا، وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

یُقِیْمُ : اقامت کہے۔ اقَامَ : اقامت کہی۔

مُخَيَّرًا : جسے اختیار دیا گیا۔خَيَّرَ یُخَيِّرُ (اختیار دینا) سے اسم مفعول کا صیغہ۔

اِقْتَصَرَ : اقتصار کرے ۔یعنی اختصار کرتے ہوئے اسی کو کافی سمجھے۔

يُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَۃِ وَيُقِيْمُ۔قضا نماز اگر جماعت کے ساتھ پڑھی جا رہی ہو تو اس کے لیے اذان و اقامت کہی جائے۔ (گھر سے باہر صحرا، میدان وغیرہ میں فوت شدہ نماز باجماعت پڑھی جائے تو اس کے لیے بلند آواز سے اذان دینا سنت ہے، اگر گھر میں پڑھی جائے تو بلند آواز سے اذان نہ دی جائے۔ اور اگر مسجد میں پڑھی جائے تو اذان مطلقًا نہ دی جائے)۔

فَاِنْ فَاتَتْہُ. . . . اِقْتَصَرَ عَلَی الْاِقَامَۃِ : اگر کئی نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور ان سب کو اکٹھا باجماعت پڑھنا ہو تو پہلی نماز کے لیے اذان و اقامت دونوں کہی جائیں۔ باقی قضا نمازوں کے لیے اختیار ہے۔ چاہے تو ہر قضا نماز کے لیے الگ سے اذان اور اقامت دونوں کہے یا پھر صرف اقامت کہہ لے اور اذان نہ کہے۔

يَنْبَغِیْ : مستحب ہے، پسندیدہ ہے۔ اچھا ہے۔ مناسب ہے۔

يُكْرَہُ : ناپسندیدہ ہے۔ مکروہ ہے۔

جُنُبٌ : جُنبی۔جس شخص پر غسل واجب ہو۔

وَيَنْبَغِیْ اَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيْمَ عَلٰی طُهْرٍ : یہ مستحب ہے کہ حالتِ پاکیزگی

Marfat.com

میں اذان اور اقامت کہے۔ یعنی اذان دینے والا اور اقامت کہنے والا دونوں ناپاکیوں سے پاک ہوں۔

فَاِنْ اَذَّنَ عَلیٰ غَیْرِ وُضُوْءٍ جَازَ : وضو کے بغیر اذان دینا جائز ہے۔

وَ یُکْرَہُ اَنْ یُقِیْمَ . . . . وَھُوَ جُنُبٌ : بغیر وضو کے اقامت کہنا مکروہ ہے۔ (وضو کے بغیر اقامت کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو نماز میں کھڑا کر کے خود وضو کے لیے باہر نکل جائے گا اور یہ بات ناپسندیدہ ہے)۔ جنابت کی حالت میں اذان کہنا مکروہ ہے۔ (جنابت کی حالت میں اقامت کہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس حالت میں تو مسجد میں داخل ہونا ہی حرام ہے)۔

عبارت ۱۶

وَلَا یُؤَذِّنُ . . . . اَبِیْ یُوْسُفَ : کسی نماز کے لیے اذان اس کا وقت آنے سے پہلے نہ دی جائے۔ چنانچہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز کے لیے اگر وقت سے پہلے اذان دی گئی ہو تو وہ صحیح نہ ہوگی (اور وقت آنے پر دوبارہ اذان کہنا ہوگی)۔ اس پر تینوں حنفی ائمہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا اتفاق ہے البتہ فجر کی نماز کی اذان کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول تو وہی ہے جو بقیہ چار نمازوں کی اذان سے متعلق ہے لیکن امام ابویوسفؒ کے نزدیک فجر کی نماز کی اذان وقت سے پہلے بھی دی جائے تو صحیح ہوگی۔ فتویٰ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہی ہے یعنی حنفیہ کے نزدیک فجر کی نماز کی اذان بھی وقت سے پہلے دینا صحیح نہیں ہے۔

مسائل

'بابُ الاذان' میں اذان اور اقامت کے متعلق درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اذان سُنّت ہے

پنجگانہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے اذان سنت ہے۔ ان نمازوں کے لیے اذان کے سنّت مؤکدہ ہونے پر تمام فقہاء متفق ہیں۔ ان کے سوا کسی اور نماز، مثلاً عید تراویح، وتر، جنازہ، کسوف، خسوف، خوف، استسقاء وغیرہ کسی نماز کے لیے اذان نہیں ہے۔

۲۔ ترجیع نہیں ہے

اذان میں ترجیع نہیں ہے، یعنی اذان میں شہادتین کو پہلے عام آواز میں کہے اور

Marfat.com

پھر اس سے بلند تر آواز میں (یا پہلے بلند تر آواز میں اور پھر عام آواز میں)۔

۳۔ اذانِ فجر

فجر کی نماز کی اذان میں حیّ علی الفلاح کہنے کے بعد دو دفعہ الصّلوٰۃ خَیرٌ من النّوم کے الفاظ بھی کہے جاتے ہیں۔ یہ اضافہ ہے دوسری چار نمازوں کے لیے کہی جانے والی اذان میں۔

۴۔ اقامت کے الفاظ

اقامت بھی اذان کے مانند ہے، سوائے اس کے کہ اقامت میں حی علی الفلاح کے بعد دوبارہ قَدْ قامَتِ الصّلوٰۃُ بھی کہا جاتا ہے۔

۵۔ اذان میں ترسُّل

اذان کے جملوں کے درمیان اتنی دیر کا سکوت اختیار کرنا کہ جس میں کہے ہوئے جملے کا جواب دیا جا سکے مستحب ہے۔ لہذا اذان کے الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنے چاہئیں۔ (تکبیر میں یہ سکوت ہر دو تکبیر کے بعد ہونا چاہیے نہ کہ ہر ایک تکبیر کے بعد)۔

۶۔ اقامت میں سرعت

اقامت کے الفاظ کی ادائیگی جلدی اور تیزی سے کرنی چاہیے۔

۷۔ قبلہ رُخ ہونا

مؤذن کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ (البتہ اگر وہ منارے پر کھڑے ہو کر اذان دے تو چاروں طرف منہ پھیر کر اذان دینا سنّت ہے)۔ مؤذن جب حیّ علی الصّلوٰۃ کہے تو اپنا رخ دائیں طرف پھیر دے اور حی علی الفلاح پر بائیں طرف پھیر دے۔ (البتہ نہ اپنے سینہ کو قبلہ کی طرف سے ہٹائے اور نہ ہی اپنے قدم موڑے)۔

۸۔ قضا نماز کے لیے اذان و اقامت

اگر قضا نماز با جماعت پڑھی جائے تو اس کے لیے اذان و اقامت دونوں کہی جائیں۔ اور اگر قضا نمازیں کئی ہوں تو ان سب کو اکٹھے اور با جماعت پڑھنا ہو تو اختیار ہے کہ چاہے تو ہر قضا نماز کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے اور چاہے تو صرف پہلی نماز کے لیے اذان و اقامت دونوں کہے اور بقیہ نمازوں کے لیے صرف اقامت کہہ لے۔

۹۔ مؤذن و مقیم کا حالتِ پاکیزگی میں ہونا۔

مستحب یہ ہے کہ مؤذن اور مقیم (اقامت کہنے والا) ہر دو حالت پاکیزگی میں ہوں

Marfat.com

تاہم بغیر وضوء کے اذان دینا جائز ہے لیکن بغیر وضوء کے اقامت کہنا مکروہ ہے۔ جنابت کی حالت میں اذان دینا بھی مکروہ ہے (جنابت کی حالت میں اقامت کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

۱۰۔ وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے۔

نماز کا وقت آنے سے پہلے اس کے لیے اذان نہ دی جائے۔ چنانچہ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کسی نماز کے لیے وقت سے پہلے اذان دی تو صحیح نہ ہوگی اور وقت آنے پر دوبارہ اذان دینا ہوگی۔ البتہ فجر کی نماز کی اذان کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فجر کی نماز کی اذان بھی، بقیہ چار نمازوں کی طرح اگر وقت سے پہلے دی گئی تو صحیح نہ ہوگی لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فجر کی نماز کی اذان اس حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی نمازِ فجر کے لیے اذان وقت سے پہلے دی جائے تو صحیح ہے۔ (حنفیہ کا فتویٰ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے)۔

Marfat.com

بَابُ شُرُوطِ الصَّلٰوةِ الَّتِیْ تَتَقَدَّمُهَا

(نماز سے پہلے کی شرائط کا باب)

یَجِبُ عَلَی الْمُصَلِّیْ اَنْ یُّقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالْاَنْجَاسِ

نمازی پر واجب ہے کہ (نماز سے) پہلے ناپاکیوں اور پلیدگیوں سے پاکی حاصل کرے

عَلٰی مَا قَدَّمْنَاهُ[1] وَیَسْتُرَ عَوْرَتَهٗ وَالْعَوْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنا ستر ڈھانکے اور مرد کا ستر

مَا تَحْتَ السُّرَّةِ اِلَی الرُّکْبَةِ وَالرُّکْبَةُ عَوْرَةٌ دُوْنَ السُّرَّةِ[2]

زیر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر (میں داخل) ہے نہ کہ ناف۔

وَبَدَنُ الْمَرْاَةِ الْحُرَّةِ کُلُّهٗ عَوْرَةٌ اِلَّا وَجْهَهَا وَکَفَّیْهَا

اور آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے

وَمَا کَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْاَمَةِ

اور جو (حصۂ جسم) مرد کا ستر ہے وہی لونڈی کا ستر ہے

وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ مِنْ بَدَنِهَا

اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ ستر (میں داخل ہے) اور اس کے بدن کا اس کے سوا حصہ

لَیْسَ بِعَوْرَةٍ[3] وَمَنْ لَّمْ یَجِدْ مَا یُزِیْلُ بِهِ النَّجَاسَةَ

ستر نہیں ہے۔ اور جسے ایسی چیز نہ ملے کہ جس سے وہ پلیدگی کو دور کرے

صَلّٰی مَعَهَا وَلَمْ یُعِدْ[4] وَمَنْ لَّمْ یَجِدْ ثَوْبًا

تو وہ اس (پلیدگی) کے ساتھ نماز پڑھ لے اور اسے نہ لوٹائے۔ اور جسے کپڑا نہ ملے

Marfat.com

صَلّٰی عُرْیَانًا قَاعِدًا یُّوْمِیُٔ بِالرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

وہ ننگا ہی بیٹھ کر نماز پڑھ لے رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے

فَاِنْ صَلّٰی قَائِمًا اَجْزَأَہٗ وَالْاَوَّلُ اَفْضَلُ [5]

اور اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا اور پہلی صورت افضل ہے

وَیَنْوِیْ لِلصَّلٰوۃِ الَّتِیْ یَدْخُلُ فِیْھَا بِنِیَّۃٍ

اور وہ جس نماز کو شروع کرے اس کی نیت اس طرح کرے کہ

لَا یَفْصِلُ بَیْنَھَا وَبَیْنَ التَّحْرِیْمَۃِ بِعَمَلٍ [6] وَیَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَۃَ

اس (نیت) کے اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے فاصلہ نہ کرے اور وہ قبلہ کی طرف رخ کرے

اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ خَائِفًا فَیُصَلِّیْ اِلٰی اَیِّ جِھَۃٍ قَدَرَ [7]

البتہ اگر وہ خوفزدہ ہو تو جس سمت بھی قدرت پائے (اس سمت منہ کر کے) نماز پڑھ لے

فَاِنِ اشْتَبَھَتْ عَلَیْہِ الْقِبْلَۃُ وَلَیْسَ بِحَضْرَتِہٖ

اور اگر اس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص نہ ہو

مَنْ یَّسْئَلُہٗ عَنْھَا اجْتَھَدَ وَصَلّٰی [8]

جس سے اس کے متعلق وہ پوچھ سکے تو اجتہاد کرے اور نماز پڑھ لے

فَاِنْ عَلِمَ اَنَّہٗ اَخْطَأَ بَعْدَ مَا صَلّٰی فَلَا اِعَادَۃَ عَلَیْہِ

پھر اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس نے (قبلہ کا رخ جاننے میں) غلطی کی تو اس پر اعادہ لازم نہیں

وَاِنْ عَلِمَ ذٰلِکَ وَھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ اسْتَدَارَ اِلَی الْقِبْلَۃِ

اور اگر حالتِ نماز ہی میں اسے اس کا علم ہو جائے تو قبلہ کی طرف پھر جائے

وَبَنٰی عَلَیْھَا [9]

اور (جتنی نماز وہ پڑھ چکا ہو) اس پر بنیاد رکھے (یعنی ادا شدہ نماز کو بحال رکھے)

Marfat.com

تشریحات

شُرُوْط: جمع ہے شَرْط کی۔ شَرْط کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ پائی جائے تو مشروط کا پایا جانا ممکن ہے اور اگر شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی لازمًا نہیں پایا جائے گا۔

تَتَقَدَّمُ: تَقَدَّمَ یَتَقَدَّمُ تَقَدُّمًا سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ پہلے ہونا۔ مقدم ہونا۔

شُرُوْطُ الصَّلٰوۃِ الَّتِیْ تَتَقَدَّمُھَا: نماز کی شرطیں جو اس پر مقدم ہیں یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے ان شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی۔

عبارت [1]

یَجِبُ: واجب ہے۔ لازم ہے۔ (ماضی وَجَبَ)

اَلْمُصَلِّیْ: نماز پڑھنے والا۔ صَلّٰی یُصَلِّیْ سے اسم فاعل کا صیغہ۔

یُقَدِّمُ: آگے کرے۔ پہلے کرے۔ آگے بڑھائے (مصدر تقدیم ہے)

اَلْاَحْدَاثُ: جمع ہے حَدَثٌ کی۔ عارضی کیفیت۔ مراد ہے ناپاکی کی عارضی کیفیات جو انسان میں پیدا ہو جائیں۔ احداث وضوء اور غسل کرنے سے دور ہو جاتے ہیں۔ حدثِ اصغر بے وضوء ہونا اور حدثِ اکبر غسل کے واجب ہونے کی کیفیت۔

اَلْاَنْجَاسُ: جمع ہے نَجَسٌ کی۔ گندگی۔ پلیدگی۔ جیسے پیشاب، پاخانہ، خون، شراب وغیرہ ہیں۔

عَلٰی مَاقَدَّمْنَاہُ: جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مصنف قدوریؒ نے احداث و انجاس سے پاکی حاصل کرنے کے مسائل کتاب الصّلوٰۃ سے پہلے کتاب الطہارۃ کے باب الانجاس میں بیان کیے ہیں یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

یَجِبُ عَلَی الْمُصَلِّیْ . . . قَدَّمْنَاہُ: نمازی پر لازم ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے احداث اور انجاس سے پاکی حاصل کرے۔ یعنی: (۱) اس کا جسم پاک ہو۔ اس کے بدن پر کسی قسم کی کوئی نجاست نہ لگی ہو۔ حالتِ جنابت میں ہو تو غسل کرلے اور کوئی نجاست لگی ہو تو اسے دور کرلے، اور وضوء کرلے۔ (۲) اس کے کپڑے پاک ہوں۔ (۳) نماز کی جگہ پاک ہو۔

اس عبارت میں صحتِ نماز کی تین شرطیں بیان کی گئی ہیں: بدن کا پاک ہونا، کپڑوں کا

Marfat.com

پاک ہونا اور نماز کی جگہ کا پاک ہونا۔

عبارت ۲

یَسْتُرُ : ڈھانپے۔ سَتَرَ : ڈھانپا۔

عَوْرَۃٌ : انسان شرم وحیا کی وجہ سے جو حصّۂ بدن ڈھانپتا ہے وہ عورت ہے۔ جسم کا وہ حصہ جس کو ڈھانپنا شرعاً لازم ہے۔

اَلسُّرَّۃُ : ناف۔ الرُّکْبَۃُ : گھٹنا۔

وَ یَسْتُرَ . . . دُوْنَ السُّرَّۃِ : نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے جسم کے ننگ یعنی ستر کو ڈھانپنا صحتِ نماز کے لیے شرط ہے۔ مرد کا ستر زیرِ ناف حصّۂ جسم سے لے کر گھٹنے تک کا بدن ہے یعنی مرد کے ستر میں ناف داخل نہیں جبکہ گھٹنا داخل ہے۔

عبارت ۳

اَلْمَرْأَۃُ : عورت۔ اَلْحُرَّۃُ : آزاد عورت (لونڈی کے بالمقابل)

وَجْہٌ : چہرہ۔

کَفَّیْہَا : اس کی دو ہتھیلیاں۔ کَفٌّ : ہتھیلی۔

اَلْاَمَۃُ : لونڈی۔ بَطْنٌ : پیٹ۔ ظَھْرٌ : پشت۔

آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے۔ (پاؤں کا ستر میں داخل نہ ہونا چونکہ بالکل ظاہر اور معروف ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا)۔ لونڈی کا ستر وہی ہے جو مرد کا ہے سوائے اس کے کہ لونڈی کے ستر میں پیٹ اور پیٹھ بھی شامل ہے۔ اس کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصّہ ستر میں داخل نہیں۔

عبارت ۴

لَمْ یَجِدْ : نہ پایا۔ (ماضی وَجَدَ)

یُزِیْلُ : ہٹائے۔ دور کرے۔ زائل کرے۔ (ماضی اَزَالَ۔ مصدر اِزَالَۃً)

اَلنَّجَاسَۃ : گندگی۔ پلیدگی۔

لَمْ یُعِدْ : اعادہ نہ کیا۔ نہ لوٹایا۔ (اَعَادَ ماضی، یُعِیْدُ مضارع، اِعَادَۃً مصدر)۔

اگر نجاست دور کرنے کے لیے ضروری سامان یعنی پانی دستیاب نہ ہو اور اس نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھ لی تو نماز ادا ہو جائے گی اور بعد ازاں پانی ملنے پر اس نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

عبارت ۵

ثَوْبًا : کپڑا۔ عُرْیَانًا : ننگا۔ بے لباس۔ قَاعِدًا : بیٹھے ہوئے۔
یُوْمِیْ : اشارہ کرے۔ (ماضی اَوْمٰی، اَوْمَأَ، مصدر اِیْمَاءً)
قَائِمًا : کھڑے ہوئے۔ اَجْزَأَهٗ : اس کے لیے کافی ہے، پورا ہے۔

اگر کپڑا میسر نہ ہو ستر ڈھانپنے کے لیے تو ننگے بدن بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور اشارے سے رکوع اور سجدہ کر لے۔ اگر وہ ننگے بدن کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن افضل یہی ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ شریعت نے انسان کے لیے سہولتیں رکھی ہیں اور اس کی حالتِ مجبوری کا ہر معاملے میں لحاظ کیا ہے۔ ننگے بدن نماز پڑھنے کو روا کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے کو افضل اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس میں کھڑے ہونے کی نسبت ستر کا لحاظ زیادہ ہے۔

عبارت ۶

یَنْوِیْ : نیت کرے۔ (ماضی نَوٰی۔ نِیَّةً مصدر)
لَا یَفْصِلُ : فاصلہ نہ کرے۔

اَلتَّحْرِیْمَةُ : مراد ہے تکبیر تحریمہ۔ اسے تکبیر تحریمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے کہنے کے بعد نمازی پر اعمالِ صلوٰۃ کے سوا تمام کام حرام ہو جاتے ہیں۔ تکبیر تحریمہ اس طرح ہے کہ جو شخص نماز پڑھنے لگے وہ نماز کے شروع میں کہے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" یہ کہنے کے بعد وہ نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔

نماز کی نیت (پختہ ارادہ) کرنا بھی صحت نماز کے لیے شرط ہے۔ اور نماز کی نیت اس طرح کرنی چاہیے کہ نیت کرنے اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی اور عمل نہ کیا جائے، ورنہ نیت صحیح نہ ہوگی اور نیت صحیح نہ ہوگی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ یہ عام فہم بات ہے کیونکہ جب نیت نماز کی کر لی تو اس کے بعد اس نیت پر عمل پیرا ہونا چاہیے یعنی نماز شروع کرے اور نماز شروع ہوتی ہے تکبیر تحریمہ کہنے سے۔ لہٰذا نماز کی نیت کر لینے کے بعد متصلاً تکبیر تحریمہ کہنی چاہیے کوئی اور عمل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر نماز کی نیت کرنے کے بعد کوئی اور عمل کرے تو نیت تو ٹوٹ گئی۔

نیت کا تعلق دل سے ہے۔ لہٰذا دل میں نماز کا پختہ ارادہ کرنا چاہیے۔ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ حنفیہ کے نزدیک ایسا کرنا بدعت ہے تاہم وسوسہ مٹانے کے لیے نیت کے الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں تو یہ صحیح ہے۔ تمام فرض

Marfat.com

(فرض عین اور فرض کفایہ) اور واجب نمازوں کی نیت کے لیے ضروری ہے کہ نماز کی نوعیت اور اس کا وقت وغیرہ ذہن میں ہو، مثلاً چار رکعت نماز ظہر، دو رکعت نماز فجر وغیرہ۔ نفل نماز کا تعیّن نیّت کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔

عبارت ۷

يَسْتَقْبِلُ : سامنا کرے۔ رُخ کرے۔

قَدَرَ : اسے قدرت ہوئی۔ وہ قادر ہوا۔ اسے طاقت ہوئی۔

ہر قسم کی نماز میں نمازی کا قبلہ رُخ ہونا نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے اگر کسی شرعی عذر کے بغیر قبلہ کے بجائے کسی اور طرف رُخ کیا تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ البتہ اگر نمازی کو کوئی حقیقی خوف لاحق ہو کہ اگر قبلہ کی طرف رخ کیا تو اسے نقصان پہنچے گا تو اس صورت میں جس طرف بھی وہ رخ کر سکے کر لے نماز ہو جائے گی۔ یہ خوف دشمن کا ہو سکتا ہے یا مثلاً وہ کسی ایسی جگہ پر بیٹھا ہو کہ وہاں اگر وہ حرکت کر کے قبلہ رخ ہونے کی کوشش کرے تو نیچے سمندر یا گہری کھائی وغیرہ میں گرنے کا خطرہ ہو یا اس حالت کا مریض ہو کہ اگر وہ جسم کو حرکت دے کر قبلہ رخ ہو تو اس کے مرض کے شدید ہونے کا ڈر ہو۔ یہاں بھی شریعت نے انسان کی مجبوری کا لحاظ کیا ہے۔

عبارت ۸

اِشْتَبَهَتْ : مشتبہ ہوئی۔ مشکوک ہوگئی۔

حَضْرَةٌ : پاس۔ سامنے

اِجْتَهَدَ : اجتہاد کیا۔ کوشش کی۔

اگر قبلہ نمازی پر مشتبہ ہو، اس کی جہت اسے معلوم نہ ہو اور اس کے آس پاس کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو کہ جس سے وہ قبلہ کی جہت کے بارے دریافت کر سکے تو اجتہاد کر لے یعنی اپنی معلومات کے مطابق اندازہ لگا لے اور اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے، نماز صحیح ہو جائے گی۔ شریعت نے انسان کو اس کی استطاعت کے بقدر ہی مکلف کیا ہے اس سے بڑھ کر نہیں۔

عبارت ۹

أَخْطَأَ : اس نے خطا کی۔ غلطی کی۔

اِسْتَدَارَ : گھوم گیا۔ پھر گیا۔

بَنٰى : بنیاد رکھی۔ بنا کی۔

Marfat.com

اگر قبلہ مشتبہ ہو اور اجتہاد کر کے نماز پڑھ لے اور نماز پڑھ چکنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس سے قبلہ کی جہت متعین کرنے میں غلطی ہوئی تھی تو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں اس کی پہلی نماز ہی صحیح ہے۔ اگر حالتِ نماز ہی میں غلطی کا پتہ چل جائے تو اسی وقت قبلہ کی طرف رخ پھیر لے۔ اس سے پہلے جتنی نماز وہ پڑھ چکا ہے صحیح ہے باقی ماندہ نماز وہ قبلہ رخ ہو کر پڑھ لے۔ ادا شدہ نماز کو نئے سرے سے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

مسائل

"بَابُ شُرُوطِ الصَّلٰوةِ الَّتِی تَتَقَدَّمُهَا" میں نماز کی شرطیں بیان کی گئی ہیں۔ نمازی پر لازم ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے ان شرطوں کو پورا کرلے اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ کی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ نماز کی یہ شرطیں درج ذیل ہیں:

۱۔ نمازی کا جسم پاک ہو

نماز شروع کرنے سے پہلے نمازی کے جسم کا پاک ہونا شرط ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنے جسم کو تمام ناپاکیوں سے پاک کرے۔ اگر اس پر غسل واجب ہے تو غسل کرے۔ نماز سے پہلے وضو کر کے طہارت حاصل کرے۔

۲۔ کپڑے پاک ہوں

نمازی پر لازم ہے کہ نماز سے پہلے پاک کپڑے پہنے۔ اگر اس کے کپڑے کسی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہوں تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

۳۔ نماز کی جگہ پاک ہو

نماز پاک جگہ پر پڑھنی چاہیے لہذا نماز پڑھنے سے پہلے نماز کی جگہ (اگر مسجد کے سوا ہو، کیونکہ مسجد تو پاک ہی ہوتی ہے) کے بارے میں یقین حاصل کرلے۔

۴۔ ستر ڈھانپنا

نمازی پر واجب ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنا ستر ڈھانپ لے۔ مرد کے لیے ستر میں ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ بدن داخل ہے۔ ستر میں گھٹنا داخل ہے مگر ناف داخل نہیں۔ آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے

Marfat.com

لونڈی کا ستر وہی ہے جو مرد کا ہے سوائے اس کے کہ اس کا پیٹ اور پشت بھی ستر میں داخل ہے جبکہ مرد کے ستر میں پیٹ اور پشت داخل نہیں۔

۵۔ نیّت

نماز شروع کرنے سے پہلے، اس کی نیت کرنا ضروری ہے۔ نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی اور عمل نہیں ہونا چاہیے بلکہ نیّت کے بعد متصلاً تکبیر تحریمہ کہنی چاہیے۔

۶۔ قبلہ رُخ ہونا

نمازی کا قبلہ رُخ ہونا لازم ہے۔ قبلہ رخ ہونا ہر نماز کے لیے ضروری ہے۔

مجبُوری کی حالتیں

شریعت اسلامیہ نے ہر معاملے میں انسان کی مجبوری کی حالت کا لحاظ کر کے نرمی اور سہولت دی ہے۔ نماز کی شرطوں کے بارے میں بھی شریعت نے اسے ملحوظ رکھا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ اگر نجاست دور کرنے کے لیے پانی وغیرہ میسر نہ ہو اور نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھ لے تو نماز صحیح ہوگی اور بعد میں پانی وغیرہ مل جانے کی صورت میں اس نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اگر ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا میسر نہ ہو تو ننگے بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور اشارے سے رکوع اور سجدہ کرلے۔ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔

۳۔ اگر قبلہ مشتبہ ہو اور پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو قبلہ کی صحیح جہت بتا سکے اور نمازی اپنے اجتہاد سے قبلہ کی جہت کا تعین کر کے نماز پڑھ لے تو نماز صحیح ہوگی۔

اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد پتا چلے کہ اس نے قبلہ کے تعیّن کے بارے میں غلطی کی تھی تو نماز کے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

اگر حالتِ نماز میں ہی غلطی کا پتا چل جائے تو صحیح جہت کی طرف رُخ پھیر لے اور باقیماندہ نماز اس طرف منہ کر کے پڑھ لے۔ اس سے پہلے جتنی نماز وہ پڑھ چکا ہو اسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

اگر قبلہ کی طرف رخ کرنے سے کسی امر کا (مثلاً جان جانے کا، مرض بڑھنے کا) خوف ہو تو جس طرف رُخ کرنے کی قدرت رکھتا ہو اسی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لے، نماز صحیح ہو جائے گی۔

Marfat.com

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

فَرَائِضُ الصَّلٰوةِ سِتَّةٌ: اَلتَّحْرِيْمَةُ وَالْقِيَامُ وَالْقِرَاءَةُ
نماز کے فرائض چھے ہیں: (تکبیر) تحریمہ اور قیام اور قراءت

وَالرُّكُوْعُ وَالسُّجُوْدُ وَالْقَعْدَةُ الْاَخِيْرَةُ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ
اور رکوع اور سجدہ اور تشہد کی مقدار کے برابر آخری قعدہ

وَالْخُرُوْجُ مِنَ الصَّلٰوةِ بِصُنْعِ الْمُصَلّٰى فَرْضٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ
اور نمازی کے عمل سے نماز سے باہر آنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک فرض ہے

وَلَيْسَ بِفَرْضٍ عِنْدَهُمَا وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ۔ [1]
اور صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے اور جو اس سے زائد ہے سنّت ہے

وَاِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِيْ صَلٰوتِهٖ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيْرِ
اور جب آدمی اپنی نماز شروع کرے تو تکبیر کہے اور تکبیر کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے

حَتّٰى يُحَاذِيَ بِاِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ
یہاں تک کہ انہیں اپنے کانوں کی لو تک لے جائے

وَالْمَرْاَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا اِجْمَاعًا
اور عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر لائے اس پر اجماع ہے

فَاِنْ قَالَ بَدَلًا مِنَ التَّكْبِيْرِ اللّٰهُ اَجَلُّ اَوْ اَعْظَمُ اَوْ
اور اگر اللہ اکبر کے بجائے کہے اللّٰہ اَجَلُّ یا اَعْظَمُ یا

Marfat.com

اَلرَّحْمٰنُ اَكْبَرُ اَجْزَأَهُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى

الرحمٰن اکبر تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اس کے لیے کافی ہے

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يَجُوْزُ

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ یہ جائز نہیں

اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَوِ اللّٰهُ الْكَبِيْرُ

سوائے اس کے کہ وہ کہے، اللہ اکبر یا اللہ الکبیر

وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَيَضَعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ

اور وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں (ہاتھ) پر جما دے اور انہیں ناف کے نیچے رکھے

ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ

پھر کہے، اے اللہ پاکیزگی تیرے ہی لیے ہے اور تعریف تیرے ہی لیے ہے اور تیرا نام برکت والا ہے

وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ وَيَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اور تیری شان اونچی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کی پناہ مانگے شیطان مردود سے

وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَيُسِرُّ بِهِمَا ثُمَّ

اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور ان دونوں کو آہستہ پڑھے پھر

يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَعَهَا اَوْ ثَلٰثَ اٰيَاتٍ قِصَارٍ

سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ ایک سورت پڑھے یا تین چھوٹی آیتیں

اَوْ اٰيَةً طَوِيْلَةً مِثْلَ اٰيَةِ الْكُرْسِىِّ وَاٰيَةِ الْمُدَايَنَةِ

یا ایک لمبی آیت جیسے آیت الکرسی ہے اور آیت مداینت ہے

مِنْ اَىِّ سُوْرَةٍ شَاءَ وَاِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

جس سورت سے چاہے۔ اور جب امام ولا الضآلین کہے

Marfat.com

قَالَ اٰمِیْنَ وَیَقُوْلُھَا الْمُؤْتَمُّ وَیُخْفِیْھَا[۴] ثُمَّ یُکَبِّرُ

تو آمین کہے اور مقتدی بھی (آمین) کہے اور پوشیدہ کہے پھر وہ اللہ اکبر کہے

وَیَرْکَعُ وَیَعْتَمِدُ بِیَدَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ وَیُفَرِّجُ اَصَابِعَہٗ

اور رکوع کرے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنے تھام لے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ کرے

وَیَبْسُطُ ظَھْرَہٗ وَلَا یَرْفَعُ رَأْسَہٗ وَلَا یُنَکِّسُہٗ

اور اپنی پشت کو پھیلا دے اور اپنے سر کو نہ اوپر اٹھائے اور نہ ہی اسے جھکائے

وَیَقُوْلُ فِیْ رُکُوْعِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثَلٰثًا وَذٰلِکَ اَدْنَاہُ

اور اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ اس کی کم از کم تعداد ہے

ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَہٗ وَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ

پھر وہ اپنا سر اوپر اٹھائے اور کہے، سمع اللہ لمن حمدہ

وَیَقُوْلُ الْمُؤْتَمُّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ[۵] فَاِذَا اسْتَوٰی قَائِمًا

اور مقتدی کہے، ربنا لک الحمد۔ پھر وہ جب سیدھا کھڑا ہو

کَبَّرَ وَسَجَدَ وَاعْتَمَدَ بِیَدَیْہِ عَلَی الْاَرْضِ

تو اللہ اکبر کہے اور سجدہ کرے اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے

وَوَضَعَ وَجْھَہٗ بَیْنَ کَفَّیْہِ وَسَجَدَ عَلٰی اَنْفِہٖ وَجَبْھَتِہٖ

اور اپنا چہرہ اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھ دے اور اپنی ناک اور اپنی پیشانی پر سجدہ کرے

فَاِنِ اقْتَصَرَ عَلٰی اَحَدِھِمَا جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

پس اگر وہ ان دونوں میں سے ایک پر اقتصار کرے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے

وَقَالَا لَا یَجُوْزُ الْاِقْتِصَارُ عَلَی الْاَنْفِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ[۶]

اور صاحبین کا کہنا ہے کہ بغیر عذر کے ناک پر اقتصار کرنا جائز نہیں

Marfat.com

فَاِنْ سَجَدَ عَلٰی کَوْرِ عِمَامَتِہٖ اَوْ عَلٰی فَاضِلِ ثَوْبِہٖ جَازَ

پس اگر وہ اپنی پگڑی کے پیچ پر یا اپنے فالتو کپڑے پر سجدہ کرے تو جائز ہے

وَیُبْدِیْ ضَبْعَیْہِ وَیُجَافِیْ بَطْنَہٗ عَنْ فَخِذَیْہِ

اور اپنے دونوں پہلوؤں کو ظاہر کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے الگ رکھے

وَیُوَجِّہُ اَصَابِعَ رِجْلَیْہِ نَحْوَ الْقِبْلَۃِ وَیَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِہٖ

اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھے اور اپنے سجدے میں کہے ،

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثَلَاثًا وَذَالِکَ اَدْنَاہُ ؎

تین بار سبحان ربّی الاعلیٰ اور یہ کم از کم تعداد ہے

ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَہٗ وَیُکَبِّرُ وَاِذَا اطْمَأَنَّ جَالِسًا

پھر اپنا سر اٹھائے اور تکبیر کہے اور جب بیٹھ کر مطمئن ہو جائے

کَبَّرَ وَسَجَدَ فَاِذَا اطْمَأَنَّ سَاجِدًا کَبَّرَ وَاسْتَوٰی قَائِمًا

تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے پھر جب سجدہ کی حالت میں اطمینان ہو جائے تو تکبیر کہے اور سیدھا کھڑا ہو جائے

عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْہِ وَلَا یَقْعُدُ وَلَا یَعْتَمِدُ بِیَدَیْہِ عَلَی الْاَرْضِ ؎

اپنے پیروں کے پنجوں پر نہ تو بیٹھے اور نہ ہی زمین پر اپنے ہاتھوں سے سہارا لے

وَیَفْعَلُ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِی الْاُوْلٰی اِلَّا اَنَّہٗ

اور دوسری رکعت میں بھی ویسا ہی کرے جیسا کہ پہلی میں کیا تھا سوائے اس کے کہ (دوسری رکعت میں)

لَا یَسْتَفْتِحُ وَلَا یَتَعَوَّذُ وَلَا یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی ؎

نہ ثناء پڑھے اور نہ تعوّذ کرے اور پہلی تکبیر کے سوا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے

فَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ السَّجْدَۃِ الثَّانِیَۃِ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ

پھر جب دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے

Marfat.com

اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی فَجَلَسَ عَلَیْهَا وَنَصَبَ الْیُمْنٰی نَصْبًا

تو اپنا بایاں پاؤں بچھادے اور اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں سیدھا کھڑا کردے

وَوَجَّهَ اَصَابِعَهٗ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَوَضَعَ یَدَیْهِ عَلٰی فَخِذَیْهِ

اور اپنی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرے اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے

وَیَبْسُطُ اَصَابِعَهٗ ثُمَّ یَتَشَهَّدُ وَالتَّشَهُّدُ اَنْ یَقُوْلَ

اور اپنی انگلیوں کو پھیلا دے پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے کہ وہ کہے

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ

اللہ ہی کے لیے ہیں تمام زبانی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں اے نبی آپ پر سلام ہو

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ

اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمد

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یَزِیْدُ عَلٰی هٰذِهٖ فِی الْقَعْدَةِ الْاُوْلٰی

اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور پہلے قعدہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کرے

وَیَقْرَأُ فِی الرَّكْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَاصَّةً

اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھے

فَاِذَا جَلَسَ فِیْ اٰخِرِ الصَّلٰوةِ كَمَا جَلَسَ فِی الْاُوْلٰی وَتَشَهَّدَ

پھر جب نماز کے آخر میں بیٹھے جیسے پہلے (قعدہ) میں بیٹھا تھا اور تشہد پڑھے

وَصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے

Marfat.com

وَدَعَا بِمَا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَالْأَدْعِيَةِ الْمَأْثُورَةِ

اور دعائیں مانگے جو مشابہ ہوں قرآن کے الفاظ اور منقول دعاؤں کے

وَلَا يَدْعُو بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ[۱۳] ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ

اور ایسے الفاظ میں دعا نہ مانگے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہوں پھر اپنے دائیں طرف سلام کہے

وَيَقُولُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَيُسَلِّمُ عَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ[۱۴]

اور کہے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اپنے بائیں طرف بھی اسی طرح سلام کہے۔

تشریحات

صِفَةٌ: توصیف۔ DESCRIPTION۔کیفیت، حالت، ہیئت وغیرہ کا بیان اس باب میں جیسا کہ اس کے نام صِفَةُ الصَّلوٰة سے ظاہر ہے نماز کی ہیئت بیان کی گئی ہے۔

عبارت ۱

فَرَائِضُ: جمع ہے فَرِيضَةٌ کی۔ فرائض۔ وہ اعمال جن کی بجاآوری کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ فَرَائِضُ الصَّلوٰة سے مراد نماز کے وہ اعمال ہیں جن کے بغیر سرے سے نماز ہوتی ہی نہیں۔ ان فرائض میں سے اگر ایک فرض بھی رہ جائے تو ایسے ہے کہ جیسے نماز مطلقاً پڑھی ہی نہیں۔

سِتَّةٌ: چھے۔ اَلتَّحْرِيمَةُ: مراد ہے تکبیر تحریمہ۔

اَلْقِرَاءَةُ: پڑھنا۔ مراد ہے قرآن حکیم کی تلاوت۔ اَلسُّجُودُ: سجدہ کرنا۔

اَلْقُعُودُ: بیٹھنا۔ اَلتَّشَهُّدُ: گواہی دینا۔ نماز کی اصطلاح میں ایک مخصوص عمل میں توحید و رسالت کی گواہی دی جاتی ہے۔

زَادَ: زیادہ ہوا۔ زائد ہوا۔

نماز کے فرض جنہیں ارکانِ صلوٰۃ بھی کہتے ہیں چھے ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمہ۔ ۲۔ قیام۔ ۳۔ قراءت۔ ۴۔ رکوع۔ ۵۔ سجدہ۔ ۶۔ آخری قعدہ۔ (تشہد کی مقدار پر) ان چھے فرائض میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے تو نماز سرے سے ادا

Marfat.com

نہیں ہوتی اور ایسے ہے کہ جیسے نماز پڑھی ہی نہیں۔ نماز کی نیت کرنے کے متصل ہی اللہ اکبر کہنا تکبیر تحریمہ ہے۔ اس تکبیر کے کہنے کے بعد نمازی پر اعمالِ صلوٰۃ کے سوا تمام اعمال حرام ہو جاتے ہیں اسی لیے اسے تکبیر تحریمہ یعنی حرام کر دینے والی تکبیر کہتے ہیں۔

دوسرا فرض قیام ہے۔ قیام کا معنی ہے کھڑے ہونا۔ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھ کے اوپر ہاتھ جما کر کھڑے ہونا قیام ہے۔ قراءت سے مراد ہے قرآن حکیم کا پڑھنا۔ رکوع جھکنے کو کہتے ہیں۔ نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنے کے مخصوص عمل کو رکوع کہتے ہیں۔ سجدہ بھی نماز میں ایک مخصوص عمل کے لیے اصطلاح ہے۔ قعدہ کا معنی ہے بیٹھنا۔ نماز میں دو رکعت پر ایک مخصوص طریقے سے بیٹھنے کو قعدہ کہتے ہیں۔ تشہد پڑھنے یعنی اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ .... وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ پڑھنے تک جو قعدہ ہے وہ فرض ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نمازی کا اپنے عمل سے نماز سے باہر آنا بھی نماز کے فرائض میں شامل ہے۔ گویا ان کے نزدیک نماز کے فرائض سات ہیں۔ لیکن صاحبین (یعنی امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک یہ فرض نہیں۔ صاحبین کے نزدیک نماز کے فرض وہی چھ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ ان چھ فرائض کے سوا نماز کے جو اعمال ہیں وہ سنت ہیں۔ یہاں سنت سے مراد یہ ہے کہ وہ فرض نہیں البتہ ان کا کیا جانا سنت سے ثابت ہے۔ سنت کے تحت نماز کے وہ اعمال بھی آئیں گے جو حنفی فقہ کی رُو سے واجب کہلاتے ہیں۔

عبارت ۲

دَخَلَ: داخل ہوا۔ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِیْ صَلٰوتِهٖ جب آدمی اپنی نماز میں داخل ہو یعنی جب وہ اپنی نماز شروع کرے۔

کَبَّرَ: تکبیر کہی یعنی اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہا۔

رَفَعَ: اوپر اٹھایا۔ یَدَیْهِ: اپنے دو ہاتھ۔ یَدٌ ہاتھ۔

یُحَاذِی: برابر لائے۔ مقابل لائے۔ (حَاذٰی یُحَاذِی مُحَاذَاۃً وَحِذَاءً)

اِبْهَامَیْهِ: اس کے دو انگوٹھے۔ اِبہام انگوٹھا۔

شَحْمَةٌ: کان کا انتہائی نچلا حصہ۔ کان کی لَو۔

اُذُنَیْهِ: اس کے دو کان۔ اُذُنٌ۔ کان

مَنْکِبَیْهَا: اس عورت کے دو کندھے۔ مَنْکِبٌ: کندھا

اَجْزَاَهٗ: اسے کافی ہو گیا۔ لَا یَجُوْزُ: جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

یَعْتَمِدُ : ٹکا دے۔ سہارا دے۔ جما دے۔
اَلْیُمْنٰی : دایاں ہاتھ۔ **اَلْیُسْرٰی** : بایاں ہاتھ۔
یَضَعُ : رکھے (ماضی وَضَعَ)۔ **اَلسُّرَّۃُ** : ناف
نمازی نماز شروع کرے تو تکبیر کہے جسے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور تکبیر کہتے وقت اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھائے اس طرح کہ اس کے ہاتھوں کے انگوٹھے اس کے کانوں کی لو کے برابر آجائیں۔ عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر لائے۔ اس پر سب ائمہ فقہاء کا اجماع ہے۔ مرد اپنے ہاتھ ناف کے نیچے اس طرح باندھے کہ اس کا دایاں ہاتھ اس کے بائیں ہاتھ پر جم جائے۔ عورت اپنے ہاتھ سینے پر باندھے۔
نمازی اگر اللہ اکبر کہنے کے بجائے اَللّٰہُ اَجَلُّ یا اللّٰہُ اَعْظَمُ یا الرَّحْمٰنُ اَکْبَرُ کہہ لے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی نماز ہو جائے گی جبکہ امام ابو یوسفؒ کا کہنا ہے کہ اللہ اکبر یا اللہ الکبیرُ کہے بغیر نماز نہ ہوگی۔

عبارت ۳۵

سُبْحَان : پاکی۔ پاکیزگی۔ **سُبْحَانَکَ** : تیری پاکی۔
اَللّٰھُمَّ : اے اللہ۔ یا اَللّٰہ تھا یا کو ہٹا کر اس کی جگہ آخر میں ھُمَّ لگا دیا۔
تَبَارَکَ : بابرکت ہوا۔ **تَعَالٰی** : بلند ہوا۔ اونچا ہوا۔
جَدُّ : مقام، مرتبہ، شان۔
یَسْتَعِیْذُ : پناہ مانگے۔ (ماضی اِسْتَعَاذَ)
اَلرَّجِیْم : مردود۔ راندۂ درگاہ۔ (اسم مفعول ہے رَجَمَ یَرْجُمُ سے بروزن فَعِیْل مَرْجُوْم اور رَجِیْم ہم معنی ہیں)۔
بِسْمِ : اصل میں بِ اِسْمِ تھا۔ الف کو حذف کر دیا گیا۔ نام کے ساتھ۔
اَلرَّحْمٰن : بڑا مہربان۔ رحم سے نکلا ہے۔ اسم مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ صفت ذات اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے کسی اور کے لیے اس صفت کا استعمال جائز نہیں۔
اَلرَّحِیْم : نہایت رحم کرنے والا۔ یہ بھی رحم سے نکلا ہے۔
یُسِرُّ : چھپائے۔ مراد ہے آہستہ کہے۔ (ماضی اَسَرَّ۔ سِرٌّ بمعنی بھید مادہ ہے)۔
فَاتِحَۃُ الْکِتَاب : سورہ فاتحہ۔ سورہ الحمد۔ چونکہ قرآن حکیم کی سب سے پہلی سورت ہے اس لیے اسے فاتحۃ الکتاب کہتے ہیں۔
قِصَارٌ : جمع ہے قَصِیْرَۃٌ کی۔ چھوٹی۔

Marfat.com

اَلْمُدَایَنَۃُ: قرض کا لین دین کرنا۔ (ماضی دَایَنَ، مضارع یُدَایِنُ) ۔۔۔۔
اٰیَۃُ الْمُدَایَنَۃ وہ آیت جس میں قرض کے لین دین کے مسائل بیان کیے گئے ہیں اور یہ ہے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲۔

تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھنے کے بعد نمازی ثنا پڑھے جس کے الفاظ یہ ہیں:
سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالٰی جَدُّکَ وَ لَآ اِلٰـہَ غَیْرُکَ ۔ اس کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھے۔ پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہ اور بِسْمِ اللّٰہ آہستہ سے پڑھے۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے جو اس طرح ہے:
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝ آمِیْنَ
سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد قرآن حکیم کی کوئی ایک سورت پڑھے یا کسی سورت کی تین چھوٹی آیات پڑھ لے یا آیت الکرسی اور آیۃ الْمُدَایَنَۃ کی طرح کی کوئی ایک لمبی آیت پڑھ لے۔ (سورہ فاتحہ کے بعد کم از کم اتنی قرارت ضروری ہے)۔

عبارت ۴

اٰمِیْنَ: قبول کر۔ اسم فعل ہے امر کے معنی میں۔
اَلْمُؤْتَمُّ: پیروی کرنے والا۔ مقتدی (اِئْتَمَّ یَأْتَمُّ سے اسم فاعل)
یُخْفِیْ: چھپائے۔ (اَخْفٰی ماضی۔ اِخْفَاءٌ مصدر)۔

امام جب سورہ فاتحہ کے آخری الفاظ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو اس کے بعد آمین کہے جس کا معنی قبول کر۔ سورہ فاتحہ کے آخر میں نمازی اللہ تعالٰی سے اس صراطِ مستقیم کی ہدایت کی دعا کرتا ہے جس پر چلنے والوں پر اللہ تعالٰی کی نعمتیں نازل ہوئیں اور اس راہ پر نہ چلانے کی دعا بھی کرتا ہے جس پر چلنے والوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور جو گمراہ تھے اس لیے اس دعا کے بعد اللہ جلّ شانہٗ سے مزید یہ التجا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اس دعا کو قبول فرمائے۔ امام کے ساتھ ساتھ مقتدی بھی آمین کہے اور آہستہ سے کہے۔

عبارت ۵

رُکْبَتَیْہِ: اس کے دو گھٹنے۔ رُکْبَۃٌ گھٹنا۔

Marfat.com

يُفَرِّجُ : کھول دے۔ کشادہ کر دے۔
اَصَابِعُ : انگلیاں۔ واحد اِصْبَعٌ
يَبْسُطُ : پھیلا دے۔ ہموار کر دے۔ ظَهْرٌ : پیٹھ۔ پُشت۔
لَا يُنَكِّسُ : نہ جھکائے۔ اَدْنَاهُ : اس کا کم از کم

قراءت کے اختتام پر نمازی تکبیر کہے اور رکوع کرے۔ رکوع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں سے تھام لے، اپنی انگلیوں کو کشادہ کر دے اور اپنی پشت کو پھیلا کر ہموار کر دے۔ وہ اپنے سر کو نہ اوپر اٹھائے اور نہ ہی نیچے جھکائے۔

رکوع کی حالت میں وہ کم از کم تین دفعہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہے۔ پھر اپنا سر اوپر اٹھائے یعنی سیدھا کھڑا ہو جائے اور امام کہے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ (اللہ نے اسے سن لیا جس نے اس کی تعریف کی)۔ اور مقتدی کہے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب تعریف تیرے لیے ہے)۔

عبارت ۶

اِسْتَوٰى : سیدھا ہوا۔ اِسْتَوٰى قَائِمًا سیدھا کھڑا ہوا۔
اِعْتَمَدَ بِيَدَيْهِ : اپنے دونوں ہاتھ ٹیک دے۔ عَلَى الْاَرْضِ : زمین پر۔
كَفَّيْهِ : اس کی دو ہتھیلیاں۔ كَفٌّ ہتھیلی۔
اَنْفٌ : ناک۔ جَبْهَةٌ : پیشانی۔
اِقْتَصَرَ : اقتصار کیا۔ اکتفا کیا۔
جَازَ : جائز ہوا۔ لَا يَجُوْزُ : جائز نہیں ہے۔

رکوع کرنے کے بعد نمازی جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور پھر سجدے میں چلا جائے۔ سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے اور اپنا چہرہ اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھ دے اور ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے یعنی ناک اور پیشانی کو سجدہ کی جگہ پر ٹکا دے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر وہ صرف ناک یا پیشانی پر اکتفا کرے تو جائز ہے جبکہ صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک بغیر کسی عذر کے اگر صرف ناک پر اکتفا کرے تو جائز نہیں۔ یعنی صرف پیشانی پر اکتفا کرے تو یہ جائز ہے۔

عبارت ۷

كَوْرٌ : پیچ خم۔ عِمَامَةٌ : پگڑی۔ عمامہ

Marfat.com

فَاضِلٌ : فالتو۔ زائد۔ ثَوْبٌ : کپڑا۔

يُبْدِی : ظاہر کرے۔ (ماضی اَبْدٰی)۔

ضَبْعَيْهِ : اپنے دونوں پہلوؤں کو۔ واحد : ضَبْعٌ۔

يُجَافِیْ : الگ رکھے۔ علیحدہ کرے۔ بَطْنٌ : پیٹ۔

فَخِذَيْهِ : اپنی دونوں رانوں کو۔ واحد : فَخِذٌ۔

يُوَجِّهُ : متوجہ کرے۔ رخ کرے۔

اَصَابِعُ : انگلیاں۔ واحد : اِصْبَعٌ۔ رِجْلَيْهِ : اس کے دو پاؤں۔ واحد : رِجْلٌ۔

اَدْنَاهُ : اس کا کم از کم۔

اگر نمازی اپنی پگڑی کے پیچ پر (جو اس کی پیشانی پر آیا ہوا ہو) سجدہ کرے یا سجدہ کی جگہ پر اپنا فالتو کپڑا رکھ کر اس پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔ یعنی ننگی زمین پر سجدہ کرنا ضروری نہیں اس کے اوپر کپڑا رکھ کر اس پر سجدہ کرنا بھی جائز ہے۔ سجدے کی حالت میں اپنے دونوں پہلوؤں کو ظاہر کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے الگ رکھے۔ اپنے پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرے۔

نمازی سجدے میں کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (پاکی ہے میرے برتر پروردگار کی) کہے۔

عبارت ۵

يَرْفَعُ : اٹھائے۔ رَأْسَهُ : اپنا سر۔

اِطْمَأَنَّ : مطمئن ہوا۔ تسلی ہوئی۔ جَالِسًا : بیٹھے ہوئے۔

سَاجِدًا : سجدہ کرتے ہوئے۔ اِسْتَوٰی : سیدھا ہوا

صُدُوْرٌ : واحد صَدْرٌ۔ کسی بھی چیز کا سامنے کا حصہ۔ صُدُوْرُ قَدَمَيْهِ اس کے پیروں کے پنجے۔

لَا يَقْعُدُ : نہ بیٹھے۔ لَا يَعْتَمِدُ : نہ ٹکائے۔ نہ سہارا لے۔

نمازی سجدے میں کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنے کے بعد اپنا سر اٹھا لے اور تکبیر لے اور جب تسلی سے بیٹھ چکے تو پھر تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ پھر جب تسلی سے سجدہ کر لے تو تکبیر کہہ کر سیدھا کھڑا ہو جائے اپنے پیروں کے پنجوں پر۔ دوسرا سجدہ کرنے کے بعد سجدہ کی حالت سے سیدھا کھڑا ہو جائے نہ تو بیٹھے اور نہ زمین پر اپنے ہاتھوں کا سہارا لے۔ (یہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے سجدوں کے بعد کے لیے حکم ہے)۔

Marfat.com

عبارت ۹

لَا یَسْتَفْتِحُ: شروع نہ کرے۔ مراد ہے ثنا نہ پڑھے۔
لَا یَتَعَوَّذُ: تعوّذ نہ کرے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہ ۔۔۔ الخ نہ پڑھے۔

نمازی دوسری رکعت میں بھی وہی کچھ کرے جو پہلی رکعت میں کیا تھا صرف اتنا فرق ہے کہ دوسری رکعت میں نہ ثنا پڑھنی ہے اور نہ ہی اَعُوْذُ بِاللّٰہ ۔۔۔ الخ پڑھنا ہے (ثنا اور تعوّذ صرف پہلی رکعت کے لیے ہیں)۔ یعنی دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھے۔ پھر قرآن حکیم کی کوئی سورت یا کم از کم تین آیات یا کوئی ایک لمبی آیت (جیسے آیۃ الکرسی یا آیت المداینۃ ہے) پڑھے۔ پھر اسی طرح رکوع اور سجود کرے۔ رفع یدین (ہاتھ اوپر اٹھا کر کانوں کی لو تک لے جانا) صرف پہلی تکبیر میں کرنا ہے اس کے بعد کسی تکبیر میں نہیں کرنا۔

عبارت ۱۰

اِفْتَرَشَ: بچھا دیا۔ رِجْلَہٗ: اپنا پاؤں۔ رِجْلٌ پاؤں۔
اَلْیُسْرٰی: بایاں۔ اَلْیُمْنٰی: دایاں۔
نَصَبَ: گاڑ دیا۔ کھڑا کیا۔ وَجَّہَ: متوجہ کیا۔ رُخ کیا۔
اَصَابِعُ: انگلیاں۔ واحد اِصْبَعٌ۔ وَضَعَ: رکھا۔
فَخِذَیْہِ: اس کی دو رانیں۔ یَبْسُطُ: پھیلائے۔

نمازی جب دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں کو اچھی طرح کھڑا کر دے اپنی انگلیوں کو اپنی رانوں کے اوپر رکھ کر پھیلا دے اور ان کا رُخ قبلہ کی طرف کر دے۔ اس کے بعد تشہد پڑھے۔

عبارت ۱۱

اَلتَّحِیَّاتُ: جمع ہے تَحِیَّۃٌ کی۔ مراد ہے زبانی عبادات۔ اللہ کی حمد و ثنا وغیرہ۔
اَلصَّلَوٰتُ: جمع ہے صَلوٰۃٌ کی۔ مراد ہے بدنی عبادتیں۔
اَلطَّیِّبَاتُ: جمع ہے طَیِّبَۃٌ کی۔ پاکیزہ چیزیں۔ مراد ہے مالی عبادتیں۔

تشہد میں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ ۔۔۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پڑھنا ہے پہلے قعدہ میں صرف یہی تشہد ہی پڑھنا ہے اس سے زائد کچھ نہیں پڑھنا۔ ثلاثی اور چار رکعت والی نماز میں دو قعدے ہوتے ہیں۔ ان دو قعدوں میں سے پہلے

Marfat.com

قعدے میں صرف مذکورہ تشہد پڑھنا ہے)۔

عبارت ۱۲

اَلْاُخْرَیَیْنِ: پچھلی دو۔ تثنیہ ہے اُخْرٰی کا۔ خَاصَّةً: خاص طور پر صرف۔
تَشَهَّدَ: تشہد پڑھا۔ صَلّٰی: صَلٰوۃ بھیجی۔ درود شریف پڑھا۔
دَعَا: دعا مانگی۔ یَشْبَهُ: ملتا جلتا ہے۔ مشابہ ہے۔
اَلْاَدْعِیَةُ: جمع ہے دُعَاءٌ کی۔ دعائیں۔
اَلْمَاثُوْرَةُ: منقول۔ روایت کردہ۔ اثر (نشان) سے اسم مفعول مؤنث کا صیغہ۔

پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنی ہے۔ نمازی جب چوتھی رکعت میں دو سجدے کرنے کے بعد قعدہ کرے (بیٹھے) تو تشہد پڑھے پھر درود شریف پڑھے اور ایسے الفاظ میں دعائیں مانگے جو قرآن مجید کے الفاظ اور منقول دعاؤں کے مانند ہوں۔ لوگوں کے کلام کے مانند الفاظ میں دعا نہ مانگے۔ آخری قعدہ میں تشہد فرائض نماز میں داخل ہے باقی اعمال مسنون ہیں۔

عبارت ۱۳

یُسَلِّمُ: سلام کہے۔ یَمِیْنُ: دایاں
یَسَارٌ: بایاں۔ عَنْ یَسَارِہٖ: اپنے بائیں طرف۔

نمازی آخری قعدہ میں جب تشہد، درود شریف اور دعاؤں سے فارغ ہو جائے تو پہلے اپنے دائیں طرف سلام کہے جو ان الفاظ میں ہو: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ۔ پھر اپنے بائیں جانب سلام کہے اور انہی الفاظ میں کہے۔

مسائل

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوۃِ میں نماز کے فرائض (ارکان) ان کی ادائیگی کا طریقہ اور متعلقہ مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ فرائض نماز یہ ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمہ۔ ۲۔ قیام۔ ۳۔ قراءت۔ ۴۔ رکوع۔ ۵۔ سجود۔ ۶۔ آخری قعدہ (تشہد کی مقدار پر)۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نمازی کا اپنے ارادے اور عمل سے نماز سے باہر آنا بھی فرائض نماز میں داخل ہے لیکن صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک یہ فرائض نماز

Marfat.com

میں داخل نہیں ہے۔ بہرحال حنفیہ کے نزدیک فرائض صلوٰۃ صرف مذکورہ چھے ہیں۔ ان چھے فرائض میں سے اگر کوئی ایک بھی رہ جائے تو نماز سرے سے نہیں ہوگی۔ ان چھے فرائض صلوٰۃ کے حسب ذیل مسائل اس باب میں بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمہ

(۱) نمازی نماز شروع کرے تو نیّت سے متصلاً تکبیر (اللہ اکبر) کہے۔ اس تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں (کیونکہ یہ تکبیر اعمال صلوٰۃ کے سوا دوسرے ہر عمل کو نمازی پر حرام کر دیتی ہے)۔
(۲) تکبیر کہتے وقت مرد نمازی اپنے ہاتھوں کو اتنا اوپر اٹھائے کہ اس کے ہاتھوں کے انگوٹھے اس کے کانوں کی لَو کے برابر ہوجائیں۔ (۳) عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر لے جائے۔ اس پر تمام ائمہ فقہا کا اتفاق ہے۔ (۴) رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ پر کرنا ہے۔
(۵) اگر نمازی تکبیر کے بجائے اَللّٰہُ اَجَلُّ یا اَللّٰہُ اَعْظَمُ یا اَلرَّحْمٰنُ اَکْبَرُ کہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ بھی ٹھیک ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اَللّٰہُ اَکْبَرُ یا اَللّٰہُ اَلْکَبِیْرُ کہنا جائز ہے اس کے سوا کچھ اور کہنا جائز نہیں۔

۲۔ قیام

(۱) تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی کھڑا رہے اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر جما دے۔
(۲) وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے۔ (۳) عورت اپنے ہاتھ اپنے سینے پر رکھے (۴) اس کے بعد وہ ثنا (سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ۔ . . . الخ) پڑھے۔ (۵) پھر آہستہ سے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے۔ (۶) پھر سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے بعد قرات۔ ہر رکعت کے اختتام پر وہ قیام کرے۔ (۷) ثنا صرف پہلی رکعت میں پڑھے۔ (۸) اسی طرح تعوّذ اور بسم اللہ الخ بھی پہلی رکعت میں پڑھے۔

۳۔ قراءت

(۱) پہلی اور دوسری رکعت میں نمازی سورہ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی کوئی سورت یا کسی بھی سورت کی کم از کم تین چھوٹی آیات یا آیۃ الکرسی اور آیۃ المداینۃ ایسی کوئی ایک لمبی آیت کی قراءت کرے۔ (۲) تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔ (۳) سورہ فاتحہ کے اختتام پر (وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد) امام آمین کہے اور اس کے ساتھ ہی مقتدی بھی آمین کہے۔ مقتدی آمین پوشیدہ طور پر کہے۔

Marfat.com

۴۔ رُکوع

(۱) قرأت کے بعد نمازی تکبیر کہے اور رکوع کرے۔(۲) وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنے تھام لے۔(۳) انگلیوں کو کشادہ کرے۔(۴) اپنی پشت کو پھیلا دے (۵) اور اپنا سر نہ اوپر اٹھائے اور نہ نیچے جھکائے۔(۶) رکوع میں کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھے۔(۷) پھر اپنا سر اوپر اٹھا لے اور اس وقت سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ پڑھے اور مقتدی رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہے۔ اس کے بعد وہ سیدھا کھڑا ہو جائے۔

۵۔ سُجود

(۱) رکوع کے بعد نمازی جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ (۲) وہ اپنے ہاتھ زمین پر رکھ دے۔(۳) اپنے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھ دے۔(۴) اور اپنی ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے۔(۵) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر وہ صرف ناک یا صرف پیشانی پر سجدہ کرے تو بھی ٹھیک ہے لیکن صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک صرف پیشانی پر سجدہ کرنا تو ٹھیک ہے لیکن بغیر عذر کے صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔(۶) اپنی پگڑی کے پیچ یا اپنے کسی فالتو کپڑے پر سجدہ کرنا بھی جائز ہے (یعنی ناک اور پیشانی کو زمین پر ہی رکھنا ضروری نہیں)۔(۷) سجدے کی حالت میں وہ اپنے پیروں کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف کرے۔(۸) سجدے میں وہ کم از کم تین دفعہ سبحان ربّی الاعلیٰ پڑھے۔(۹) پھر وہ اپنا سر اوپر اٹھائے اور تکبیر کہے۔(۱۰) آرام سے بیٹھ جانے کے بعد پھر تکبیر کہے اور دوسرے سجدے میں چلا جائے۔ (۱۱) جب اطمینان سے دوسرا سجدہ کر چکے تو تکبیر کہے۔(۱۲) اور اپنے پیروں کے پنجوں پر کھڑا ہو جائے۔(۱۳) پہلی رکعت کے سجدوں کے بعد نہ وہ بیٹھے اور نہ زمین پر اپنے ہاتھوں سے سہارا لے۔ (۱۴) دوسری رکعت میں دوسرا سجدہ کرنے کے بعد وہ جب اپنا سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا دے اور اس کے اوپر بیٹھ جائے اور اپنے دائیں پیر کو اچھی طرح کھڑا کر لے۔(۱۵) اور اپنی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کر دے۔(۱۶) اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھے۔(۱۷) اور اپنی انگلیوں کو پھیلا دے۔(۱۸) اس کے بعد وہ تشہد پڑھے۔ تشہد میں یہ پڑھے، اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ ۔ ۔ ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ تین یا چار رکعت کی نماز کی صورت میں یہ پہلا قعدہ ہے۔ (البتہ دو رکعت کی نماز میں یہ پہلا اور آخری قعدہ ہے)۔ پہلے قعدے میں صرف مذکورہ تشہد ہی پڑھنا ہے اور مزید کچھ نہیں پڑھنا۔

Marfat.com

۶۔ آخری قعدہ

(۱) آخری قعدہ (دو رکعت نماز میں دوسری رکعت کے سجدوں کے بعد، تین رکعت نماز میں تیسری رکعت کے سجدوں کے بعد اور چار رکعت نماز میں چوتھی رکعت کے سجدوں کے بعد) تشہد کی مقدار کے برابر چھٹے فرائض صلوٰۃ میں شامل ہے۔ (۲) آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھے۔ (۳) اور قرآن و حدیث سے ثابت دعائیں مانگے۔ (۴) درود شریف پڑھنا اور دعائیں مانگنا مسنون اعمال ہیں۔ (۵) دعاؤں کے الفاظ لوگوں کے کلام کے مانند نہ ہوں بلکہ قرآن مجید کے الفاظ سے مشابہ ہوں یا حدیث میں روایت شدہ ہوں۔

سلام پھیرنا

آخری قعدہ میں دعائیں مانگ چکنے کے بعد نمازی دائیں طرف منہ کر کے سلام کہے جس کے الفاظ یہ ہوں: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔ پھر بائیں طرف منہ کر کے سلام کہے اور وہی الفاظ کہے (یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ)

Marfat.com

بَابُ الْقِرَاءَةِ

وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

اور نمازِ فجر میں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرارت اونچی آواز سے کرے

اِنْ كَانَ اِمَامًا۔ وَيُخْفِي الْقِرَاءَةَ فِيمَا بَعْدَ الْاُوْلَيَيْنِ

اگر وہ امام ہو۔ اور پہلی دو رکعتوں کے بعد آہستہ قرارت کرے

وَاِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ جَهَرَ وَاَسْمَعَ نَفْسَهُ

اور اگر وہ اکیلا ہو تو اسے اختیار ہے چاہے تو اتنی آواز سے پڑھے کہ اپنے آپ کو سنا دے

وَاِنْ شَاءَ خَافَتَ وَيُخْفِي الْاِمَامُ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

اور اگر چاہے تو آہستہ پڑھے۔ اور امام ظہر اور عصر میں قرارت کو پوشیدہ رکھے

وَالْوِتْرُ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ

اور وتر کی تین رکعتیں ہیں جن میں وہ سلام کا فاصلہ نہ کرے

وَيَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوعِ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ

اور سارا سال تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھے

وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنَ الْوِتْرِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً مَعَهَا

اور وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک سورت پڑھے

فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَقْنُتَ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ

پھر جب قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور رفع یدین کرے

Marfat.com

ثُمَّ قَنَتَ وَلَا يَقْنُتُ فِيْ صَلٰوةٍ غَيْرِهَا[۲]

پھر قنوت پڑھے اور اس (یعنی وتر) کے سوا کسی اور نماز میں قنوت نہ پڑھے

وَلَيْسَ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ قِرَاءَةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا

اور کسی نماز میں کسی معین سورت کی قراءت مقرر نہیں کہ

لَا يَجُوْزُ غَيْرُهَا وَيُكْرَهُ اَنْ يَتَّخِذَ قِرَاءَةَ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا لِلصَّلٰوةِ

اس کے سوا جائز نہ ہو اور مکروہ ہے کہ کسی معین سورت کو نماز کے لیے مقرر کرلے

لَا يَقْرَأُ فِيْهَا غَيْرَهَا[۳] وَاَدْنٰى مَا يُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ

کہ اس میں اس کے سوا (کوئی اور سورت) نہ پڑھے۔ اور نماز میں کم از کم جو قراءت کافی ہے

مَا يَتَنَاوَلُهُ اسْمُ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس پر قرآن کے نام کا اطلاق ہو جائے

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى

اور ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا

لَا يَجُوْزُ اَقَلُّ مِنْ ثَلَاثِ اٰيَاتٍ قِصَارٍ اَوْ اٰيَةٍ طَوِيْلَةٍ[۴]

تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت سے کمتر جائز نہیں ہے

وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْاِمَامِ[۵] وَمَنْ اَرَادَ الدُّخُوْلَ فِيْ صَلٰوةِ غَيْرِهٖ

اور مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے۔ اور جو شخص کسی اور کی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے

يَحْتَاجُ اِلٰى نِيَّتَيْنِ نِيَّةِ الصَّلٰوةِ وَنِيَّةِ الْمُتَابَعَةِ[۶]

وہ دو نیتوں کا محتاج ہے۔ ایک تو نماز کی نیت اور دوسرے اقتدار کی نیت۔

عبارت ۱

يَجْهَرُ: (جَهَرَ ماضی، جَهْرًا مصدر) اونچی آواز میں بولنا۔

اَلْاُوْلَيَيْنِ: تثنیہ ہے اَلْاُوْلٰى کا۔ پہلی دو۔

Marfat.com

يُخْفِيْ : (اَخْفٰى ماضى، اِخْفَاءٌ مصدر) چھپانا۔ پوشیدہ رکھنا
مُنْفَرِدٌ : اکیلا۔ تنہا۔
مُخَيَّرٌ : جسے اختیار دیا گیا ہو (اسم مفعول کا صیغہ)۔
اَسْمَعَ : سنایا۔ (سَمِعَ سُننا)۔
خَافَتَ : پوشیدہ رکھا۔

نماز باجماعت میں امام فجر کی نماز اور مغرب اور عشاء کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت اونچی آواز میں کرے اور پہلی دو رکعتوں کے بعد مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت پوشیدہ کرے۔ ظہر اور عصر کی نماز میں امام قرأت پوشیدہ کرے۔ اگر نمازی اکیلے نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے چاہے تو اتنی اونچی آواز میں قرأت کرے کہ اپنے آپ کو سنائے اور چاہے تو قرأت کو پوشیدہ کرے۔

عبارت ۲

لَا يَفْصِلُ : فاصلہ نہ کرے۔
يَقْنُتُ : دعائے قنوت پڑھے۔ اَلسَّنَةُ : سال

نماز وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ ان تین رکعتوں کے درمیان سلام کا فاصلہ نہیں ہے۔ تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنی چاہیے اور رفع یدین کرنا چاہیے۔ اس کے بعد دعائے قنوت پڑھنی چاہیے۔ وتر کے سوا کسی اور نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھنی چاہیے۔

عبارت ۳

لَا يَجُوْزُ : جائز نہیں ہے۔
يُكْرَهُ : ناپسند کیا جاتا ہے۔ كَرِهَ ناپسند کیا۔ يَكْرَهُ ناپسند کرتا ہے۔
يَتَّخِذُ : پکڑتا ہے۔ لیتا ہے۔ (اِتَّخَذَ ماضى)

نماز میں قرأت کے لیے قرآن حکیم کی کوئی سورت مقرر نہیں ہے کہ اس کے سوا کوئی اور سورت پڑھنا جائز نہ ہو۔ پورے قرآن پاک میں سے کہیں سے کسی بھی حصے کی قرأت کی جا سکتی ہے۔ قرآن حکیم کی کسی ایک سورت کو قرأت کے لیے مقرر کر لینا مکروہ ہے۔

عبارت ۴

اَدْنٰى : کم از کم۔ کم ترین
يُجْزِئُ : کافی ہوتا ہے۔ کفایت کرتا ہے۔

Marfat.com

یَتَنَاوَلُ: پکڑتا ہے، لیتا ہے، شامل کرتا ہے۔

قِصَارٌ: جمع ہے قَصِیْرَۃٌ کی۔ چھوٹی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قراءت کی کم از کم مقدار اس قدر ہے کہ جسے قرآن کا نام دیا جا سکے۔ جبکہ صاحبین (امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک تین چھوٹی آیات یا ایک لمبی آیت سے کم کی قراءت جائز نہیں۔

<u>عبارت ۵</u>

لَا یَقْرَأُ: قراءت نہ کرے۔ نہ پڑھے۔

اَلْمُؤْتَمُّ: مقتدی۔

مقتدی کو امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے قراءت نہیں کرنی چاہیے۔

<u>عبارت ۶</u>

مقتدی نماز کی دو نیتیں کرے ایک نماز کی اور دوسری متابعت (پیروی) کی۔

مسائل[1]

باب القراءۃ میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ نماز باجماعت میں امام کو قراءت بالجہر (یعنی اونچی آواز میں قراءت) صرف فجر کی نماز اور ...... مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں کرنی چاہیے مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قراءت پوشیدہ کرے۔

۲۔ ظہر اور عصر کی نماز باجماعت میں امام قراءت پوشیدہ کرے۔

۳۔ اکیلے نماز پڑھنے والے نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس قدر بلند آواز میں قراءت کرے کہ اپنے آپ کو سنا لے چاہے تو قراءت کو پوشیدہ کرے۔

۴۔ وتر کی تین رکعتیں ہیں جن کے درمیان سلام کا فاصلہ نہیں۔ (یعنی سلام صرف تیسری رکعت کے اختتام پر ہے)۔

۵۔ وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے سال بھر (یعنی ہمیشہ) دعائے قنوت پڑھے۔

---

[1] اگر امتحان میں باب صفۃ الصلوٰۃ کے مسائل کا خلاصہ لکھنے کو کہا جائے تو باب القراءۃ کے یہ مسائل بھی اس باب کے مسائل کے آخر میں بیان کیجیے کیونکہ قدوری کے بعض نسخوں میں باب القراءۃ والی عبارت باب صفۃ الصلوٰۃ کے ساتھ ہی ملحق ہے۔

Marfat.com

۶۔ دعائے قنوت شروع کرنے سے پہلے تکبیر کہے اور رفع یدین کرے۔

۷۔ وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت اس کے ساتھ پڑھے۔

۸۔ وتر کے سوا کسی اور نماز میں دعائے قنوت نہ پڑھے۔

۹۔ قرارت کے لیے کوئی سورت خاص طور پر مقرر نہیں ہے۔ (قرآن مجید کی کسی بھی سورت کی قرارت کسی بھی نماز میں کرنا درست ہے) کسی نماز کے لیے کسی ایک سورت کو خاص طور پر مقرر کر لینا مکروہ ہے۔

۱۰۔ نماز میں قرارت کی کم از کم مقدار امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس قدر ہے کہ جس پر قرآن کا نام صادق آجاتے جبکہ صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک یہ مقدار تین چھوٹی آیات یا ایک لمبی آیت (جیسے آیۃ الکرسی یا آیۃ المداینہ) ہے۔

۱۱۔ مقتدی امام کے پیچھے قرارت نہ کرے۔

۱۲۔ مقتدی دو نیتیں کرے۔ ایک نماز کی اور دوسری متابعت (یعنی امام کی پیروی کی)۔

Marfat.com

بَابُ الْجَمَاعَةِ

وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَاَوْلَى النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ

اور جماعت سنت مؤکدہ ہے اور لوگوں میں امامت کے لیے سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو

اَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَقْرَأُهُمْ فَاِنْ تَسَاوَوْا

ان میں سنت کا سب سے بڑا عالم ہے پس اگر وہ سب برابر ہوں تو ان میں سب سے اچھا قاری پس اگر سب برابر ہوں

فَاَوْرَعُهُمْ فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَسَنُّهُمْ وَيُكْرَهُ تَقْدِيْمُ الْعَبْدِ

تو ان میں سب سے زیادہ پرہیزگار پس اگر سب برابر ہوں تو ان میں سب سے زیادہ عمر والا اور مکروہ ہے امام بنانا غلام کو

وَالْاَعْرَابِيِّ وَالْفَاسِقِ وَالْاَعْمٰى وَوَلَدِ الزِّنَا فَاِنْ تَقَدَّمُوْا جَازَ

اور بدو کو اور فاسق کو اور نابینا کو اور حرامی کو لیکن اگر یہ امامت کریں تو جائز ہے

وَيَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اَنْ لَّا يُطَوِّلَ بِهِمُ الصَّلٰوةَ وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ

اور امام کو چاہیے کہ انہیں لمبی نماز نہ پڑھائے اور مکروہ ہے عورتوں کے لیے

اَنْ يُّصَلِّيْنَ وَحْدَهُنَّ بِجَمَاعَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ

کہ وہ اکیلے (یعنی مردوں کے بغیر) جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں لیکن اگر وہ ایسا کریں

وَقَفَتِ الْاِمَامَةُ وَسْطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ وَمَنْ صَلّٰى مَعَ وَاحِدٍ

تو امام (امام عورت) ان کے درمیان کھڑی ہو جائے جیسے ننگوں کی جماعت ہوتی ہے اور جو آدمی ایک امام ہو

اَقَامَهٗ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَاِنْ كَانَا اثْنَيْنِ تَقَدَّمَهُمَا

وہ اسے اپنے دائیں طرف کھڑا کرے اور اگر دو مقتدی ہوں تو ان سے آگے کھڑا ہو

Marfat.com

وَلَا يَجُوْزُ لِلرِّجَالِ اَنْ يَّقْتَدُوْا بِامْرَأَةٍ اَوْ صَبِيٍّ

اور مردوں کو عورت یا بچے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں

وَيَصُفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْخُنْثٰى ثُمَّ النِّسَاءُ

اور پہلے مرد صف بنائیں پھر بچے پھر مخنث پھر عورتیں

فَاِنْ قَامَتْ اِمْرَأَةٌ اِلٰى جَنْبِ رَجُلٍ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِيْ صَلٰوةٍ وَّاحِدَةٍ

اگر کوئی عورت کسی مرد کے پہلو میں کھڑی ہو اور وہ دونوں ایک نماز میں شریک ہوں

فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ ـ وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ حُضُوْرُ الْجَمَاعَةِ

تو اس مرد کی نماز ٹوٹ گئی ۔ اور عورتوں کو جماعت میں آنا مکروہ ہے

وَلَا بَأْسَ بِاَنْ تَخْرُجَ الْعَجُوْزُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

اور کوئی حرج نہیں کہ بڑھیا فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں آئے

عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور کہا امام ابو یوسف

وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوْزُ خُرُوْجُ الْعَجُوْزِ فِيْ سَائِرِ الصَّلَوٰتِ ۲

اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہ بڑھیا کو سب نمازوں میں آنا جائز ہے

وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ

اور نماز نہ پڑھے طہارت کرنے والا اس کے پیچھے جسے مسلسل پیشاب آتا رہتا ہو

وَلَا الطَّاهِرَاتُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ وَلَا الْقَارِئُ خَلْفَ الْاُمِّيِّ

اور نہ طہارت والی عورتیں حیض والی کے پیچھے اور نہ پڑھنے والا ان پڑھ کے پیچھے

وَلَا الْمُكْتَسِيْ خَلْفَ الْعُرْيَانِ ـ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّؤُمَّ الْمُتَيَمِّمُ

اور نہ کپڑا پہنا ہوا شخص ننگے کے پیچھے ۔ اور جائز ہے کہ امامت کرے تیمم کرنے والا

Marfat.com

اَلْمُتَوَضِّئِیْنَ وَالْمَاسِحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ الْغَاسِلِیْنَ

وضو والوں کی اور موزوں پر مسح کرنے والا (پاؤں) دھونے والوں کی

وَیُصَلِّی الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ وَلَا یُصَلِّی الَّذِیْ یَرْکَعُ وَیَسْجُدُ

اور کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور رکوع وسجدہ کرنے والا نماز نہ پڑھے

خَلْفَ الْمُوْمِیْ وَلَا یُصَلِّی الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ

اشارہ کرنے والے کے پیچھے اور نہ فرض نماز والا نفل نماز والے کے پیچھے نماز پڑھے

وَلَا مَنْ یُّصَلِّیْ فَرْضًا خَلْفَ مَنْ یُّصَلِّیْ فَرْضًا اٰخَرَ

اور نہ ایک فرض نماز پڑھنے والا اس کے پیچھے نماز پڑھے جو کوئی دوسری فرض نماز پڑھتا ہو

وَیُصَلِّی الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ وَمَنِ اقْتَدٰی بِاِمَامٍ

اور نفل نماز والا فرض نماز والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور جس نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی

ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ عَلٰی غَیْرِ طَهَارَةٍ اَعَادَ الصَّلٰوةَ

پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ پاک نہ تھا تو وہ نماز کو دہرائے

وَیُکْرَهُ لِلْمُصَلِّیْ اَنْ یَّعْبَثَ بِثَوْبِهٖ اَوْ بِجَسَدِهٖ وَلَا یُقَلِّبُ الْحَصٰی

اور نمازی کے لیے اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلنا مکروہ ہے اور وہ کنکریوں کو الٹ پلٹ نہ کرے

اِلَّا اَنْ لَّا یُمْکِنَهُ السُّجُوْدُ عَلَیْهِ فَیُسَوِّیْهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً

ہاں اگر اس کے لیے ان پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو وہ انہیں ایک ہی مرتبہ ہموار کر لے

وَلَا یُفَرْقِعُ اَصَابِعَهٗ وَلَا یُشَبِّكُ وَلَا یَتَخَصَّرُ وَلَا یَسْدُلُ ثَوْبَهٗ

اور وہ اپنی انگلیاں نہ چٹخائے اور نہ انہیں ایک دوسری میں ڈالے اور نہ کوکھ پر ہاتھ رکھے اور نہ اپنا کپڑا لٹکائے

وَلَا یَکُفُّهٗ وَلَا یَعْقِصُ شَعْرَهٗ وَلَا یَلْتَفِتُ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا

اور نہ اسے سمیٹے اور نہ اپنے بال گوندھے اور نہ دائیں بائیں منہ موڑے

Marfat.com

وَلَا یُقْعِیْ کَاِقْعَاءِ الْکَلْبِ وَلَا یَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِہٖ وَلَا بِیَدِہٖ

اور نہ کُتے کی مانند بیٹھے اور نہ اپنی زبان سے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے سلام کا جواب دے

وَلَا یَتَرَبَّعُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَلَا یَاْکُلُ وَلَا یَشْرَبُ

اور عذر کے بغیر چوکڑی نہ مارے اور نہ کھائے اور نہ پیئے

فَاِنْ سَبَقَہُ الْحَدَثُ انْصَرَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنٰی عَلٰی صَلٰوتِہٖ

پس اگر اس کا وضو جاتا رہے تو وہ واپس چلا جائے اور وضو کرے اور اپنی (پہلی) نماز پر بنا کرے

اِنْ لَّمْ یَکُنْ اِمَامًا فَاِنْ کَانَ اِمَامًا اِسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّأَ

بشرطیکہ وہ امام نہ ہو اور اگر وہ امام تھا تو وہ (کسی کو) اپنا نائب بنا جائے اور وضو کرے

وَبَنٰی عَلٰی صَلٰوتِہٖ مَالَمْ یَتَکَلَّمْ وَالْاِسْتِیْنَافُ اَفْضَلُ

اور جب تک بات چیت نہ کرے اپنی (پہلی) نماز پر بنا رکھے اور نئے سرے پڑھنا افضل ہے

وَاِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ اَوْجُنَّ اَوْ اُغْمِیَ عَلَیْہِ اَوْ قَہْقَہَ

اور اگر وہ سو گیا اور اسے احتلام ہو گیا یا وہ مجنون ہو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا زور سے ہنس دیا

اِسْتَاْنَفَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوۃَ وَاِنْ تَکَلَّمَ فِیْ صَلٰوتِہٖ سَاہِیًا اَوْعَامِدًا

تو وضو اور نماز دونوں نئے سرے سے کرے اور اگر وہ اپنی نماز میں بھول کر یا دانستہ بات کرے

بَطَلَتْ صَلٰوتُہٗ وَاِنْ سَبَقَہُ الْحَدَثُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَہُّدِ

تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد اس کا وضو جاتا رہے

تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ وَاِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِیْ ہٰذِہِ الْحَالَۃِ

تو وہ وضو کرے اور سلام کہے اور اگر اس حالت میں وہ جان بوجھ کر وضو توڑ دے

اَوْ تَکَلَّمَ اَوْ عَمِلَ عَمَلًا یُنَافِی الصَّلٰوۃَ تَمَّتْ صَلٰوتُہٗ

یا بات کرے یا کوئی ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز تمام ہو گئی

Marfat.com

وَاِنْ رَأَى الْمُتَيَمِّمُ الْمَاءَ فِيْ صَلٰوتِهٖ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ

اور اگر تیمم کرنے والا اپنی نماز میں پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی

وَاِنْ رَاٰهُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ اَوْ كَانَ مَاسِحًا

اور اگر وہ اسے تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد دیکھے یا اس نے مسح کیا تھا

فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهٖ اَوْ كَانَ صَاحِبَ الْعُذْرِ فَانْقَطَعَ عُذْرُهٗ

اور اس کے مسح کی مدت ختم ہو جائے یا وہ معذور تھا اور اس کا عذر جاتا رہے

اَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ قَلِيْلٍ اَوْ كَانَ اُمِّيًّا فَتَعَلَّمَ سُوْرَةً

یا اس نے تھوڑے سے عمل سے اپنے موزے اتار دیے یا وہ ان پڑھ تھا پھر وہ کوئی سورت سیکھ لے

اَوْ عُرْيَانًا فَوَجَدَ ثَوْبًا اَوْ مُوْمِيًا فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

یا وہ ننگا تھا پھر اسے کپڑا مل جائے یا وہ اشارہ کرنے والا تھا پھر اسے رکوع وسجدہ کرنے کی قدرت ہو جائے

اَوْ تَذَكَّرَ اَنَّ عَلَيْهِ صَلٰوةً قَبْلَ هٰذِهٖ اَوْ اَحْدَثَ الْاِمَامُ الْقَارِئُ

یا اسے یاد آ جائے کہ اس نماز سے پہلے اس کے ذمے ایک نماز ہے یا قاری امام کا وضو جاتا رہے

فَاسْتَخْلَفَ اُمِّيًّا اَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

اور وہ کسی ان پڑھ کو اپنا نائب بنا دے یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو جائے

اَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ اَوْ كَانَ مَاسِحًا عَلَى الْجَبِيْرَةِ

یا جمعہ (کی نماز) میں عصر کا وقت آ جائے یا اس نے پٹی پر مسح کیا ہو

فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ اَوْ كَانَتْ مُسْتَحَاضَةً فَبَرِئَتْ

پھر زخم ٹھیک ہونے کی وجہ سے پٹی گر جائے یا وہ حالتِ حیض میں تھی پھر اس حالت سے باہر آ جائے

بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ

تو امام ابو حنیفہؒ کے قول کی رو سے ان سب کی نماز باطل ہو گئی اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا کہنا ہے کہ

Marfat.com

تَمَّتْ صَلٰوتُهُمْ فِیْ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ لہ

ان مسائل میں ان کی نماز تمام ہو گئی ۔

تشریحات

عبارت لہ

مُؤَکَّدَۃٌ : اسم مفعول مؤنث کا صیغہ أَکَّدَ یُؤَکِّدُ تَاکِیْدًا سے ۔ تاکید کی ہوئی۔ پختہ کی ہوئی۔

اَوْلٰی : زیادہ حقدار۔ اَعْلَمُ : زیادہ علم والا۔ اَقْرَأُ : زیادہ اچھا قاری۔ اَوْرَعُ : زیادہ پرہیزگار۔ اَسَنُّ : زیادہ سِن (عمر) والا۔ یہ سب اسم تفصیل کے صیغے ہیں۔

تَسَاوَوْا : وہ سب برابر ہوئے۔

تَقْدِیْمٌ : آگے کرنا۔ آگے بڑھانا۔ مراد ہے امام بنانا کیونکہ امام مقتدیوں کے آگے ہوتا ہے۔

اَلْاَعْرَابِیُّ : بدو۔ دیہاتی۔ اَلْفَاسِقُ : گنہگار۔ احکام شرعیہ کی کھلی خلاف ورزی کرنے والا۔

اَلْاَعْمٰی : نابینا۔ وَلَدُ الزِّنَا : حرامی۔

تَقَدَّمُوْا : وہ آگے ہوئے۔ مراد ہے وہ امام بنے۔ انہوں نے امامت کی۔

نماز باجماعت سنّتِ مؤکدہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سنّتِ مؤکدہ کا درجہ واجب کے برابر ہے۔ حنابلہ کے نزدیک جماعت فرض عین جبکہ شافعیہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔ مالکیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک قول کی رُو سے جماعت فرض کفایہ ہے اور دوسرے قول کے مطابق سنّت مؤکدہ ہے۔

جماعت کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں متعدد آیات اور احادیث ملتی ہیں۔ قرآن حکیم میں تو اس وقت بھی جماعت قائم کرنے کا ذکر ہے جب مسلمان حالتِ جنگ میں ہوں اور دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو۔ (دیکھیے سورۃ النساء، آیت ۱۰۲)۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث شریف روایت کی گئی ہے جو اس طرح ہے :

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ایندھن کی لکڑیوں کا حکم دوں پس لکڑیاں جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں پس اس کے لیے

Marfat.com

اذان دے دی جائے پھر ایک آدمی کو حکم دوں پس وہ لوگوں کی امامت کرے پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے سامنے ان کے گھر جلا دوں"۔

ابوداؤد نے ایک حدیث اسنادِ حسن کے ساتھ اس طرح روایت کی ہے:

"حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: کسی بستی یا ویرانے میں تین مسلمان ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھیں تو ان پر شیطان حاوی ہو جاتا ہے اس لیے تم پر جماعت لازم ہے کیونکہ ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے"۔

امامت کرنے کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو سنّت کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ اگر اس علم میں لوگ برابر ہوں تو پھر جو سب سے اچھا قاری ہے، اگر قراءت میں بھی لوگ برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور اگر پرہیزگاری میں بھی سب برابر ہوں تو پھر جو سب سے زیادہ عمر والا ہے۔ غلام، بدو، فاسق، نابینا اور ولدالزنا کو امام بنانا مکروہ ہے لیکن اگر یہ نماز پڑھا دیں تو نماز ہو جائے گی۔ امامت نہایت ذمے داری اور عزت و تکریم کا منصب ہے اس لیے کسی محترم اور باوقار شخص کو ہی امامت کرانی چاہیے۔ مسئلے میں امامت کے استحقاق کی جو ترتیب بتائی گئی ہے اس میں اسی امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور جن لوگوں کے امام بنانے کو مکروہ بتایا گیا ہے اس میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے۔

عبارت ۲

يَنْبَغِيْ : مستحب ہے۔ اچھا ہے۔ مناسب ہے۔

اَلْاِمَامَةُ : مؤنث ہے امام کی۔ امام عورت۔

اَلْعُرَاةُ : جمع ہے اَلْعَارِیْ کی۔ ننگے۔

تَقَدَّمَ : آگے ہوا۔ آگے بڑھا۔ مراد ہے امامت کی۔

اَنْ يَّقْتَدُوْا : کہ پیروی کریں۔ اِقْتَدٰی ماضی يَقْتَدِیْ مضارع اِقْتِدَاءٌ مصدر۔

يَصُفُّ : قطار بناتا ہے۔ صف باندھتا ہے۔

اَلصِّبْيَانُ : بچے۔ جمع ہے صَبِیٌّ کی۔

اَلْخُنْثٰی : مخنّث۔ ہیجڑا۔ جمع خَنَاثٰی۔

لَا بَأْسَ : کوئی حرج نہیں۔

اَلْعَجُوْزُ : بڑھیا۔

سَائِرُ : سب۔ تمام۔

Marfat.com

اس عبارت میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ امام نماز کو طول نہ دے۔ باجماعت نماز میں جوان اور بوڑھے، کمزور اور قوی تندرست اور مریض ہر قسم کے آدمی ہوتے ہیں اس لیے امام کو چاہیے کہ ان سب کی رعایت کرتے ہوئے نماز کو مختصر رکھے۔

۲۔ تنہا عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر وہ باجماعت نماز پڑھیں تو امام عورت ان کے وسط میں کھڑی ہو (نہ کہ ان کے آگے، جیسے ننگوں کی باجماعت نماز میں ہے (ننگوں کو اوّل تو الگ الگ بیٹھ کر منفرد طور پہ نماز پڑھنی چاہیے اور اگر وہ باجماعت نماز پڑھیں بھی تو امام ان کے وسط میں کھڑا ہو)۔

۳۔ اگر مقتدی ایک ہی ہو تو وہ امام کے داہنے ہاتھ کھڑا ہو۔ اور اگر دو مقتدی ہوں تو پھر امام آگے کھڑا ہو۔

۴۔ مردوں کو عورت یا بچے کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

۵۔ صف بندی اس ترتیب سے ہونی چاہیے کہ سب سے آگے مرد ہوں، پھر بچے، پھر مخنث اور پھر عورتیں۔

۶۔ اگر امام عورت کو مقتدی بنائے، اس کی امامت کی نیت کرے، دونوں کی نماز ایک ہی ہو اور مقتدی عورت امام کے پہلو میں کھڑی ہو تو مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

۷۔ عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بڑھیا کے فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں جماعت میں آنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک سبھی نمازوں کی جماعت میں اس کا آنا جائز ہے۔

عبارت ۳

سَلَسُ الْبَوْلِ: پیشاب کا قطرہ قطرہ کر کے آتے رہنا اور نہ رُکنا۔ سَلِسَ یَسْلَسُ سَلَسًا)۔

اَلْمُسْتَحَاضَةُ: حیض کی حالت میں عورت۔

اَلْاُمِّیُّ: اَن پڑھ۔ جسے نہ پڑھنا آتا ہو اور نہ لکھنا۔

اَلْمُکْتَسِیْ: جس نے لباس پہن رکھا ہو۔ (اسم فاعل ہے اِکْتَسٰی یَکْتَسِیْ اِکْتِسَاءً سے)۔

اَلْعُرْیَانُ: ننگا۔ یَؤُمُّ: امامت کرتا ہے۔ (اَمَّ ماضی)۔

اَلْمُتَیَمِّمُ: تیمم کرنے والا۔ اَلْمُتَوَضِّئِیْنَ: وضو کرنے والے۔

Marfat.com

اَلْمَاسِحُ : مسح کرنے والا۔ اَلْخُفَّیْنِ : موزے۔ جُوتے۔
اَلْغَاسِلِیْنَ : دھونے والے۔ اَلْقَاعِدُ : بیٹھا ہوا۔
اَلْمُوْمِیْ : اشارہ کرنے والا۔ (اسم فاعل ہے اَوْمٰی یُوْمِیْ اِیْمَاءً سے)[1]
اَلْمُفْتَرِضُ ، مراد ہے فرض نماز پڑھنے والا۔ (اسم فاعل ہے اِفْتَرَضَ یَفْتَرِضُ سے)۔
اَلْمُتَنَفِّلُ ، مراد ہے نفل نماز پڑھنے والا (اسم فاعل تَنَفَّلَ یَتَنَفَّلُ سے)۔
اَعَادَ : دُہرایا۔ لوٹایا۔

اس عبارت میں مندرجہ ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں :

۱۔ پاک شخص اس آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھے جسے مسلسل پیشاب آنے کی بیماری ہو
۲۔ پاک عورتیں استحاضہ والی عورت کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔
۳۔ قاری اَن پڑھ کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔
۴۔ لباس والا ننگے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔
۵۔ تیمم والا وضو والوں کی امامت کر سکتا ہے۔
۶۔ موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔
۷۔ کھڑا شخص بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔
۸۔ رُکوع و سجدہ کرنے والا اشاروں سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔
۹۔ فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔
۱۰۔ مقتدی کی فرض نماز امام کی فرض نماز سے مختلف ہو تو اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ (مثلاً مقتدی عصر کی نماز پڑھے جبکہ امام ظہر کی نماز پڑھے)۔
۱۱۔ نفل نماز والا فرض نماز والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔
۱۲۔ اگر کوئی شخص ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے پھر معلوم ہو کہ امام پاک نہ تھا تو مقتدی نماز دہرائے۔

ان مسائل کے پیچھے جو اُصول کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ذمے دار ہے (حدیث کے الفاظ ہیں: اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ)۔ معذور شخص، جسے بحالت مجبوری عُذر سمیت نماز پڑھنے کی شرع نے اجازت دی ہے تندرست مقتدیوں کی نماز کا ذمے دار نہیں بن سکتا۔ البتہ بدل کی صُورت مختلف ہے۔ جن امور میں شریعت نے بدل کو روا رکھا ہے ان میں بدل اپنے اصل کے قائم مقام ہے، بدل اسی طرح کافی ہے

---

[1] اَوْمٰی یُوْمِیْ اور اَوْمَاءَ یُوْمِیُٔ دونوں طرح آتا ہے۔

Marfat.com

جیسے اصل۔ مثلاً تیمم وضوء کا بدل ہے، بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا بدل ہے اس لیے بدل والا شخص امامت کر سکتا ہے مگر عذر والا نہیں۔

عبارت ۴

یَعْبَثُ: کھیلتا ہے۔ چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔

یُکْرَہُ: ناپسند کیا جاتا ہے۔ مکروہ ہے۔

یُقَلِّبُ: اُلٹ پلٹ کرتا ہے۔ (قَلَبَ یَقْلِبُ قَلْباً کا معنی بھی الٹنا پلٹنا ہے)۔

اَلْحَصٰی: کنکریاں۔ واحد اَلْحَصَاۃُ۔

یُسَوِّیْ: برابر کرتا ہے۔ ہموار کرتا ہے۔ (سَوّٰی ماضی)۔

لَا یُفَرْقِعُ: نہ چٹخائے۔ (فَرْقَعَ ماضی)

اَصَابِعُ: انگلیاں۔ واحد: اِصْبَعٌ، اُصْبُعٌ۔

لَا یُشَبِّکُ: انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے۔ پنجہ نہ بنائے۔ ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا۔

لَا یَتَخَصَّرُ: کوکھ پر ہاتھ نہ رکھے۔ (خَاصِرَۃٌ کوکھ)۔

لَا یَسْدُلُ: نہ لٹکائے۔ سَدْلِ ثوب سے مراد ہے کندھے پر چادر لٹکانا۔

لَا یَکُفُّ: نہ سمیٹے۔ مراد یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں اپنے کپڑے کو آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ کر نہ سنبھالے۔

لَا یَعْقِصُ: نہ گوندھے۔ شَعْرٌ: بال۔

لَا یَلْتَفِتُ: چہرہ نہ پھیرے۔ منہ نہ پھیرے۔ یَمِیْنًا: دائیں۔ شِمَالاً: بائیں۔

لَا یُقْعِیْ: گھٹنے کھڑے کر کے کولہوں پر نہ بیٹھے (اَقْعٰی ماضی۔ اِقْعَاءً مصدر)۔

اَلْکَلْبُ: کتا۔ لَا یَرُدُّ: نہ لوٹائے۔ جواب نہ دے۔

لَا یَتَرَبَّعُ: چوکڑی نہ مارے۔

لَا یَاْکُلُ: نہ کھائے۔ لَا یَشْرَبُ: نہ پیئے۔

مکروہاتِ نماز

اس عبارت میں وہ افعال بتائے گئے ہیں جن کو نماز کی حالت میں کرنا مکروہ ہے۔

مکروہاتِ نماز درج ذیل ہیں:

۱۔ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلنا۔

Marfat.com

۲۔ کنکریاں الٹ پلٹ کرنا۔ البتہ اگر سجدہ کرنے کی جگہ پر کنکریاں اس طرح بکھری پڑی ہوں کہ سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو نمازی کو چاہیے کہ ایک ہی دفعہ انہیں ٹھیک کر لے۔ بار بار انہیں نہ الٹ پلٹ کرے۔

۳۔ انگلیاں چٹخانا۔

۴۔ کوکھ پر ہاتھ رکھنا

۵۔ کپڑا کندھے پر لٹکانا اور کپڑے کو سمیٹ کر سنبھالنا۔

۶۔ اپنے بال گوندھنا۔

۷۔ دائیں بائیں چہرہ پھیرنا۔ (سینہ کو قبلہ کی طرف ہٹائے بغیر)۔

۸۔ کتے کی طرح کولھے زمین پر ٹکا کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنا۔

۹۔ زبان یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا۔

۱۰۔ بغیر عذر کے چوکڑی مارنا۔

۱۱۔ کھانا اور پینا۔

نماز اللہ کی عبادت ہے۔ نماز میں نمازی کی حالت مکمل خشوع وخضوع اور عاجزی کی ہونی چاہیے۔ حکم خداوندی ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرہ ۲: ۲۳۸)

اور اللہ کے لیے مکمل عاجز بنے ہوئے کھڑے ہوا کرو۔

لہذا تمام وہ افعال نماز کے دوران میں مکروہ ہیں جو خشوع وخضوع اور عاجزی کے منافی ہوں۔ دل میں خشوع ہو تو دیگر تمام اعضا بھی عاجز و ساکن ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر عضو سے عجز کا اظہار مطلوب ہے۔ ان افعال کی ممانعت میں متعدد احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔ پس نمازی کو نماز کے دوران ان افعال سے اجتناب کرنا چاہیے۔

عبارت ۵

سَبَقَ: غالب آنا۔ ہو جانا۔ سابق ہونا۔ آگے نکلنا۔ سبقت لینا۔

اَلْحَدَثُ: چھوٹی عمر والا۔ نیا۔ (فقہ) فقہی اصطلاح میں وہ حکمی نجاست جو وضو کرنے (یا تیمم کرنے یا بدن کو دھونے) سے دور ہو جائے۔

اِنْصَرَفَ: لوٹ گیا۔ واپس چلا گیا۔ پھر گیا۔

بَنٰى: بنیاد رکھی۔ بنا رکھی۔

اِسْتَخْلَفَ: نائب بنایا۔ قائم مقام بنایا۔ جانشین بنایا۔

Marfat.com

مَالَمْ یَتَکَلَّمْ : جب تک وہ بات نہ کرے۔ (اس میں مَا توقیتیہ ہے)۔
اَلْاِسْتِئْنَافُ : نئے سرے سے کرنا۔ (ماضی اِسْتَاْنَفَ مضارع یَسْتَاْنِفُ)۔
جُنَّ : وہ مجنون ہوگیا۔ اس کی عقل جاتی رہی۔
اُغْمِیَ عَلَیْہِ : وہ بے ہوش ہوگیا۔ قَہْقَہَ : زور سے ہنسا۔
سَاھِیًا : بھول کر کرنے والا۔ نادانستہ کرنے والا۔ (اسم فاعل ہے سَھَا یَسْھُوْ سَھْوًا سے)۔
عَامِدًا : جان بوجھ کر کرنے والا۔ عمدًا کرنے والا۔ تَعَمَّدَ : جان بوجھ کر کیا۔
بَطَلَتْ : باطل ہوگئی۔ مٹ گئی۔
یُنَافِیْ : منافی ہے۔ خلاف ہے۔ نفی کرتا ہے۔ (نافی ماضی مُنَافَاۃً مصدر)
تَمَّتْ : تمام ہوگئی۔ پوری ہوگئی۔ (تَمَّ یَتِمُّ تِمَّ وَ تَمَامًا)۔
مندرجہ بالا عبارت میں یہ مسائل بیان کیے گئے ہیں :

۱۔ اگر نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے نمازی جاکر دوبارہ وضو کرلے اور واپس آکر بقیہ نماز پڑھے۔
۲۔ اگر دورانِ نماز امام کا وضو ٹوٹ جائے تو امام کسی مقتدی کو اپنا نائب بناکر خود چلا جائے اور دوبارہ وضو کرے اور آکر بقیہ نماز پڑھے۔
۳۔ وضو ٹوٹنے کے بعد دوبارہ وضو کرکے نماز میں آنے تک اگر کسی سے بات نہ کرے تو وہ اپنی پہلی پڑھی ہوئی نماز پر بنا رکھ سکتا ہے یعنی صرف باقیماندہ نماز پڑھ لے، تاہم نئے سرے سے نماز کو پڑھنا افضل ہے۔ اور اگر وہ بات کرلے تو پھر نئے سرے سے نماز پڑھے۔
۴۔ اگر نماز کے دوران نیند آجائے اور احتلام ہوجائے یا مجنون ہوجائے یا بیہوش ہوجائے یا زور سے ہنس دے تو وضو اور نماز دونوں نئے سرے سے کرے۔ پہلا وضو اور پہلی نماز دونوں باطل ہوں گے۔
۵۔ اگر نماز کے دوران بھول کر یا عمدًا بات کرے تو نماز باطل ہوجائے گی۔
۶۔ اگر تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد وضو ٹوٹ جائے تو وہ وضو کرکے سلام کہے۔ اور اگر تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر وضو توڑے یا بات کرے یا کوئی ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔
تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے سے نماز کے تمام فرائض (ارکان) ادا ہوچکے اور صرف سلام کہنا رہ گیا جو واجب ہے۔ اگر از خود وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو

Marfat.com

کر کے پہلی نماز پر بنا رکھی جا سکتی ہے پس وہ دوبارہ وضو کر کے اس واجب کو پورا کرے لیکن اگر جان بوجھ کر وضو توڑے یا بات کرے یا نماز کے منافی کوئی عمل کرے تو وہ نماز سے باہر ہو گیا، اب پہلی نماز پر بناء نہیں رکھی جا سکتی اور نماز کا کوئی فرض اس کے ذمے باقی نہیں لہذا اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ تاہم اس نے سنت کی خلاف ورزی ضرور کی ہے اور اپنی نماز کو مسنون طریقے سے ختم نہیں کیا۔

عبارت ۶

اَلْمُتَیَمِّمُ : تیمم کرنے والا۔ الماء : پانی

بَطَلَتْ : باطل ہو گئی۔ مٹ گئی۔ مراد ہے نماز از سرِ نو پڑھنا ہو گی۔

مَاسِحًا : مسح کرنے والا۔ اِنْقَضَتْ : ختم ہو گئی۔ پوری ہو گئی۔

اِنْقَطَعَ : منقطع ہو گیا۔ ختم ہو گیا۔ خَلَعَ : اُتارا۔

خُفَّیْهِ : اس کے دو موزے۔ خُفٌّ سے تثنیہ خُفَّانِ / خُفَّیْنِ۔

عُرْیَانًا : ننگا۔ ثَوْبًا : کپڑا۔

مُوْمِیًا : اشارہ کرنے والا (اسم فاعل ہے، اَوْمیٰ یُوْمِیْ سے)۔

تَذَکَّرَ : یاد کیا۔ یاد آیا۔

اَحْدَثَ : حدث ہو گیا۔ بے وضو ہو گیا۔ نجاست حکمی لاحق ہو گئی۔

اِسْتَخْلَفَ : خلیفہ بنایا۔ نائب بنایا۔

طَلَعَتْ : طلوع ہوئی۔

اَلشَّمْسُ : سورج (عربی میں شمس کو مؤنث باندھتے ہیں)۔

اَلْجَبِیْرَۃ : پٹی۔ سَقَطَتْ : گر گئی۔

بُرْءٌ : تندرستی۔ بیماری وغیرہ سے نجات۔

مُسْتَحَاضَۃٌ : عورت جو حیض کی حالت میں ہو۔

بَرِئَتْ : ٹھیک ہو گئی۔ تندرست ہو گئی۔ بَرِئَ یَبْرَأُ بُرْءًا۔

تَمَّتْ : پوری ہو گئی۔ مکمل ہو گئی۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی اور از سرِ نو دوبارہ پڑھنا ہو گی جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز مکمل ہو جائے گی اور نمازی کے ذمے مزید کچھ نہ ہو گا:

۱۔ اگر تیمم کر کے نماز پڑھنے والا نماز کے دوران پانی دیکھ لے۔

۲۔ اگر اس نے موزوں پر مسح کیا ہوا اس کے مسح کی مدت ختم ہو جائے۔ (موزوں پر مسح

Marfat.com

کی مدت مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہے)

۳۔ صاحبِ عذر ہو اور عُذر جاتا رہے۔

۴۔ اپنے موزے تھوڑے عمل سے یعنی آہستہ آہستہ عمل سے اتار دے۔ (عمل کثیر سے تو ویسے ہی وہ نماز سے باہر ہو جاتا ہے)۔

۵۔ اَن پڑھ ہو اور کوئی سورت سیکھ لے۔

۶۔ ننگا ہو پھر اسے کپڑا مل جائے۔ ا

۷۔ اشاروں سے نماز پڑھنے والا ہو پھر اسے رکوع اور سجدہ کرنے کی قدرت حاصل ہو جائے۔

۸۔ اسے یاد آجائے کہ اس کے ذمّے اس سے پہلے ایک نماز واجب الادا ہے۔

۹۔ امام قاری کا وضو جاتا رہے اور وہ کسی اُمّی کو اپنا نائب بنا دے۔

۱۰۔ فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو جائے۔

۱۱۔ جمعہ کی نماز کے دوران عصر کی نماز کا وقت ہو جائے۔

۱۲۔ اس نے پٹّی پر مسح کیا ہو اور زخم ٹھیک ہونے سے پٹّی گر جائے۔

۱۳۔ وہ حالتِ حیض میں تھی پھر ٹھیک ہو گئی۔

مذکورہ بالا مسائل میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے موقف میں اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امامؒ صاحب کے نزدیک نمازی کا اپنے ارادہ وعمل سے نماز سے باہر آنا بھی نماز کے فرائض میں شامل ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ فرائض صلوٰۃ میں شامل نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ تشہّد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد بھی نمازی کے ذمّے ایک فریضہ باقی ہے (سلام کہہ کر نماز سے باہر آنا) اور اسی ساتویں فریضہ کو پورا کرنے سے پہلے ہی مذکورہ تیرہ صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آگئی اس لیے اس کی نماز باطل ہو گئی اور اب وہ نئے سرے سے نماز پڑھے گا۔ صاحبین کے موقف کے مطابق چونکہ نمازی کے تمام چھے کے چھے فرائض صلوٰۃ ادا ہو چکے اور کوئی فریضہ اس کے ذمّے باقی نہیں رہا اس لیے اس کی نماز مکمل ہو چکی۔

مسائل

بابُ الجماعۃ میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ جماعت کی حیثیت

جماعت سنّت مؤکدہ ہے۔ (احنفیہ کے ہاں سنّت مؤکدہ کی حیثیت واجب کی

Marfat.com

ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جماعت نہ فرضِ عین ہے اور نہ فرضِ کفایہ)

۲- امامت کا حق دار

نماز باجماعت میں امامت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو لوگوں میں سنت کا سب سے بڑا عالم ہو۔ اگر اس صفت میں لوگ (دو یا دو سے زیادہ آدمی) برابر ہوں تو ان میں سے قرآنِ حکیم کا جو سب سے بڑا قاری (بمعنی عالم) ہو۔ اگر اس میں بھی لوگ برابر ہوں تو پھر جو اُن میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اس صفت میں بھی اگر برابر ہوں تو پھر جو اُن میں سب سے زیادہ عمر والا ہو وہ سب سے زیادہ حق دار ہے امامت کرنے کا۔

۳- ان کی امامت مکروہ ہے

غلام، بدو (اَن پڑھ دیہاتی)، فاسق، نابینا اور ولد الزّنا (حرامی) کو امام بنانا مکروہ ہے۔ تاہم اگر یہ امامت کریں تو ان کی امامت میں نماز ہو جائے گی۔

۴- امام نماز کو طویل نہ کرے

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نماز کو لمبا نہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز باجماعت میں بوڑھے، کمزور اور بیمار مقتدی بھی ہوتے ہیں۔ طویل نماز ان کے لیے تکلیف کا موجب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا باجماعت نماز میں امام کو قدرے اختصار سے کام لینا چاہیے اور بالخصوص لمبی قراءت نہیں کرنی چاہیے۔

۵- عورتوں کی جماعت

تنہا عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر تنہا عورتیں باجماعت نماز پڑھیں تو امام عورت ان کے وسط میں کھڑی ہو جیسے ننگے لوگوں کی باجماعت نماز میں ہے۔

۶- امام کی جگہ

اگر مقتدی دو یا دو سے زیادہ ہوں تو امام ان کے آگے کھڑا ہو اور اگر مقتدی صرف ایک ہو تو امام اسے اپنے دائیں جانب کھڑا کرے۔

۷- عورت یا بچے کی امامت

مردوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورت یا بچے کی امامت میں نماز پڑھیں۔

۸- صف بندی

صف بندی اس ترتیب سے کی جائے کہ پہلے مرد صف بنائیں پھر بچے پھر ہیجڑے اور پھر عورتیں۔

Marfat.com

۹۔ مرد کے ساتھ عورت

اگر مرد کے پہلو میں عورت کھڑی ہو جائے اور وہ دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۰۔ عورتوں کا جماعت میں آنا

مردوں کی نماز باجماعت میں عورتوں کا آنا مکروہ ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں مردوں کی جماعت میں آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بوڑھی عورت پانچوں نمازوں میں مردوں کی جماعت میں آسکتی ہے۔

۱۱۔ کون کس کے پیچھے نماز نہ پڑھے

(۱) طہارت والا (باوضو شخص) اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے جسے مسلسل پیشاب آنے کا عارضہ ہو۔

(۲) طہارت والی عورتیں استحاضہ والی کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔

(۳) قاری (یعنی عالم)، اُمّی (ان پڑھ) کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

(۴) لباس والا ننگے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

(۵) رکوع و سجدہ کرنے والا اشاروں سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

(۶) فرض نماز والا اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے جو اس سے مختلف فرض نماز پڑھے۔

(۷) فرض نماز والا نفل نماز والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

(۸) اگر نماز پڑھ لینے کے بعد معلوم ہو کہ امام طہارت سے نہ تھا تو نماز دہرائی جائے۔

۱۲۔ کون کس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے

(۱) تیمم والا وضو والوں کی امامت کر سکتا ہے۔ وضو والے تیمم والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔

(۳) کھڑے ہو کر پڑھنے والا بیٹھ کر پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۴) نفل نمازوں والا فرض نماز والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

۱۳۔ مکروہات صلوٰۃ

نمازی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ نماز کی حالت میں:

(۱) اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے۔

Marfat.com

(۲) کنکریاں الٹ پلٹ کرے۔ اگر کنکریوں پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اسے چاہیے کہ انہیں ایک ہی بار درست کر لے۔

(۳) اپنی انگلیاں چٹخائے۔

(۴) انگلیاں انگلیوں میں ڈالے (یعنی پنجہ بنائے)۔

(۵) کوکھ پر ہاتھ رکھے۔

(۶) کندھے سے کپڑا لٹکائے۔

(۷) کپڑا اسمیٹ کر سنبھالے۔ کپڑا چُنے۔

(۸) بال گوندھے۔

(۹) دائیں بائیں گردن موڑے (سینہ کو قبلہ کی طرف سے ہٹائے بغیر۔ گردن موڑے بغیر دائیں بائیں دیکھنا مکروہ نہیں ہے)۔

(۱۰) کُتے کی طرح بیٹھے۔ (دونوں چوتڑ زمین پر رکھ دے اور گھٹنے کھڑے کر دے)۔

(۱۱) زبان یا ہاتھ سے سلام کا جواب دینا۔

(۱۲) بغیر عذر کے چوکڑی مارنا۔

(۱۳) کھانا پینا۔

۱۴۔ وضو ٹوٹ جانا

نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو نمازی کو چاہیے کہ جا کر دوبارہ وضو کرے۔ پھر آکر اپنی پہلی ادا شدہ نماز پر بنا رکھ کر باقی ماندہ نماز پڑھے۔ اگر امام کا وضو جاتا رہے تو وہ کسی نمازی کو اپنا نائب بنائے، دوبارہ وضو کرے اور اپنی پہلی ادا شدہ نماز پر بنا رکھ کر باقی ماندہ نماز ادا کرے۔ پہلی نماز پر بنا رکھنے کی اجازت اس وقت تک ہے جب تک وہ بات نہ کرے (بات کرلے تو پھر از سرِ نو نماز پڑھے)۔ تاہم نئے سرے سے نماز پڑھنا افضل ہے۔

اگر بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد وضو جاتا رہے تو وہ وضو کرے اور سلام کہے اور بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد اگر جان بوجھ کر وضو توڑے یا بات کرے یا نماز کے منافی کوئی کام کرے تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔

اگر نماز کے دوران سو جائے اور پھر احتلام ہو جائے یا بے ہوش ہو جائے یا زور سے ہنس دے تو وہ وضو دوبارہ کرے اور نماز بھی دوبارہ از سرِ نو پڑھے۔

اگر نماز میں بھول کر یا جان بوجھ کر بات کرے تو اس کی نماز باطل ہو گئی (یعنی از سرِ نو دوبارہ پڑھنا ہو گی)۔

Marfat.com

۱۵۔ بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد جن صُورتوں میں نماز مکمل ہو گی۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فرائضِ صلوٰۃ چھے ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نمازی کا اپنے ارادہ وعمل سے نماز سے باہر آنا نماز کا ساتواں فریضہ ہے۔ اس اختلاف کی بناء پر تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد درج ذیل صورتوں میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہو گی جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز مکمل ہو جائے گی۔ (کیونکہ نمازی چھے کے چھے فرائضِ صلوٰۃ ادا کر چکا ہے اور اس کے ذمے اب کوئی فریضہ باقی نہیں رہا۔ جب تمام فرائضِ صلوٰۃ ادا ہو گئے تو نماز ادا ہو گئی۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ ابھی ایک فریضۂ صلوٰۃ یعنی نمازی کا اپنے ارادہ وعمل سے باہر آنا باقی ہے لہٰذا اس کی نماز باطل ہو گئی)۔

(۱) اگر تیمم کرنے والا پانی دیکھ لے۔

(۲) موزوں پر مسح کرنے والے کی مدتِ مسح ختم ہو جائے (مدتِ مسح مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں)۔

(۳) اگر وہ صاحبِ عذر ہو اور عذر جاتا رہے۔

(۴) تھوڑے عمل سے اپنے موزے اتارے۔

(۵) اُمّی ہو اور کوئی سورت سیکھ لے۔

(۶) ننگا ہو اور اسے کپڑا مل جائے۔

(۷) اشاروں سے نماز پڑھنے والا ہو پھر اسے رکوع وسجدہ پر قدرت حاصل ہو جائے۔

(۸) اسے یاد آجائے کہ اس سے پہلے اس کے ذمے ایک نماز ہے (یعنی اسے اپنی فوت شدہ نماز یاد آجائے)۔

(۹) امام قاری وضو ٹوٹنے پر کسی اُمّی کو نائب بنالے۔

(۱۰) فجر کی نماز کے دوران میں سورج طلوع ہو جائے۔

(۱۱) جمعہ کی نماز کے دوران میں عصر کا وقت ہو جائے۔

(۱۲) پٹی پر مسح کیا ہو اور زخم ٹھیک ہونے سے پٹی گر جائے۔

(۱۳) استحاضہ والی عورت ٹھیک ہو جائے۔

اگر یہ ساری صورتیں بقدرِ تشہد بیٹھنے سے پہلے پیدا ہوں تو تینوں ائمہ کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

(فوت شدہ نمازیں ادا کرنے کا باب)

وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ قَضَاهَا إِذَا ذَكَرَهَا

اور جس کی کوئی نماز فوت ہو جائے تو جب یاد آجائے وہ اسے قضا کرے

وَقَدَّمَهَا عَلٰى صَلٰوةِ الْوَقْتِ إِلَّا أَنْ يَّخَافَ فَوْتَ صَلٰوةِ الْوَقْتِ

اور اسے وقت کی نماز پر مقدم کرے۔ ہاں! اگر اسے وقت کی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو

فَيُقَدِّمُ صَلٰوةَ الْوَقْتِ عَلَى الْفَائِتَةِ ثُمَّ يَقْضِيْهَا

تو وہ وقت کی نماز کو فوت ہونے والی نماز پر مقدم کرے پھر اسے قضا کرے

وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا

اور جس کی کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ انہیں اسی ترتیب سے قضا کرے جس سے

وَجَبَتْ فِي الْأَصْلِ إِلَّا أَنْ تَزِيْدَ الْفَوَائِتُ عَلٰى خَمْسِ صَلَوَاتٍ

وہ اصل میں فرض تھیں البتہ اگر فوت ہونے والی نمازیں پانچ نمازوں سے زیادہ ہوں

فَيَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ فِيْهَا

تو ان میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے

الفاظ کے معانی

قَضَاءٌ: پورا کرنا۔ ادا کرنا۔ انجام دینا۔ (قَضٰى ماضی، يَقْضِيْ مضارع، قَضَاءٌ مصدر)۔

اَلْفَوَائِتُ: فوت ہونے والیاں۔ جمع ہے فَائِتَةٌ کی جو اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے فَاتَ يَفُوْتُ فَوْتًا سے۔ فَوْتًا کا معنی ہے چھوٹ جانا، چلے جانا۔ فَاتَتْ چلی گئی۔

قَدَّمَ: آگے کیا۔ مقدم کیا۔ پہلے کیا۔

يَخَافُ: ڈرتا ہے۔ خَافَ ماضی ڈرا، خَوْفًا مصدر۔

Marfat.com

رَتَّبَ : مرتب کیا۔ ترتیب دیا۔ وَجَبَتْ : واجب ہوئی۔ فرض ہوئی۔
تَزِیْدُ : زیادہ ہو۔ بڑھے۔ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے زَادَ یَزِیْدُ سے۔
یَسْقُطُ : گر جائے گا۔ ساقط ہو جائے گا۔ ذمّے نہ رہے گا۔ (سَقَطَ ماضی)۔

مسائل

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ میں فوت ہونے والی نمازوں کے مسائل بیان کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ فوت ہونے والی نماز یاد آجائے تو اسے قضا کرنا فرض ہے۔

۲۔ فوت ہونے والی نماز کو پہلے پڑھا جائے اور وقت کی نماز کو بعد میں۔ البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگر فوت ہونے والی نماز پہلے پڑھی تو وقت کی نماز فوت ہو جائے گی تو وقت کی نماز کو مقدم کرلے اور فوت ہونے والی نماز کو بعد میں پڑھ لے۔

۳۔ جس شخص کی کئی نمازیں فوت ہو گئی ہوں وہ انہیں اسی ترتیب سے قضا کرے جس ترتیب سے اصل میں واجب تھیں (مثلاً پہلے فجر کی، پھر ظہر کی ... وغیرہ)۔

۴۔ اگر فوت ہونے والی نمازوں کی تعداد پانچ سے زیادہ ہو تو پھر ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ اس صورت میں بغیر ترتیب کے ہی جس طرح چاہے فوت ہونے والی نمازوں کو قضا کرے۔

Marfat.com

بَابُ الْاَوْقَاتِ الَّتِیْ تُکْرَہُ فِیْھَا الصَّلٰوۃُ

(ان اوقات کا باب جن میں نماز مکروہ ہے)

لَاتَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِھَا

سورج کے طلوع اور اس کے غروب کے وقت نماز (پڑھنا) جائز نہیں

اِلَّا عَصْرَ یَوْمِہٖ وَلَا عِنْدَ قِیَامِھَا فِی الظَّھِیْرَۃِ

ہاں! اس دن کی عصر جائز ہے اور نہ دوپہر میں سورج کے قیام کے وقت جائز ہے

وَلَا یُصَلِّیْ عَلٰی جَنَازَۃٍ وَلَا یَسْجُدُ لِلتِّلَاوَۃِ

اور (ان وقتوں میں) نہ نماز جنازہ پڑھے اور نہ ہی سجدۂ تلاوت کرے

وَیُکْرَہُ اَنْ یَّتَنَفَّلَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ

اور نمازِ فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے،

وَبَعْدَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ

نیز عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک (نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے)۔

وَلَا بَأْسَ بِاَنْ یُّصَلِّیَ فِیْ ھٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ الْفَوَائِتَ

اور ان دو وقتوں میں فوت ہونے والی نمازیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں

وَیُکْرَہُ اَنْ یَّتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَکْثَرَ مِنْ رَّکْعَتَیِ الْفَجْرِ

اور طلوعِ فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں (یعنی دو سنتوں) سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ ہے

وَلَا یَتَنَفَّلُ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

اور (نمازِ) مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے

Marfat.com

الفاظ کے معانی

لَا تَجُوْزُ: جائز نہیں۔ ماضی جَازَ مضارع یَجُوْزُ۔ تَجُوْزُ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے کیونکہ اس فعل کا فاعل الصَّلٰوۃُ مؤنث ہے۔

اَلظَّهِيْرَةُ: دوپہر۔ نصف النہار کا وقت۔ ظہر۔

قِيَامُهَا فِي الظَّهِيْرَةِ: سورج کا ظہیرہ میں ٹھہرنا۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت ہے۔

يُكْرَهُ: ناپسند کیا جاتا ہے۔ مکروہ ہے۔ کَرِہَ ماضی یَکْرَہُ مضارع۔ یُکْرَہُ مضارع مجہول۔

يَتَنَفَّلُ: نفل نماز پڑھتا ہے۔ ماضی تَنَفَّلَ۔

لَا بَأْسَ: کوئی حرج نہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

اَلْفَوَائِتُ: فوت ہونے والیاں۔ جمع ہے اَلْفَائِتَةُ کی۔

اَكْثَرَ: زائد۔ زیادہ۔

رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ: فجر کی دو رکعتیں یعنی دو سنتیں۔ اصل میں رَکْعَتَیْنِ تھا۔

مسائل

اس باب میں وہ اوقات بیان کیے گئے ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ وہ اوقات جن میں نماز مطلقاً ممنوع ہے

تین اوقات ایسے ہیں جن میں کسی قسم کی نماز نہیں ہوسکتی اور وہ اوقات یہ ہیں:

(۱) طلوعِ آفتاب کا وقت (۲) غروبِ آفتاب کا وقت

(۳) دوپہر کا وقت یعنی جس وقت سورج بالکل نصف النہار میں ہوتا ہے۔

(یہ تین اوقات وہ ہیں کہ جن میں آگ اور سورج کی پوجا کرنے والے مشرک بطورِ خاص عبادت کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ مشابہت سے بچنے کے لیے ان اوقات میں کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور حدیث میں ان اوقات میں نماز پڑھنے کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے)

۲۔ وہ اوقات جن میں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

دو وقت ایسے ہیں کہ جن میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ان میں نفل کے سوا دیگر نمازیں مثلاً فوت ہونے والی نماز کی قضا کرنا، نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت جائز ہیں۔ یہ دو وقت ہیں:

(۱) فجر کی نماز کے ابتدائی وقت سے لے کر طلوعِ آفتاب تک۔

(۲) عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک۔

(ان اوقات میں نفل پڑھنے کو مکروہ اس لیے قرار دیا گیا ہے تاکہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقت تنگ نہ پڑ جائے)

Marfat.com

بَابُ السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ

اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ

نماز میں سنت یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد دو رکعت پڑھے

وَاَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَاَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ

اور ظہر سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعتیں اور عصر سے پہلے چار رکعتیں

وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

اور اگر چاہے تو دو رکعتیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں

وَاَرْبَعًا قَبْلَ الْعِشَاءِ وَاَرْبَعًا بَعْدَهَا وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ [له]

اور عشاء سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں

وَنَوَافِلُ النَّهَارِ اِنْ شَاءَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَّاحِدَةٍ

اور دن کے نفلوں کو اگر چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے

وَاِنْ شَاءَ اَرْبَعًا وَّتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلٰى ذٰلِكَ فَاَمَّا نَوَافِلُ اللَّيْلِ

اور چاہے تو چار رکعت پڑھے اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ رہے رات کے نفل

فَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ اِنْ صَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ بِتَسْلِيْمَةٍ وَّاحِدَةٍ جَازَ

تو امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ اگر آٹھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے

وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ

اور اس پر زیادتی مکروہ ہے اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا قول ہے کہ

Marfat.com

لَا يَزِيْدُ بِاللَّيْلِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ۔[۲]

رات کو ایک سلام کے ساتھ دو رکعتوں سے زیادہ نہ کرے

وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرَائِضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ

اور فرضوں میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے

وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْاُخْرَيَيْنِ اِنْ شَاءَ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ

اور پچھلی دو رکعتوں میں اسے (یعنی نمازی کو) اختیار ہے اگر چاہے تو سورہ فاتحہ پڑھے

وَاِنْ شَاءَ سَكَتَ وَاِنْ شَاءَ سَبَّحَ وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ

اور اگر چاہے تو خاموش رہے اور چاہے تو تسبیح کرے۔ اور قراءت فرض ہے

فِيْ جَمِيْعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَجَمِيْعِ الْوِتْرِ[۳]

نفل کی سب رکعتوں میں اور وتر کی سب رکعتوں میں

وَمَنْ دَخَلَ فِيْ صَلٰوةِ النَّفْلِ ثُمَّ اَفْسَدَهَا قَضَاهَا

اور جس نے نفل نماز شروع کی پھر اسے فاسد کر دیا وہ اسے قضا کرے

فَاِنْ صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَقَعَدَ فِي الْاُوْلَيَيْنِ

پھر اگر اس نے چار رکعتیں پڑھیں اور پہلی دو رکعتوں میں قعدہ کیا

ثُمَّ اَفْسَدَ الْاُخْرَيَيْنِ قَضٰى رَكْعَتَيْنِ۔[۴]

پھر پچھلی دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو وہ دو رکعتیں قضا کرے

وَيُصَلِّي النَّافِلَةَ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ

اور قیام پر قدرت کے باوجود نفل بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے

وَاِنِ افْتَتَحَهَا قَائِمًا ثُمَّ قَعَدَ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

اور اگر نفل کھڑے ہو کر شروع کیے پھر بیٹھ گیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے

Marfat.com

وَقَالَا لَا يَجُوْزُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ ۵ وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ

اور صاحبین نے کہا عذر کے بغیر جائز نہیں اور جو شہر سے باہر ہو

يَتَنَفَّلُ عَلٰى دَابَّتِهٖ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ يُوْمِيُ اِيْمَاءً ۶

وہ اپنی سواری پر اسی سمت نفل پڑھ لے جس سمت بھی سواری کا رُخ ہو اور اشارہ کرے

تشریحات

عبارت ۱

اَلسُّنَّۃُ : (جمع اَلسُّنَنُ) - یہاں اس سے مراد فرض نماز کے علاوہ وہ نفل رکعتیں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرمایا کرتے تھے۔ جن نوافل کو حضورؐ نے اکثر ادا فرمایا وہ سنت مؤکدہ ہیں، جنہیں کبھی کبھی ادا فرمایا وہ مستحب ہیں۔

اَلنَّوَافِلُ : (واحد اَلنَّافِلَۃُ) لفظی معنی فرض، حصہ یا حق سے زائد۔ یہاں ان سے مراد فرض نماز پر زائد نمازیں ہیں۔

نمازیں سنت کی تفصیل اس طرح ہے :

۱- فجر کی نماز کی دو رکعت فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں - یہ طلوعِ فجر کے بعد پڑھی جائیں۔ یہ سنتیں بالاتفاق سب سے افضل ہیں اور احادیث میں ان کی بہت تاکید آئی ہے صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کبھی ترک نہیں کیا نہ سفر میں اور نہ حضر میں اور آپؐ سنت الفجر سے بڑھ کر بحت نگہداشت کسی نفل نماز کی نہیں فرماتے تھے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے، حضورؐ نے فرمایا، تم ان کو نہ چھوڑنا خواہ سواروں کے گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔ کوئی سنت جب وقت سے پہلے جاتی رہے تو اس کی قضا نہیں سوائے سنت فجر کے کہ اگر مع فرض کے فوت ہوں تو بعد طلوع آفتاب زوال تک فرض کے ساتھ قضا کرے۔ اگر فرض کے بعد فوت ہوں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک قضا نہیں جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک قضا ہے۔

۲- ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعتیں اور فرض نماز کے بعد دو رکعتیں۔ یہ دونوں (یعنی پہلے چار اور بعد میں دو) سنت مؤکدہ ہیں۔ اگر جماعت کی وجہ سے پہلے والی

Marfat.com

چار رکعتیں رہ جائیں تو فرض نماز کے بعد دوگانہ سے پہلے پڑھ لے۔

۳۔ عصر سے پہلے چار رکعتیں۔ یہ سنت غیر مؤکدہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی دو رکعتیں۔ اسی لیے یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اگر چاہے تو دو رکعت پڑھ لے۔

۴۔ مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعتیں۔ یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

۵۔ اور عشاء کی فرض نماز سے پہلے چار رکعتیں۔ یہ مستحب ہیں۔ اور عشاء کی فرض نماز کے بعد چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں۔ یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

نماز پنجگانہ میں بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور اس مسئلے کی اصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے: مَنْ ثَابَرَ عَلٰی ثِنْتَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ "جس نے دن اور رات میں بارہ رکعتوں پر مواظبت کی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دے گا" اور ان بارہ رکعتوں کی تفصیل صحیح مسلم، ابوداؤد و ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح ہے: چار رکعت قبل ظہر اور دو رکعات بعد ظہر، دو رکعتیں بعد مغرب، دو رکعتیں بعد عشاء اور دو رکعات قبل فجر۔

عبارت ۲

نَوَافِل: واحد نَافِلَۃٌ فرض پر زائد نماز۔

اَلنَّہَار: دن۔ اَللَّیْلُ: رات۔

تُسَلِّمُہٗ: مراد ہے نماز سے باہر نکلنے کے لیے سلام کہنا۔

تُکْرَہُ: مضارع مجہول واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ ناپسند کی جاتی ہے یکروہ ہے۔

اَلزِّیَادَۃُ: اضافہ۔ زیادتی۔ ثَمَانِی: آٹھ۔

دن کے نوافل ایک ہی سلام کے ساتھ دو دو رکعت اور چار چار رکعت کرکے پڑھے جا سکتے ہیں۔ چار رکعتوں سے زیادہ رکعتیں مکروہ ہیں۔ رات کے نوافل کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر آٹھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اور اس پر زیادتی مکروہ ہے جبکہ صاحبینؒ کا قول ہے کہ ایک سلام کے ساتھ دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے رات کو آٹھ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنا بھی ثابت ہے اور چھ رکعات بھی۔ تاہم افضل یہ ہے کہ نفل دو دو رکعت کرکے پڑھے جائیں۔ کتب حدیث (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ) میں حضورؐ کا ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ وَالنَّہَارِ مَثْنٰی مَثْنٰی "رات اور دن کی نفل نماز دو دو رکعت ہے" ایک اور حدیث میں ہے: اَلصَّلٰوۃُ مَثْنٰی مَثْنٰی تَشَہُّدٌ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ

Marfat.com

"نفل نماز دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت پر تشہد ہے۔"

عبارت ۳

اَلْاُوْلَيَيْنِ: تثنیہ ہے اَلْاُوْلٰی کا، پہلی دو۔ (اوّل کا مؤنث اُوْلٰی)۔

مُخَيَّرٌ: جسے اختیار دیا گیا۔ اسم مفعول ہے خَيَّرَ يُخَيِّرُ سے۔

اَلْاُخْرَيَيْنِ: تثنیہ ہے اَلْاُخْرٰی کا، پچھلی دو (آخر کا مؤنث اُخْرٰی)

سَكَتَ: خاموش ہوا۔ سَبَّحَ: تسبیح کی۔ سبحان اللہ کہا۔

اس عبارت میں نماز میں قراءت سے متعلق درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) فرض نمازوں میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت واجب ہے اور پچھلی دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے سورہ فاتحہ پڑھے اور چاہے خاموش رہے اور چاہے تسبیح کرے۔

(۲) نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں قراءت واجب ہے۔

عبارت ۴

دَخَلَ: داخل ہوا۔ اَفْسَدَ: فاسد کر دیا۔ مراد ہے نماز توڑ دی۔

قَضٰی: پورا کیا۔ ادا کیا۔ قَعَدَ: بیٹھا۔ قعدہ کیا۔

نفل نماز شروع کر لینے کے بعد اس کو پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ اگر نمازی نفل نماز شروع کرے اور پھر اسے توڑ دے تو اسے قضا کرے۔ اور اگر چار نفل رکعتوں کی نیت کی پہلی دو رکعتوں پر قعدہ کیا پھر پچھلی دو کو توڑ دیا تو وہ دو رکعتیں قضا کرے۔ پہلی دو رکعتوں کی قضا نہیں کیونکہ قعدہ سے وہ مکمل ہو گئیں اور صرف پچھلی دو رکعتوں کی قضا ہے، یہ اس لیے ہے کہ نفل کی ہر دو رکعات ایک کامل نماز ہیں کیونکہ نماز کی کم از کم مقدار دو رکعتیں ہیں۔ اسی لیے حنفیہ نفل کی تیسری رکعت کو بھی ثنا سے شروع کرنے کو اور ہر قعدہ میں تشہد کے ساتھ درود اور دعا پڑھنے کو کہتے ہیں۔

عبارت ۵

قَاعِدًا: بیٹھ کر۔ قَاعِد اسم فاعل ہے قَعَدَ يَقْعُدُ سے۔

اِفْتَتَحَ: شروع کیا قَائِمًا: کھڑے ہو کر۔

قَالَا: ان دو نے کہا۔ مراد ہے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا۔

لَا يَجُوْزُ: جائز نہیں۔ جَازَ ماضی۔

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے خواہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قدرت رکھتا ہو۔

Marfat.com

یعنی بغیر عذر کے بھی نفل نماز بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے (جبکہ دوسری نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں)۔

اگر نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنی شروع کرے پھر بیٹھ جائے تو یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بغیر عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں۔

عبارت ۶

اَلْمِصْرُ : شہر   یَتَنَفَّلُ : نفل پڑھے

دَابَّۃٌ : سواری۔   تَوَجَّہَتْ : منہ کیا۔ متوجہ ہوئی۔

یُوْمِیْ : اشارہ کرتا ہے۔ اِیْمَاءً مصدر ہے اشارہ کرنا۔

اگر شہر سے باہر سواری پر ہو تو اسی حالت میں جدھر بھی سواری کا رخ ہو اشاروں سے نفل پڑھ لے۔ اس حال میں قبلہ رُخ ہونا ضروری نہیں۔

مسائل

بَابُ السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ سنت

نماز میں سنت کی رکعتوں کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) فجر کی نماز میں طلوعِ فجر کے بعد اور فرض نماز سے پہلے دو رکعت۔ یہ سنّت مؤکّدہ ہے اور حدیث شریف میں اس کی سب سے زیادہ تاکید آئی ہے۔

(۲) ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعات اور فرض نماز کے بعد دو رکعات۔ یہ دونوں سنّت مؤکدہ ہیں۔

(۳) عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعتیں یا دو رکعتیں۔ یہ مستحب ہیں۔

(۴) مغرب کی فرض نمازوں کے بعد دو رکعتیں۔ یہ سنّت مؤکّدہ ہے۔

(۵) عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد چار یا دو رکعتیں۔ پہلی چار رکعتیں مستحب ہیں اور بعد کی دو رکعتیں سنّت مؤکدہ ہیں۔

۲۔ نوافل

(۱) دن کے نوافل اگر چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں اور چاہے چار رکعتیں پڑھ لے۔ چار سے زیادہ رکعتیں مکروہ ہیں۔

(۲) رات کے نوافل کے بارے میں ...حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ آٹھ

Marfat.com

رکعتیں پڑھنا جائز ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا کہنا ہے کہ رات کو ایک سلام کے ساتھ دو رکعتوں سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں۔

۳۔ قراءت

(۱) فرض نمازوں میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت واجب ہے اور آخری دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے سورہ فاتحہ پڑھ لے اور چاہے خاموش رہے اور چاہے تسبیح کرے۔

(۲) نفل اور وتر کی سب رکعتوں میں قراءت واجب ہے۔

۴۔ نوافل کی قضا

(۱) نفل شروع کرنے تک نفل ہیں اور جب شروع کرے تو جتنی رکعتوں کی نیت کی ان کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر نفل نماز شروع کرنے کے بعد اسے توڑ دے تو اسے قضا کرے۔

(۲) اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور پہلی دو رکعتوں کے بعد قعدہ کیا پھر پچھلی دو رکعتوں میں نماز توڑ دی تو وہ دو رکعتیں قضا کرے۔ ہر دو نفل نماز اپنی جگہ مکمل نماز ہے۔ قعدہ نماز کے فرائض میں سے آخری فریضہ ہے لہٰذا دو رکعتوں پر قعدہ کرنے کے بعد دو رکعت نفل نماز مکمل ہو گئی اس لیے صرف آخری دو رکعت کی قضا واجب ہو گی۔

(۳) نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت رکھنے کے باوجود بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے۔ اگر نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنا شروع کرے اور پھر بیٹھ جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بغیر عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں۔

(۴) شہر سے باہر سواری پر بیٹھ کر جس سمت بھی سواری کا رخ ہو اسی سمت منہ کر کے اشاروں سے نفل پڑھ لے (یعنی سواری کا قبلہ رُخ ہونا ضروری نہیں)۔

Marfat.com

بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ

سُجُوْدُ السَّهْوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ

سجدہ سہو (نماز میں) زیادتی یا کمی کی صورت میں واجب ہے

بَعْدَ السَّلَامِ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ [۱]

سلام کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام کہے

وَيَلْزَمُهُ سُجُوْدُ السَّهْوِ إِذَا زَادَ فِي صَلٰوتِهِ فِعْلًا مِنْ جِنْسِهَا

اور اس کو سجدۂ سہو لازم ہے جب وہ اپنی نماز میں اس کی جنس سے کوئی فعل بڑھا دے

لَيْسَ مِنْهَا أَوْ تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُوْنًا أَوْ تَرَكَ

جو اس (نماز) میں سے نہیں یا کوئی مسنون فعل چھوڑ دے یا چھوڑ دے

قِرَاءَةَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَوِ الْقُنُوْتَ أَوِ التَّشَهُّدَ أَوْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ

سورہ فاتحہ کی قراءت یا دعائے قنوت یا تشہد یا عیدین کی تکبیریں

أَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ فِيْمَا يُخَافَتُ أَوْ خَافَتَ فِيْمَا يُجْهَرُ [۲]

یا امام سری نماز میں جہر کرے یا جہری نماز میں پوشیدہ پڑھے

وَسَهْوُ الْإِمَامِ يُوْجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُوْدَ فَإِنْ

اور امام کا سہو مقتدی پر سجدہ واجب کر دیتا ہے پھر اگر

لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ فَإِنْ سَهَا الْمُؤْتَمُّ

امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے اور اگر مقتدی سہو کرے

Marfat.com

لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُودُ

تو امام پر اور مقتدی پر سجدہ واجب نہیں ہوتا

وَمَنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُولَىٰ ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ

اور جو پہلے قعدہ کو بھول جائے پھر اسے یاد آئے جبکہ وہ

إِلَىٰ حَالِ الْقُعُودِ أَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَتَشَهَّدَ

قعود کی حالت کے زیادہ قریب ہو تو وہ لوٹ آئے اور بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے

وَإِنْ كَانَ إِلَىٰ حَالِ الْقِيَامِ أَقْرَبَ لَمْ يَعُدْ وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ

اور اگر وہ قیام کی حالت کے زیادہ قریب ہو تو نہ لوٹے اور سجدہ سہو کرے (آخر میں)

وَإِنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ فَقَامَ إِلَى الْخَامِسَةِ

اور اگر آخری قعدہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا

رَجَعَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ

تو جب تک سجدہ نہ کیا ہو قعدہ کی طرف واپس آجائے اور پانچویں رکعت منسوخ کردے

وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهُ

اور سجدۂ سہو کرے اور اگر وہ پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کردے تو اس کا فرض جاتا رہا

وَتَحَوَّلَتْ صَلَاتُهُ نَفْلًا وَكَانَ عَلَيْهِ أَنْ يَضُمَّ إِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً

اور اس کی نماز نفل میں بدل گئی اور اس پر لازم ہے کہ اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے

وَإِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ يَظُنُّهَا الْقَعْدَةَ الْأُولَىٰ

اور اگر وہ چوتھی رکعت میں بیٹھا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور سلام نہ کہی یہ گمان کرکے کہ یہ پہلا قعدہ ہے

عَادَ إِلَى الْقُعُودِ مَا لَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ

تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے قعود کی طرف لوٹ آئے اور سلام کہے اور سجدۂ سہو کرے

Marfat.com

وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ ضَمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً اُخْرٰى

اور اگر وہ پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کر دے تو اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملالے

وَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهٗ وَالرَّكْعَتَانِ نَافِلَةٌ ؎۴

اور اس کی نماز پوری ہو چکی اور دو رکعتیں نفل ہیں

وَمَنْ شَكَّ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ اَثَلٰثًا صَلّٰى اَمْ اَرْبَعًا

اور جسے اپنی نماز میں شک ہو جائے اور نہ جانے کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار

وَذٰلِكَ اَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهٗ اِسْتَاْنَفَ الصَّلٰوةَ فَاِنْ

اور یہ پہلے پہل اسے پیش آیا ہو تو نماز از سر نو پڑھے اور اگر

كَانَ يَعْرِضُ لَهٗ كَثِيْرًا بَنٰى عَلٰى غَالِبِ ظَنِّهٖ اِنْ كَانَ لَهٗ ظَنٌّ

یہ اسے بکثرت پیش آتا ہو تو اپنے غالب ظن پر بنا رکھے بشرطیکہ اس کا کوئی ظن ہو

وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ ظَنٌّ بَنٰى عَلَى الْيَقِيْنِ ؎۵

اور اگر اس کا کوئی ظن نہ ہو تو یقین پر بنا رکھے۔

تشریحات

عبارت ؎۱

اَلسَّهْوُ: غفلت۔ سَهَا ماضی، يَسْهُوْ مضارع، سَهْوًا اور سُهُوًّا مصدر۔ سَهَا فِي الصَّلٰوةِ، نمازی کوئی چیز بھول گیا۔ سَهَا عَنِ الصَّلٰوةِ، ترک کر دیا اور نہ پڑھا۔ اس سے اسم فاعل سَاهٍ (ساھی) سَهِيَ يَسْهٰى سَهْوًا کا بھی یہی معنی ہے۔ اَلزِّيَادَةُ: زیادتی۔ اضافہ۔ اَلنُّقْصَانُ: کمی۔

نماز میں کمی بیشی پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کہنے کے بعد نمازی دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام لے۔

عبارت ؎۲

يَلْزَمُهٗ: اس پر لازم ہے۔ اس پر واجب ہے۔ لَزِمَ ماضی۔ لُزُوْمًا مصدر۔

Marfat.com

جَھَرَ: اونچی آواز میں بولا۔ نماز میں جہر سے مراد اونچی آواز میں قراءت کرنا۔ یَجْھَرُ مضارع اور یُجْھَرُ مضارع مجہول، صیغہ واحد مذکر غائب۔
خَافَتَ: آواز کو پست کیا۔ نماز میں چپکے قراءت کرنا۔ یُخَافِتُ مضارع ہے۔ یُخَافَتُ مضارع مجہول۔

نمازی پر درج ذیل صورتوں میں سجدہ سہو لازم ہے:

۱۔ نماز میں کسی ایسے فعل کا اضافہ جو ہو تو جنس نماز سے لیکن جو نماز پڑھ رہا ہے اس کا حصہ نہ ہو۔ (کسی ایسے فعل کا اضافہ کرنے سے جو جنس نماز سے نہ ہو نماز ٹوٹ جاتی ہے، اس پر سجدۂ سہو واجب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔
۲۔ کسی مسنون فعل کو چھوڑ دے۔
۳۔ سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔
۴۔ دعائے قنوت نہ پڑھے۔
۵۔ تشہد نہ پڑھے۔
۶۔ عیدین کی تکبیریں نہ کہے۔
۷۔ امام سری نماز میں اونچی آواز میں قراءت کرے یا جہری نماز میں پوشیدہ قراءت کرے۔

<u>عبارت ۳</u>

یُوْجِبُ: واجب کر دیتا ہے۔ اَلْمُؤْتَمُّ: مقتدی
لَمْ یَلْزَمْ: لازم نہ ہوا۔

باجماعت نماز میں مقتدی امام کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا امام سے سہو ہو جائے تو مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ امام سجدہ سہو کرے تو اس کی متابعت میں مقتدی بھی سجدہ سہو کرے۔ اگر امام سجدہ سہو نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ سہو نہ کرے۔ اگر مقتدی سے سہو ہو جائے تو امام پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی مقتدی پر ہوتا ہے۔

<u>عبارت ۴</u>

سَھَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْاُوْلٰی: پہلا قعدہ ترک کر دیا۔
تَذَکَّرَ: یاد کیا۔ یاد آیا اَلْقُعُوْدُ: بیٹھنا۔
اَقْرَبُ: قریب تر۔ زیادہ قریب۔ عَادَ: لوٹا۔
جَلَسَ: بیٹھا۔ تَشَھَّدَ: تشہد پڑھا۔

Marfat.com

لَمْ یَعُدْ : نہ لوٹا
اَلْخَامِسَۃُ : پانچوں۔ مراد ہے پانچویں رکعت
رَجَعَ : واپس آیا۔ رجوع کیا۔
مَالَمْ یَسْجُدْ : جب تک سجدہ نہ کرے۔ (ما توقیتیہ ہے)۔
اَلْغٰی : منسوخ کر دیا۔ لغو کر دیا۔ ضائع کر دیا۔
قَیَّدَ : پابند کر دیا۔ مقید کر دیا۔ بَطَلَ : باطل ہوا۔ جاتا رہا۔
تَحَوَّلَتْ : بدل گئی۔ یَضُمُّ : شامل کرے۔ ضم کرے۔
اَلرَّابِعَۃُ : چوتھی۔ مراد ہے چوتھی رکعت۔
لَمْ یُسَلِّمْ : سلام نہ لی۔ ظَنَّ : گمان۔ خیال۔
تَمَّتْ : پوری ہو گئی۔ مکمل ہو گئی۔

اس عبارت میں سجدہ سہو سے متعلق درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اگر پہلا قعدہ نہ کیا پھر یاد آیا اس حال میں کہ وہ ابھی پوری طرح اٹھا نہ تھا بلکہ قعود کے زیادہ قریب تھا تو وہ قعود کی طرف لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے۔ اور اگر وہ قیام کے زیادہ قریب ہو گیا ہو تو پھر قعود کی طرف نہ لوٹے اور سجدہ سہو کرے یعنی نماز جاری رکھے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ اقرب کا حکم شرع میں وہی ہے جو اصل کا ہے۔ قعود سے اقرب ہے تو قعود کرے اور اگر قیام سے اقرب ہے تو قیام کرے۔ قعود سے اقرب ہونے کی صورت میں تو قعود کر کے بغیر سجدۂ سہو نماز کی اصلاح ہو گئی لیکن قیام سے اقرب ہونے کی صورت میں قیام کرے اور چونکہ اس نے قعدہ اولی ترک کیا جو واجب ہے اس لیے سجدۂ سہو کر کے اس کی اصلاح کرے۔

(۲) آخری قعدہ نماز کے فرائض میں سے ایک فرض ہے اس کو ادا کرنے سے نماز مکمل ہو جاتی ہے اور اگر یہ رہ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور از سر نو پڑھنا لازم ہے۔ چنانچہ اگر نمازی آخری قعدہ چھوڑ دے اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے قعدہ کی طرف رجوع کر لے اور پانچویں رکعت کو ضائع کر دے اور سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لے (تو چونکہ رکعت مکمل ہو گئی اس لیے) اس کا فرض جاتا رہا اور اس کی نماز نفل میں بدل گئی۔ اب اس پر لازم ہے کہ چھٹی رکعت بھی پڑھے (کیونکہ نماز کم از کم دو رکعت کی ہوتی ہے ایک رکعت کی کوئی نماز نہیں)۔ اور فرض نماز دوبارہ پڑھے۔

Marfat.com

اگر چوتھی رکعت میں قعدہ کیا اور سلام نہ کہا اور اسے قعدہ اولیٰ گمان کر کے کھڑا ہوگیا تو اس صورت میں جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے دوبارہ بیٹھ جائے اور سلام کہے اور سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر پانچویں رکعت کو سجود سے پابند کر دیا تو پھر وہ ایک اور رکعت پڑھے۔ اس طرح اس کی فرض نماز پوری ہوگئی اور زائد دو رکعتیں نفل ہوگئیں۔ (آخری قعدہ نماز کے چھے فرائض میں سے آخری فرض ہے اور اس کے ادا ہونے سے نماز کا کوئی فرض نمازی کے ذمے باقی نہیں رہتا اور نماز مکمل ہو جاتی ہے)۔

عبارت ۵

شَكٌّ : شک کیا۔ شک کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے اثبات اور نفی کے دونوں پہلو برابر ہوں اور کسی ایک پہلو کو ترجیح حاصل نہ ہو۔

لَمْ يَدْرِ : نہ جانا، معلوم نہ ہوا۔ دَرَى ماضی يَدْرِي مضارع دِرَايَةً مصدر۔

عَرَضَ : پیش آیا۔ يَعْرِضُ مضارع۔ اِسْتَأْنَفَ : نئے سرے سے کیا۔

بَنَى : بنا کی۔ بنیاد رکھی۔

ظَنٌّ : شک کے دو پہلوؤں میں سے اگر ایک کو ترجیح حاصل ہو اور وہ پہلو درست ہو تو وہ ظن (گمان) ہے۔

اگر نمازی رکعتوں کی تعداد کے بارے شک میں پڑ جائے اور معلوم نہ ہو کہ آیا تین رکعتیں پڑھیں یا چار تو اگر اسے یہ پہلے پہل پیش آیا ہو (یعنی اسے اکثر شک ہونے کی عادت نہ ہو) تو نماز ازسرِ نو پڑھ لے اور اگر اسے اکثر شک ہو جاتا ہو تو اپنے دل سے ٹھیک بات معلوم کرنے کی کوشش کرے (اسے تحری کہتے ہیں) اور جس پر دل جم جائے (اسے غالب ظن یا اکبر رائے کہتے ہیں) اس کے مطابق نماز پوری کرے اور اگر دل نہ جمے تو پھر جتنی رکعتوں کا یقین ہے (مذکورہ صورت میں تین رکعتوں کا تو یقین ہے ہاں چوتھی کے بارے میں شک ہے) اس پر نماز کی بنا کرے (مذکورہ صورت میں تین کا تو یقین ہے پس اس پر بنا کرے اور چوتھی رکعت پڑھے)۔

مسائل

"بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ" میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱- وُجوبِ سجودِ سہو

نماز میں کمی بیشی ہونے پر سجودِ سہو واجب ہے۔

Marfat.com

۲۔ سجودِ سہو کا طریقہ

سجود سہو کا طریقہ یہ ہے کہ سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔

۳۔ کن صورتوں میں سجودِ سہو واجب ہے

سجود سہو درج ذیل صورتوں میں واجب ہوتا ہے:۔

(۱) نماز میں کسی ایسے فعل کی زیادتی کرے جو ہو تو جنسِ نماز سے لیکن جو نماز پڑھ رہا ہے اس کا حصّہ نہ ہو (کسی ایسے فعل کی زیادتی سے جو جنسِ نماز سے نہ ہو نماز ٹوٹ جاتی ہے اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا)

(۲) کسی مسنون فعل کو چھوڑ دے۔

(۳) سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

(۴) دعائے قنوت نہ پڑھے۔

(۵) تشہد نہ پڑھے۔

(۶) عیدین کی تکبیریں نہ کہے۔

(۷) امام سری نماز میں قراءت بالجہر کرے یا جہری نماز میں پوشیدہ قراءت کرے۔

۴۔ سجودِ سہو میں امام کی متابعت

امام سے سہو ہو جائے تو اس کی متابعت میں مقتدی پر سجودِ سہو واجب ہوتا ہے۔ اگر امام سجودِ سہو کرے تو اس کی پیروی میں مقتدی بھی سجودِ سہو کرے۔ اگر امام سجودِ سہو نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے (خواہ مقتدی سے سہو ہو گیا ہو)۔ اگر مقتدی سے سہو ہو جائے تو امام پر سجودِ سہو واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی مقتدی پر واجب ہوتا ہے۔

۵۔ قعدہ سے سہو

ا۔ اگر پہلا قعدہ نہ کیا اور اس حال میں یاد آیا کہ وہ پوری طرح اٹھ کھڑا نہ ہوا بلکہ قعود کے قریب تر تھا تو وہ قعود کی طرف لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے اور اگر قیام کے قریب تر ہو گیا تو پھر قعود کی طرف نہ لوٹے بلکہ نماز جاری رکھے اور آخر میں سجود سہو کرے۔

ب۔ اگر آخری قعدہ چھوڑ دے اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو جب تک پانچویں رکعت کا سجود نہ کرے قعدہ کی طرف لوٹ جائے اور پانچویں رکعت کو ضائع کر دے اور سجودِ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجود کر لے تو اس کا فرض فوت ہو گیا اور اس کی فرض نماز نفل میں بدل گئی۔ اب اس پر لازم ہے کہ چھٹی رکعت بھی پڑھے اور

Marfat.com

فرض نماز دوبارہ پڑھے۔

ج۔ اگر چوتھی رکعت میں قعدہ کیا اور سلام نہ کہا اور اسے پہلا قعدہ گمان کر کے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجود نہ کرے دوبارہ بیٹھ جائے اور سلام کہے اور سجدِ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجود کر لیا تو پھر ایک رکعت اور پڑھے۔ اس طرح اس کی فرض نماز پوری ہو گئی اور زائد دو رکعتیں نفل ہو گئیں۔

۶۔ رکعتوں کی تعداد میں شک

اگر نمازی رکعتوں کی تعداد کے متعلق شک میں پڑ جائے اور یہ نہ جانے کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار تو اگر اسے یہ شک پہلے پہل ہوا (یعنی اسے اکثر شک ہونے کی عادت نہ ہو) تو از سر نو نماز پڑھے اور اگر اسے اکثر شک ہو جاتا ہو تو اپنے دل سے ٹھیک بات معلوم کرنے کی کوشش کرے اور جس پر دل جم جائے (اس کیفیت کو غَالِبُ ظَنِّہٖ یا اَکْبَرُ رَأْیِہٖ کہتے ہیں) اس کے مطابق نماز پوری کرے اور اگر دل نہ جمے تو پھر جتنی رکعتوں کا یقین ہے اس پر نماز کی بناء کرے۔

Marfat.com

بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

اِذَا تَعَذَّرَ عَلَى الْمَرِيْضِ الْقِيَامُ صَلّٰى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ

جب بیمار پر قیام دشوار ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے رکوع کرے اور سجود کرے

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ اَوْمٰى اِيْمَاءً وَّجَعَلَ السُّجُوْدَ

اور اگر رکوع و سجود کی طاقت نہ ہو تو اشارے سے (نماز پڑھے) اور سجود کو کرے

اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ وَلَا يَرْفَعُ اِلٰى وَجْهِهٖ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ[1]

رکوع سے پست تر اور سجدہ کرنے کے لیے اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ اسْتَلْقٰى عَلٰى قَفَاهُ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْقِبْلَةِ

پھر اگر وہ بیٹھنے کی طاقت نہ رکھے تو اپنی گدی کے بل لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف کرے

وَاَوْمٰى بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَاِنِ اضْطَجَعَ عَلٰى جَنْبِهٖ وَوَجْهُهٗ

اور رکوع و سجود اشارے سے کرے اور اگر وہ اپنے پہلو پر لیٹ جائے اور اس کا رخ

اِلَى الْقِبْلَةِ وَاَوْمٰى جَازَ[2] فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الْاِيْمَاءَ بِرَاْسِهٖ

قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ کرے تو جائز ہے۔ اور اگر وہ اپنے سر سے اشارہ نہ کر سکے تو

اَخَّرَ الصَّلٰوةَ وَلَا يُوْمِئُ بِعَيْنَيْهِ وَلَا بِحَاجِبَيْهِ وَلَا بِقَلْبِهٖ[3]

نماز کو مؤخر کر دے اور اپنی آنکھوں یا اپنے ابروؤں یا اپنے دل سے اشارہ نہ کرے

فَاِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

اور اگر وہ قیام کی قدرت رکھتا ہے لیکن رکوع و سجود کی قدرت نہیں رکھتا

Marfat.com

لَمْ يَلْزَمْهُ الْقِيَامُ وَجَازَ اَنْ يُصَلِّيَ قَاعِدًا يُومِيْ اِيْمَاءً

تو اسے قیام لازم نہیں اور بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے

فَاِنْ صَلَّى الصَّحِيْحُ بَعْضَ صَلٰوتِهٖ قَائِمًا ثُمَّ حَدَثَ بِهٖ مَرَضٌ

پس اگر تندرست آدمی نے اپنی کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر وہ اچانک بیمار ہو گیا

اَتَمَّهَا قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَيُومِيْ اِيْمَاءً اِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ

تو بیٹھ کر نماز کو رکوع و سجود کے ساتھ پورا کرے اور اگر رکوع و سجود کی طاقت نہ ہو تو اشارہ کرے

اَوْ مُسْتَلْقِيًا اِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ

اور اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پورا کرے

وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ

اور جس نے کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھی پھر تندرست ہو گیا

بَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ قَائِمًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ

تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بناء کرے

وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِسْتَأْنَفَ الصَّلٰوةَ فَاِنْ صَلّٰى بَعْضَ صَلٰوتِهٖ بِاِيْمَاءٍ

اور امام محمدؒ نے کہا کہ از سر نو نماز پڑھے اور اگر اس نے اپنی کچھ نماز اشارے سے پڑھی

ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اسْتَأْنَفَ الصَّلٰوةَ

پھر وہ رکوع و سجود پر قادر ہو گیا تو از سر نو نماز پڑھے

وَمَنْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فَمَا دُوْنَهَا قَضَاهَا اِذَا صَحَّ

اور جو پانچ نمازوں یا اس سے کم مدت تک بے ہوش رہا تندرست ہونے پر وہ انہیں قضا کرے

وَاِنْ فَاتَتْهُ بِالْاِغْمَاءِ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يَقْضِ

اور اگر بیہوشی کی وجہ سے اس کی اس سے زیادہ نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ قضا نہ کرے

Marfat.com

تشریحات

عبارت ۱

تَعَذَّرَ : دشوار ہوا، مشکل ہوا   قَاعِدًا : بیٹھ کر

لَمْ یَسْتَطِعْ : اسے طاقت نہ ہوئی۔ وہ نہ کر سکا۔ اِسْتَطَاعَ ماضی، یَسْتَطِیْعُ مضارع، اِسْتِطَاعَۃً مصدر۔

اَوْمیٰ : اشارہ کیا = اَوْمَأَ (اشارہ کیا) یُوْمِیْ، یُوْمِئُ مضارع۔ اِیْمَاءً مصدر۔

جَعَلَ : کیا۔ بنایا۔ رکھا۔   اَخْفَضُ : پست تر۔ زیادہ ملائم، نرم

لَا یَرْفَعُ : نہ اٹھائے۔ بلند نہ کرے۔

اس عبارت میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اگر نمازی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے معذور ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور رکوع و سجود کرے۔

۲۔ اگر اس میں رکوع و سجود کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ اشارے سے رکوع و سجود کرلے۔ سجدے کے لیے اشارہ رکوع کی بہ نسبت پست تر ہونا چاہیے۔ سجدہ کرنے کے لیے کوئی چیز اٹھا کر اپنے چہرے کی طرف نہ لے جائے۔ ایسا کرنا ممنوع ہے۔ صرف سر سے اشارہ کرے، بس یہی کافی ہے۔

عبارت ۲-۳

اِسْتَلْقٰی : لیٹ گیا۔   قَفَا : گُدّی

رِجْلَیْہِ : اس کے دو پاؤں۔ رِجْلٌ پاؤں۔ رِجْلَیْنِ دو پاؤں۔

اِضْطَجَعَ : پہلو کے بل لیٹ گیا۔   جَنْبٌ : پہلو

۱۔ اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو گُدّی کے بل یعنی چت لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف کر دے اور اشارے سے رکوع و سجود کرے۔

۲۔ اگر پہلو کے بل لیٹے اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارے سے نماز پڑھے تو جائز ہے۔

۳۔ اگر وہ اپنے سر سے اشارہ کرنے کی طاقت نہ رکھے تو نماز کو مؤخر کر دے۔ اور اپنی آنکھوں یا ابروؤں یا اپنے دل سے اشارہ نہ کرے۔

Marfat.com

عبارت ۴

قَدَرَ: قادر ہوا۔ طاقت ہوئی۔ یَقْدِرُ مضارع۔ لَمْ یَقْدِرْ: قادر نہ ہوا۔
لَمْ یَلْزَمْ: لازم نہ ہوا۔ لَزِمَ ماضی۔ یَلْزَمُ مضارع۔
اگر نمازی قیام کی قدرت رکھتا ہو لیکن رکوع وسجود پر قادر نہ ہو تو اس پہ قیام لازم نہیں اور بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے تو جائز ہے۔

عبارت ۵

اَلصَّحِیْحُ: تندرست۔ حَدَثَ: واقع ہوا۔ پیدا ہوا۔
اَتَمَّ: پورا کیا۔ مکمل کیا۔
مُسْتَلْقِیًا: لیٹ کر۔ اسم فاعل ہے اِسْتَلْقٰی یَسْتَلْقِی سے۔
اگر تندرست آدمی نے اپنی کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر دوران نماز اسے کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو بیٹھ کر نماز پوری کرے، رکوع وسجود کرے۔ اگر رکوع وسجود کی طاقت نہ ہو تو اشارے سے رکوع وسجود کرے۔ اور اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز مکمل کرے۔

عبارت ۶

صَحَّ: تندرست ہو گیا۔ بَنٰی: بنا کی۔ بنایا
اِسْتَأْنَفَ: نئے سرے سے کیا۔ از سر نو کیا۔
۱۔ اگر کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ دوران نماز تندرست ہو گیا تو تندرست ہونے کے بعد امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اپنی باقی ماندہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے جبکہ امام محمدؒ کے قول کے مطابق از سر نو نماز پڑھے۔
ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف کی بنیاد ان کا اقتداء کے مسئلے میں اختلاف ہے اور وہ یہ کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے اور اس کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ اصول یہ ہے کہ جو عمل اقتداء میں جائز ہے وہ انفرادی طور پر نماز پڑھنے میں جائز ہے اور جو اقتداء میں جائز نہیں وہ انفرادی طور پہ جائز نہیں۔
۲۔ اگر اپنی کچھ نماز اشارے سے پڑھے پھر رکوع وسجود کی قدرت ہو جائے تو نئے سرے سے نماز پڑھے۔ اس پر تینوں ائمہ کا اتفاق ہے۔
اس مسئلے کی بنیاد بھی مسئلہ ۱ میں مذکورہ اصول ہے۔ اشارے سے نماز پڑھنے والے امام کی اقتداء میں رکوع وسجود کرنے والوں کی نماز بالاتفاق جائز نہیں۔ اکیلے نماز پڑھنے والا

Marfat.com

بھی اشارے سے پڑھی ہوئی نماز پر رکوع وسجود کے ساتھ نماز کی بنا نہیں کر سکتا۔

عبارت کے

اُغْمِیَ عَلَیْہِ: اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ وہ بے ہوش ہوگیا۔ اِغْمَاء: بے ہوشی۔

دُوْنَ: کمتر۔ فَاتَتْ: فوت ہوگئی۔ گزر گئی۔

قَضٰی: پورا کیا۔ ادا کیا۔ یَقْضِیْ مضارع۔ لَمْ یَقْضِ پورا نہ کیا۔ قضا نہ کیا۔

اگر بے ہوشی کی حالت میں پانچ یا اس سے کم نمازیں فوت ہو جائیں تو تندرست ہونے پر ان کی قضا کرے اور اگر پانچ سے زیادہ نمازیں بے ہوشی کی حالت میں فوت ہو جائیں تو قضا نہ کرے یعنی اس صورت میں اس پر ان نمازوں کی قضا واجب نہیں۔

مسائل

شریعت اسلامی کے تمام احکام اس بنیادی اصول پر مبنی ہیں کہ ہر نفس کے لیے تکلیف شرعی اس کی استطاعت کے مطابق ہے، استطاعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ، ۲۸۶) یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ لہذا تمام اوامر ونواہی میں انسان کی معذوریوں کو ملحوظ رکھ کر اسے رعائتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں۔ نماز ارکان اسلام میں شامل ہے اور اہم ترین عبادت ہے، بیماری کی صورت میں اس میں بھی سہولتیں رکھی گئی ہیں اور استطاعت کے مطابق "تکلیف دی گئی ہے۔ بیمار کی نماز کے مسائل جو "باب صلوٰۃ المریض" میں بیان کیے گئے ہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ قیام سے عاجز

اگر نمازی بیمار ہو اور قیام سے عاجز ہو تو وہ بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

۲۔ رکوع وسجود سے عاجز

اگر مریض رکوع وسجود کرنے سے بھی عاجز ہو تو وہ سر کے اشارے سے نماز پڑھ لے۔ سجود کا اشارہ رکوع کے اشارے سے پست تر ہو۔ سجدہ کرنے کے لیے کوئی چیز اپنے چہرے کی طرف اٹھا کر نہ لے جائے نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ اجازت۔

۳۔ قعود سے عاجز

اگر بیمار قعود (بیٹھنے) سے بھی عاجز ہو تو وہ گدی کے بل لیٹ جائے، اپنے پاؤں

Marfat.com

کو قبلہ رخ کرے اور اشارے سے رکوع و سجود کرے۔ اگر وہ پہلو کے بل بیٹھے اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارے سے نماز پڑھے تو جائز ہے۔

۴۔ سر سے اشارہ کرنے سے عاجز

اگر مریض سر سے اشارہ نہ کرسکتا ہو تو نماز کو ملتوی کر دے اور آنکھوں یا ابروؤں یا دل سے اشارہ کرنا جائز نہیں۔

۵۔ قیام پر قادر لیکن رکوع و سجود سے عاجز

اگر بیمار قیام کی قدرت رکھتا ہو لیکن رکوع و سجود کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس پر قیام لازم نہیں بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ بیٹھ کر اشاروں سے نماز پڑھ لے۔

۶۔ دورانِ نماز بیمار ہو جانا

اگر نمازی تندرست ہو، اس نے اپنی کچھ نماز پڑھ لی ہو اور پھر اچانک بیمار پڑ جائے تو معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھ لے اور اگر رکوع و سجود نہ کرسکتا ہو تو اشاروں سے نماز پڑھ لے۔ اور اگر بیٹھنے کی طاقت بھی نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھ لے۔

۷۔ دورانِ نماز بیمار کا تندرست ہونا

اگر کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھی پھر تندرست ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے مطابق وہ کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بنا کرے، یعنی اپنی باقی ماندہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے جبکہ امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ نئے سر سے نماز پڑھے۔ اور اگر اس نے اپنی کچھ نماز اشارے سے پڑھی پھر رکوع و سجود پر قادر ہو گیا تو بالاتفاق نماز از سرِ نو پڑھے۔

۸۔ بے ہوشی کی حالت میں

اگر پانچ نمازوں یا اس سے کم تر مدت تک بے ہوشی رہی تو تندرست ہونے پر ان نمازوں کی قضاء کرے اور اگر بے ہوشی کی حالت میں اس (یعنی پانچ) سے زیادہ نمازیں فوت ہو جائیں تو قضاء نہ کرے، پھر قضاء واجب نہیں (کیونکہ پانچ یا اس سے کم نمازوں کی قضاء میں حرج اور تکلیف نہیں جبکہ اس سے زیادہ میں حرج ہے اور دین حرج نہیں چاہتا)

Marfat.com

بَابُ سُجُودِ التِّلَاوَةِ

فِي الْقُرْاٰنِ اَرْبَعَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي اٰخِرِ الْاَعْرَافِ وَفِي الرَّعْدِ

قرآن میں چودہ سجدے ہیں، آخر الاعراف میں اور الرعد میں

وَفِي النَّحْلِ وَفِي بَنِي اِسْرَائِيلَ وَمَرْيَمَ وَالْاُوْلٰى فِي الْحَجِّ وَالْفُرْقَانِ

اور النحل میں اور بنی اسرائیل میں اور مریم میں اور الحج میں پہلا سجدہ اور الفرقان

وَالنَّمْلِ وَالٓمٓ تَنْزِيْلُ وَصٓ وَحٰمٓ السَّجْدَةِ وَالنَّجْمِ وَالْاِنْشِقَاقِ وَالْعَلَقِ

اور النمل اور الٓمٓ تنزیل اور صٓ اور حٰمٓ السجدہ اور النجم اور الانشقاق اور العلق میں

وَالسُّجُوْدُ وَاجِبٌ فِي هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّالِي وَالسَّامِعِ

اور ان جگہوں میں تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے

سَوَاءٌ قَصَدَ سِمَاعَ الْقُرْاٰنِ اَوْ لَمْ يَقْصِدْ فَاِذَا

چاہے اس نے قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ پس جب

تَلَا الْاِمَامُ اٰيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَ الْمَأْمُوْمُ مَعَهٗ

امام آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اس کا سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے

فَاِنْ تَلَا الْمَأْمُوْمُ لَمْ يَلْزَمِ الْاِمَامَ وَلَا الْمَأْمُوْمَ السُّجُوْدُ

اور اگر مقتدی تلاوت کرے تو امام اور مقتدی کسی پر سجدہ لازم نہیں

وَاِنْ سَمِعُوْا وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ اٰيَةَ سَجْدَةٍ مِنْ رَجُلٍ

اور اگر وہ نماز میں کسی ایسے شخص سے آیتِ سجدہ سنیں

Marfat.com

لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ لَمْ يَسْجُدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ

جو ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں تو نماز میں اس کا سجدہ نہ کریں

وَسَجَدُوْهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَإِنْ سَجَدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ لَمْ تُجْزِهِمْ

اور نماز کے بعد اس کا سجدہ کریں۔ اور اگر وہ نماز میں اس کا سجدہ کریں تو انہیں کافی نہ ہوگا

وَلَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُهُمْ[۳] وَمَنْ تَلَا آيَةَ سَجْدَةٍ خَارِجَ الصَّلٰوةِ

اور ان کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔ اور جو آیتِ سجدہ کی تلاوت نماز سے باہر کرے

وَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتّٰى دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا وَسَجَدَ لَهُمَا

اور اس کا سجدہ نہ کرے حتّٰی کہ نماز شروع کرے پھر اسی کی تلاوت کرے اور دونوں کیلئے سجدہ کرے

أَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ وَإِنْ تَلَاهَا فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ

تو یہ سجدہ اسے دونوں تلاوتوں کے لیے کافی ہے۔ اور اگر نماز کے علاوہ اس کی تلاوت کرے

فَسَجَدَهَا ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا سَجَدَهَا ثَانِيًا

اور اس کا سجدہ کرے پھر نماز شروع کرے اور اس (آیت) کی تلاوت کرے تو دوبارہ سجدہ کرے

وَلَمْ تُجْزِئْهُ السَّجْدَةُ الْأُوْلٰى[۴] وَمَنْ كَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَّاحِدَةٍ

اور اسے پہلا سجدہ کافی نہ ہوگا۔ اور جو ایک ہی آیتِ سجدہ بار بار تلاوت کرے

فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ أَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَّاحِدَةٌ[۵] وَمَنْ أَرَادَ السُّجُوْدَ

ایک ہی مجلس میں تو اسے ایک ہی سجدہ کافی ہے۔ اور جو سجدہ کرنے کا ارادہ کرے

كَبَّرَ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَأْسَهُ

وہ تکبیر کہے اور اپنے ہاتھ اوپر نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہے اور اپنا سر اٹھالے

وَلَا تَشَهُّدَ عَلَيْهِ وَلَا سَلَامَ[۶]

اور اس پر نہ تشہد لازم ہے اور نہ ہی سلام

Marfat.com

تشریحات

عبارت ۱

اَرْبَعَ عَشَرَۃَ: چودہ

سَجْدَۃً: (سِجْدَۃً بھی درست ہے) ایک سجدہ۔

اس عبارت میں ان سُورتوں کے نام بیان کیے گئے ہیں جن میں آیاتِ سجدہ آتی ہیں۔
سورہ بنی اسرائیل کا نام سورہ الاسراء، سورہ الٓمٓ تَنْزِیْلُ کا نام سورہ السجدہ، سورہ .... حٰمٓ السجدہ کا نام سورہ فُصِّلَتْ اور سورہ اَلْاِنْشِقَاق کا نام اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ بھی ہے۔ ان سورتوں میں آیاتِ سجدہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ الاعراف، سورہ نمبر ۷۔ آیت نمبر ۲۰۶ (سورت الاعراف کی آخری آیت)۔
۲۔ الرّعد، سورہ نمبر ۱۳۔ آیت نمبر ۱۵
۳۔ اَلنّحل، سورہ نمبر ۱۶، آیت نمبر ۵۰ (پچاسویں آیت)
۴۔ بنی اِسْرَائیل، سورہ نمبر ۱۷۔ آیت نمبر ۱۰۹
۵۔ مریم، سورہ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۵۸
۶۔ الحج، سورہ نمبر ۲۲، آیت نمبر ۱۸۔ دوسرا سجدہ آیت ۷۷
۷۔ الفرقان، سورہ نمبر ۲۵، آیت نمبر ۶۰ (ساٹھویں آیت)۔
۸۔ النمل، سورہ نمبر ۲۷، آیت نمبر ۲۶
۹۔ الٓمٓ تنزیل، سورہ نمبر ۳۲، آیت نمبر ۱۵
۱۰۔ صٓ، سورہ نمبر ۳۸، آیت نمبر ۲۴
۱۱۔ حٰمٓ السجدہ، سورہ نمبر ۴۱، آیت نمبر ۳۸
۱۲۔ النّجم، سورہ نمبر ۵۳، آیت نمبر ۶۲ (سورہ النجم کی آخری آیت)۔
۱۳۔ الانشقاق، سورہ نمبر ۸۴، آیت نمبر ۲۱۔
۱۴۔ العلق، سورہ نمبر ۹۶، آیت نمبر ۱۹ (سورہ العلق کی آخری آیت)۔

قرآنِ کریم کے نسخوں میں حاشیے پر اور آیت کے نشان (٥) کے نیچے السجدہ کا لفظ لکھا ہوتا ہے جس سے تلاوت کرنے والے کو آسانی سے پتا چل جاتا ہے کہ یہاں سجدۂ تلاوت ہے مصحف کے بغیر زبانی پڑھنے والے کو مقاماتِ سجدہ (جو کل ۱۴ ہیں) ذہن میں رکھنا پڑتے ہیں۔
احناف کے نزدیک سورہ الحج کی آیت نمبر ۱۸ میں سجدہ تلاوت ہے جبکہ آیت نمبر ۷۷ میں نہیں۔

Marfat.com

چونکہ بعض روایات میں سورہ الحج کے دوسرے مقام پر بھی سجدۂ تلاوت کا ذکر آیا ہے اس لیے علمائے احناف نے اس دوسرے مقام پر سجدۂ تلاوت کر لینے کو مستحب قرار دیا ہے (واجب نہیں)۔

عبارت ۲

اَلسُّجُوْدُ : سجدہ کرنا مصدر ہے۔ اَلْمَوَاضِعُ : جمع ہے مَوْضِعٌ کی جگہیں، مقامات

اَلتَّالِیْ : تلاوت کرنے والا۔ اسم فاعل ہے تَلَا (ماضی) یَتْلُوْا (مضارع) سے۔

اَلسَّامِعُ : سننے والا۔ اسم فاعل ہے سَمِعَ یَسْمَعُ سے۔ سَوَاءٌ : برابر۔

قَصَدَ : قصد کیا۔ ارادہ کیا۔ یَقْصِدُ ارادہ کرتا ہے۔ لَمْ یَقْصِدْ ارادہ نہیں کیا۔

اَلْمَاْمُوْمُ : جس کی پیشوائی کی گئی۔ اسم مفعول ہے اَمَّ یَاُمُّ سے۔

لَمْ یَلْزَمْ : لازم نہ ہوا۔ لَزِمَ لازم ہوا۔ یَلْزَمُ لازم ہوتا ہے۔

(۱) قرآن حکیم کے مذکورہ چودہ مقامات پر سجدہ تلاوت واجب ہے، سننے والے اور تلاوت کرنے والے دونوں پر۔ سننے والے نے سننے کا ارادہ نہ بھی کیا ہو تو بھی سجدہ تلاوت اس پر واجب ہو گا۔

(۲) باجماعت نماز میں امام اگر آیت سجدہ تلاوت کرے تو سجدہ کرے اور اس کی پیروی میں مقتدی بھی سجدہ کریں۔

(۳) مقتدی آیتِ سجدہ کی تلاوت کرے تو اس پر سجدہ واجب نہ ہو گا اور نہ ہی امام پر۔ (یہ ایسے ہی ایک فرضی مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے ورنہ مقتدی تو قراءت کرتا ہی نہیں، کرتا بھی ہے تو صرف سورہ فاتحہ کی۔ اور مقتدی کے قراءت بالجہر کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب قراءت بالجہر کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تو اس کا سامع بھی کوئی نہ ہو گا)۔

عبارت ۳

سَمِعُوْا : انہوں نے سُنا۔ سَمِعَ : اس نے سنا۔

رَجُلٌ : آدمی۔ مرد۔

سَجَدَ : اس نے سجدہ کیا۔ سَجَدُوْا : انہوں نے سجدہ کیا۔ یَسْجُدُ وہ سجدہ کرتا ہے۔

یَسْجُدُوْنَ : وہ سجدہ کرتے ہیں۔ لَمْ یَسْجُدُوْا انہوں نے سجدہ نہیں کیا۔

اَجْزَاَ : کافی ہوا۔ یُجْزِئُ کافی ہوتا ہے۔ تُجْزِئُ کافی ہوئی۔ لَمْ تُجْزِءْ کافی نہ ہوئی۔

لَمْ تَفْسُدْ : فاسد نہ ہوئی۔ فَسَدَ فاسد ہوا۔ یَفْسُدُ فاسد ہوتا ہے۔

Marfat.com

اگر لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور کوئی ایسا شخص آیتِ سجدہ تلاوت کرے جو ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہا تھا تو نمازی دورانِ نماز سجدۂ تلاوت نہ کریں بلکہ نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کریں۔ اگر وہ نماز کے دوران سجدۂ تلاوت کریں گے تو وہ ادا نہ ہوگا، بعد میں پھر کرنا پڑے گا البتہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

عبارت ۴

تَلَا : تلاوت کی۔ یَتْلُوْ تلاوت کرتا ہے۔ تِلَاوَةً مصدر۔ اَلتِّلَاوَتَيْنِ دو تلاوتیں۔

خَارِج : باہر۔

اَجْزَأَتْ : کافی ہوئی۔ لَمْ تُجْزِءْ کافی نہ ہوئی۔

دَخَلَ : داخل ہوا۔ ثَانِيًا : دوسری بار۔

(۱) کوئی شخص نماز سے باہر آیتِ سجدہ تلاوت کرے مگر سجدۂ تلاوت نہ کرے پھر وہ نماز شروع کرے اور آیتِ سجدہ تلاوت کرے اور وہ ان دونوں تلاوتوں کے لیے ایک سجدہ تلاوت کرے تو یہ ایک سجدۂ تلاوت ان دونوں تلاوتوں کو کافی ہوگا۔

(۲) اگر کوئی شخص نماز سے باہر آیتِ سجدہ تلاوت کرے اور سجدۂ تلاوت کرلے پھر وہ نماز شروع کرے اور نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اب وہ دوبارہ سجدۂ تلاوت کرے، پہلا سجدۂ تلاوت کافی نہ ہوگا۔

عبارت ۵

كَرَّرَ : بار بار کیا۔ اَجْزَأَتْ : کافی ہوئی۔

اگر کوئی شخص ایک ہی آیتِ سجدہ کو ایک ہی مجلس (نشست) میں بار بار تلاوت کرے (مثلاً متعلم اور معلم) تو ایک ہی بار سجدہ کرنا کافی ہے۔

عبارت ۶

سجدۂ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہے اور اپنا سر اٹھائے۔ سجدۂ تلاوت میں نہ تکبیر کہتے وقت رفع یدین ہے نہ تشہد ہے اور نہ سلام ہے۔

مسائل

بَابُ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ میں ان سورتوں کے اسماء بتائے گئے ہیں جن میں آیاتِ سجدہ آئی ہیں۔ یہ سورتیں درج ذیل ہیں:

الاعراف۔ الرّعد۔ النّحل۔ بَنِيْ اِسْرَائِيْل (الاسراء) مَرْيَم۔

Marfat.com

الحج - الفرقان - النّمل - آلمّ تنزیل (السجدہ) صٓ - حٰمٓ السجدہ (فُصّلت) النّجم - الانشقاق - العلق -

سورہ الحج میں دو آیات سجدہ ہیں لیکن قدوریؒ نے پہلی آیتِ سجدہ کا ذکر کیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک اسی آیت کی تلاوت پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ دوسری آیتِ سجدہ پر سجدہ کرنا واجب نہیں۔

سجدۂ تلاوت کے بارے میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ آیتِ سجدہ کی تلاوت پر سجدہ واجب ہوتا ہے سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہوتا ہے خواہ اس کا سننے کا ارادہ تھا یا نہ تھا۔

۲۔ امام آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدہ کرے اور اس کی پیروی میں مقتدی بھی سجدہ کرے۔ مقتدی آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو نہ اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے اور نہ امام پر (یہ محض فرضی مسئلہ ہے)۔

۳۔ نمازی نماز پڑھ رہے ہوں اور نماز سے باہر کوئی شخص آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو نمازی نماز میں سجدۂ تلاوت نہ کریں بلکہ نماز کے بعد کریں۔ اگر وہ نماز کے دوران ہی سجدۂ تلاوت کریں تو یہ کافی نہ ہوگا بلکہ انہیں نماز کے بعد پھر سجدۂ تلاوت کرنا ہوگا، تاہم نماز میں یہ سجدہ کرنے سے ان کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

۴۔ کوئی شخص نماز سے آیتِ سجدہ تلاوت کرے اور سجدۂ تلاوت نہ کرے پھر نماز شروع کر دے اور نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کرے اور ان دونوں تلاوتوں کے لیے ایک سجدہ تلاوت کرے تو وہ دونوں تلاوتوں کے لیے کافی ہے۔

۵۔ اگر کوئی شخص نماز سے باہر آیتِ سجدہ تلاوت کرے اور سجدۂ تلاوت کرلے پھر نماز شروع کرے اور آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو وہ دوبارہ سجدۂ تلاوت کرے۔ اس کو پہلا سجدۂ تلاوت کافی نہ ہوگا۔

۶۔ اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں ایک ہی آیتِ سجدہ بار بار تلاوت کرے تو اسے ایک بار سجدۂ تلاوت کافی ہے۔

۷۔ سجدۂ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے، سجدہ کرے پھر تکبیر کہے اور اپنا سر اٹھالے۔ اس سے زائد کچھ نہیں ہے۔ سجدۂ تلاوت میں نہ رفع یدین ہے نہ تشہد اور نہ سلام۔

Marfat.com

بَابُ صَلٰوۃِ الْمُسَافِرِ

اَلسَّفَرُ الَّذِیْ یَتَغَیَّرُ بِہِ الْاَحْکَامُ ھُوَ اَنْ یَقْصِدَ الْاِنْسَانُ مَوْضِعًا

جس سفر سے احکام بدلتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کسی ایسی جگہ کا ارادہ کرے

بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْمَقْصِدِ مَسِیْرَۃُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ بِسَیْرِ الْاِبِلِ وَمَشْیِ الْاَقْدَامِ

کہ اس کے اور اس مقصود جگہ کے درمیان اونٹ کے چلنے اور پیدل چلنے سے تین دن کا فاصلہ ہو

وَلَا مُعْتَبَرَ فِیْ ذٰلِکَ بِالسَّیْرِ فِی الْمَاءِ ۔ وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ عِنْدَنَا

اور اس بارے پانی میں چلنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور ہمارے نزدیک مسافر کا فرض

فِیْ کُلِّ صَلٰوۃٍ رُبَاعِیَّۃٍ رَکْعَتَانِ وَلَا یَجُوْزُ لَہُ الزِّیَادَۃُ عَلَیْھِمَا

ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت ہے اور ان دو پر اضافہ اس کے لیے جائز نہیں

فَاِنْ صَلّٰی اَرْبَعًا وَقَدْ قَعَدَ فِی الثَّانِیَۃِ مِقْدَارَ التَّشَھُّدِ

پھر اگر اس نے چار رکعت پڑھ لیں اور دوسری (رکعت) میں تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھا ہو

اَجْزَأَتْہُ الرَّکْعَتَانِ عَنْ فَرْضِہٖ وَکَانَتِ الْاُخْرَیَانِ لَہٗ نَافِلَۃً

تو دو رکعتیں اسے اس کے فرض کے لیے کافی ہوگئیں اور پچھلی دو رکعتیں اس کے نفل ہوگئیں

وَاِنْ لَّمْ یَقْعُدْ فِی الثَّانِیَۃِ مِقْدَارَ التَّشَھُّدِ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ

اور اگر وہ پہلی دو رکعتوں میں سے دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار کے برابر نہ بیٹھا ہو

بَطَلَتْ صَلٰوتُہٗ وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُہٗ نَفْلًا ؎۲

تو اس کی نماز باطل ہوگئی اور اس کی نماز نفل میں بدل گئی

Marfat.com

وَمَنْ خَرَجَ مُسَافِرًا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ إِذَا فَارَقَ بُيُوْتَ الْمِصْرِ

اور جو شخص سفر کو نکلے وہ دو رکعت اس وقت پڑھے گا جب وہ شہر کے گھروں سے جدا ہو جائے

وَلَا يَزَالُ عَلٰى حُكْمِ الْمُسَافِرِ حَتّٰى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِيْ بَلْدَةٍ

اور وہ برابر مسافر کے حکم میں رہے گا حتیٰ کہ وہ کسی شہر میں اقامت کی نیت کرے

خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَصَاعِدًا فَيَلْزَمُهُ الْإِتْمَامُ فَإِنْ نَوَى الْإِقَامَةَ

پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے لیے تو اسے پوری نماز پڑھنا لازم ہے اور اگر وہ نیت کرے اتنی مدت کی

أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يُتِمَّ وَمَنْ دَخَلَ وَلَمْ يَنْوِ أَنْ يُّقِيْمَ فِيْهِ

اس سے کمتر مدت کی تو پوری نماز نہ پڑھے اور جو شخص (کسی جگہ) آیا اور یہ نیت نہ کی کہ اس میں اقامت کرے گا

خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَإِنَّمَا يَقُوْلُ غَدًا أَخْرُجُ أَوْ بَعْدَ غَدٍ أَخْرُجُ

پندرہ دن اور کہتا رہا کہ کل نکل جاؤں گا یا پرسوں نکل جاؤں گا

حَتّٰى بَقِيَ عَلٰى ذٰلِكَ سِنِيْنَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ

حتیٰ کہ اسی حال پر کئی سال رہا تو دو رکعت پڑھتا رہے گا اور جب لشکر داخل ہو

فِيْ أَرْضِ الْحَرْبِ فَنَوَوا الْإِقَامَةَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُتِمُّوا الصَّلٰوةَ [۱۵۳]

دار الحرب میں اور وہ پندرہ دن اقامت کی نیت کرلیں تو بھی پوری نماز نہ پڑھیں گے

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِيْ صَلٰوةِ الْمُقِيْمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ

اور جب مسافر مقیم کے پیچھے نماز پڑھے اور نماز کا وقت ابھی باقی ہو

أَتَمَّ الصَّلٰوةَ وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ فِيْ فَائِتَةٍ لَمْ تُجْزِ صَلٰوتُهُ خَلْفَهُ [۱۵۴]

تو پوری نماز پڑھے اور اگر کسی فوت شدہ نماز میں اس کے پیچھے پڑھے تو اس کے پیچھے اس کی نماز جائز نہ ہوگی

وَإِذَا صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيْمِيْنَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ

اور جب مسافر مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو دو رکعت پڑھ کر سلام کہے

Marfat.com

ثُمَّ اَتَمَّ الْمُقِيْمُوْنَ صَلٰوتَهُمْ وَيُسْتَحَبُّ لَهٗ اِذَا سَلَّمَ

پھر مقیم لوگ اپنی نماز پوری کریں اور اس (امام) کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب وہ سلام کہے

اَنْ يَّقُوْلَ لَهُمْ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ ۵

تو ان سے کہے، اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم تو مسافر لوگ ہیں۔

وَاِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مِصْرَهٗ اَتَمَّ وَاِنْ لَّمْ يَنْوِ الْاِقَامَةَ فِيْهِ۔

اور جب مسافر اپنے شہر میں آجائے تو پوری نماز پڑھے چاہے اس نے اس میں اقامت کی نیت نہ کی ہو

وَمَنْ كَانَ لَهٗ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ عَنْهُ وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَهٗ ثُمَّ سَافَرَ

اور جس کا کوئی وطن ہو اور وہ اس سے منتقل ہو جائے اور کسی اور جگہ کو اپنا وطن بنا لے پھر سفر کرے

فَدَخَلَ وَطَنَهُ الْاَوَّلَ لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ ۵ وَاِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ

اور اپنے پہلے وطن میں آئے تو نماز پوری نہ پڑھے اور جب مسافر نیت کرے

اَنْ يُّقِيْمَ بِمَكَّةَ وَمِنًى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ ۵

مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن ٹھہرنے کی تو نماز پوری نہ پڑھے

وَالْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ لِلْمُسَافِرِ يَجُوْزُ فِعْلًا وَلَا يَجُوْزُ وَقْتًا۔ ۵

اور مسافر کے لیے دو نمازیں جمع کرنا فعل کے لحاظ سے جائز ہے مگر وقت کے لحاظ سے جائز نہیں

وَتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ فِيْ سَفِيْنَةٍ قَاعِدًا عَلٰى كُلِّ حَالٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ

اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کشتی میں ہر حال میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے

وَعِنْدَهُمَا لَا تَجُوْزُ اِلَّا بِعُذْرٍ ۵ وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي السَّفَرِ

اور صاحبین کے نزدیک بغیر عذر جائز نہیں۔ اور جس کی سفر میں کوئی نماز فوت ہو جائے

قَضَاهَا فِي الْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي الْحَضَرِ

وہ اسے حضر میں دو رکعت قضا کرے اور جس کی حضر میں کوئی نماز فوت ہو جائے

Marfat.com

قَضَاهَا فِي السَّفَرِ اَرْبَعًا وَالْعَاصِيْ وَالْمُطِيْعُ فِي السَّفَرِ فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ (۵)

وہ اسے سفر میں چار رکعت قضا کرے اور سفر میں رخصت میں گنہگار اور مطیع برابر ہیں

تشریحات

عبارت ١

یَتَغَیَّرُ : تبدیل ہونا ہے۔ بدلتا ہے۔

اَلْمَقْصِدُ : قسم یا ارادہ کی جگہ

مَسِیْرَۃٌ : چلنا۔ سَیْرٌ : چلنا

اَلْاِبِلُ : اونٹ۔ مَشْیٌ : پیدل چلنا

مُعْتَبَرٌ : اعتبار

جس سفر سے نماز کے احکام بدلتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان جس جگہ سے سفر شروع کرے اس کے اور منزلِ مقصود کے درمیان اونٹ کی چال یا پیدل چلنے سے تین دن کی مسافت ہونی چاہیے۔ اس ضمن میں پانی کے سفر یعنی کشتی یا بحری جہاز کے ذریعے سفر کا کوئی اعتبار نہیں۔ (اسی طرح آج کل کے تیز رفتار ذرائع مثلاً ہوائی جہاز، موٹر کار وغیرہ کے ذریعے سفر کا بھی اعتبار نہ ہوگا)۔

عبارت ٢

رُبَاعِیَّۃٌ : چار والی۔ قَعَدَ : بیٹھا۔ یَقْعُدُ بیٹھتا ہے۔

اَجْزَأَتْ : کافی ہوئی۔ اَجْزَأَ : کافی ہوا۔

اَلْاُخْرَیَانِ : پچھلی دو۔ دو کا صیغہ ہے۔ واحد اَلْاُوْلٰی۔

تَحَوَّلَتْ : بدل گئی۔ تَحَوَّلَ : بدل گیا۔

حنفیہ کے نزدیک چار رکعت والی ہر نماز یعنی ظہر، عصر اور عشاء کی نماز سفر میں آدھی یعنی دو رکعت رہ جاتی ہے اور اس پر اضافہ کرنا جائز نہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے سہولت دی ہے تو اسے ٹھکرانا اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا درست نہیں)۔ اگر مسافر نے چار رکعت پڑھ لیں اور دوسری رکعت میں وہ تشہد کی مقدار بیٹھا تو پہلی دو رکعت تو اس کی فرض نماز ہو گئیں جبکہ پچھلی دو نفل ہو گئیں کیونکہ اس پر فرض تو دو رکعت تھیں اور تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنا نماز کا آخری فریضہ ہے لہٰذا اس کی فرض نماز مکمل ہو گئی اور آخری دو رکعتیں نفل ہو گئیں۔

Marfat.com

اور اگر وہ پہلی دو رکعتوں میں تشہد کی مقدار کے برابر نہ بیٹھا تو اس کی فرض نماز ادا نہ ہوئی اور چاروں رکعات نفل ہو گئیں لہذا فرض نماز دوبارہ پڑھے۔

عبارت ۳

فَارَقَ : جدا ہوا۔ بچھڑا۔ الگ ہوا۔

بُیُوْتٌ : جمع ہے بَیْتٌ کی۔ گھر۔ اَلْمِصْرُ : شہر۔

لَا یَزَالُ : زائل نہیں ہوتا رہوگا۔ زَالَ زائل ہوا۔ ہٹ گیا۔

یَنْوِیْ : نیت کرتا ہے۔ نَوٰی : نیت کی۔ لَمْ یَنْوِ اس نے نیت نہ کی۔ نَوَوْا انہوں نے نیت کی

بَلْدَۃٌ : شہر۔ بستی۔ خَمْسَۃَ عَشَرَ : پندرہ۔

صَاعِدًا : اوپر چڑھنے والا۔ اسم فاعل ہے صَعَدَ یَصْعَدُ صُعُوْدًا سے۔

غَدًا : آنے والا کل۔ سِنِیْنَ جمع ہے سَنَۃ کی سال۔

جب کوئی شخص سفر کی نیت سے اپنی آبادی کے آخری گھروں سے باہر نکل آئے تو نماز میں قصر کرنا واجب ہو جائے گا اور جب تک وہ کسی بستی میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ مدت کے لیے مقیم ہونے کی نیت نہ کرے وہ قصر کرے گا۔ اگر پندرہ دن یا اس سے زائد عرصہ کے لیے اقامت کا ارادہ کرلے تو پوری نماز پڑھے گا۔ پندرہ روز سے کم تر مدت کے لیے اقامت کی نیت کرے تو قصر کرے گا۔ غیر یقینی صورت میں وہ قصر کرتا رہے گا خواہ سالہا سال مقیم رہے۔

اسلامی لشکر اگر دار الحرب میں داخل ہو اور وہ پندرہ یوم کے لیے وہاں مقیم ہونے کا ارادہ بھی کریں تو بھی وہ قصر کریں گے اور پوری نماز نہیں پڑھیں گے۔

عبارت ۴

اَلْمُقِیْمُ : اقامت کرنے والا۔ اسم فاعل ہے اَقَامَ یُقِیْمُ اِقَامَۃً سے۔

اَتَمَّ : پورا کیا۔ یہاں مراد ہے، پوری نماز پڑھی۔

فَائِتَۃٌ : فوت ہونے والی۔ لَمْ تَجُزْ : جائز نہ ہوئی۔

مسافر اگر اقامت والے (یعنی غیر مسافر) امام کے پیچھے وقتی نماز پڑھے تو پوری نماز پڑھے (قصر نہ کرے)۔ اگر امام کوئی فوت شدہ نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے مسافر کا نماز پڑھنا جائز نہیں۔

Marfat.com

عبارت ۵

اَلْمُقِیْمِیْنَ : جمع ہے مقیم کی۔ اقامت کرنے والے۔ المقیمون بھی مقیم کی جمع ہے۔
یُسْتَحَبُّ : مستحب ہے۔ پسند کیا جاتا ہے۔
اَتِمُّوْا : پورا کرو۔
سَفْرٌ : مسافر۔ مسافر بن (واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے)۔

اگر مسافر لوگوں کو نماز پڑھائے (امامت کرے) تو وہ قصر کرے دو رکعتیں پڑھے اور سلام کہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقیم مقتدی مزید دو رکعت پڑھ کر نماز پوری کریں۔ امام کے لیے مستحب ہے کہ سلام کہنے کے بعد مقتدیوں سے کہے کہ اپنی نماز پوری کر دہم تو مسافر لوگ ہیں۔

عبارت ۶

لَمْ یَنْوِ : نیت نہ کی۔ اِنْتَقَلَ : منتقل ہوا۔
اِسْتَوْطَنَ : وطن بنا لیا۔ لَمْ یُتِمَّ : پورا نہ کیا۔

مسافر اپنے شہر میں داخل ہو جائے تو پوری نماز پڑھے خواہ وہ اس میں اقامت کی نیت نہ بھی کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو وطن بنا لے پھر سفر کر کے اپنے سابقہ وطن میں آئے تو قصر کرے اور پوری نماز نہ پڑھے۔

عبارت ۷

اگر مسافر مکہ اور منیٰ میں پندرہ روز اقامت کرنے کی نیت کرے تو بھی قصر کرے اور پوری نماز نہ پڑھے۔

عبارت ۸

دو نمازوں کو بالفعل جمع کیا جا سکتا ہے لیکن وقت کی حیثیت میں نہیں۔ مثلاً ظہر کی نماز اس کے آخر وقت میں پڑھے اور عصر کی نماز اس کے اوّل وقت میں پڑھے تو اس نے ان دو نمازوں کو بالفعل یکجا کر دیا اور ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ ظہر کے وقت ظہر اور عصر کی نماز اکٹھے پڑھ لے۔

عبارت ۹

تَجُوْزُ : جائز ہے۔ فعل مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ
سَفِیْنَۃٌ : کشتی قَاعِدًا : بیٹھ کر

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کشتی میں ہر حال میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے جب کہ

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کشتی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

عبارت نمبر ۵

فَائَتَتْ : فوت ہوئی ۔ گزر گئی ۔ چھوٹ گئی۔

اَلْحَضَرَ : سفر کی ضد ہے ۔ اقامت کی حالت ۔

قَضٰی : انجام دیا ۔ اَرْبَعًا : چار

اَلْعَاصِیُ : نافرمان ۔ گنہگار ۔ اَلْمُطِیْعُ : اطاعت کرنے والا ۔

نماز اگر سفر کی حالت میں فوت ہو اور حضر میں اس کی قضا کرے تو دو رکعت پڑھے (یعنی قصر کے ساتھ) اور اگر حضر میں نماز فوت ہو اور سفر میں اس کی قضا کرے تو چار رکعت پڑھے ۔ یعنی قضا موافق ہو ادا کے ۔

سفر میں قصر کی سہولت گنہگار اور نیکوکار دونوں کے لیے یکساں ہے ۔ سفر خواہ گناہ کے کسی کام کے لیے کرے یا نیکی کے کام کے لیے ہر دو صورتوں میں قصر کی سہولت ہے ۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قصر کی رخصت گناہ کے کام کے لیے کیے جانے والے سفر میں حاصل نہیں ۔ چونکہ قرآن حکیم اور حدیث شریف میں بغیر کسی شرط کے سفر میں قصر کی رخصت کا حکم ہے اس لیے حنفیہ نے بھی ہر قسم کے سفر میں قصر کی رخصت رکھی ہے ۔

مسائل

باب صلوٰۃ المسافر میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ موجب قصر سفر

جس سفر سے نماز میں قصر واجب آتا ہے وہ ہے اونٹ کی چال یا پیدل چلنے سے تین دن کا سفر اور اس میں پانی میں سفر کا کوئی اعتبار نہیں ۔ (اور نہ ہی آج کل کے ذرائع سفر موٹر کار، ریل گاڑی ہوائی جہاز وغیرہ کا اعتبار ہے) ۔ یہاں دن کے سفر سے مراد دن کا اکثر حصہ ہے، یعنی دوپہر کے آرام اور کھانے وغیرہ پر جو وقت صرف ہوتا ہے اسے چھوڑ کر عام طور پر ایک دن میں جتنا سفر ہوتا ہے وہ مراد ہے ۔ گویا حنفی فقہ میں مسافت سفر کا اندازہ سفر میں صرف ہونے والے وقت سے لگایا گیا ہے نہ کہ پیمائش سے ۔ مالکی، حنبلی اور شافعی فقہ میں اس کا اندازہ پیمائش سے لگایا گیا ہے اور وہ ہے سولہ فرسخ اور ایک فرسخ برابر ہے تین عربی میلوں کے (عربی میل انگریزی

Marfat.com

میل سے چھوٹا ہے)۔ بعض متأخر حنفی فقہا نے اس کا تعین ۳/۴ ۵۰ انگریزی میل ر ۵۷ میل ۳ فرلانگ، کیا ہے[1] اور بعض نے ۴۸ میل[2]۔

۲۔ قصر الصلوٰۃ اور اس کا وجوب

سفر میں نماز میں قصر یہ ہے کہ چار رکعات کے بجائے دو رکعت پڑھے (یعنی ظہر، عصر اور عشا کی چار رکعتوں کی جگہ دو رکعتیں)۔ حنفیہ کے نزدیک قصر کرنا واجب ہے اور دو رکعتوں سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں۔ مسلم (کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا، باب ۱) میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث روایت کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ ، "یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے سو تم اس کا صدقہ قبول کرو"۔ اس حدیث شریف میں اقبلوا فعل امر کا صیغہ ہے جو قصر کے وجوب کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا اگر مسافر نے چار رکعات پڑھیں اور دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھا تو ان دو رکعتوں سے اس کی فرض نماز ادا ہو گئی اور پچھلی دو رکعتیں نفل ہو گئیں۔ اور اگر دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار کے برابر نہ بیٹھا تو اس کی فرض نماز باطل ہو گئی یعنی دوبارہ پڑھے اور یہ چار رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

۳۔ قصر کا حکم کب لاگو ہوتا ہے

مسافر جب اپنی بستی کے تمام مکانوں (اور بستی کی ملحقہ عمارتوں) سے باہر نکل آئے قصر الصلوٰۃ کا حکم لاگو ہو جاتا ہے اور جب تک وہ کسی بستی میں پندرہ دن یا اس سے زائد عرصہ کے لیے اقامت کی نیت نہ کرے لاگو رہتا ہے۔ اگر پندرہ دن سے کم مدت کے لیے مقیم ہونے کا ارادہ کرے تو قصر کرے اور پوری نماز نہ پڑھے اور اگر پندرہ یا اس سے زیادہ دنوں کے لیے اقامت کی نیت کرے تو قصر نہ کرے اور پوری نماز پڑھے۔

غیر یقینی صورتِ حال میں قصر کرے یعنی اگر پندرہ یوم کے لیے اقامت کی نیت نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ کل یا پرسوں چلا جاؤں گا تو قصر کرے۔ اس حال میں اگر وہ کئی سال بھی ٹھہرا رہے تو قصر کرے۔

اسلامی لشکر اگر دار الحرب میں داخل ہو اور وہاں پندرہ دن کے لیے اقامت

---

[1] امجد علی: بہار شریعت، بحوالہ الفتاوی الرضویۃ از احمد رضا خاں بریلوی۔

[2] عزیز الرحمٰن: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱: ۲۱۰، ۲۱۱۔

Marfat.com

کی نیت بھی کرلیں تو بھی وہ قصر کریں اور پوری نماز نہ پڑھیں۔

۴۔ اگر مسافر مقتدی ہو یا امام

اگر مسافر وقتی نماز مقیم امام کے پیچھے پڑھے تو پوری نماز پڑھے اور قصر نہ کرے اور اگر وہ مقیم امام کے پیچھے فوت شدہ نماز پڑھے تو یہ جائز نہیں۔

اگر مسافر امام ہو اور وہ مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو مسافر امام دو رکعتیں پڑھے (یعنی قصر کرے) اور سلام کہے اور مقتدی اپنی نماز پوری کریں۔ امام کے لیے مستحب ہے کہ سلام کہنے کے بعد مقتدیوں سے کہہ دے کہ اپنی نماز پوری کر لو ہم تو مسافر لوگ ہیں۔

۵۔ وطن واپسی پر قصر ختم

مسافر کے اپنی بستی میں داخل ہونے پر قصر کی رخصت ختم ہو جائے گی اور وہ پوری نماز پڑھے چاہے اس نے اس میں اقامت کی نیت نہ بھی کی ہو۔

۶۔ وطن میں تبدیلی

اگر کوئی شخص اپنا وطن چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو اپنا وطن بنا لے پھر سفر کرے اور اپنے سابقہ وطن میں آئے تو قصر کرے اور پوری نماز نہ پڑھے۔

۷۔ مکہ اور منیٰ میں اقامت

مسافر اگر مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن اقامت کرنے کی نیت کرے تو بھی قصر نہ کرے اور پوری نماز پڑھے۔

۸۔ دو نمازوں کو جمع کرنا

مسافر کے لیے دو نمازوں کو بالفعل جمع کرنا جائز ہے لیکن وقت کے لحاظ سے یکجا کرنا جائز نہیں۔ مثلاً یہ جائز ہے کہ ظہر کی نماز اس کے آخر وقت میں پڑھ لے اور ساتھ ہی عصر کی نماز پڑھ لے، عصر کے اوّل وقت میں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ ظہر کے وقت ظہر اور عصر دونوں نمازیں اکٹھی پڑھے۔

۹۔ کشتی میں نماز

کشتی میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر حال میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بغیر عذر کے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

۱۰۔ قضا ... ادا ...

اگر سفر میں کوئی نماز فوت ہو گئی تو حضر میں دو رکعتیں قضا کرے (یعنی قصر کرے) اگر حضر میں نماز فوت ہوئی اور سفر میں اس کی قضا کرے تو چار رکعتیں پڑھے

Marfat.com

(یعنی قصر نہ کرے بلکہ پوری نماز پڑھے)۔ یعنی قضا موافق ادا ہو۔

۱۱۔ رخصتِ قصر عاصی و مطیع سب کے لیے یکساں

سفر میں نماز میں قصر کی رخصت گنہگار اور اطاعت شعار سب کے لیے یکساں ہے۔ یعنی سفر خواہ بدی کے کام (مثلاً چوری، ڈکیتی وغیرہ) کے لیے ہو یا نیکی کے کام (مثلاً طلبِ علم، طلبِ رزق حلال وغیرہ) کے لیے ہو۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور امام شافعیؒ کے نزدیک سفر میں قصر کی رخصت صرف نیک کام کے لیے کیے جانے والے سفر میں ہے اور جو سفر گناہ کے کام کے لیے کیا جائے اس میں یہ رخصت نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بلا امتیاز ہر قسم کے سفر میں یہ رخصت حاصل ہے کیونکہ قرآنِ حکیم (النساء ۴ : ۱۰۱) اور حدیث شریف (مسلم، کتاب الصلوٰۃ المسافرین وقصرھا، باب ۱) میں اس کا حکم مطلق ہے اور اس میں نیکی اور بدی کے سفر کی کوئی تمیز نہیں کی گئی۔

Marfat.com

بَابُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ

وَلَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ فِیْ مُصَلَّی الْمِصْرِ

جمعہ مصر جامع یا شہر کی عیدگاہ کے سوا جائز نہیں

وَلَا تَجُوْزُ فِی الْقُرٰی وَلَا تَجُوْزُ اِقَامَتُهَا اِلَّا لِلسُّلْطَانِ اَوْ لِمَنْ اَمَرَهُ السُّلْطَانُ[۱]

اور دیہات میں جائز نہیں اور سلطان یا سلطان کے مامور کے سوا کسی کو اس کا قائم کرنا جائز نہیں

وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِیْ وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَا تَصِحُّ بَعْدَهٗ

اور اس کی شرطوں میں سے وقت ہے پس ظہر کے وقت صحیح ہے اور اس کے بعد صحیح نہیں

وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْخُطْبَةُ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يَخْطُبُ الْاِمَامُ خُطْبَتَيْنِ

اور اس کی شرطوں میں سے نماز سے پہلے خطبہ ہے امام دو خطبے دے

يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ وَيَخْطُبُ قَائِمًا عَلَى الطَّهَارَةِ[۲]

ان دونوں کے درمیان ایک قعدہ سے فاصلہ کرے اور پاک حالت میں کھڑے ہو کر خطبہ دے

فَاِنِ اقْتَصَرَ عَلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

پس اگر (یعنی امام) اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اکتفا کرے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے

وَقَالَا لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيْلٍ يُسَمّٰى خُطْبَةً

اور صاحبین نے کہا، لمبا ذکر ضروری ہے جسے خطبہ کہا جا سکے

فَاِنْ خَطَبَ قَاعِدًا اَوْ عَلٰی غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازَ وَيُكْرَهُ۔[۳]

تو اگر بیٹھ کر یا بغیر پاکی کے (یعنی بے وضو) خطبہ دے تو جائز ہے مگر مکروہ ہے

Marfat.com

وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ وَاَقَلُّهُمْ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ ثَلٰثَةٌ

اور اس کی شرطوں میں سے جماعت ہے اور ان کی کم از کم تعداد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین ہے

سِوَى الْاِمَامِ وَقَالَا اِثْنَانِ سِوَى الْاِمَامِ وَيَجْهَرُ الْاِمَامُ بِقِرَاءَتِهٖ

امام کے علاوہ اور صاحبین نے کہا دو ہے امام کے علاوہ اور امام بلند آواز میں قراءت کرے

فِي الرَّكْعَتَيْنِ وَلَيْسَ فِيْهِمَا قِرَاءَةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا ۴؎

دونوں رکعتوں میں اور ان میں کسی معین سورت کا پڑھنا ضروری نہیں

وَلَا تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلٰى مُسَافِرٍ وَلَا امْرَاَةٍ وَلَا مَرِيْضٍ وَلَا صَبِيٍّ

اور جمعہ واجب نہیں مسافر پر اور نہ عورت پر اور نہ بیمار پر اور نہ بچے پر

وَلَا عَبْدٍ وَلَا اَعْمٰى فَاِنْ حَضَرُوْا وَصَلَّوْا مَعَ النَّاسِ اَجْزَاَهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ

اور نہ غلام پر اور نہ نابینا پر اور اگر یہ لوگ آجائیں اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیں تو وقت کے فرض کی طرف سے کافی ہو گا

وَيَجُوْزُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسَافِرِ وَالْمَرِيْضِ اَنْ يَّؤُمُّوْا فِي الْجُمُعَةِ ۵؎

اور غلام اور مسافر اور بیمار کو جائز ہے کہ جمعہ میں امامت کریں ۔

وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهٖ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْاِمَامِ

اور جو شخص جمعہ کے دن اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھے امام کی نماز سے پہلے

وَلَا عُذْرَ لَهٗ كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَجَازَتْ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ بَدَا لَهٗ

اور اسے کوئی عذر نہ ہو تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے اور اس کی نماز جائز ہے پھر اگر اسے خیال آیا

اَنْ يَّحْضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ اِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلٰوةُ الظُّهْرِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ

کہ جمعہ میں حاضر ہو اور اس کی طرف چل پڑا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ظہر کی نماز باطل ہو گئی

بِالسَّعْيِ اِلَيْهَا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا تَبْطُلُ حَتّٰى يَدْخُلَ مَعَ الْاِمَامِ

اس کی طرف سعی کے ساتھ ہی اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا باطل نہیں ہو گی جب تک امام کے ساتھ (نماز میں) داخل نہ ہو

Marfat.com

وَيُكْرَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ الْمَعْذُوْرُ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَكَذٰلِكَ اَهْلُ السِّجْنِ

اور معذور کے لیے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے اور اسی طرح قیدیوں کے لیے بھی

وَمَنْ اَدْرَكَ الْاِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلّٰى مَعَهٗ مَا اَدْرَكَ

اور جو شخص جمعہ کے دن امام کو پالے تو جتنی نماز ملے امام کے ساتھ پڑھ لے

وَبَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ وَاِنْ اَدْرَكَهٗ فِي التَّشَهُّدِ اَوْ فِيْ سُجُوْدِ السَّهْوِ

اور اس پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر وہ اسے تشہد میں یا سجدہ سہو میں پائے

بَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ

تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر جمعہ کی بنا کرے اور امام محمدؒ نے کہا

اِنْ اَدْرَكَ مَعَهٗ اَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ

اگر وہ دوسری رکعت کا اکثر حصہ اس کے ساتھ پالے تو وہ اس پر جمعہ کی بنا کرے

وَاِنْ اَدْرَكَ مَعَهٗ اَقَلَّهَا بَنٰى عَلَيْهَا الظُّهْرَ

اور اگر اس کے ساتھ اس کا قلیل ترین حصہ پائے تو اس پر ظہر کی بنا کرے

وَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ وَالْكَلَامَ

اور جمعہ کے دن جب امام باہر نکلے تو لوگ نماز اور بات چیت ترک کر دیں

حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ وَقَالَا لَا بَاْسَ بِاَنْ يَّتَكَلَّمَ مَا لَمْ يَبْدَاْ بِالْخُطْبَةِ

حتّٰی کہ وہ اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے اور صاحبینؒ نے کہا جب تک امام خطبہ شروع کرے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں

وَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْاَذَانَ الْاَوَّلَ

اور جب مؤذن جمعہ کے دن پہلی اذان دے

تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَجَّهُوْا اِلَى الْجُمُعَةِ فَاِذَا

تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ دیں اور جمعہ کی طرف چل پڑیں پھر جب

Marfat.com

صَعِدَ الْاِمَامُ الْمِنْبَرَ جَلَسَ وَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ بَیْنَ یَدَیِ الْمِنْبَرِ

امام منبر پر چڑھ جائے تو بیٹھ جائے اور مؤذن منبر کے سامنے اذان دے

ثُمَّ یَخْطُبُ الْاِمَامُ وَاِذَا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِہٖ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ۔ ۵

پھر امام خطبہ دے اور جب وہ اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے تو نماز کھڑی کر دیں

تشریحات

عبارت ۱

لَا تَصِحُّ: صحیح نہیں۔ صَحَّ درست ہوا۔ یَصِحُّ درست ہوتا ہے۔

مِصْرٌ: شہر۔ جَامِعٌ: اکٹھا کرنے والا۔

مُصَلّٰی: نماز پڑھنے کی جگہ۔ یہاں مراد ہے عیدگاہ وغیرہ۔

اَلْقُرٰی: دیہات۔ جمع ہے قَرْیَۃٌ کی، دیہہ، گاؤں۔

(۱) جمعہ کی نماز مصر جامع میں یا مصر جامع کی عیدگاہ وغیرہ میں ہی جائز ہے اور دیہات میں جائز نہیں مصر جامع کی دو تعریفیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر وہ جگہ مصر جامع ہے جس کا ایک حکمران اور قاضی ہو جو احکام کو نافذ کرے۔ دوسری یہ کہ وہ بستی جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس بستی کے سب مکلف لوگ نہ سما سکیں۔ شہر کے مصلّی سے مراد شہر میں یا شہر سے ملحق وہ کھلی جگہ ہے جو مصالح عامہ کے لیے مخصوص ہو، مثلاً عیدگاہ، میتیں دفنانے کی جگہ، گھڑدوڑ کا میدان وغیرہ۔ مصر جامع کی تعریف سے خارج جو بستیاں ہیں وہ قریٰ یعنی دیہات ہیں۔ دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔

(۲) جمعہ کی نماز صرف سلطان (ملک کا حکمران) قائم کر سکتا ہے یا اس کا نائب۔ اور کسی شخص کے لیے جمعہ کی نماز کا قائم کرنا جائز نہیں۔

عبارت ۲

(۱) جمعہ کی نماز کی شرائط میں سے ایک شرط وقت ہے۔ پس نمازِ جمعہ ظہر کے وقت میں درست ہے اس کے بعد درست نہیں۔

(۲) ایک شرط نماز سے پہلے خطبہ ہے۔ امام نماز سے پہلے دو خطبے دے اور ان دو

Marfat.com

خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ کر فاصلہ کرے۔ اور وہ باوضو ہو کر کھڑے ہو کر خطبے دے۔

عبارت ۳

اِقْتَصَرَ : اکتفا کیا۔ اقتصار کیا

لَابُدَّ مِنْ : ضروری ہے۔ ناگزیر ہے۔

يُسَمّٰى : نام دیا جاتا ہے۔ موسوم کیا جاتا ہے۔ سمّی ماضی۔ تَسْمِيَةٌ مصدر۔

قَاعِدًا : بیٹھ کر۔ قَعَدَ يَقْعُدُ سے اسم فاعل۔

يُكْرَهُ : ناپسند کیا جاتا ہے۔ مکروہ ہے۔ كَرِهَ ناپسند کیا۔ يَكْرَهُ ناپسند کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام خطبے میں اللہ تعالیٰ کا صرف ذکر کرے تو جائز ہے یعنی ذکر کے طویل ہونے کی شرط نہیں۔ لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اللہ کا ذکر اتنا طویل ضرور ہو کہ اسے خطبہ کہا جا سکے۔

امام اگر بیٹھ کر اور بے وضو خطبہ دے تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

عبارت ۴

اَلْجَمَاعَةُ : جماعت۔ اکٹھ۔ اَقَلُّ : کم از کم

ثَلٰثَةٌ : تین۔ اِثْنَانِ : دو

يَجْهَرُ : اونچی آواز میں بولے۔

بِعَيْنِهَا : معین طور پر۔ خاص طور پر۔

نمازِ جمعہ کی شرطوں میں سے ایک شرط جماعت ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہوں اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام کے علاوہ دو ہوں۔

امام نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں بالجہر قراءت کرے۔ قراءت کے لیے قرآن حکیم کی کوئی سورت مخصوص نہیں بلکہ پورے قرآن مجید میں سے وہ کہیں سے کوئی بھی سورت پڑھ سکتا ہے۔

عبارت ۵

لَاتَجِبُ : واجب نہیں۔ وَجَبَ : واجب ہوا۔ يَجِبُ : واجب ہوتا ہے۔

اِمْرَاَةٌ : عورت۔ صَبِيٌّ : بچہ۔ عَبْدٌ : غلام۔ اَعْمٰى : اندھا۔

حَضَرُوْا : وہ آئے۔ حاضر ہوئے۔ صَلَّوْا : انہوں نے نماز پڑھی۔

اَجْزَأَ : کافی ہوا۔ اَمَّ : امام ہوا۔ يَؤُمُّ : امامت کرتا ہے۔

Marfat.com

جمعہ کی نماز مسافر، عورت، بیمار، بچے، غلام اور نابینا پر واجب نہیں۔ اگر وہ نماز پڑھنے کے لیے آجائیں اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیں تو یہ وقت کی فرض نماز یعنی نمازِ ظہر کا عوض ہو جائے گی۔

غلام، مسافر اور مریض جمعہ کی نماز کی امامت کریں تو جائز ہے۔

عبارت ۶

بَدَا لَهُ : اسے خیال آیا۔ تَوَجَّهَ : متوجہ ہوا۔ رُخ کیا۔ چل پڑا۔

بَطَلَتْ : باطل ہو گئی اَلسَّعْیُ : دوڑ دھوپ۔ لپکنا

اَلسِّجْنُ : جیل۔ قید خانہ

(۱) جمعہ کے روز امام کی نمازِ جمعہ سے پہلے کوئی آدمی اپنے گھر میں بغیر کسی عذر کے نمازِ ظہر پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(۲) اگر گھر میں نمازِ ظہر پڑھ چکنے کے بعد اسے جمعہ کی نماز میں جانے کا خیال آئے اور وہ ادھر کا رُخ کرلے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ادھر لپکنے کے ساتھ ہی اس کی نمازِ ظہر باطل ہو جائے گی جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک امام کے ساتھ نمازِ جمعہ شروع نہ کرلے اس کی ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی۔

(۳) جمعہ کے دن معذور آدمی کا جماعت کے ساتھ نمازِ ظہر پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح جمعہ کے روز قیدیوں کا با جماعت نمازِ ظہر پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

عبارت ۷

اَدْرَكَ : پا لیا بَنٰی : بناء کی۔

جمعہ کے دن امام کو نمازِ جمعہ میں پالے تو جتنی نماز ملے امام کے ساتھ پڑھے اور اس پر جمعہ کی نماز کی بناء کرے۔ یعنی جتنی نماز امام کے ساتھ ملے پڑھ لے اور اس کے بعد تنہا جمعہ کی باقیماندہ (جو پہلے گزر چکی) نماز پڑھے۔ اگر وہ امام کے ساتھ تشہد میں یا سجدۂ سہو میں شامل ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ اس پر نمازِ جمعہ کی بناء کرے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر تو وہ امام کے ساتھ دوسری رکعت کا بیشتر حصہ پالے تو اس پر نمازِ جمعہ کی بناء کرے اور اگر اس کا کمتر حصہ پائے تو اس پر ظہر کی نماز کی بناء کرے (یعنی اب جمعہ کی نماز کی دو رکعتوں کے بجائے نمازِ ظہر کی چار رکعتیں پڑھے)۔

عبارت ۸

تَرَكَ : چھوڑ دیا یَفْرُغُ : فارغ ہو

Marfat.com

بَأْس : حرج ۔ مضائقہ ۔

مَالَمْ يَبْدَأْ بِهٖ : جب تک شروع نہ کرے ۔ اس میں مَا توقیتیہ ہے ۔ بَدَأَ شروع ہوا ۔ بَدَأَ بِهٖ شروع کیا ۔ يَبْدَأُ شروع ہوتا ہے ۔ يَبْدَأُ بِهٖ شروع کرتا ہے ۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب امام جمعہ کے روز منبر کی طرف نکلے تو لوگ نماز اور گفتگو ترک کر دیں، جب تک وہ اپنے خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے ۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔

عبارت ۹

أَذَّنَ : اذان دی ۔ اَلْمُؤَذِّنُ : اذان دینے والا

اَلْبَيْعُ : فروخت اَلشِّرَاءُ : خرید

تَوَجَّهُوْا : متوجہ ہو گئے ۔ چل پڑے ۔ صَعِدَ : اوپر چڑھا ۔

جَلَسَ : بیٹھ گیا بَيْنَ يَدَيْ : سامنے ۔ آگے

فَرَغَ : فارغ ہوا ۔ اَقَامُوْا : انہوں نے قائم کیا ۔

جمعہ کے دن مؤذن پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت ترک کر کے جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں ۔

جب امام منبر پر چڑھے تو اس پر بیٹھ جائے، منبر کے سامنے مؤذن اذان دے پھر امام خطبہ دے اور جب امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ نماز قائم کریں ۔

مسائل

جمعہ کے دن کی بڑی فضیلت ہے، اس دن میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خیر و برکت جمع کر دی ہے ۔ حدیث شریف میں اس کے بڑے فضائل بیان ہوئے ہیں ۔ مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے ۔ اسی روز حضرت آدمؑ پیدا کیے گئے اور اسی روز جنت میں داخل ہوئے ۔ اسی روز جنت سے زمین پر اتارے گئے اور اسی روز قیامت قائم ہوگی ۔

جمعہ کی نماز ظہر کی نماز کا عوض نہیں بلکہ فرض قطعی ہے اور اس نماز کے لیے شرع نے جس کو مکلف کیا ہے اس پر فرض عین ہے ۔ اس نماز میں شہر یا محلہ کے تمام لوگ اکٹھے ہو کر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں ۔ اس اجتماع سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں

Marfat.com

مثلاً باہمی انس و محبت میں اضافہ ہوتا ہے، باہمی برادرانہ تعلقات استوار ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خیریت معلوم ہوتی ہے، مال دار لوگوں کو اپنے نادار بھائیوں کی تنگدستی کا علم ہوتا ہے اور وہ ان کی مالی اعانت کرتے ہیں۔

امام قدوریؒ نے بابُ صلوٰۃ الجمعہ میں جمعہ کی نماز سے متعلق درج ذیل مسائل بیان کیے ہیں:

۱۔ جمعہ کس جگہ جائز ہے

جمعہ کی نماز مصر جامع یا مصر (شہر) کے مصلّٰی کے سوا اور کہیں جائز نہیں۔ مصر کا معنی شہر اور جامع کا معنی اکٹھا کرنے والا ہے۔ مِصْرٌ جَامِعٌ کا معنی ہوا جمع کرنے والا شہر یعنی جس نے اپنے اندر لوگوں کی کثیر تعداد کو جمع کر رکھا ہو۔ فقہاء نے مصر جامع کی دو تعریفیں کی ہیں: (۱) ہر وہ جگہ جہاں حاکم و قاضی موجود ہو، جو شرعی احکام کو نافذ کرنے اور حدود کو قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ جو ظالم سے مظلوم کو اس کا حق دلا سکے۔ (۲) ایسی جگہ کہ جس کی مسجدوں میں سے سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے سب لوگ نہ سما سکیں۔

مصلّٰی کا معنی ہے نماز پڑھنے کی جگہ۔ اس کی وضاحت کتب فقہ میں یوں کی گئی ہے کہ شہر کے اندر یا شہر سے باہر ایک فرسخ فاصلے کے اندر ایسی کھلی جگہ جو اجتماعی مفاد کے کاموں کے لیے ہو، مثلاً عیدگاہ، میتوں کو دفنانے کی جگہ، گھڑ دوڑ کا میدان وغیرہ۔

پس جمعہ صرف مصر جامع میں جائز ہے اور دیہات یا گاؤں (قریٰ) میں جائز نہیں۔

۲۔ جمعہ کون قائم کرے

جمعہ کی نماز صرف سلطان (ملک کا حکمران) قائم کر سکتا ہے یا پھر وہ شخص جس کو سلطان اس پر مامور کرے۔

۳۔ جمعہ کا وقت

جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے اور اس کے بعد جمعہ جائز نہیں۔ وقت جمعہ کی شرائطِ صحت میں سے ایک شرط ہے۔

۴۔ خطبہ شرط ہے

نمازِ جمعہ کی شرائطِ صحت میں سے ایک شرط نماز سے قبل خطبہ ہے۔ خطبہ کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ امام نماز سے قبل دو خطبے دے اور دونوں خطبوں کے درمیان منبر پر بیٹھ کر فاصلہ کرے۔ خطبے وضو کی حالت میں کھڑے ہو کر دے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ میں صرف اللہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ طویل ذکر ضروری نہیں (مثلاً اگر صرف اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

Marfat.com

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کہہ دیا تو خطبہ ہو گیا، لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس قدر طویل ذکر ضروری ہے کہ جسے خطبہ کہا جا سکے۔

اگر خطیب بیٹھ کر یا بے وضو خطبہ دے تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

۵۔ جماعت شرط ہے

نماز جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا جماعت کی کم از کم تعداد ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کم از کم تعداد امام کے علاوہ دو آدمی ہیں۔

۶۔ قرائت بالجہر

جمعہ کی نماز میں امام دونوں رکعتوں میں قرائت بالجہر کرے، تاہم اس کے لیے کوئی سورت مخصوص نہیں بلکہ قرآنِ حکیم کی کسی بھی سورت کی قرائت کر سکتا ہے۔

۷۔ جمعہ کن پر فرض نہیں

نماز جمعہ مسافر، عورت، بیمار، بچے، غلام اور اندھے پر فرض نہیں۔ تاہم اگر یہ لوگ آجائیں اور لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھ لیں تو ان کی ظہر کی نماز کا عوض ہو جائے گا۔

غلام، مسافر، مریض جمعہ کی امامت کر سکتے ہیں۔

۸۔ یوم جمعہ کو گھر میں ظہر کی نماز پڑھنا

جمعہ کے روز امام کی نمازِ جمعہ سے پہلے بغیر عذر کے گھر میں نمازِ ظہر پڑھے تو ایسا کرنا مکروہ ہے اگرچہ نماز ہو جائے گی۔

نمازِ ظہر پڑھ چکنے کے بعد اگر جمعہ میں جانے کا خیال آجائے اور اس کی طرف چل پڑے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی طرف چل پڑتے ہی اس کی نمازِ ظہر باطل ہو جائے گی جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک وہ امام کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہو اس کی ظہر کی نماز باطل نہ ہو گی۔

جمعہ کے دن معذور یا قیدی نمازِ ظہر باجماعت پڑھیں تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔

۹۔ جس قدر نماز ملے شامل ہو جائے

امام کے ساتھ جس قدر نماز ملے اس کے ساتھ نماز پڑھے اور اس پر جمعہ کی بنا کرے یعنی جمعہ کی جتنی نماز گزر چکی اسے تنہا پڑھ کر پوری کرے۔ اگر امام کو تشہد میں یا سجدۂ سہو میں پائے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اتنی نماز ملنے پر بھی وہ اس پر جمعہ کی بنا کرے یعنی امام کے سلام کہنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور جمعہ کی دو رکعت ہی پڑھے۔

Marfat.com

اس کی جمعہ کی نماز ہو جائے گی۔ امام محمدؒ کا قول ہے کہ اگر تو وہ دوسری رکعت کا بیشتر حصہ امام کے ساتھ پائے تو اس پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر دوسری رکعت کا کمتر حصہ پائے تو اس پر ظہر کی بنا کرے یعنی تنہا ظہر کی چار رکعات پڑھے، یہ اس کی جمعہ کی نماز نہیں بلکہ ظہر کی نماز ہوگی۔ فتویٰ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

۱۰۔ خطبہ کے دوران صلوٰۃ و کلام کی ممانعت

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام منبر کی طرف آئے تو اس کے ساتھ ہی لوگ نماز اور گفتگو ترک کر دیں اور جب تک وہ اپنے خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے وہ خاموش رہیں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ اس وقت تک گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے۔ اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

۱۱۔ اذانِ اوّل پر ترکِ بیع

جمعہ کے روز جب مؤذن (دن ڈھلنے کے بعد) پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ کر جمعہ کی طرف چل پڑیں۔ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ (سورۃ الجمعۃ، ۶۲: ۹)

(ترجمہ) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

اذان ہونے کے بعد اس شخص کا خرید و فروخت کرنا حرام ہے جس پر نمازِ جمعہ فرض ہے خواہ خرید و فروخت کا معاملہ فی نفسہٖ صحیح کیوں نہ ہو۔

(جمعہ کی دوسری اذان اس وقت دی جاتی ہے جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جاتا ہے حضور ﷺ کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں صرف خطیب کے سامنے دی جانے والی ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں سورج ڈھلنے کے بعد والی نماز کا اضافہ کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی اور اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر پہلی اذان دینا ضروری ہو گیا تھا تاکہ اعلان ہو جائے اور انہیں اطلاع ہو جائے۔ مالکیہ حنبلیہ اور شافعیہ کے نزدیک دوسری اذان کے بعد بیع وشراء ترک کرنے کا حکم لاگو ہوتا ہے۔)

۱۲۔ دوسری اذان، خطبہ اور اقامت

امام منبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دے پھر امام خطبہ (یعنی دو خطبے) دے اور جب وہ اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ نماز قائم کریں۔

Marfat.com

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ

يُسْتَحَبُّ يَوْمَ الْفِطْرِ اَنْ يَّطْعَمَ الْاِنْسَانُ قَبْلَ الْخُرُوْجِ اِلَى الْمُصَلّٰى

عید الفطر کے دن مستحب ہے کہ انسان عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھائے

وَيَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ وَيَلْبَسَ اَحْسَنَ ثِيَابِهٖ وَيَتَوَجَّهُ اِلَى الْمُصَلّٰى

اور غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اپنے بہترین کپڑے پہنے اور عید گاہ کی طرف چل پڑے

وَلَا يُكَبِّرُ فِيْ طَرِيْقِ الْمُصَلّٰى عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عید گاہ کے راستے میں تکبیر نہ کہے

وَيُكَبِّرُ عِنْدَهُمَا - وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلّٰى قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِيْدِ

اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے اور نمازِ عید سے پہلے عید گاہ میں نفل نہ پڑھے

فَاِذَا حَلَّتِ الصَّلٰوةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُهَا اِلَى الزَّوَالِ

تو جب آفتاب کے اوپر چڑھ آنے سے نماز حلال ہو جائے تو اس کا وقت ہو گیا جو (سورج) ڈھلنے تک رہے گا

فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُهَا ۚ وَيُصَلِّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ

پھر جب سورج ڈھل جائے اس کا وقت نکل جائے گا۔ اور امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے

يُكَبِّرُ فِي الْاُوْلٰى تَكْبِيْرَةَ الْاِحْرَامِ وَثَلٰثًا بَعْدَهَا ثُمَّ يَقْرَأُ

پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہے اور تین تکبیریں اس کے بعد کہے پھر پڑھے

فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَّعَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً يَّرْكَعُ بِهَا

سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع کرے

Marfat.com

ثُمَّ يَبْتَدِئُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَةِ فَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ

پھر دوسری رکعت میں قرارت سے شروع کرے اور جب قرارت سے فارغ ہو

كَبَّرَ ثَلٰثَ تَكْبِيرَاتٍ وَّكَبَّرَ تَكْبِيرَةً رَابِعَةً يَرْكَعُ بِهَا

تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے

وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ خُطْبَتَيْنِ

اور عیدین کی تکبیروں میں رفع یدین کرے پھر نماز کے بعد (امام) دو خطبے دے

يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهِمَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَ اَحْكَامَهَا [۲]

اس (خطبے) میں لوگوں کو صدقۂ فطر اور اس کے احکام سکھائے

وَ مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا

اور جس کو امام کے ساتھ نماز عید نہ ملے وہ اسے قضاء نہ کرے

فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ عَنِ النَّاسِ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ

پس اگر چاند لوگوں کو دکھائی نہ دے اور امام کے پاس لوگ چاند دیکھنے کی شہادت

بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْغَدِ فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ

سورج ڈھلنے کے بعد دیں تو اگلے دن عید پڑھے اور اگر کوئی عذر پیدا ہو جائے جو

مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ [۳]

لوگوں کو دوسرے دن بھی نماز سے روک دے تو اس کے بعد اسے نہ پڑھے

وَ يُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْأَضْحٰى اَنْ يَّغْتَسِلَ وَ يَتَطَيَّبَ

اور عید الاضحیٰ کے دن مستحب ہے کہ غسل کرے اور خوشبو لگائے

وَيُؤَخِّرَ الْأَكْلَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ وَيَتَوَجَّهُ اِلَى الْمُصَلّٰى

اور کھانے کو مؤخر کر دے۔ یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے اور عیدگاہ کا رُخ کرے

Marfat.com

وَهُوَ يُكَبِّرُ وَيُصَلِّي الْاَضْحٰى رَكْعَتَيْنِ كَصَلٰوةِ الْفِطْرِ
تکبیر کہتے ہوئے اور عید الاضحیٰ کی دو رکعت نماز پڑھے عید الفطر کی مانند

وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهِمَا الْاُضْحِيَةَ
اور اس کے بعد (امام) دو خطبے دے جن میں لوگوں کو تعلیم دے قربانی

وَتَكْبِيْرَاتِ التَّشْرِيْقِ فَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ
اور تکبیرات تشریق کی۔ اور اگر کوئی عذر پیدا ہو جائے جو لوگوں کو نماز پڑھنے سے روک دے

يَوْمَ الْاَضْحٰى صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَلَا يُصَلِّيْهَا بَعْدَ ذٰلِكَ[۴]
عید الاضحیٰ کے دن تو اسے کل یا پرسوں پڑھ لے اور اسے اس کے بعد نہ پڑھے

وَتَكْبِيْرُ التَّشْرِيْقِ اَوَّلُهُ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ
اور تکبیر تشریق کی ابتداء یوم عرفہ (حج کے دن) کی نماز فجر کے پیچھے ہوتی ہے

وَاٰخِرُهُ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ
اور اس کی انتہاء امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قربانی کے بعد (یعنی دسویں ذی الحج) کی نماز عصر کے پیچھے ہوتی ہے

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ اٰخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ
اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا تشریق کے آخری دن (یعنی ۱۳ ذوالحج) کی نماز عصر تک ہے

وَالتَّكْبِيْرُ عَقِيْبَ الصَّلَوٰتِ الْمَفْرُوْضَاتِ : اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ
اور فرض نمازوں کے پیچھے تکبیر یہ ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ[۵]
لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

تشریحات

عبارت [۱]

یُسْتَحَبُّ: پسند کیا جاتا ہے۔ اِسْتَحَبَّ ماضی۔ یَسْتَحِبُّ مضارع۔

Marfat.com

يَطْعَمُ : کھاتا ہے۔ طَعِمَ : کھایا۔
اَلْمُصَلّٰی : نماز پڑھنے کی جگہ۔ یہاں مراد ہے عید گاہ۔
يَغْتَسِلُ : وہ نہاتا ہے۔ اِغْتَسَلَ اس نے غسل کیا۔
يَتَطَيَّبُ : وہ خوشبو لگاتا ہے۔ تَطَيَّبَ اس نے خوشبو لگائی۔
يَلْبَسُ : وہ پہنتا ہے۔ لَبِسَ اس نے پہنا۔
ثِيَابٌ : کپڑے۔ واحد : ثَوْبٌ
يَتَوَجَّهُ : رُخ کرتا ہے چل پڑتا ہے۔ جاتا ہے۔ ماضی تَوَجَّهَ۔
لَا يَتَنَفَّلُ : نفل نہیں پڑھتا۔ تَنَفَّلَ ماضی
حَلَّتْ : حلال ہوئی۔ جائز ہوئی۔

اس عبارت میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ عید الفطر کے دن یہ چیزیں مستحب ہیں: عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کوئی چیز کھانا، غسل کرنا، خوشبو لگانا، اپنے بہترین کپڑے پہننا۔
۲۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں تکبیریں نہ کہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک راستے میں تکبیریں کہے۔
۳۔ عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں نفل نہ پڑھے۔
۴۔ عید کی نماز کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لے کر اس کے ڈھلنے تک ہے۔ سورج ڈھلنے کے . . . . بعد اس کا وقت جاتا رہے گا۔

عبارت ۲۔

يَقْرَأُ : پڑھتا ہے۔ يَرْكَعُ : رکوع کرتا ہے۔
يَبْتَدِئُ : شروع ہوتا ہے۔ اِبْتَدَأَ ماضی ہے۔
يَخْطُبُ : خطبہ دیتا ہے۔ خَطَبَ : ماضی۔
يُعَلِّمُ : سکھاتا ہے۔ تعلیم دیتا ہے۔

اس عبارت میں عید الفطر کی نماز کا طریقہ بتایا گیا ہے جو اس طرح ہے:

۱۔ امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے۔ عید کی نماز دو رکعت کی ہے۔
۲۔ امام پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہے اور اس کے بعد تین تکبیریں اور کہے۔
۳۔ تین زائد تکبیریں کہنے کے بعد امام سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ (اس کے بعد سجدہ کرے)۔

Marfat.com

۴۔ دوسری رکعت قراءت سے شروع کرے اور جب قراءت سے فارغ ہو جائے تو تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔

۵۔ عیدین کی تکبیروں میں رفع یدین کرے۔

۶۔ نماز کے بعد امام دو خطبے دے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فاصلہ کرے جیسے جمعہ کی نماز میں ہے، جن میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام کی تعلیم دے۔

عبارت ۳

فَاتَتْ : فوت ہو گئی۔ چھوٹ گئی۔ فَاتَ فوت ہو گیا۔

لَمْ يَقْضِ : قضا نہ کی۔ قَضٰى ماضی۔ يَقْضِيْ مضارع۔

غُمَّ : چھپا دیا گیا۔ اوجھل کر دیا گیا۔ اَلْهِلَالُ : پہلی کا چاند۔

شَهِدُوْا : انہوں نے گواہی دی۔ شَهِدَ اس نے گواہی دی۔

اَلْغَدُ : آنے والا کل۔

حَادِثٌ : پیدا ہوا۔ واقع ہوا۔ مَنَعَ : روک دیا۔

لَمْ يُصَلِّ : نماز نہ پڑھی۔ صَلّٰى نماز پڑھی۔ يُصَلِّيْ نماز پڑھتا ہے۔

۱۔ امام کے ساتھ نماز نہ ملے تو قضا نہ کرے۔

۲۔ اگر لوگوں سے پہلی کا چاند اوجھل ہو جائے اور دکھائی نہ دے اور لوگ سورج ڈھلنے کے بعد امام کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو اگلے روز نماز پڑھائے۔

۳۔ اگر دوسرے روز کسی وجہ سے کسی عذر کے باعث نماز عید نہ پڑھ سکیں تو اس کے بعد نماز نہ پڑھیں۔

عبارت ۴

يُسْتَحَبُّ : اچھا سمجھا جاتا ہے۔ پسند کیا جاتا ہے۔ اِسْتَحَبَّ ماضی۔ يَسْتَحِبُّ مضارع۔

اَلْاَضْحٰى : جمع ہے اَلْاُضْحَاةُ کی، قربانی کا جانور، مثلاً بھیڑ، بکرا، وغیرہ۔

يَغْتَسِلَ : نہاتا ہے۔ اِغْتَسَلَ ماضی۔

يَتَطَيَّبُ : خوشبو لگاتا ہے۔ تَطَيَّبَ ماضی۔

يُؤَخِّرُ : مؤخر کرتا ہے۔ پیچھے کرتا ہے۔ اَخَّرَ ماضی اور تاخیر مصدر ہے۔

اَلْاَكْلُ : کھانا۔ مصدر ہے۔ اَكَلَ ماضی، يَأْكُلُ مضارع

يَفْرُغُ : فارغ ہوتا ہے۔ فَرَغَ ماضی۔

يَتَوَجَّهُ : رُخ کرتا ہے۔ چلتا ہے۔ جاتا ہے۔ تَوَجَّهَ ماضی۔

اَلْمُصَلّٰى : نماز پڑھنے کی جگہ۔ یہاں عیدگاہ مراد ہے۔

Marfat.com

اَلْاُضْحِيَةُ: قربانی کا جانور۔ جمع اَلْاَضَاحِیْ۔ تَشْرِیْقٌ: اصطلاحی معنی ہے: (۱) تکبیر۔ (۲) نمازِ عید۔

حَدَثَ: پیدا ہوا۔ واقع ہوا۔ مَنَعَ: روکا۔

صَلاَّھَا: اسے پڑھا۔ صَلّٰی ماضی۔ یُصَلِّیْ مضارع۔

اَلْغَدُ: آنے والا کل۔

عیدالاضحیٰ کے دن یہ امور مستحب ہیں:

۱۔ غسل کرنا۔ خوشبو لگانا۔ نمازِ عید سے فارغ ہونے سے پہلے کچھ نہ کھانا۔

۲۔ عیدگاہ کو جاتے ہوئے تکبیر کہتا رہے۔

۳۔ عیدالفطر کی طرح عیدالاضحیٰ کی بھی دو رکعتیں پڑھائے۔

۴۔ عیدالاضحیٰ کے دن نماز کے بعد دو خطبے دے۔ ان میں لوگوں کو قربانی کے مسائل اور تکبیراتِ تشریق کی تعلیم دے۔

۵۔ اگر عیدالاضحیٰ کے دن (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) کسی عذر کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکیں تو اس سے اگلے روز پڑھ سکتے ہیں۔ اگلے روز نہ پڑھ سکیں تو اس سے اگلے روز پڑھ لیں۔ اس کے (یعنی ۱۲ ذی الحجہ کے) بعد نمازِ عید نہ پڑھیں۔

عبارت ۵

عَقِیْبُ: پیچھے۔ یَوْمِ عَرَفَۃ: حج کا دن مراد ہے۔ یعنی ۹ ذی الحجہ۔

یَوْمُ النَّحْرِ: قربانی کا دن یعنی دسویں ذی الحجہ۔ اَلنَّحْرُ: قربانی کرنا۔ ذبح کرنا۔

اَلْمَفْرُوْضَاتُ: جمع ہے اَلْمَفْرُوْضَۃُ کی۔ فرض کی ہوئی۔

(۱) تکبیراتِ تشریق کی ابتداء یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کی صبح کی نماز کے بعد ہوتی ہے اور اس کی انتہاء امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی نماز عصر کے بعد تک ہے جبکہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی انتہاء ایام تشریق کے آخری دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ کی نمازِ عصر تک ہے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

(۲) فرض نمازوں کے بعد تکبیر کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

مسائل

باب صَلوٰۃِ الْعِیْدَیْنِ میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

Marfat.com

عیدالفطر کے مسائل

۱۔ نماز سے پہلے مستحب افعال

عیدالفطر کے روز نماز سے پہلے یہ افعال مستحب ہیں:

غسل کرنا۔ اپنے بہترین کپڑے پہننا۔ خوشبو لگانا۔ عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھانا۔

۲۔ عیدگاہ کو جاتے ہوئے تکبیریں کہنا

اس معاملے میں ائمہ ثلاثہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عیدالفطر کے روز عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستے میں تکبیریں نہ کہے جبکہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تکبیریں کہے۔ (علمائے حنفیہ کا فتویٰ اس پر ہے کہ عیدالفطر کے روز عیدگاہ کو جاتے ہوئے بلند آواز میں تکبیریں کہے)۔

۳۔ عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے

عیدگاہ میں نمازِ عید سے پہلے نفل نہ پڑھے۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی سنت یہی ہے، آپؐ نے عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ تاہم گھر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے)۔

۴۔ نمازِ عید کا وقت

عیدالفطر کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لے کر اس کے ڈھلنے تک ہے۔ سورج ڈھلنے کے بعد اس کا وقت نکل جائے گا۔

۵۔ نمازِ عید

عیدالفطر کی نماز کے طریقہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے۔ یعنی عیدالفطر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں اور یہ نماز جماعت کے ساتھ ہے تنہا نہیں۔

(۲) پہلی رکعت میں امام تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد تین تکبیریں مزید کہے۔

(۳) تین زائد تکبیروں کے بعد سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی اور سورت پڑھے۔

(۴) قرارت کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ (پھر حسب معمول سجود کرے)۔

(۵) دوسری رکعت قرارت سے شروع کرے۔

(۶) دوسری رکعت کی قرارت سے فارغ ہونے پر تین تکبیریں کہے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔

Marfat.com

(۷) عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہر دو عیدوں کی نماز میں تکبیریں کہتے وقت رفع یدین کرے۔
(۸) نماز کے بعد دو خطبے دے (اور دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھنے سے فاصلہ کرے)۔ ان خطبوں میں وہ لوگوں کو صدقۂ فطر اور اس کے مسائل کی تعلیم دے۔

۶۔ نمازِ عید کی قضا نہیں

اگر کوئی شخص امام کے ساتھ نمازِ عید پڑھنے سے رہ جائے تو وہ اس کی قضا نہ کرے۔ (کیونکہ نمازِ عید با جماعت نماز ہے، اکیلے نہیں پڑھ سکتا)۔

۷۔ اگلے روز رؤیت ہلال کی شہادت

اگر ہلالِ عید ابر میں چھپنے کی وجہ سے لوگوں کو دکھائی نہ دے اور سورج ڈھلنے کے بعد لوگ امام کے سامنے آکر گواہی دیں کہ انہوں نے چاند دیکھ لیا تھا تو امام اگلے روز عید کی نماز پڑھائے۔ اگر اگلے روز بھی کسی عذر کے باعث لوگ عید کی نماز نہ پڑھ سکیں تو پھر اس کے بعد نمازِ عید نہ پڑھیں۔

عید الاضحیٰ کے مسائل

۸۔ مستحب افعال

عید الاضحیٰ کے روز یہ افعال مستحب ہیں:
(۱) غسل کرنا۔ (۲) خوشبو لگانا۔ (۳) نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھانا۔

۹۔ عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیریں کہنا

عید گاہ کو جاتے ہوئے راستے میں تکبیریں کہتا جائے (بلند آواز میں)۔

۱۰۔ نمازِ عید

عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ کی نماز کی بھی دو رکعتیں پڑھائے۔ اور نماز کے بعد دو خطبے دے (دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھ کر فاصلہ کرے)۔ ان خطبوں میں وہ لوگوں کو قربانی کے مسائل اور تکبیراتِ تشریق کی تعلیم دے۔

۱۱۔ یوم الاضحیٰ کو نماز نہ پڑھ سکنا

اگر کسی عذر کی وجہ سے یوم الاضحیٰ (دسویں ذی الحجہ) کو نماز نہ پڑھ سکیں تو اگلے روز (گیارھویں ذی الحجہ کو) پڑھ لیں، اس دن بھی کسی عذر کے باعث نہ پڑھ سکیں تو پھر اس سے اگلے روز (بارھویں ذی الحجہ کو) پڑھ لیں۔ اس کے بعد نماز نہ پڑھیں۔

Marfat.com

۱۲۔ تکبیرِ تشریق کی ابتداء و انتہاء

تکبیرِ تشریق کی ابتدا یومِ عرفہ (نویں ذی الحجہ) کی نمازِ فجر کے بعد ہوتی ہے اور اس کی انتہا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کی نمازِ عصر کے بعد تک ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایامِ تشریق کے آخری روز (تیرھویں ذی الحجہ) کی نمازِ عصر کے بعد تک ہے۔ (فتویٰ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے)۔

۱۳۔ تکبیرِ تشریق کے الفاظ

فرض نمازوں کے پیچھے کہی جانے والی تکبیرِ تشریق کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

Marfat.com

بَابُ صَلوٰةِ الْكُسُوفِ

اِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ

جب سورج گہنا جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے

كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوْعٌ وَاحِدٌ

نفل نماز کے مانند، ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہو

وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيْهِمَا وَيُخْفِيْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ

اور دونوں (رکعتوں) میں قراءت لمبی کرے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (قراءت) پوشیدہ کرے

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجْهَرُ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدَهَا

اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا کہ (قراءت) بالجہر کرے پھر اس کے بعد دعا کرے

حَتّٰى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ وَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْاِمَامُ الَّذِيْ

یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے۔ اور لوگوں کو نماز وہی امام پڑھائے جو

يُصَلِّيْ بِهِمُ الْجُمُعَةَ فَاِنْ لَّمْ يَحْضُرِ الْاِمَامُ

انہیں جمعہ پڑھاتا ہے پس اگر یہ امام موجود نہ ہو تو

صَلَّاهَا النَّاسُ فُرَادٰى وَلَيْسَ فِيْ خُسُوْفِ الْقَمَرِ جَمَاعَةٌ

لوگ فرداً فرداً نماز پڑھیں اور چاند گرہن میں کوئی جماعت (کے ساتھ نماز) نہیں

وَاِنَّمَا يُصَلِّيْ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهٖ وَلَيْسَ فِي الْكُسُوْفِ خُطْبَةٌ

اور ہر شخص تنہا نماز پڑھے اور سورج گرہن (کی نماز) میں کوئی خطبہ نہیں

Marfat.com

تشریحات

اِنْکَسَفَتْ : (سورج) گہنا گیا۔ گرہن لگ گیا۔

اَلشَّمْسُ : سورج۔ (عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے)۔

یُطَوِّلُ : طول دیتا ہے۔ لمبا کرتا ہے۔ طَوَّلَ ماضی۔

یُخْفِیْ : پوشیدہ رکھتا ہے۔ چھپاتا ہے۔ اَخْفٰی ماضی۔ اِخْفَاء مصدر۔

یَجْھَرُ : بلند آواز میں بولنا۔ جَھَرَ ماضی۔

تَنْجَلِیْ : فعل مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ اِنْجَلٰی ماضی یَنْجَلِیْ مضارع روشن ہونا۔

لَمْ یَحْضُرْ : حاضر نہ ہوا۔ حَضَرَ ماضی۔ یَحْضُرُ مضارع۔

فُرَادٰی : فرداً فرداً۔ الگ الگ۔

خُسُوْف : چاند گرہن۔ خَسَفَ الْقَمَرُ چاند کو گرہن لگا۔ اس کی روشنی جاتی رہی یا کم ہو گئی۔ مضارع یَخْسِفُ۔ خُسُوْف مصدر ہے۔

مسائل

باب صَلٰوۃِ الْکُسُوف میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ سورج گرہن ہو تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے۔ نفل نماز کے مانند (جمہور علماء کے نزدیک سورج گرہن کی نماز باجماعت سنّت ہے۔ تاہم بعض نے اسے واجب اور کچھ نے فرض کفایہ بھی بتایا ہے۔ اس میں اذان و اقامت نہیں ہے)۔

۲۔ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو۔ (احادیث مبارکہ میں ہر رکعت میں دو اور اس سے زیادہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس لیے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے ہر رکعت میں دو رکوع بتائے ہیں، یعنی لمبی قراءت کے ایک رکوع اور پھر قیام اور اس میں دوبارہ قراءت اور اس کے بعد پھر دوسرا رکوع۔ حنفیہ کے نزدیک ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے)۔

۳۔ ہر دو رکعت میں امام لمبی قراءت کرے۔

۴۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قراءت سِرّی ہونی چاہیے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قراءت بالجہر ہو۔ (امام محمدؒ کا بھی ایک قول پوشیدہ قراءت کا ہے اور

Marfat.com

حنفیہ کے نزدیک سری قراءت ہی صحیح ہے)۔

۵۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا مانگی جائے اور اس وقت تک دعا کرتے رہیں جب تک سورج کا گرہن ختم نہ ہو جائے۔

۶۔ صلوٰۃ الکسوف وہی امام پڑھائے جو جمعہ کی نماز پڑھاتا ہو۔ اگر وہ امام نہ ہو تو لوگ فرداً فرداً نماز پڑھ لیں۔

۷۔ چاند گرہن کی نماز میں جماعت نہیں بلکہ یہ نماز لوگ فرداً فرداً پڑھیں۔

۸۔ صلوٰۃ الکسوف میں خطبہ نہیں۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس روز صلوٰۃ الکسوف پڑھائی اتفاق سے اسی روز آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا وصال ہوا بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضرت ابراہیمؓ کے وصال کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد لوگوں کے اس خیال کی تردید کے لیے مختصر خطبہ ارشاد فرمایا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن تو اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کسی کی زندگی اور موت سے نہیں)۔

Marfat.com

بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ

قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لَيْسَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ صَلٰوةٌ مَسْنُوْنَةٌ بِالْجَمَاعَةِ

امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں

فَاِنْ صَلَّى النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ وَاِنَّمَا الْاِسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ

پس اگر لوگ فرداً فرداً نماز پڑھیں تو جائز ہے۔ اور استسقاء تو صرف دعا

وَالْاِسْتِغْفَارُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُصَلِّى الْاِمَامُ رَكْعَتَيْنِ

اور استغفار ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا کہ امام دو رکعت نماز پڑھائے

يَجْهَرُ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِالدُّعَاءِ۔

جن میں قراءت بلند آواز میں کرے پھر خطبہ دے اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگے

وَيُقَلِّبُ الْاِمَامُ رِدَاءَهٗ وَلَا يُقَلِّبُ الْقَوْمُ اَرْدِيَتَهُمْ۔

اور امام اپنی چادر کو اُلٹ دے اور لوگ اپنی چادریں نہ الٹائیں

وَلَا يَحْضُرُ اَهْلُ الذِّمَّةِ لِلْاِسْتِسْقَاءِ۔

اور ذمی استسقاء کے لیے نہ آئیں

تشریحات

اِسْتِسْقَاء: پانی مانگنا۔ (مصدر ہے باب استفعال سے)۔ اِسْتَسْقٰی: پانی مانگا۔ يَسْتَسْقِيْ: پانی مانگتا ہے۔ (اس کی اصل سقٰی بمعنی پلایا ہے۔ اس سے ساقی ہے پلانے والا۔)

وُحْدَانًا: ایک ایک کرکے۔ فرداً فرداً۔ واحداً واحداً۔

جَازَ: جائز ہوا۔ درست ہوا۔

اَلْاِسْتِغْفَارُ: مغفرت طلب کرنا۔ بخشش مانگنا۔

Marfat.com

يَجْهَرُ : بلند آواز میں بولتا ہے۔ يَخْطُبُ : خطبہ دیتا ہے۔

يَسْتَقْبِلُ : سامنا کرے۔ منہ کرے۔

يُقَلِّبُ : الٹتا ہے۔ قَلَّبَ ماضی۔

رِدَاءٌ : چادر۔ جمع اَرْدِيَةٌ۔

مسائل

باب صَلوٰةِ الاِسْتِسْقَاءِ میں درج ذیل مسائل بیان ہوئے ہیں :

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء کے لیے باجماعت نماز مسنون نہیں۔ استسقاء تو صرف دعا اور استغفار ہے۔ اگر لوگ فرداً فرداً نمازِ استسقاء پڑھیں تو جائز ہے۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعت نمازِ استسقاء پڑھائے۔

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استسقاء کے لیے نماز پڑھائی اور بعض مواقع پر بارش کے لیے صرف دعا فرمائی۔ چونکہ حضورؐ نے نماز پر مواظبت نہیں فرمائی اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء کے لیے باجماعت نماز مسنون نہیں)۔

۲۔ امام صلوٰۃ الاستسقاء میں قراءت بالجہر کرے۔

۳۔ نماز کے بعد خطبہ دے۔

۴۔ خطبہ کے بعد قبلہ رُخ ہو کر دعا کرے۔

۵۔ امام اپنی چادر کو اُلٹ دے لیکن مقتدی اپنی چادریں نہ الٹائیں۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صلوٰۃ الاستسقاء کے بعد اپنی چادر مبارک اُلٹی تھی۔ علماء کا خیال ہے کہ آپؐ نے ایسا نیک فال کے طور پر کیا تھا کہ جس طرح چادر اُلٹی ویسے ہی قحط سالی کی کیفیت اُلٹ جائے اور اس کی جگہ بارش اور روئیدگی کی حالت لے لے)۔

۶۔ استسقاء کے لیے ذمی لوگ نہ آئیں۔

Marfat.com

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

يُسْتَحَبُّ اَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ

مستحب ہے کہ لوگ ماہِ رمضان میں اکٹھے ہوں

فَيُصَلِّيْ بِهِمْ اِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ كُلِّ تَرْوِيْحَةٍ

پھر ان کا امام انہیں پانچ ترویحے پڑھائے، ہر ترویحہ میں

تَسْلِيْمَتَانِ وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيْحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيْحَةٍ

دو سلام ہوں اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے

ثُمَّ يُوْتِرُ بِهِمْ وَلَا يُصَلِّي الْوِتْرَ بِجَمَاعَةٍ فِيْ غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ

پھر انہیں وتر پڑھائے اور رمضان کے سوا وتر جماعت سے نہ پڑھائے

تشریحات

يُسْتَحَبُّ: اچھا سمجھا جاتا ہے۔ پسندیدہ ہے۔ مستحب ہے۔ اِسْتَحَبَّ ماضی يَسْتَحِبُّ مضارع۔

يَجْتَمِعُ: جمع ہوتا ہے۔ اِجْتَمَعَ ماضی۔ اِجْتِمَاع مصدر ہے۔

اَلنَّاسُ: لوگ۔ جمع ہے انسان کی۔

شَهْرٌ: مہینہ۔ خَمْسَ: پانچ۔

تَرْوِيْحَاتٌ، جمع ہے تَرْوِيْحَةٌ کی۔ ایک بار راحت دینا۔ تَرَاوِيْح بھی اس کی جمع ہے۔ رَوَّحَ ماضی، يُرَوِّحُ مضارع، تَرْوِيْح مصدر۔ چونکہ ہر چار رکعت بعد نمازی کچھ دیر بیٹھ کر آرام کرتے ہیں اس لیے اس کا نام ترویحات اور تراویح ہے۔

تَسْلِيْمَتَانِ: تثنیہ ہے تَسْلِيْمَةٌ کا۔ سلام پھیرنا۔

يَجْلِسُ: بیٹھتا ہے۔ يُوْتِرُ: وتر پڑھتا ہے۔ يُوْتِرُ بِهِمْ انہیں وتر پڑھاتا ہے۔ اَوْتَرَ ماضی۔

Marfat.com

مسائل

۱۔ تراویح کی شرعی حیثیت

قدوریؒ نے نمازِ تراویح کو مستحب قرار دیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک نمازِ تراویح سنّت مؤکدہ ہے۔ اس بارے میں چند اہم روایات درج ذیل ہیں:

(۱) بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو حالتِ ایمان میں اور ثواب کے حُصول کی نیت سے رمضان میں قیام کرے گا (یعنی رمضان المبارک میں رات کو نماز کی صورت میں اللہ کی عبادت کرے گا) اس کے سابقہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔

(۲) مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ یہ حدیث بھی درج کی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تاکیدی حکم کے بغیر لوگوں کو قیامِ رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ پس آپؐ فرماتے، جو ایمان کی حالت میں اور حصولِ ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کرے گا اس کے سابقہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔"

(۳) بخاریؒ نے عبداللہ بن یوسف سے روایت کیا، اس نے مالک سے اس نے ابن شہاب سے، اس نے حمید بن عبدالرحمٰن سے اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جس نے ایمان کی حالت میں اور ثواب کے حصول کے لیے رمضان میں قیام کیا اس کے سابقہ گناہ معاف ہوجائیں گے ابنِ شہاب نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوگیا اور معاملہ اسی طرح تھا، پھر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع میں بھی معاملہ اسی طرح تھا۔ اور ابن شہاب سے روایت ہے اس نے عروہ بن الزبیر سے اس نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عبدالقاری سے روایت کیا انہوں نے کہا، میں رمضان میں ایک رات کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا، لوگ مختلف ٹولیوں کی صورت تھے، کوئی آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، کسی آدمی کے پیچھے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک ہی قاری کی امامت میں اکٹھا کردوں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ پھر آپ نے عزم کیا اور ان کو اُبّی بن کعب کی امامت میں جمع کردیا۔ پھر ایک دوسری رات میں آپ کے ساتھ نکلا اور لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اچھی بدعت ہے اور لوگ رات کا جو حصّہ سو کر گزارتے ہیں وہ اس سے افضل ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کا

Marfat.com

آخری حصّہ تھا اور لوگ رات کے اوّل حصّہ میں قیام کرتے تھے (صحیح بخاری، کتاب الصوم، صلوٰۃ التراویح، باب فضل مَن قامَ رمَضان)۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نصف شب کے بعد (گھر سے) نکلے، آپؐ نے مسجد میں نماز پڑھی اور کچھ آدمیوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ صبح ہوئی تو انہوں (یعنی آپؐ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں) نے لوگوں کو بتایا، پھر (دوسری رات) ان سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی پھر صبح ہوئی تو انہوں نے لوگوں کو بتایا تو تیسری رات مسجد میں بکثرت لوگ آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، آپؐ نے نماز پڑھی تو ان لوگوں نے بھی آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر جب چوتھی رات ہوئی تو آپؐ گھر میں ہی رہے اور مسجد نہ گئے یہاں تک کہ آپؐ صبح کی نماز کے لیے نکلے۔ پھر جب آپؐ نے فجر کی نماز ادا کرلی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا، اما بعد، مجھ پر تمہارا حال پوشیدہ نہیں لیکن مجھے ڈر تھا کہ یہ (نماز) تم پر فرض نہ ہو جائے پھر تم اس سے عاجز آجاؤ، پھر آپؐ کا وصال ہو گیا اور معاملہ اسی حال پر تھا۔ (بخاری: الصحیح، کتاب الصوم، صلوٰۃ التراویح، باب فضل مَن قامَ رمضان)۔

مذکورہ بالا روایات اور اس ضمن میں دیگر روایات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

ا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے مہینے میں رات کو نماز کی صورت میں عبادت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

ب۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانۂ خلافت میں لوگ اپنے اپنے طور پر نمازِ تراویح پڑھتے تھے، تنہا بھی اور باجماعت بھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسجد میں نمازِ تراویح پڑھنے کا محولہ بالا روایت میں ذکر نہیں ملتا، نہ اُبیؓ بن کعب کی امامت سے پہلے اور نہ ہی اُبیؓ بن کعب کی امامت میں۔

ج۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک امام کے پیچھے باجماعت نمازِ تراویح کو رواج دیا اور اسے ایک اچھی بدعت قرار دیا۔

د۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اس حکم کے بعد سے اب تک مسلمانوں کا عمل یہی ہے کہ وہ مساجد میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہیں۔

اس سے یہ بات زیادہ قرینِ صواب معلوم ہوتی ہے کہ نمازِ تراویح مستحب ہے جیسا کہ قدوریؒ نے لکھا ہے۔

Marfat.com

۲۔ نمازِ تراویح کا وقت

قدوریؒ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ ماہِ رمضان میں عشاء کے بعد اکٹھے ہوں اور امام انہیں نمازِ تراویح پڑھائے۔ (ویسے نمازِ تراویح کا وقت نمازِ عشاء کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات جو نمازِ تراویح پڑھائی اس کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عشاء کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے تھے پھر رات کی آخری تہائی میں یعنی نصف شب کے بعد آپؐ مسجد میں تشریف لاتے اور نمازِ تراویح پڑھتے اور آپؐ کے پیچھے لوگ بھی پڑھتے۔ اسی لیے دوسری رات پہلی رات سے زیادہ لوگ شریک ہوئے اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ)۔

۳۔ تراویح کی تعداد

امام کل پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعات) پڑھائے۔ ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں یعنی ہر ترویحہ دو دوگانوں پر مشتمل ہو اس طرح نماز تراویح کل دس دوگانوں پر مشتمل ہے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے سے آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے، اس پر اجماع ہے[۱]

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین رات مسجد میں جو نمازِ تراویح پڑھی اور آپؐ کے پیچھے کچھ لوگوں نے بھی پڑھی تو روایات میں ان کی تعداد مذکور نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک صحابی نے پوچھا کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا، آپؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، آپؐ چار رکعت پڑھتے، ان کے حسن اور طول کے بارے میں مت پوچھیے، پھر آپؐ چار رکعت پڑھتے تو ان کے حسن اور طول کی بابت مت پوچھیے پھر آپؐ تین رکعتیں پڑھتے۔ پس میں نے کہا یا رسول اللہ آپؐ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، اے عائشہؓ! بلاشبہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا (بخاری: الصحیح، کتاب الصوم صلوٰۃ التراویح)۔

حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں آٹھ نوافل اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے۔ یہ تعدادِ رکعات رمضان اور غیر رمضان سب دنوں کے بارے ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد تہجد کی نماز ہے نہ کہ نمازِ تراویح۔

---

[۱] حضرت عمر بن عبدالعزیز (عمر ثانی) نے تراویح کی تعداد چھتیس کر دی تھی لیکن بعد میں اس پر عمل نہ رہا، عمل بیس رکعتوں کا ہی رہا ہے۔

Marfat.com

۴۔ تراویح کی کیفیت

امام کل پانچ ترویحات پڑھائے۔ ہر ترویحہ میں دو بار سلام پھیرا جائے یعنی ہر ترویحہ دو دوگانوں پر مشتمل ہو۔ ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار کے برابر بیٹھا جائے (اس طرح بیٹھ کر آرام کرنے کی وجہ سے ہی اس کا نام تراویح ہے۔ اس طرح بیٹھنے کے دوران نمازی کوئی وظیفہ کریں یا خاموش بیٹھے رہیں۔

۵۔ تراویح کے بعد وتر

نمازِ تراویح پڑھنے کے بعد امام لوگوں کو وتر کی نماز پڑھائے۔ جماعت کے ساتھ وتر کی نماز صرف رمضان شریف میں پڑھائے۔ غیر رمضان میں نہ پڑھائے۔ غیر رمضان میں وتر کی نماز لوگ بغیر جماعت کے فرداً فرداً پڑھیں۔

Marfat.com

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

اِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعَلَ الْاِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ

جب خوف شدید ہو تو امام لوگوں کے دو گروہ بنائے

طَائِفَةً اِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَ طَائِفَةً خَلْفَهٗ

ایک گروہ دشمن کے سامنے اور ایک گروہ اس (یعنی امام) کے پیچھے

فَيُصَلِّيْ بِهٰذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً وَ سَجْدَتَيْنِ

پس وہ اس گروہ کو دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھائے

فَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مَضَتْ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ

پھر جب وہ دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے تو یہ گروہ چلا جائے

اِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَ جَاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ

دشمن کے سامنے اور وہ گروہ آ جائے

فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْاِمَامُ رَكْعَةً وَ سَجْدَتَيْنِ وَتَشَهَّدَ وَسَلَّمَ

پھر امام ان کو دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھائے اور تشہد پڑھے اور سلام کہے

وَلَمْ يُسَلِّمُوْا وَذَهَبُوْا اِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُوْلٰى

اور وہ سلام نہ کہیں اور دشمن کے سامنے چلے جائیں اور پہلا گروہ آ جائے

فَصَلُّوْا وُحْدَانًا رَكْعَةً وَ سَجْدَتَيْنِ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ

پس وہ فرداً فرداً ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ بغیر قراءت کے پڑھیں

Marfat.com

وَتَشَهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا وَمَضَوْا اِلٰی وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی

اور تشہد پڑھیں اور سلام کہیں اور دشمن کے سامنے چلے جائیں اور دوسرا گروہ آجائے

وَصَلَّوْا رَکْعَةً وَّسَجْدَتَیْنِ بِقِرَاءَةٍ وَتَشَهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا۔

اور وہ قراءت کے ساتھ ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھیں اور تشہد پڑھیں اور سلام کہیں

فَاِنْ کَانَ مُقِیْمًا صَلّٰی بِالطَّائِفَةِ الْاُوْلٰی رَکْعَتَیْنِ وَبِالثَّانِیَةِ رَکْعَتَیْنِ

اور اگر امام مقیم ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعت اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعت پڑھائے

وَیُصَلِّیْ بِالطَّائِفَةِ الْاُوْلٰی رَکْعَتَیْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَبِالثَّانِیَةِ رَکْعَةً۔

اور نمازِ مغرب کی دو رکعتیں پہلے گروہ کو اور ایک رکعت دوسرے گروہ کو پڑھائے

وَلَا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ حَالِ الصَّلٰوةِ فَاِنْ فَعَلُوْا بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ

اور نماز کی حالت میں لڑائی نہ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی

وَاِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ صَلَّوْا رُکْبَانًا وُّحْدَانًا

اور اگر خوف شدید ہو تو لوگ سوار ہو کر فرداً فرداً نماز پڑھیں

یُوْمُوْنَ بِالرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اِلٰی اَیِّ جِهَةٍ شَاءُوْا

رکوع اور سجود اشارے سے کریں اور جس طرف چاہیں (منہ کر لیں)

اِذَا لَمْ یَقْدِرُوْا عَلَی التَّوَجُّهِ اِلَی الْقِبْلَةِ۔

جب قبلہ کی طرف منہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں

تشریحات

اِشْتَدَّ : شدید ہوا۔ جَعَلَ : بنایا۔ کیا۔

طَائِفَتَیْنِ : دو گروہ۔ طَائِفَةٌ گروہ۔ جمع طَوَائِفُ۔

مَضَتْ : واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے مضیٰ (چلا گیا) سے۔ یَمْضِیْ مضارع۔

Marfat.com

مَضَوْا وہ گئے۔

وُحْدَانًا : ایک ایک کر کے ۔فرداً فرداً۔ مُقِیمًا : مسافر کا الٹ۔

رُکْبَانًا : سوار ہو کر۔ سوار ہونے کی حالت میں۔ جمع ہے رَاکِبٌ کی۔ رَکِبَ سوار ہوا۔ یَرْکَبُ سوار ہوتا ہے۔ رَاکِبٌ اسم فاعل ہے۔

یُوْمُوْنَ : اشارہ کرتے ہیں۔ اَوْمیٰ (اور اَوْمَأَ) اشارہ کیا یُوْمِیْ (اور یُوْمِئُ) اشارہ کرتا ہے۔

شَاءُوْا : انہوں نے چاہا۔ شَاءَ اس نے چاہا۔ یَشَاءُ وہ چاہتا ہے۔

لَمْ یَقْدِرُوْا : وہ قادر نہ ہوئے۔ قَدَرَ ماضی۔ یَقْدِرُ مضارع۔

اَلتَّوَجُّہُ : رُخ کرنا۔ منہ کرنا۔ تَوَجَّہَ ماضی۔ یَتَوَجَّہُ مضارع۔

صلوٰۃ الخوف کے بارے ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَ اِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَ لْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ (النساء، ۴ : ۱۰۲)

ترجمہ : "اور جب آپؐ ان میں تشریف رکھتے ہوں اور آپؐ انہیں نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپؐ کے ساتھ کھڑا ہوا ور وہ اپنے ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آ جائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی پس وہ آپؐ کے ساتھ نماز پڑھیں اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔"

آیت مذکورہ بالا میں " وَ اِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ " کے الفاظ کی بناء پر بعض فقہاء نے صلوٰۃ الخوف کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس کا حکم حضورؐ کے وصال کے بعد بھی باقی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سی جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؐ نے مختلف مواقع پر حالات کی نزاکت کے تقاضے کے تحت مختلف طریقوں سے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی۔ علمائے اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضورؐ سے صلوٰۃ الخوف ادا کرنے کے جتنے بھی طریقے ثابت ہیں سب جائز ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی بھی طریقے سے صلوٰۃ الخوف پڑھی جا سکتی ہے۔ قدوریؒ نے جس طریقے کو سب سے اچھا جانا وہ بیان کر دیا۔

Marfat.com

مسائل

باب صلوٰۃ الخوف میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ خوف شدید ہو

صلوٰۃ الخوف اس وقت جائز ہے جب خوف شدید ہو۔ یعنی یہ حقیقی خوف موجود ہو کہ اگر تمام مسلمان نماز میں مصروف ہو گئے تو سامنے موجود دشمن ان پر حملہ کر دے گا۔ اگر ایسا شدید خوف نہ ہو تو صلوٰۃ الخوف جائز نہیں۔ (یہ حقیقی خوف دشمن کے علاوہ کسی اور چیز کا بھی ہو سکتا ہے، مثلاً کسی درندے یا اژدھا کا، طوفان یا آگ کا خوف وغیرہ۔ اس طرح کے حقیقی خوف کی صورت میں بھی صلوٰۃ الخوف جائز ہے)۔

۲۔ صلوٰۃ الخوف کا طریقہ

صلوٰۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کے دو گروہ بنائے، ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا رہے اور دوسرا گروہ امام کے پیچھے کھڑا ہو۔ امام اس گروہ کو جو اس کے پیچھے ہے دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھائے، جب وہ دوسرے سجدہ سے اپنا سر اٹھائے تو یہ گروہ جا کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے اور وہ گروہ جو دشمن کے سامنے کھڑا تھا آ جائے۔ امام انہیں دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھائے۔ امام تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے (کیونکہ امام کی دو رکعت نماز مکمل ہو گئی) لیکن وہ سلام نہ پھیریں (کیونکہ انہوں نے تو ابھی صرف ایک ہی رکعت پڑھی ہے) اور دشمن کے سامنے چلے جائیں اور پہلا گروہ، جو ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تھا آ جائے۔ وہ اکیلے دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت نماز بغیر قراءت کے پڑھیں اور تشہد پڑھیں اور سلام پھیر کر دشمن کے سامنے چلے جائیں اور دوسرا گروہ آ جائے۔ وہ بھی آ کر دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت اکیلے پڑھیں۔ یہ قراءت کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں، تشہد پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔

قراءت کی بابت حنفیہ کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے حق میں بھی قراءت ہے۔ جو گروہ پہلی رکعت امام کے ساتھ پڑھنے کے بعد چلا گیا تھا اور اس وقت واپس آیا جب امام اپنی دو رکعت نماز پڑھ چکا تھا وہ اس مقتدی کے مانند بغیر قراءت دوسری رکعت پڑھے گا جس نے امام کے ساتھ نماز شروع کی پھر وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے چلا گیا اور دوبارہ وضو کر کے آ کر نماز میں شامل ہوا۔ ایسا مقتدی بدستور حالت اقتدار میں ہی سمجھا جاتا ہے اور چونکہ مقتدی قراءت نہیں کرتا اس لیے یہ مقتدی بھی قراءت نہ کرے۔

Marfat.com

چنانچہ پہلا گروہ دوسری رکعت بغیر قرات کے پڑھے گا۔ دوسرا گروہ جس نے امام کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی اور پہلی رکعت بعد میں اکیلے پڑھے اس مقتدی کے مانند ہے جو امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو، امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنی پہلی رکعت اکیلے پڑھتا ہے چونکہ اس کی پہلی رکعت امام کی اقتداء میں نہیں اس لیے وہ اپنی پہلی رکعت قرات کے ساتھ پڑھتا ہے۔ یہی صورت دوسرے گروہ کی ہے وہ بھی اپنی پہلی رکعت جب اکیلے پڑھے تو قرات کے ساتھ پڑھے۔

• صلوٰۃ الخوف کی یہ ترکیب اس صورت میں ہے کہ جب امام ایسے شرعی سفر میں ہو جس میں نماز میں قصر کرنا واجب ہوتا ہے۔

۳- اگر امام مقیم ہو۔

اگر امام مقیم ہو (یعنی قصر واجب کرنے والے سفر میں نہ ہو) تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دو رکعتیں دوسرے گروہ کو پڑھائے۔ (یعنی پہلا گروہ امام کے پیچھے دو رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جا کر کھڑا ہو جائے اور دوسرا گروہ آ کر امام کے پیچھے دو رکعت پڑھے۔ امام سلام پھیر دے۔ دوسرا گروہ جا کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے اور پہلا گروہ آ کر اپنی بقیہ دو رکعتیں اکیلے پڑھے۔ یہ اپنی نماز مکمل کر کے چلا جائے تو دوسرا گروہ آ کر اپنی پہلی دو رکعتیں قرات کے ساتھ پڑھے)۔

۴- مغرب کی نماز

مغرب کی نماز تین رکعتوں کی ہے۔ خوف کی حالت میں اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت۔ (پہلا گروہ دو رکعتیں پڑھ کر دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا گروہ آ کر امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھے جو کہ امام کی تیسری اور آخری رکعت ہے۔ امام اس رکعت کے بعد سلام پھیر دے گا۔ دوسرا گروہ جا کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے اور پہلا گروہ واپس آ کر اکیلے اپنی تیسری رکعت پڑھ کر اپنی نماز مکمل کرے اور پھر جا کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ پھر دوسرا گروہ آ کر اپنی پہلی دو رکعتیں اکیلے قرات کے ساتھ پڑھے)۔

۵- نماز کی حالت میں قتال جائز نہیں

صلوٰۃ الخوف کی حالت میں قتال جائز نہیں۔ اگر نماز کی حالت میں قتال کیا تو نماز باطل ہو جائے گی (پھر نئے سرے سے نماز پڑھنا ہوگی)۔

Marfat.com

نہایت شدید خوف کی صورت میں

اگر خوف بہت زیادہ شدید ہو اور مذکورہ بالا طریقے سے صلوٰۃ الخوف پڑھنا ممکن نہ ہو تو لوگ فرداً فرداً (بغیر جماعت کے) سوار ہونے کی حالت میں اشارے سے رکوع و سجود کر کے نماز پڑھ لیں۔ اور اگر قبلہ کی طرف منہ کرنا مقدور میں نہ ہو تو جس طرف چاہیں رُخ کر کے نماز پڑھ لیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا (البقرہ، ۲: ۲۳۹)

"پھر اگر تمہیں خوف ہو تو کھڑے یا سوار ہونے کی حالت میں پڑھ لیا کرو۔"

Marfat.com

بَابُ الْجَنَائِزِ

إِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ

جب آدمی مرنے کے قریب ہو تو اسے اس کے دائیں پہلو پر قبلہ رخ کر دیا جائے

وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ وَإِذَا مَاتَ شَدُّوا لَحْيَيْهِ

اور کلمۂ شہادت کی تلقین کی جائے اور جب مر جائے تو اس کے جبڑے باندھ دیں

وَغَمَّضُوا عَيْنَيْهِ فَإِذَا أَرَادُوا غُسْلَهُ وَضَعُوهُ عَلَى سَرِيرٍ

اور اس کی آنکھیں بند کر دیں۔ پھر جب اسے غسل دینا چاہیں تو اسے ایک تختے پر رکھیں

وَجَعَلُوا عَلَى عَوْرَتِهِ خِرْقَةً وَنَزَعُوا ثِيَابَهُ وَوَضَّؤُوهُ

اور اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھ دیں اور اس کے کپڑے اتار دیں اور اسے وضو کرائیں

وَلَا يُمَضْمَضُ وَلَا يُسْتَنْشَقُ ثُمَّ يُفِيضُونَ الْمَاءَ عَلَيْهِ

اور اسے کلی نہ کرائیں اور نہ ناک میں پانی ڈالیں پھر اس پر پانی بہائیں

وَيُجَمَّرُ سَرِيرُهُ وِتْرًا وَيُغْلَى الْمَاءُ بِالسِّدْرِ أَوْ بِالْحُرُضِ

اور اس کے تخت کو طاق بار دھونی دی جائے اور پانی کو بیری (کے پتے) یا اشنان (ڈال کر) ابالا جائے

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ وَيُغْسَلُ رَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ بِالْخِطْمِيِّ

پس اگر وہ نہ ہو تو خالص پانی ہی سہی اور اس کے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے دھویا جائے

ثُمَّ يُضْجَعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ

پھر اسے اس کے بائیں پہلو پر لٹا دیا جائے اور پانی اور بیری (کے پتوں) سے غسل دیا جائے

Marfat.com

حَتّٰی یُرَی اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰی مَا یَلِی التَّخْتَ مِنْهُ۔

یہاں تک کہ دکھائی دے کہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ گیا ہے

ثُمَّ یُضْجَعُ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ فَیُغْسَلُ بِالْمَاءِ

پھر اسے اس کے دائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے غسل دیا جائے

حَتّٰی یُرَی اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰی مَا یَلِی التَّخْتَ مِنْهُ

حتّٰی کہ دکھائی دے کہ پانی اس کے نچلے حصے تک پہنچ گیا ہے

ثُمَّ یُجْلِسُهٗ وَیُسْنِدُهٗ اِلَیْهِ وَیَمْسَحُ بَطْنَهٗ مَسْحًا رَقِیْقًا

پھر اسے بٹھائے اور اسے اپنا سہارا دے اور اس کا پیٹ نرمی سے ملے

فَاِنْ خَرَجَ مِنْهُ شَیْءٌ غَسَلَهٗ وَلَا یُعِیْدُ غُسْلَهٗ

تو اگر اس میں سے کوئی چیز نکلے تو اسے دھو دے اور دوبارہ غسل نہ دے

ثُمَّ یُنَشِّفُ فِیْ ثَوْبٍ وَیُدْرَجُ فِیْ اَکْفَانِهٖ

پھر اسے ایک کپڑے میں خشک کیا جائے اور اس کے کفنوں میں لپیٹا جائے

وَیُجْعَلُ الْحَنُوْطُ عَلٰی رَأْسِهٖ وَلِحْیَتِهٖ وَالْکَافُوْرُ عَلٰی مَسَاجِدِهٖ

اور اس کے سر اور اس کی ڈاڑھی پر حنوط (عطر) اور اس کے اعضائے سجدہ پر کافور لگایا جائے

وَالسُّنَّةُ اَنْ یُّکَفَّنَ الرَّجُلُ فِیْ ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ

اور سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفنایا جائے

اِزَارٍ وَقَمِیْصٍ وَلُفَافَةٍ فَاِنِ اقْتَصَرُوْا عَلٰی ثَوْبَیْنِ جَازَ

تہ بند، کرتہ اور اوپر کی چادر اور اگر دو کپڑوں پر اکتفا کریں تو جائز ہے

وَاِذَا اَرَادُوْا لَفَّ اللِّفَافَةِ عَلَیْهِ اِبْتَدَءُوْا بِالْجَانِبِ الْاَیْسَرِ

اور جب اوپر کی چادر کو اس پر لپیٹنا چاہیں تو بائیں طرف سے شروع کریں

Marfat.com

فَاَلْقَوْهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْاَيْمَنِ فَاِنْ خَافُوْا اَنْ يَّنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ

اور وہ اس پر ڈال دیں پھر دائیں طرف سے اور اگر انہیں اندیشہ ہو کہ کفن اس سے منتشر ہو جانے کا

عَقَدُوْهُ ۔[۳] وَ تُكَفَّنُ الْمَرْاَةُ فِيْ خَمْسَةِ اَثْوَابٍ

تو اسے باندھ دیں ۔ اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنایا جائے :

اِزَارٍ وَ قَمِيْصٍ وَخِمَارٍ وَخِرْقَةٍ تُرْبَطُ بِهَا ثُدْيَاهَا

تہ بند، کُرتہ، اوڑھنی، کپڑے کا ایک ٹکڑا جس سے اس کی چھاتیاں باندھی جائیں

وَ لُفَافَةٍ فَاِنِ اقْتَصَرُوْا عَلٰى ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ جَازَ

اور اوپر کی چادر اور اگر تین کپڑوں پر اکتفا کریں تو جائز ہے

وَ يَكُوْنُ الْخِمَارُ فَوْقَ الْقَمِيْصِ تَحْتَ اللِّفَافَةِ

اور اوڑھنی کُرتے کے اُوپر اور اُوپر والی چادر کے نیچے ہو

وَ يُجْعَلُ شَعْرُهَا عَلٰى صَدْرِهَا ۔[۴] وَلَا يُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ

اور اس کے بال اس کے سینے پر رکھ دیے جائیں اور کنگھی نہ کی جائے میت کے بالوں میں

وَ لَا لِحْيَتُهٗ وَ لَا يُقَصُّ ظُفْرُهٗ وَ لَا يُقَصُّ شَعْرُهٗ

اور نہ ہی اس کی ڈاڑھی میں اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں

وَ تُجَمَّرُ الْاَكْفَانُ قَبْلَ اَنْ يُّدْرَجَ فِيْهَا وِتْرًا

اور کفنوں کو طاق بار دھونی دی جائے پیشتر اس کے اسے ان میں لپیٹا جائے

فَاِذَا فَرَغُوْا مِنْهُ صَلُّوْا عَلَيْهِ ۔[۵]

پھر جب اس سے فارغ ہو جائیں تو اس پر نماز پڑھیں۔

وَ اَوْلَى النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ اِذَا حَضَرَ

اور اس (یعنی میت) پہ نماز پڑھانے کا سب لوگوں سے زیادہ حقدار سلطان ہے اگر وہ موجود ہو

Marfat.com

فَاِنْ لَّمْ يَحْضُرْ فَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيْمُ اِمَامِ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَلِيُّ

تو اگر موجود نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ محلّہ کے امام کو آگے کیا جائے (یعنی امام بنایا جائے) پھر ولی حقدار ہے

فَاِنْ صَلّٰى عَلَيْهِ غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ اَعَادَ الْوَلِيُّ

پس اگر ولی اور سلطان کے سوا کسی اور نے اس پر نماز پڑھائی تو ولی دوبارہ پڑھا دے

وَاِنْ صَلّٰى عَلَيْهِ الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ اَنْ يُّصَلِّيَ اَحَدٌ بَعْدَهٗ ۔

اور اگر اس پر ولی نے نماز پڑھائی تو اس کے بعد کسی اور کے لیے پڑھانا جائز نہیں

فَاِنْ دُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلٰى قَبْرِهٖ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

اور اگر اسے دفن کر دیا گیا اور اس پر نماز نہ پڑھی گئی تو تین دن تک اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے

وَلَا يُصَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ۔ وَيَقُوْمُ الْمُصَلِّيْ بِحِذَاءِ صَدْرِ الْمَيِّتِ

اور اس کے بعد نہ پڑھی جائے اور نماز پڑھانے والا میّت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو

وَالصَّلٰوةُ اَنْ يُّكَبِّرَ تَكْبِيْرَةً يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى عَقِيْبَهَا

اور نماز یہ ہے کہ ایک تکبیر کہے اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے

ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً وَيُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

پھر ایک تکبیر کہے اور نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجے

ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً ثَالِثَةً يَدْعُوْ فِيْهَا لِنَفْسِهٖ وَلِلْمَيِّتِ

پھر تیسری تکبیر کہے جس میں دعا مانگے اپنے لیے اور میّت کے لیے

وَلِلْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً رَابِعَةً وَيُسَلِّمُ ۔ وَلَا يُصَلِّيْ عَلٰى مَيِّتٍ

اور مسلمانوں کے لیے پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے اور نماز نہ پڑھائے کسی میّت پر

فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى ۔

کسی مسجد میں باجماعت اور پہلی تکبیر کے سوا رفع یدین نہ کرے

Marfat.com

فَاِذَا حَمَلُوْہُ عَلٰی سَرِیْرِہٖ اَخَذُوْا بِقَوَائِمِہِ الْاَرْبَعِ

اور جب اسے (یعنی میت کو) اس کی چارپائی پر اٹھائیں تو اس کے چاروں پائے پکڑ لیں

وَیَمْشُوْنَ بِہٖ مُسْرِعِیْنَ دُوْنَ الْخَبَبِ فَاِذَا بَلَغُوْا اِلٰی قَبْرِہٖ

اور اُسے لے کر تیز چلیں لیکن دوڑیں نہیں اور جب اُس کی قبر تک پہنچ جائیں

کُرِہَ لِلنَّاسِ اَنْ یَّجْلِسُوْا قَبْلَ اَنْ یُّوْضَعَ مِنْ اَعْنَاقِ الرِّجَالِ ۹

تو جب تک اسے لوگوں کے کندھوں سے اتار نہ لیا جائے لوگوں کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے

وَیُحْفَرُ الْقَبْرُ وَیُلْحَدُ وَیُدْخَلُ الْمَیِّتُ مِمَّا یَلِی الْقِبْلَۃَ

اور قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے اور میت کو قبلہ کی طرف سے داخل کیا جائے

فَاِذَا وُضِعَ فِیْ لَحْدِہٖ قَالَ الَّذِیْ یَضَعُہٗ بِسْمِ اللّٰہِ

تو جب اسے اس کی لحد میں رکھ دیا جائے تو رکھنے والا کہے: بسم اللّٰہ

وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ وَیُوَجِّھُہٗ اِلَی الْقِبْلَۃِ عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْمَنِ

وعلٰی مِلّۃِ رسولِ اللّٰہِ۔ اور اس کے دائیں پہلو پر اسے قبلہ رخ کر دے

وَیُحَلُّ الْعُقْدَۃَ۔ وَیُسَوّٰی اللَّبِنُ عَلَی اللَّحْدِ

اور گرہ کھول دے۔ اور لحد پر کچی اینٹیں چُن دی جائیں

وَیُکْرَہُ الْاٰجُرُّ وَالْخَشَبُ وَلَا بَاْسَ بِالْقَصَبِ

اور پکی اینٹ اور لکڑی مکروہ ہے اور سرکنڈے میں کوئی حرج نہیں

ثُمَّ یُھَالُ التُّرَابُ عَلَیْہِ وَیُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا یُسَطَّحُ ۱۰

پھر اس پر مٹی ڈال دی جائے اور قبر کو کوہان دار بنائی جائے اور مسطح نہ بنائی جائے

وَمَنِ اسْتَھَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَۃِ سُمِّیَ وَغُسِلَ وَصُلِّیَ عَلَیْہِ

اور جس بچے نے پیدا ہونے کے بعد آواز نکالی اس کا نام رکھا جائے اور اسے غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے

Marfat.com

وَاِنْ لَّمْ یَسْتَہِلَّ اُدْرِجَ فِیْ خِرْقَۃٍ وَدُفِنَ وَلَمْ یُصَلَّ عَلَیْہِ۔

اور اگر آواز نہ نکالی تو اسے کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

تشریحات

اَلْجَنَائِزُ: جمع ہے جِنَازَۃٌ کی: (۱) وہ چارپائی جس پر میت کو رکھا جائے۔ (۲) میت۔ (۳) چارپائی پر رکھی ہوئی میت مع ساتھ چلنے والے لوگ۔

عبارت ۱

اُحْتُضِرَ الرَّجُلُ: آدمی کی موت آئی مرنے کے قریب ہوا۔

وُجِّہَ: چہرہ کر دیا گیا۔ پھیر دیا گیا ماضی مجہول۔ وَجَّہَ ماضی یُوَجِّہُ مضارع۔ رُخ پھیر دیا گیا۔

شِقٌّ: پہلو۔ اَلْاَیْمَنُ دایاں۔

لُقِّنَ: تلقین کی گئی۔ (ماضی مجہول) کان کے قریب بات کی گئی تاکہ وہ اسے دُہرائے۔ لَقَّنَ ماضی۔ یُلَقِّنُ مضارع اور تَلْقِیْنٌ مصدر ہے۔

اَلشَّہَادَتَیْنِ: دو شہادتیں۔ مراد ہے توحید و رسالتِ محمدی کی شہادتیں۔

شَدُّوْا: باندھ دیے۔ لَحْیَیْہِ: اس کے دو جبڑے۔ لَحْیٌ جبڑا۔

غَمَّضُوْا: بند کر دیں۔ موندیں (آنکھیں)

جب آدمی قریب الموت ہو (جس کا پتا ان علامات سے چل جاتا ہے جو ایسے شخص کے اعضاء مثلاً آنکھوں اور زبان وغیرہ میں ظاہر ہوتی ہیں) تو اسے دائیں پہلو پر لٹا کر اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے اور اسے کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے۔ مرنے کے بعد اس کے جبڑے باندھ دیے جائیں اور اس کی آنکھیں بند کر دیں۔

عبارت ۲

سَرِیْرٌ: چارپائی۔ تختہ۔ عَوْرَۃٌ: شرمگاہ۔

خِرْقَۃٌ: کپڑے کا ٹکڑا۔ نَزَعُوْا: انہوں نے اتار دیا۔ الگ کر دیا۔

ثِیَابٌ: جمع ہے ثَوْبٌ کی۔ کپڑے۔

وَضَّؤُوْا: انہوں نے وضو کرایا۔ وَضَّأَ اس نے وضو کرایا۔

لَا یُمَضْمَضُ: اُسے کُلی نہ کرائی جائے۔ مَضْمَضَ اس نے کُلّی کی۔

Marfat.com

لَا يُسْتَنْشَقُ : اس کی ناک میں پانی نہ ڈالا جائے۔ اِسْتَنْشَقَ اس نے ناک میں پانی ڈالا۔
يُفِيضُونَ : وہ بہاتے ہیں۔ اَفَاضَ ماضی، يُفِيضُ مضارع۔
يُجَمَّرُ : دھونی دی جائے۔ جَمَّرَ دھونی دی يُجَمِّرُ مضارع۔
وِتْرًا : طاق بار۔
يُغْلٰى : ابالا جاتا ہے۔ اَغْلٰى ماضی، يُغْلِيْ مضارع۔
اَلسِّدْرُ : بیری کا درخت اَلْحُرُضُ : اشنان
اَلْقُرَاحُ : خالص لِحْيَةٌ ڈاڑھی
اَلْخَطْمِيُّ : خطمی۔ ایک بوٹی جو دوائیوں میں استعمال ہوتی ہے۔
يُضْجَعُ : لٹایا جاتا ہے۔ ضَجَعَ لٹایا۔ يَضْجَعُ : لٹاتا ہے۔
اَلْاُدْيُسَرُ : بایاں۔ يُجْلِسُ بٹھاتا ہے۔ اَجْلَسَ بٹھایا۔
يُسْنِدُ : سہارا دیتا ہے۔ اَسْنَدَ سہارا دیا۔
يَمْسَحُ : ملتا ہے۔ پونچھتا ہے۔ مَسَحَ ماضی۔ مَسْحًا مسدر۔
لَا يُعِيدُ : اعادہ نہ کرے۔ نہ دہرائے۔ نہ لوٹائے۔
يُنَشِّفُ : نچوڑ کر یا پونچھ کر خشک کیا جاتا ہے۔ نَشَفَ ماضی۔ يُنَشِّفُ مضارع۔
يُدْرِجُ : داخل کیا جاتا ہے۔ دَرَجَ داخل کیا۔ يَدْرُجُ داخل کرتا ہے۔
مَسَاجِدُ : جمع ہے مَسْجِدٌ کی۔ سجدہ گاہیں۔ سجدہ کرنے کے اعضاء۔

اس عبارت میں میت کو غسل دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے جو حسب ذیل ہے:

۱۔ میت کو غسل دینے کے لیے اسے تختے پر لٹا دیا جائے۔
۲۔ اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا ٹکڑا ڈال دیں۔
۳۔ اس کے کپڑے اتار دیں۔
۴۔ اسے وضو کرائیں لیکن منہ اور ناک میں پانی نہ ڈالیں۔
۵۔ اس کے بعد اس کے سارے جسم پر پانی بہائیں۔
۶۔ جس تختے پر میت کو غسل دیا جائے اسے طاق بار دھونی دیں۔
۷۔ غسل کے پانی کو بیری کے پتوں یا اشنان کے ساتھ ابالیں، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی میسر نہ ہو تو صرف صاف شفاف پانی کافی ہے۔
۸۔ میت کے سر اور ڈاڑھی کو خطمی کے ساتھ دھوئیں۔
۹۔ اس کے بعد اسے بائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے دھوئیں حتیٰ کہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ جائے۔

Marfat.com

۱۰۔ اس کے بعد اسے دائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے دھوئیں حتیٰ کہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ جائے۔

۱۱۔ پھر میت کو سہارا دے کر بٹھائیں اور اس کے پیٹ کو نرمی سے ملیں، اگر کوئی چیز خارج ہو تو اسے دھو ڈالیں، اس کے بعد دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔

۱۲۔ پھر اسے کسی کپڑے سے خشک کریں اور کفن پہنائیں۔

۱۳۔ اس کے سر اور ڈاڑھی پر خوشبو لگائیں اور اس کے سجدہ کرنے کے اعضاء پر کافور ملیں۔

عبارت ۳

يُكَفَّنُ: کفن پہنایا جاتا ہے۔ كُفِّنَ: کفن پہنایا۔ يُكَفِّنُ: کفن پہناتا ہے۔

إِزَارٌ: تہ بند۔ قَمِيصٌ: کرتہ

لُفَافَةٌ: اوپر لپیٹنے یا ڈالنے کی چادر۔

اِقْتَصَرُوْا: انہوں نے اکتفا کیا۔ اِقْتَصَرَ اس نے اکتفا کیا۔

لَفٌّ: لپیٹنا۔ اِبْتَدَءُوْا: انہوں نے شروع کیا۔

اَلْقَوْا: انہوں نے ڈال دیا۔ اَلْقٰى: اس نے ڈالا۔

يَنْتَشِرُ: پھیلتا ہے۔ بکھرتا ہے۔ اِنْتَشَرَ پھیلا۔ بکھرا۔

عَقَدُوْا: انہوں نے گرہ دے دی۔ باندھ دیا۔ عَقَدَ اس نے گرہ دی۔

اس عبارت میں مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے جو اس طرح ہے:

۱۔ مرد کو تین کپڑوں یعنی تہ بند، کرتہ اور اوپر کی بڑی چادر کا کفن پہنانا سنت ہے۔ (تہ بند سے مراد نچلے دھڑ کو جس کپڑے میں لپیٹا جائے اور کرتہ سے مراد وہ کپڑا جس میں اوپر کا دھڑ لپیٹا جائے)۔ دو کپڑوں پر اکتفا کرنا جائز ہے (یعنی صرف تہ بند اور کرتہ)۔

۲۔ اوپر والی بڑی چادر کو پہلے بائیں طرف لپیٹیں اور پھر دائیں طرف کو اس کے اوپر لپیٹیں۔

۳۔ اگر کفن کے بکھر جانے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھ دیں۔

عبارت ۴

خِمَارٌ: اوڑھنی۔

تُرْبَطُ: باندھی جاتی ہے۔ ثُدْيٌ: چھاتی۔ ثُدْيَانِ دو چھاتیاں۔

شَعْرٌ: بال۔ صَدْرٌ: سینہ

اس عبارت میں عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ عورت کو پانچ کپڑوں یعنی تہ بند، کرتہ، اوڑھنی، سینہ بند اور اوپر کی ایک چادر میں کفنایا جائے۔ تاہم اگر تین کپڑوں پر اکتفا کریں

Marfat.com

تو جائز ہے۔ اوڑھنی کرتے کے اوپر اور اوپر والی چادر کے نیچے ہو۔ اور اس کے بال سینے پر ڈال دیں۔

عبارت ۵

لَا یُسَرَّحُ: کنگھی نہ کی جائے۔ سَرَّحَ اس نے کنگھی کی۔ یُسَرِّحُ مضارع۔

لَا یُقَصُّ: نہ کاٹا جائے۔ قَصَّ اس نے کاٹا۔ یَقُصُّ وہ کاٹتا ہے۔

ظُفْرٌ: ناخن تُجَمَّرُ: دھونی دی جائے۔

وِتْرًا: طاق بار۔ طاق عدد میں۔

۱۔ میت کے سر میں یا اس کی ڈاڑھی میں کنگھی نہ کی جائے۔

۲۔ اس کے ناخن نہ کاٹے جائیں۔

۳۔ اس کے بال نہ کاٹے جائیں۔

۴۔ میت کو کفنوں میں پیٹنے سے پہلے کفنوں کو طاق بار دھونی دی جائے۔

۵۔ جب کفن پہنانے کے اس کام سے فارغ ہو جائیں تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

عبارت ۶

اَوْلٰی: سب سے زیادہ حق دار تَقْدِیْمٌ: آگے کرنا۔ امام بنانا۔

اَلْحَیُّ: محلّہ اَلْوَلِیُّ: سرپرست

نمازِ جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حکمران ہے بشرطیکہ وہ موجود ہو اور اگر وہ موجود نہ ہو تو محلّہ کے امام کی امامت مستحب ہے اور اس کے بعد میت کا ولی امامت کا حقدار ہے۔ اگر حکمران یا ولی کے سوا کسی اور شخص نے نمازِ جنازہ پڑھائی ہو تو ولی دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے۔ لیکن ولی کے بعد کوئی اور شخص نمازِ جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔

عبارت ۷

دُفِنَ: اُسے دفن کیا گیا۔ دَفَنَ اس نے دفن کیا۔ یَدْفُنُ وہ دفن کرتا ہے۔

لَمْ یُصَلَّ: نماز نہ پڑھی گئی۔ صَلّٰی ماضی۔ یُصَلِّیْ مضارع۔

اگر میت کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو اور اس کے بغیر ہی اسے دفنا دیا گیا ہو تو تین دن تک اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اس کے بعد نہیں۔

عبارت ۸

یَقُوْمُ: کھڑا ہوتا ہے

اَلْمُصَلِّیْ: نماز پڑھنے والا۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

Marfat.com

حِذَاء : سامنے۔ بالمقابل۔ عَقِیْبَ : پیچھے۔

اس عبارت میں نمازِ جنازہ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ امام میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو۔ ایک تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے۔ دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ تیسری تکبیر کے بعد اپنے لیے، میت کے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔ رفع یدین صرف پہلی تکبیر کہتے وقت کرے بعد کی تکبیروں کے ساتھ نہ کرے۔ نمازِ جنازہ مسجد میں نہیں ہونی چاہیے۔

عبارت ۹

اَخَذُوْا : انہوں نے پکڑا۔ اَخَذَ اس نے پکڑا یَأْخُذُ وہ پکڑتا ہے۔

قَوَائِمُ : قَائِمَۃٌ کی جمع ہے۔ پائے۔

یَمْشُوْنَ : چلتے ہیں مَشٰی چلا۔ یَمْشِیْ چلتا ہے۔

مُسْرِعِیْنَ : جلدی / تیزی کرنے والے۔ مُسْرِعٌ کی جمع ہے، جو اسم فاعل ہے اَسْرَعَ (ماضی) یُسْرِعُ (مضارع) اِسْرَاع (مصدر) سے۔

اَلْخَبَبُ : دوڑنا۔ خَبَّ دوڑا۔ یَخُبُّ دوڑتا ہے۔ خَبًّا اور خَبَبًا مصدر ہے۔

یُوْضَعُ : مضارع مجہول ہے۔ وَضَعَ رکھا۔ وَضَعَ مِنْ اُتارا۔ یَضَعُ مضارع ہے۔

اَعْنَاقٌ : جمع ہے عُنُقٌ کی۔ گردن۔

اَلرِّجَالُ : جمع ہے اَلرَّجُلُ کی، آدمی۔ مرد۔

اس عبارت میں جنازہ لے جانے کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ (۱) میت کی چارپائی کو چاروں پایوں سے پکڑ کر تیز چلیں لیکن دوڑیں نہیں۔ (۲) جنازہ قبر کے پاس پہنچ جائے تو جب تک میت کی چارپائی کو لوگ نیچے نہ اتار دیں لوگوں کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے۔

عبارت ۱۰

یُحْفَرُ : کھودا جائے۔ مضارع مجہول۔ حَفَرَ کھودا۔ یَحْفِرُ کھودتا ہے۔

یُلْحَدُ : مضارع مجہول۔ لحد بنائی جائے۔ لَحَدَ ماضی۔ یَلْحَدُ مضارع۔ اَلْحَدَ یُلْحِدُ اِلْحَادًا بھی لحد بنانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یَلِیْ : ملتا ہے۔ ساتھ ہے۔ قریب ہے۔ وَلِیَ ماضی۔

وُضِعَ : رکھ دیا گیا۔ ماضی مجہول۔ وَضَعَ رکھا۔ یَضَعُ رکھتا ہے۔

مِلَّۃٌ : طریقہ۔ مذہب۔ جمع مِلَلٌ۔

یُوَجِّہُ : منہ پھیر دے۔ رُخ کر دے۔ وَجَّہَ ماضی۔

Marfat.com

شِقُّ : پہلو   اَلْاَیْمَنُ : دایاں

یَحُلُّ : کھولتا ہے۔ حَلَّ ماضی ہے۔   اَلْعُقْدَۃُ : گرہ

یُسَوّٰی : برابر کیا جائے۔ چنا جائے۔ سَوّٰی ماضی یُسَوِّیْ مضارع۔

اَللَّبِنُ : کچی اینٹیں۔ واحد لَبِنَۃٌ

اَلْاٰجُرُّ : پکی اینٹ   اَلْخَشَبُ : لکڑی۔

لَا بَأْسَ : کوئی حرج نہیں   اَلْقَصَبُ : سرکنڈا

یُھَالُ : اُنڈیلا جاتا ہے۔ مضارع مجہول۔ اَھَالَ ماضی یُھِیْلُ مضارع۔

اَلتُّرَابُ : مٹی

یُسَنَّمُ : کوہان دار بنایا جاتا ہے۔ مضارع مجہول ہے۔ سَنَّمَ کوہان دار بنایا۔
یُسَنِّمُ مضارع۔ سَنَامٌ کوہان۔

لَا یُسَطَّحُ : مسطح نہ بنایا جائے۔ سَطَّحَ ماضی۔ یُسَطِّحُ مضارع۔

اس عبارت میں قبر بنانے اور میت کو اس میں دفن کرنے کے مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ میت کے لیے قبر کھودی جائے اور اس میں لحد بنائی جائے۔

۲۔ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے۔

۳۔ جب میت کو اس کی لحد میں رکھیں تو رکھنے والے یہ الفاظ پڑھیں: بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر

۴۔ قبر میں میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ کر دیا جائے اور کفن کے بند کھول دیں۔

۵۔ قبر پر کچی اینٹیں چنی جائیں۔

۶۔ قبر پر پکی اینٹوں اور لکڑی کا استعمال مکروہ ہے۔ البتہ سرکنڈے کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

۷۔ پھر اس پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو مسطح نہ بنایا جائے بلکہ کوہان دار بنایا جائے۔

عبارت ۱۱۵

اِسْتَھَلَّ (الصَّبِیُّ) بچہ ولادت کے وقت رویا۔ چلایا۔ یَسْتَھِلُّ مضارع۔

سُمِّیَ : نام رکھا گیا۔ نام دیا گیا۔ ماضی مجہول۔ سَمّٰی ماضی، یُسَمِّیْ مضارع، تَسْمِیَۃ مصدر

اُدْرِجَ : داخل کیا گیا۔ ماضی مجہول۔ اَدْرَجَ ماضی۔ یُدْرِجُ مضارع۔

خِرْقَۃٌ : کپڑے کا ٹکڑا۔

جو بچہ ولادت کے بعد رویا ہو اور پھر مر گیا ہو اس کا نام رکھا جائے، اسے غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اگر وہ آواز نہ نکالے تو اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر

Marfat.com

دفن کر دیں اور اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔

مسائل

بَابُ الْجَنَائِزِ میں میت کی تجہیز و تکفین، اس کی نمازِ جنازہ، قبر اور اس میں دفن کرنے کے مسائل بیان کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ قربِ موت اور مرنے پر کیا کرنا چاہیے

جب آدمی قریب الموت ہو (قربِ موت کی کچھ علامات مرنے والے کے اعضاء و جوارح میں ظاہر ہو جاتی ہیں جن سے قریب بیٹھے لوگوں کو پتا چل جاتا ہے کہ اب موت آیا ہی چاہتی ہے) تو اسے دائیں پہلو پر لٹا کر اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے اور اسے کلمۂ شہادت کی تلقین کی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حدیث ہے: لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، "اپنے مرنے والوں کو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کی تلقین کرو"۔ نیز آپؐ کا ارشاد ہے: مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِهٖ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ "جس کا آخری کلام لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہو گیا"۔

مرنے کے بعد اس کے جبڑے باندھ دیں اور اس کی آنکھیں بند کر دیں۔

۲۔ میّت کو غسل دینے کا طریقہ

(۱) میت کو غسل دینے کے لیے اسے تختے پر لٹا دیا جائے۔ (۲) اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا ڈال دیں۔ (۳) اس کے کپڑے اتار دیں۔ (۴) اسے وضوء کرائیں لیکن اس کے منہ اور ناک میں پانی نہ ڈالیں۔ (۵) اس کے بعد اس کے سارے جسم پر پانی بہائیں۔ (۶) جس تختے پر میّت کو غسل دیا جائے اس تختے کو طاق بار (مثلاً تین دفعہ، پانچ یا سات دفعہ وغیرہ) خوشبودار لکڑی (عُود وغیرہ) کی دھونی دی جائے۔ (۷) غسل کے پانی کو بیری کے پتّے یا اشنان ڈال کر ابالیں۔ اگر ان میں سے کوئی چیز میسّر نہ ہو تو صرف صاف پانی ہی کافی ہے۔ (۸) میّت کے سر اور ڈاڑھی کو خطمی کے ساتھ دھوئیں۔ (۹) اس کے بعد اسے بائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے دھوئیں حتّٰی کہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ جائے۔ (۱۰) اس کے بعد اسے دائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے دھوئیں حتّٰی کہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ جائے۔ (۱۱) پھر میت کو سہارا دے کر بٹھائیں اور اس کے پیٹ کو نرمی سے ملیں، اگر کوئی چیز خارج ہو تو اسے دھو دیں، اس کے بعد دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ (۱۲) پھر اسے کسی کپڑے سے خشک کریں اور کفن پہنائیں۔ (۱۳) اس کے سر اور ڈاڑھی پر خوشبو لگائیں

Marfat.com

اور اس کے سجدہ کرنے کے اعضاء (پیشانی، ناک) پر کافور ملیں۔

۳۔ مرد کی تکفین کا طریقہ

(۱) مرد کو تین کپڑوں یعنی تہ بند، کرتہ اور اوپر لپیٹنے کی بڑی چادر کا کفن پہنانا سنت ہے (تہ بند سے مراد وہ کپڑا ہے جس میں میت کے نچلے دھڑ کو لپیٹا جائے اور کرتہ سے مراد وہ کپڑا ہے جس میں اوپر کا دھڑ لپیٹا جائے)۔ دو کپڑوں (یعنی صرف تہ بند اور کرتے) پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔ (۲) اوپر والی بڑی چادر کو پہلے بائیں طرف کو لپیٹیں اور پھر دائیں طرف کو اس کے اوپر لپیٹ دیں۔ (۳) اگر کفن کے بکھر جانے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھ دیں۔ (۴) میت کو کفنوں میں لپیٹنے سے پہلے کفنوں کو خوشبودار لکڑی (عود وغیرہ) کی طاق بار دھونی دی جائے۔

۴۔ عورت کی تکفین کا طریقہ

(۱) عورت کو پانچ کپڑوں یعنی تہ بند، کُرتہ، اوڑھنی، سینہ بند اور اوپر کی ایک بڑی چادر کا کفن پہنانا چاہیے۔ تاہم اگر تین کپڑوں پر اکتفا کریں تو جائز ہے۔ (۲) اوڑھنی کرتے کے اوپر اور بیرونی بڑی چادر کے نیچے ہو۔ (۳) اس کے بال سینے پر ڈال دیں۔ (۴) میت کو کفنوں میں لپیٹنے سے پہلے کفنوں کو خوشبودار لکڑی (عود وغیرہ) کی طاق عدد میں دھونی دی جائے۔ (۵) کفن پہنانے کے بعد نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے۔

۵۔ میت سے متعلق ممنوع امور

(۱) میت کے سر میں یا اس کی ڈاڑھی میں کنگھی نہ کی جائے۔ (۲) میت کے ناخن نہ کاٹے جائیں۔ (۳) میت کے بال نہ کاٹے جائیں۔

۶۔ نمازِ جنازہ پڑھانے کے سب سے زیادہ حقدار

نمازِ جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار سلطان (یعنی حکمران) ہے بشرطیکہ وہ موجود ہو اور اگر وہ موجود نہ ہو تو محلہ کے امام کی امامت مستحب ہے اور اس کے بعد میت کا ولی سب سے زیادہ حقدار ہے۔ اگر حکمران یا ولی کے سوا کسی اور شخص نے نمازِ جنازہ پڑھائی ہو تو ولی دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے لیکن ولی کے بعد کوئی اور شخص نمازِ جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔

۷۔ دفنانے کے بعد نمازِ جنازہ

اگر میت کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر ہی دفنا دیا گیا ہو تو دفن کرنے کے تین دن تک اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اس کے بعد نہیں۔

Marfat.com

۸- نمازِ جنازہ کا طریقہ

نمازِ جنازہ کا طریقہ حسبِ ذیل ہے:

امام میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو۔ ایک تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثنا کرے۔ دوسری تکبیر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام (درود) پڑھے۔ تیسری تکبیر کے بعد اپنے لیے، میت کے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔ رفعِ یدین (ہاتھ اوپر اٹھانا) صرف پہلی تکبیر کہتے وقت کرے۔ بعد کی تکبیروں کے ساتھ نہ کرے۔

نمازِ جنازہ مسجد میں نہیں پڑھنی چاہیے۔

۹- جنازہ لے جانے کی کیفیت

(۱) میت کی چارپائی کو اس کے چاروں پایوں سے پکڑ کر تیز چلیں لیکن دوڑیں نہیں۔
(۲) جنازہ قبر کے پاس پہنچ جائے تو جب تک میت کی چارپائی کو لوگ نیچے نہ اتار دیں لوگوں کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے۔

۱۰- قبر بنانے اور تدفین کا طریقہ

(۱) میت کے لیے قبر کھودی جائے اور اس میں لحد بنائیں۔ (۲) میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے۔ (۳) جب میت کو اس کی لحد میں رکھیں تو رکھنے والے یہ الفاظ پڑھیں: بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ، یعنی اللہ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر۔ (۴) قبر میں میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رُخ کر دیا جائے اور کفن کے بند کھول دیں۔ (۵) قبر پر کچی اینٹیں چنی جائیں۔ (۶) قبر پر پکی اینٹوں اور لکڑی کا استعمال مکروہ ہے۔ البتہ سرکنڈے کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (۷) اس کے بعد مٹی ڈال دیں اور قبر کو مسطح نہ بنایا جائے بلکہ کوہان دار بنایا جائے۔

۱۱- نومولود کی میت کی تکفین و تدفین

جو بچہ ولادت کے بعد رویا ہو اور پھر مر گیا ہو اس کا نام رکھا جائے، اسے غسل دیا جائے (اور کفن پہنا کر) اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ اگر اس نے آواز نہ نکالی ہو (یعنی مردہ پیدا ہوا ہو) تو اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفنا دیں اور اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔

Marfat.com

بَابُ الشَّهِيْدِ

اَلشَّهِيْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ

شہید وہ ہے جسے مشرکوں نے قتل کیا ہو یا وہ میدان جنگ میں ملے

وَ بِهٖ اَثَرُ الْجِرَاحَةِ اَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْمًا

اور اس پر زخم کا اثر ہو (یعنی زخمی ہو) یا اسے مسلمانوں نے ظلم سے قتل کر دیا ہو

وَلَمْ تَجِبْ بِقَتْلِهٖ دِيَةٌ فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغَسَّلُ

اور اس کے قتل سے خون بہا واجب نہ ہوا ہو تو اسے کفنایا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے غسل نہ دیا جائے

وَ اِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِّلَ وَكَذٰلِكَ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ

اور جب جنبی شہید ہو جائے تو اسے غسل دیا جائے اور یہی حکم حائضہ اور نفاس والی عورت کا ہے

عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَكَذٰلِكَ الصَّبِيُّ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور یہی حکم بچے کا ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا

وَلَا يُغَسَّلَانِ وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيْدِ دَمُهٗ وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهٗ

ان دو (جنبی اور بچے) کو غسل نہ دیا جائے اور شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائے اور اس کے کپڑے اتارے جائیں

وَ يُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ وَالْخُفُّ وَالسِّلَاحُ

اور اس سے پوستین، روئی وغیرہ سے بھراؤ کی چیز اور موزہ اور ہتھیار اتار دیے جائیں

وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِّلَ وَالْاِرْتِثَاثُ اَنْ يَّاْكُلَ اَوْ يَشْرَبَ

اور جو ارتثاث پائے اسے غسل دیا جائے اور ارتثاث یہ ہے کہ وہ کھائے یا پیے

Marfat.com

أَوْ يُدَاوٰى أَوْ يَبْقٰى حَيًّا حَتّٰى يَمْضِىَ عَلَيْهِ وَقْتُ صَلٰوةٍ

یا اس کا علاج کیا جائے یا وہ زندہ رہے یہاں تک کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے

وَ هُوَ يَعْقِلُ أَوْ يُنْقَلُ مِنَ الْمَعْرَكَةِ حَيًّا

اور وہ ہوش و حواس میں ہو یا اسے میدانِ جنگ سے زندہ منتقل کیا جائے

وَ مَنْ قُتِلَ فِي حَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ

اور جسے حد یا قصاص میں قتل کیا گیا ہو اسے غسل دیا جائے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے

وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاةِ أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ

اور باغیوں یا رہزنوں میں سے جس کو قتل کیا گیا ہو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

تشریحات

عبارت سلہ

وُجِدَ: پایا گیا۔ ماضی مجہول۔ وَجَدَ پایا۔ يَجِدُ پاتا ہے۔

اَلْمَعْرَكَةُ: میدانِ جنگ۔ اَثَرٌ: نشان۔ جمع آثَارٌ

اَلْجِرَاحَةُ: زخم۔

لَمْ تَجِبْ: واجب نہ ہوئی۔ وَجَبَ واجب ہوا۔ يَجِبُ مضارع

دِيَةٌ: خوں بہا۔ خون کا معاوضہ۔ دیت۔

يُكَفَّنُ: کفن پہنایا جائے۔ مضارع مجہول۔ كَفَّنَ ماضی۔ يُكَفِّنُ مضارع

لَا يُغَسَّلُ: میت کو غسل نہیں دیا جاتا۔ غَسَّلَ میت کو غسل دیا۔ يُغَسِّلُ مضارع

اُسْتُشْهِدَ: شہید کر دیا گیا۔ اَلْجُنُبُ: جنبی۔ حالت جنابت میں، جس پر غسل واجب ہو۔

اَلْحَائِضُ: حیض والی۔ اَلنُّفَسَاءُ: زچہ

اَلصَّبِيُّ: بچہ۔ لَا يُغَسَّلَانِ: ان دو کو غسل نہیں دیا جاتا۔

لَا يُغْسَلُ: نہ دھویا جائے۔ غَسَلَ: دھویا۔ يَغْسِلُ دھوتا ہے۔

دَمٌ: خون۔ لَا يُنْزَعُ: نہیں اتارا جاتا۔ نَزَعَ ماضی يَنْزِعُ مضارع۔

ثِيَابٌ: کپڑے۔ جمع ہے ثَوْبٌ کی۔ اَلْفَرْوُ: پوستین

Marfat.com

اَلْحَشْوُ : روئی وغیرہ کی بھرائی والا کپڑا۔

اَلْخُفُّ : موزہ۔ اَلسِّلَاحُ ہتھیار۔ جمع اَسْلِحَةٌ

شہید اسے کہتے ہیں جسے اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا ہو اسے شہید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مَشْهُوْدٌ بِالْجَنَّةِ ہے یعنی اس کے جنتی ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے یا اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اِنِّیْ شَهِيْدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ، کہ میں ان لوگوں پر گواہ ہوں۔

اس عبارت میں غسل وغیرہ کے فقہی احکام کے نقطہ نظر سے شہید کی وضاحت کی گئی ہے کہ شہید کون ہے۔ جس شہید کو بغیر غسل دیے دفنایا جاتا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ جسے مشرکوں نے قتل کر دیا ہو (خواہ کسی بھی طرح سے اسے قتل کیا گیا ہو کسی آلۂ قتل سے یا کسی اور ذریعے سے مثلاً آگ میں جلا کر، پانی میں ڈبو کر، اونچی جگہ سے دھکا دے کر غرض کسی بھی طریقے سے مشرکوں نے اسے قتل کیا ہو)۔

۲۔ یا میدانِ جنگ میں ملا ہو اور اس پر زخم کا نشان ہو (جو دلیل ہے اس کے قتل کیے جانے کی)۔

۳۔ یا مسلمانوں نے اسے ظلماً (ناحق) قتل کر دیا ہو اور اس کے قتل پر دیت واجب نہ ہوئی ہو (قتلِ خطا اور قتلِ شابہ عمد میں دیت واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا نہ تو قتلِ خطا ہو اور نہ قتل شابہ عمد بلکہ ایسا قتل ہو جس پر قصاص واجب ہوتا ہے مگر وہ کسی وجہ سے ساقط ہو گیا ہو مثلاً قاتل اور مقتول کے ورثا کے درمیان صلح ہو جائے یا باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے وغیرہ)۔

ایسے شہید کو کفن پہنایا جائے۔ صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں روایات ملتی ہیں کہ شہدائے اُحد میں سے دو دو شہیدوں کو ایک چادر میں لپیٹ کر دفن کیا گیا۔ یہ بھی روایت ملتی ہے کہ شہدائے اُحد میں سے حضرت حمزہؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر اور ایک اور شہید کو ایک ایک چادر میں ڈھانپ کر دفن کیا گیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو جس چادر میں لپیٹا گیا وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ آخر ان کا سر ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں پر گھاس رکھ دی گئی۔ (دیکھیے مثلاً بخاری، کتاب الجنائز، باب الکفن من جمیع المال، باب اذا لم یوجد الا ثوب واحد)۔ کتب حدیث میں یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ شہیدوں کو ان کے کپڑوں میں ہی دفنایا گیا۔ (اگر ستر ننگا ہو، مثلاً قتال کے دوران کپڑے پھٹ گئے ہوں تو اس صورت میں تو کفن پہنانا ضروری ہے۔ ورنہ شہید کو اس کے اپنے کپڑوں میں بھی دفن کیا جا سکتا ہے اور کفن بھی پہنایا جا سکتا ہے)۔

شہید کو غسل دیے بغیر دفن کیا جائے کیونکہ وہ اپنے خون سے غسل کر چکا ہے۔ صحیح بخاری

Marfat.com

اور دیگر کتب حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کو ان کے خونوں سمیت دفن کرنے کا حکم فرمایا اور انہیں غسل نہیں دیا گیا۔ (دیکھیے بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الشہید، باب من لم یغسل الشہداء، باب من یقدم فی اللحد)۔

قدوریؒ نے کہا ہے کہ شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ کتب حدیث میں حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ شہدائے اُحد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ (دیکھیے مثلاً بخاری، کتاب کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الشہداء، باب من یقدم فی اللحد)۔ بخاری میں حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپؐ نے اہلِ اُحد (یعنی شہدائے احد) پر ویسی نماز پڑھی جیسی آپؐ میت پر پڑھتے تھے (کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی الشہید)۔ بعض دیگر کتب حدیث میں شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی روایات ملتی ہیں۔ ممکن ہے حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ نے شہدائے اُحد کی نماز پڑھتے نہ دیکھا ہو۔ نمازِ جنازہ میت کی تکریم کے لیے پڑھی جاتی ہے اور شہید اس تکریم کا سب سے زیادہ حقدار ہے لہذا اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے (نمازِ جنازہ صرف میت کے لیے مغفرت کی دعا نہیں ورنہ پیغمبر اور بچے کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جاتی کہ یہ تو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں)۔

حیض یا نفاس والی عورت (زچہ) شہید ہو جائے، جُنبی (جس پر غسل جنابت واجب ہوتا ہے) یا بچہ شہید ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انہیں غسل دیا جائے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ جُنبی اور بچے کو غسل نہ دیا جائے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حنظلہؓ جہاد کی پکار سُن کر حالتِ جنابت ہی میں نکل کھڑے ہوئے اور شہید ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام آپ کی لاش دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ تو چونکہ حضرت حنظلہؓ کو فرشتوں کے غسل کے بعد دفن کیا گیا لہذا جُنبی کو اور اس پر قیاس کرتے ہوئے حائضہ، نفساء اور بچے کو غسل دیا جائے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حنظلہ کا (فرشتوں کی جانب سے) غسل صرف انہیں کے ساتھ خاص تھا (ان کی تکریم کے لیے)۔ مرنے پر جنابت حیض، زچگی کا واجب غسل ساقط ہو جاتا ہے اور باقی رہ جاتا ہے میت کا غسل اور وہ شہادت کی وجہ سے ساقط ہو گیا، لہذا انہیں غسل نہیں دیا جائے گا اور بغیر غسل کے ہی ان کی تدفین ہو گی۔

شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائے اور نہ ہی اس کے کپڑے اتارے جائیں۔ البتہ فالتو چیزیں مثلاً پوستین، روئی کی بھرائی والا کپڑا (بنڈی، صدری، جیکٹ وغیرہ)، موزے اور ہتھیار (زرہ وغیرہ) اتار لیے جائیں۔

Marfat.com

(اس باب میں غسل اور نمازِ جنازہ وغیرہ کی فقہی احکام کے نقطۂ نظر سے شہید کی وضاحت کی گئی ہے آخرت کے احکام اور ثواب کے لحاظ سے شہید کی اور اقسام بھی کتب حدیث میں ملتی ہیں مثلاً وبا میں فوت ہونے والا، پانی میں ڈوب کر، آگ میں جل کر یا کسی اور طریقے سے اچانک اور حادثاتی طور پر مرنے والا بھی شہید ہے اگرچہ اعلیٰ رتبہ کا شہید وہی ہے جو فی سبیل اللہ قتال کرتے ہوئے قتل ہو)۔

عبارت ۲

اُرْتُثَّ: فُلَانٌ، فلاں پر جنگ میں وار ہوا، زخمی ہو کر نڈھال ہو گیا اور اسے اٹھا کر لایا گیا اور اس میں رمق تھی پھر وہ مر گیا۔ اُرْتُثَّ (ماضی مجہول)، یُرْتَثُّ (مضارع مجہول)، اِرْتِثَاث مصدر ہے۔ رَثَّ یَرِثُّ کا معنی ہوتا ہے کپڑے وغیرہ کا بوسیدہ پرانا ہونا۔

غُسِّلَ: میت کو غسل دیا گیا۔ غَسَّلَ: میت کو غسل دیا۔

یَأْكُلُ: کھاتا ہے۔ أَكَلَ کھایا۔ يَشْرَبُ: پیتا ہے۔ شَرِبَ پیا۔

يُدَاوٰى: اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ دَاوٰى علاج کیا، دوا کی۔ يُدَاوِي علاج کرتا ہے۔

يَبْقٰى: باقی رہتا ہے۔ بَقِيَ: باقی رہا۔ حَيٌّ: زندہ۔

يَمْضِيْ: گزرتا ہے۔ مَضٰى: گزرا۔

يَعْقِلُ: وہ سمجھتا ہے عقل، ہوش رکھتا ہے۔ عَقَلَ ماضی۔

يُنْقَلُ: منتقل کیا جاتا ہے۔ نَقَلَ منتقل کیا۔ يَنْقُلُ منتقل کرتا ہے۔

حَدٌّ: شریعت کی مقرر کردہ سزا۔

اَلْبُغَاةُ: جمع ہے اَلْبَاغِيْ کی۔ باغی سرکش۔

قُطَّاعُ الطَّرِيْقِ: راستہ کاٹنے والے، رہزن۔ قُطَّاعٌ جمع ہے قَاطِعٌ کی۔ کاٹنے والا۔

جس شخص کو زخمی حالت میں میدانِ جنگ سے اٹھا کر لایا جائے، وہ زندہ ہو، کھائے، پیئے، یا اس کا علاج کیا جائے اور وہ اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے اور وہ ہوش میں ہو اور پھر وہ فوت ہو جائے تو ایسے شہید کو غسل دیا جائے۔ اسی طرح جو شخص حد یا قصاص میں قتل کیا جائے اسے بھی غسل دیا جائے اور اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے۔ البتہ باغیوں اور رہزنوں میں سے کوئی شخص قتل ہو جائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

Marfat.com

مسائل

قدوریؒ نے باب الشہید میں درج ذیل مسائل بیان کیے ہیں :

۱۔ شہید کی تعریف

شہید (غسل وغیرہ کے فقہی احکام کے اعتبار سے) وہ ہے ،

(۱) جسے مشرکوں نے قتل کر دیا ہو (کسی بھی آلہ قتل سے یا آلہ قتل کے بغیر کسی اور ذریعے سے)

(۲) جو میدانِ جنگ میں ملا ہو اور اس پر زخم کا اثر ہو (زخم اس کے قتل کیے جانے کی علامت ہے)

(۳) جسے مسلمانوں نے ازراہِ ظلم (ناحق) قتل کیا ہو اور اس کے قتل سے خون بہا واجب نہ ہوا ہو (یعنی قتلِ خطا یا قتل مشابہ عمد نہ ہو کہ جس سے دیت واجب ہوتی ہے بلکہ ایسا قتل ہو کہ جس سے قصاص واجب ہوتا ہے لیکن قصاص کسی سبب سے ساقط ہو گیا ہو، مثلاً باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا ہو یا قاتل اور مقتول کے ورثاء کے درمیان صلح ہو گئی ہو)۔

۲۔ شہید کی تجہیز و تکفین

موصوفہ بالا شہید کو کفن پہنایا جائے (اس کے کپڑوں کے اوپر ہی کفن کے کپڑے لپیٹ دیے جائیں)، اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے (کیونکہ نمازِ جنازہ میت کی تکریم کے لیے ہے اور شہید اس تکریم کا بدرجۂ اولیٰ حقدار ہے) لیکن اسے غسل نہ دیا جائے (شہدائے اُحد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب ان کے خون سمیت بغیر غسل دیے دفنایا گیا تھا)۔

۳۔ اگر شہید جُنبی، حائضہ، نفساء یا بچّہ ہو

اگر شہید جُنبی ہو، یعنی حالت جنابت میں ہی شہید ہوا اور اس پر جنابت کا غسل واجب تھا، یا حیض والی یا نفاس والی (زچّہ) عورت ہو یا بچّہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان کو غسل دیا جائے گا جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کو غسل نہیں دیا جائے گا (صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جنابت، حیض، نفاس کی وجہ سے جو غسل واجب تھا وہ تو موت سے ساقط ہو گیا، رہا میت کا غسل تو وہ اس لیے نہیں دیا جائے گا کہ شہید ہے۔ اور بچّہ اس تکریم کا زیادہ مستحق ہے کہ بغیر غسل کے طاہر قرار پائے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حنظلہؓ حالتِ جنابت میں شہید ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں، یعنی یہ جنابت کی وجہ سے واجب ہونے والا غسل تھا جو فرشتوں نے حضرت حنظلہؓ کو دیا۔ لہٰذا موت کی وجہ سے واجب غسل ساقط نہیں ہوتا)۔

Marfat.com

۴۔ شہید کے خون اور کپڑوں وغیرہ کا حکم

شہید کا خون نہ دھویا جائے اور نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں البتہ فالتو کپڑے مثلاً پوستین اور روئی کی بھرائی والا کپڑا (اور جیکٹ، کوٹ، ٹوپی، پگڑی وغیرہ) اتار دیے جائیں اسی طرح موزے اور ہتھیار (زرہ وغیرہ) بھی اتار دیے جائیں۔

۵۔ مُرتث کو غسل دیا جائے

جو شخص مرتث ہوا سے غسل دیا جائے، اور مُرتث وہ ہے کہ جو جنگ میں زخمی ہو جائے لیکن زندہ ہو اور زخمی حالت میں وہ کھائے یا پیے، یا اسے دوا دی جائے یا وہ اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے جبکہ وہ ہوش و حواس میں ہو یا اسے میدانِ جنگ سے زندہ اٹھا کے لایا جائے۔

۶۔ حد یا قصاص میں قتل کیے جانے والے کا حکم

جس شخص کو حدّ (زنا کی سزا رجم) یا قصاص میں قتل کیا گیا ہو اسے غسل دیا جائے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

۷۔ باغی اور رہزن کا حکم

اگر کوئی باغی یا رہزن قتل کر دیا جائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

Marfat.com

بَابُ الصَّلٰوةِ فِی الْکَعْبَةِ

اَلصَّلٰوةُ فِی الْکَعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرْضُهَا وَ نَفْلُهَا

فرض اور نفل نماز دونوں کعبہ میں جائز ہیں

فَاِنْ صَلَّی الْاِمَامُ فِیْهَا بِجَمَاعَةٍ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهٗ

اگر امام اس (یعنی کعبہ) میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے اور ان (یعنی مقتدیوں) میں سے کچھ اپنی پیٹھ کر دیں

اِلٰی ظَهْرِ الْاِمَامِ جَازَ وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ وَجْهَهٗ

امام کی پیٹھ کی طرف تو یہ جائز ہے اور جو ان میں سے اپنا چہرہ کر دے

اِلٰی وَجْهِ الْاِمَامِ جَازَ وَیُکْرَهُ وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ ظَهْرَهٗ

امام کے چہرے کی طرف تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور ان میں سے جو اپنی پیٹھ کرے

اِلٰی وَجْهِ الْاِمَامِ لَمْ تَجُزْ صَلٰوتُهٗ - وَاِذَا صَلَّی الْاِمَامُ

امام کے چہرے کی طرف تو اس کی نماز جائز نہ ہو گی - اور جب امام نماز پڑھے

فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْکَعْبَةِ وَصَلَّوْا بِصَلٰوةِ الْاِمَامِ

مسجد حرام میں تو لوگ کعبہ کے گرد حلقہ بنا لیں اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں

فَمَنْ کَانَ مِنْهُمْ اَقْرَبَ اِلَی الْکَعْبَةِ مِنَ الْاِمَامِ

تو جو ان میں سے امام کی بہ نسبت کعبہ کے قریب تر ہو

جَازَتْ صَلٰوتُهٗ اِذَا لَمْ یَکُنْ فِیْ جَانِبِ الْاِمَامِ

اور امام کی جانب میں نہ ہو تو بھی اس کی نماز جائز ہو گی

وَمَنْ صَلّٰی عَلٰی ظَهْرِ الْکَعْبَةِ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ -

اور جو کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے اس کی نماز جائز ہے

Marfat.com

تشریحات

جَعَلَ : کیا۔ بنایا۔ ظَھْرٌ : پیٹھ۔ پشت۔

جَازَ : جائز ہوا وَجْہٌ : چہرہ

یُکْرَہُ : ناپسند کیا جاتا ہے۔ مکروہ ہے۔ (مضارع مجہول)۔ کَرِہَ ناپسند کیا یَکْرَہُ مضارع

لَمْ تَجُزْ : جائز نہ ہوئی تَحَلَّقَ : حلقہ بنایا۔

اَلنَّاسُ : لوگ۔ اِنْسَانٌ کی جمع ہے۔ اَقْرَبُ : قریب تر۔

خانہ کعبہ قبلہ ہے۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ (البقرہ ۲، ۲: ۱۴۴، ۱۵۰)

"اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجدِ حرام) کی طرف کیا کرو"۔

لیکن جو شخص خانہ کعبہ کے اندر ہو وہ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھے ؟ ہر طرف خانہ کعبہ کی دیواریں ہیں تو امام کی پیروی کس طرح کرے ؟ اس باب میں ان سوالوں کے جواب دیے گئے ہیں۔

مسائل

۱۔ کعبہ میں ہر نوع کی نماز جائز ہے : خانہ کعبہ میں فرض اور نفل ہر نوع کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

۲۔ امام کی اقتدا میں رُخ کی صُورتیں

اگر امام خانہ کعبہ میں با جماعت نماز پڑھائے تو مقتدیوں کے رخ کی مختلف صورتوں کے احکام حسبِ ذیل ہیں :

(۱) جس مقتدی کی پشت امام کی پشت کی طرف ہے اس کی نماز جائز ہے۔

(۲) جس مقتدی کا چہرہ امام کے چہرے کی طرف ہو اس کی نماز جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(۳) جس مقتدی کی پشت امام کے چہرے کی طرف ہو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ (کیونکہ وہ امام سے آگے ہو گیا)۔

(۴) امام مسجد حرام میں نماز پڑھائے تو لوگ کعبہ کے گرد حلقہ بنا لیں اور امام کے ساتھ نماز پڑھیں۔

(۵) اگر مقتدی امام والی جانب کے سوا کسی اور جانب میں کھڑا ہو اور امام کی بہ نسبت وہ کعبہ سے قریب تر ہو تو اس کی نماز جائز ہے (کیونکہ امام اور مقتدی کی اطراف مختلف ہیں لہذا امام سے آگے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

Marfat.com

(۶) جو کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے اس کی نماز جائز ہے۔ (لیکن اس وجہ سے مکروہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تعظیم کے منافی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک خانہ کعبہ تحت الثریٰ سے لے کر اوپر آسمان تک جگہ کا نام ہے نہ کہ عمارت کا، اس لیے خانہ کعبہ سے بلند تر مقام مثلاً پہاڑ وغیرہ یا اس سے پست تر مقام مثلاً سرنگ وغیرہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے)۔

Marfat.com

تاریخ اسلام

بنواُمیّہ ○ بنوعبّاس

Marfat.com

بنو امیہ

خلافت راشدہ کے بعد خاندانی ملوکیت کی بنا پڑ گئی۔ اس کے بانی حضرت معاویہؓ ہیں۔ حضرت معاویہؓ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنو امیہ قریش کی ایک ممتاز شاخ تھے۔ یہ خاندان اپنے مورث اعلیٰ امیہ کے نام پر موسوم ہے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کا شجرہ نسب عبد مناف پر ایک ہو جاتا ہے۔

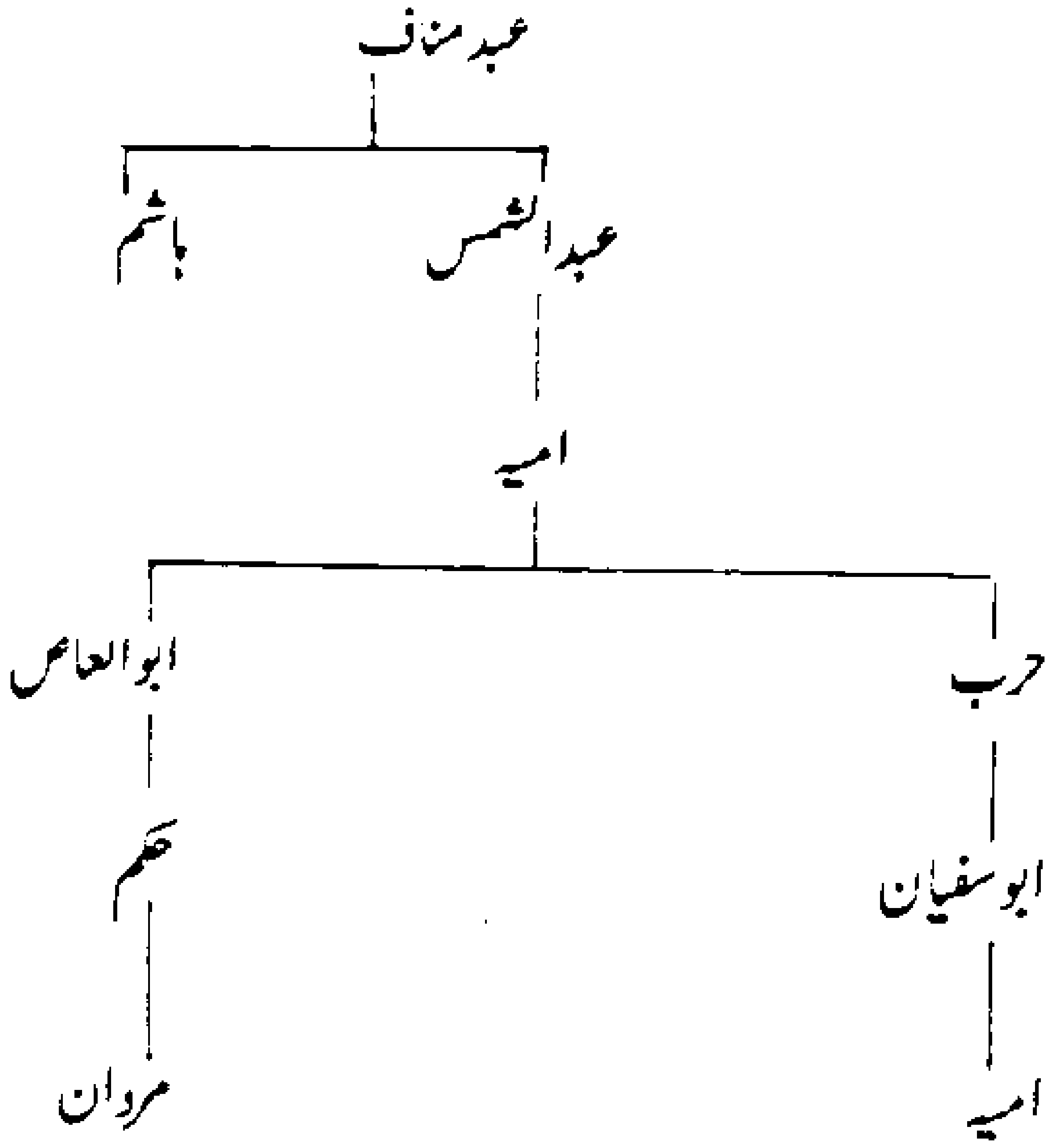

خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ بنو امیہ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی اور یہ مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو فوراً سزا دی جائے۔ عیار قاتلوں کا سراغ لگانا آسان نہ تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ اور بنوامیہ کے مابین اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی گئی۔ اس وقت بنو امیہ کے سربراہ حضرت معاویہؓ تھے۔ ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان معرکے چھڑ گئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی مصالحت کے بعد حضرت معاویہؓ نے زمام خلافت سنبھال لی۔

حضرت معاویہؓ نے وفات سے قبل اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کیا اور اس کے لیے بیعت حاصل کر لی۔ یہ بنو امیہ کی خاندانی حکومت کا سنگ بنیاد تھا۔ حضرت معاویہؓ کا پوتا معاویہ بن یزید حکومت سے دستبردار ہوگیا اور ریاست حضرت معاویہؓ کی اولاد سے نکل کر مروان کے واسطہ سے بنو امیہ کی ایک اور شاخ آل حکم میں چلی گئی۔ مروان کا باپ حکم بن ابوالعاص حضرت عثمانؓ کا

Marfat.com

چچا تھا۔ حکم کسی نمایاں شخصیت کا مالک نہ تھا۔ لیکن اس کی اولاد نے نہایت پرشکوہ سلطنت قائم کی۔ اس شاخ میں عالمگیر شہرت کے فرماں روا پیدا ہوئے۔ اس کا بانی چونکہ مروان تھا اس لیے انہیں بنو مروان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

(الف) آل ابوسفیان

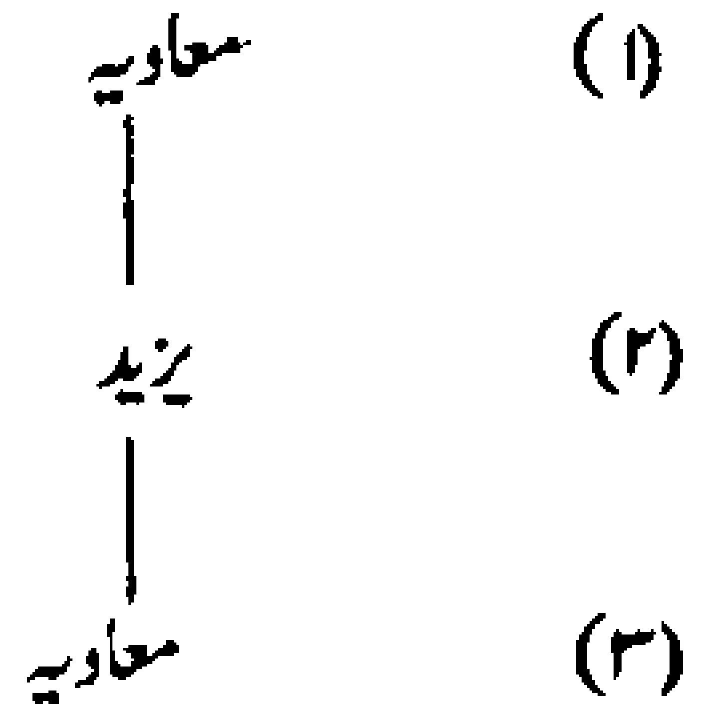

(ب) آل حکم یا بنو مروان

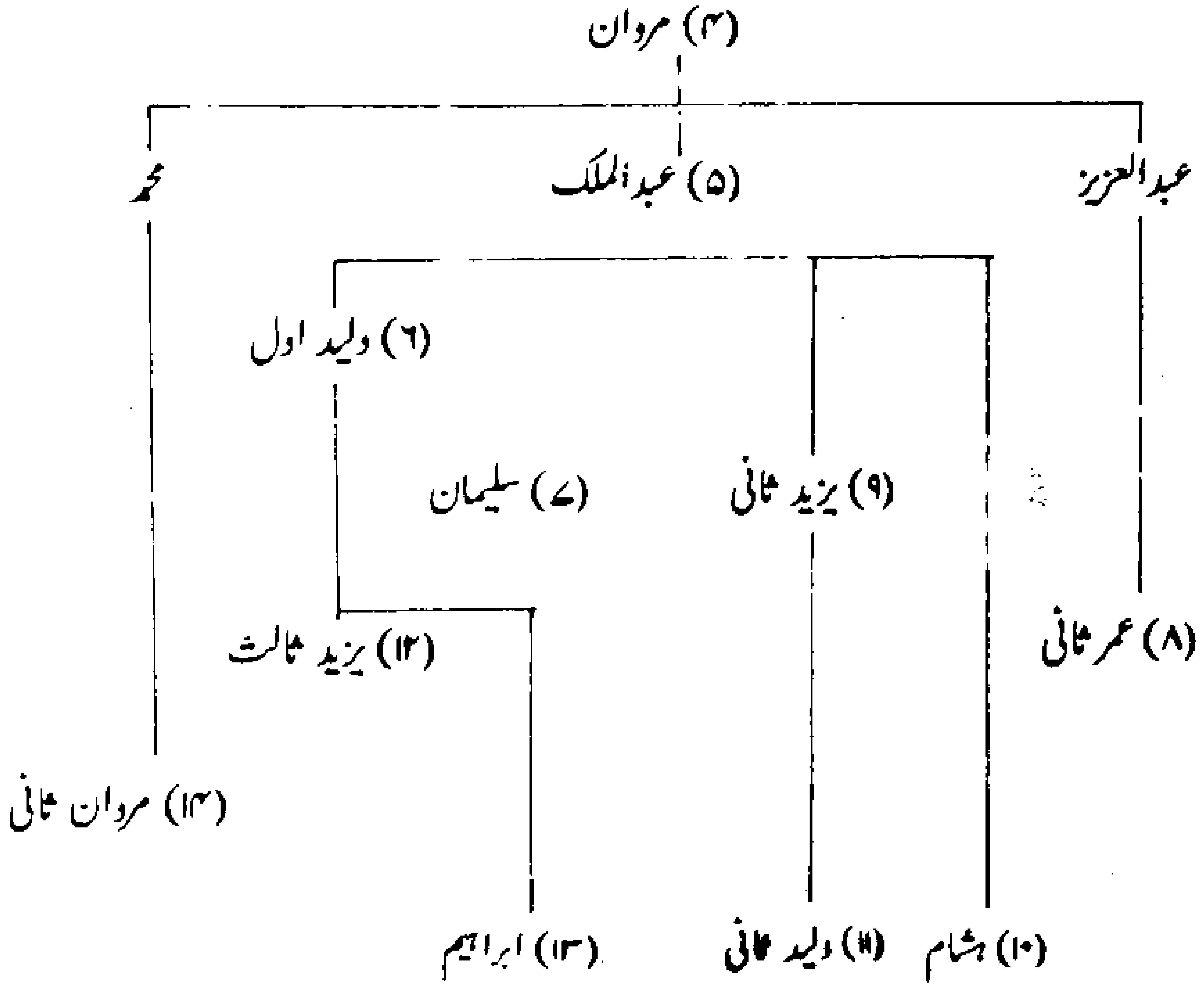

Marfat.com

حضرت معاویہؓ

تعارف : حضرت معاویہؓ حضرت ابوسفیانؓ بن حرب کے بیٹے تھے۔
آپ نے ظہور اسلام سے پانچ برس قبل ولادت پائی۔ قبول اسلام کا شرف فتح مکہ کے بعد حاصل ہوا۔ اس کے بعد حنین کی جنگ میں شرکت کی۔ کچھ عرصہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت پر مامور رہے۔ عہد صدیقی میں یمامہ کی نتیجہ خیز جنگ میں حصہ لیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شام کے تقریباً نصف حصہ کے والی مقرر ہوئے۔ آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے انتظام سنبھالے رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں کل شام آپ کے زیر انتظام کر دیا گیا۔

حضرت علیؓ نے خلافت سنبھالی تو حضرت عثمانؓ کے عمال کی برطرفی کے احکام صادر فرما دیے۔ ان عمال میں حضرت معاویہؓ بھی تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اس عذر پر سبکدوش ہونے سے انکار کر دیا کہ پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دی جائے ورنہ میں اپنا منصب نہیں چھوڑوں گا۔ نتیجہ یہ کہ صفین کے مقام پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ایک طویل جنگ ہوئی جس میں ہزاروں مسلمان کام آئے۔ آخر حکمین کے تقرر کا فیصلہ ٹھہرا۔ حکمین کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔ حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور معرکوں کا سلسلہ پھر چل نکلا۔ اس اثناء میں حضرت علیؓ شہادت کا جام نوش فرما گئے۔ حضرت حسنؓ آپ کے جانشین ہوئے۔ حضرت حسنؓ نے ۴۱ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ مصالحت کر لی اور خلافت آپ کو سونپ دی۔ کسی جماعت نے اختلاف نہ کیا اور سیاسی نزاع ختم ہوگئی۔ اس لیے ۴۱ ہجری کے سن کو عام الجماعہ یعنی اتحاد کا سال کہتے ہیں۔

چار مدبر : عرب میں اس وقت چار مدبر ایسے تھے جن کی طباعی' تدبر اور سیاست کا جواب نہ تھا۔ ان میں ایک حضرت معاویہؓ تھے۔ باقی تین حضرت عمرو بن العاصؓ' مغیرہ بن شعبہؓ اور زیادہؓ بن ابیہ تھے۔ حضرت معاویہؓ کی سیاست کا ایک لاجواب پہلو یہ ہے کہ آپ نے ان تینوں سیاست دانوں کو اپنے ساتھ وابستہ کر لیا۔

(ا) عمرو بن العاصؓ : آپ قبیلہ قریش سے تھے۔ شروع میں اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ مہاجرین حبشہ کے خلاف وفد لے کر گئے تھے۔ اس کے بعد بھی اسلام کی مخالفت میں کمی نہ کی۔ آخر صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر حیا کرتے تھے کہ حضورؐ سے آنکھیں نہیں ملا سکتے تھے۔ نہایت نیک نیت اور پر خلوص تھے۔ خوش خو اور سلیقہ نواز تھے۔ زیرک اور صائب الرائے تھے۔ زبان میں چشمہ ساروں کی روانی تھی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات السلاسل کے غزوہ میں امیر کر کے بھیجا۔ اس کے بعد

Marfat.com

عمان کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی کچھ عرصہ اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر شام کی مہمات میں حصہ لیا۔ ان کی دانش مندی سے بڑے بڑے عقدے حل ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر فتح کیا اور وہیں گورنر مامور ہوئے۔ اس عہدہ پر حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں کچھ عرصہ بحال رکھا۔ اس کے بعد سبکدوش کر دیا۔ واپس مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کے پرخلوص مشیروں میں شامل رہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی کشمکش میں حضرت معاویہؓ کے طرف دار ہوگئے۔ اور ان کی طرف سے صفین کی جنگ میں حصہ لیا۔ تحکیم پر جنگ کا خاتمہ ہوا تو حضرت معاویہؓ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کی جو امداد کی اس سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی حکومت انہی کی پرکاری کی مرہون تھی۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں مصر کا والی مقرر کیا۔ انہوں نے ۴۳ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ۹۰ برس کی عمر تھی۔

موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے گزشتہ مناصب کی ذمہ داریوں کو یاد کر کے روتے تھے کہ جانے کل اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا کیا جواب دینے پڑیں؟ آپ نے وصیت کی کہ مجھ پر نوحہ نہ کیا جائے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ مومن صالح اور صالح مرد تھے۔ لیکن بدقسمتی سے آپ کے خلاف کئی غلط روایات مشہور ہوگئیں۔

آپ کی ولایت آپ کے بیٹے عبداللہ کو سونپی گئی۔ [1]

(۲) مغیرہؓ بن شعبہ : یہ صاحب طائف کے رہنے والے تھے۔ نہایت عظیم الجثہ تھے۔ ہجرت کے پانچویں برس اسلام لائے۔ اس کے بعد نمایاں خدمات انجام دیں۔ حدیبیہ کی صلح کے وقت تلوار سونتے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہرہ کے لیے کھڑے رہے۔ طائف والے اسلام لائے تو لات کو مسمار کرنے کے لیے آپ کو بھی نامزد کیا گیا۔ حضرت صدیقؓ کے عہد میں یمامہ اور یرموک کی اہم جنگوں میں حصہ لیا۔ یرموک کی جنگ میں آپ کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قادسیہ کی جنگ میں شریک ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف سے رستم کے پاس سفیر بن کر گئے اور نہایت اثر پیدا کر کے آئے۔ اس کے بعد کئی معرکوں میں کمان کرنے کا موقع ملا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو بصرہ کا والی بنایا۔ اس کے بعد کوفہ پر مامور کیا۔ اس عہدہ پر عثمانی عہد میں بھی کچھ عرصہ فائز رکھا۔ پھر الگ ہوگئے۔ آپ بالعموم سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش رہے۔ تحکیم کے بعد آپ حضرت معاویہؓ کے طرف دار ہوگئے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے مصالحت کے بعد آپ کو کوفہ کا والی بنایا۔ آپ وفات تک

---

[1] عمرو بن عاص کے حالات تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کے پاس فقط انتظامی امور تھے۔ خراج کا شعبہ نہ تھا۔ آپ نے ۵۰ ہجری میں طاعون سے وفات پائی۔ ۱۔

(۳) زیادؓ بن ابیہ : یہ شخص طائف کی ایک ایرانی لونڈی سمیہ نام کے بطن سے تھا۔ سمیہ بیسوہ تھی۔ اس لیے زیاد کے باپ کا پتہ نہ تھا۔ لوگ اسے زیاد بن ابیہ (یعنی زیاد اپنے باپ کا بیٹا) یا زیاد بن سمیہ کہتے تھے۔

زیاد ہجرت کے پہلے برس پیدا ہوا۔ ۲۔ نہایت ذہین و فطین تھا۔ تحریر و تقریر میں نوعمری سے صاحب کمال تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ابوموسیٰ اشعری والی کوفہ کا سیکرٹری تھا۔ حضرت عمرؓ اس کی لیاقت اور وجاہت کے بہت مداح تھے۔ حضرت علیؓ نے اسے فارس کا والی مقرر کیا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے اپنی طرف پھیرنا چاہا۔ لیکن اس نے حضرت علیؓ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد زیاد نے حضرت معاویہؓ کی خلافت سے انکار کیا۔ حضرت معاویہؓ کو ایک ترکیب سوجھی۔ چند گواہوں سے شہادت دلوائی کہ قبل اسلام کے ایام میں حضرت ابوسفیانؓ کا سمیہ کے ساتھ تعلق تھا جس سے زیاد پیدا ہوا۔ زیاد کو ابوسفیانی نسب ملنے پر بہت خوشی ہوئی اور حضرت معاویہؓ کا تہہ دل سے وفادار ہو گیا۔ ۳۔

حضرت معاویہؓ نے ۴۵ ہجری میں زیاد کو بصرہ کا والی بنایا۔ وہاں انتہائی بدنظمی تھی۔ زیاد نے جاتے ہی ایک دہشت انگیز تقریر کی۔ اور کہا کہ جو شخص رات چھا جانے کے بعد گھر سے نکلے گا اسے قتل کر دوں گا۔ اس نے پولیس کی تعداد چار ہزار کر دی۔ ۴۔

زیاد ادنیٰ ادنیٰ شبہ پر لوگوں کی گردن اڑا دیتا تھا۔ بصرہ کی حالت ایسی سدھری کہ کوئی کسی کی گری ہوئی چیز تک نہ اٹھاتا تھا۔ لوگ رات کو دروازے کھلے رکھتے تھے۔ جب مغیرہ بن شعبہ نے ۵۰ ہجری میں انتقال کیا تو کوفہ بھی زیاد کی ولایت میں آگیا۔ وہ پہلا شخص ہے جسے عراق کے یہ دونوں صوبے اکٹھے ملے۔ کوفہ میں بھی اس نے آہنی گرفت سے نظم و نسق بحال کیا۔ ۵۔ ایک ایک شخص کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ ۶۔

زیاد نے ۵۳ ہجری میں طاعون سے وفات پائی۔ وفات سے قبل حجاز کی حکومت کا پروانہ بھی اس کے نام جاری ہو گیا تھا لیکن اس کا اختیار سنبھالنے سے پہلے ہی اجل نے آ لیا۔ کوفہ سے باہر دفن ہوا۔ ۷۔

زیاد کا رنگ سرخ تھا۔ دائیں آنکھ چھوٹی تھی۔ قمیص پر بارہا پیوند لگے ہوتے تھے۔ ۸۔

مخالفین : حضرت معاویہؓ بہت خوش قسمت تھے۔ ان کے مقابل کوئی پرزور سیاسی قوت نہ تھی۔ شیعان علیؓ حضرت معاویہؓ کو پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد ان کے لیے خاموشی کے سوا چارہ نہ تھا۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ یعقوبی۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

حضرت معاویہؓ کے والی اپنے خطبوں کے دوران میں حضرت علیؓ کے خلاف گستاخانہ کلمات کہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے ارادت مند برا مانتے تھے۔ اور امراء کو بعض دفعہ سر مجلس ٹوکتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کے خلاف سخت قدم اٹھایا اور حضرت حجر بن عدیؓ ایسے صحابی کو ان کے ساتھیوں سمیت شہید کرا دیا۔

حضرت حجر بن عدیؓ کے قتل کا واقعہ نہایت اہم ہے۔ آپ ایک مقتدر اور محترم صحابی تھے۔ کوفہ میں مقیم تھے۔ جب امرائے کوفہ مسجد میں حضرت علیؓ کے خلاف تقریر کرتے تو آپ اظہار نفرین کے لیے ان پر کنکریاں پھینکتے تھے۔ زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر ہو کر آیا اور حضرت علیؓ کے خلاف تقریر کی۔ تو حضرت حجر نے چند اشخاص کے ہمراہ اس پر کنکریاں پھینکیں۔ زیاد نے آپ سے تو درگزر کیا لیکن کنکر پھینکنے والے دیگر آدمیوں کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ ا۔

بعد میں زیاد کے ساتھ پھر یہی سلوک ہوا تو اس نے حضرت معاویہؓ کو حجر بن عدی کے خلاف ایک طویل شکایت لکھی۔ حضرت معاویہؓ نے حکم بھیجا کہ گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ زیاد نے انہیں اور ان کے چند ساتھیوں کو پا بہ زنجیر کر کے حضرت معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں قتل کروا دیا۔ حضرت عائشہؓ کو جب خبر لگی کہ حجر بن عدیؓ کو حضرت معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا گیا ہے تو انہیں تشویش ہوئی۔ ایک شخص عبدالرحمان بن حارث کو سفارش کے لیے بھیجا لیکن ان کے پہنچنے سے قبل حضرت حجرؓ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ ۲۔ یہ ۵۱ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد اہل بیت کے طرف دار مقابلہ پر نہ اٹھے۔

خوارج : حضرت معاویہؓ کا دوسرا مخالف گروہ خوارج کا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ برحق خلیفہ تھے۔ خوارج اپنے عقیدوں پر نہایت پختہ تھے اور جاں باز لوگ تھے۔ عجم کی شورش پسند زمین میں انہوں نے خوب زور پیدا کیا۔ ان کی سرگرمیاں بند ہونے پر نہیں آتی تھیں۔ ایک سردار مرجاتا تو دوسرا اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ ان کا سب سے بڑا مرکز کوفہ تھا جہاں انہوں نے ارباب اختیار کو درماندہ کر دیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ والی ہوئے تو انہوں نے ایک زور دار تقریر کی اور کہا کہ جس قبیلہ میں کوئی خارجی پایا گیا اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔ سرداران قبائل نے مغیرہ کے ساتھ تعاون کا ذمہ لیا۔ خوارج نے یہ صورت دیکھی تو شہر سے کھسک گئے۔ مغیرہ نے ان کے پیچھے فوج بھیجی۔ پے در پے معرکے ہوئے۔ خوارج کا زور ٹوٹ گیا لیکن ایک مدت بعد دوبارہ اٹھے اور ایسے مٹے کہ گویا کوئی زندہ نہ رہا لیکن ان کی فصل چند ہفتہ بعد اچانک پھر اگ آئی۔ اب کے انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ معرکوں کا ایک طویل سلسلہ چھیڑ دیا۔

جنگی مہمات: حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں جنگ کے کئی محاذ قائم رہے۔ مثلاً

ا۔ طبری ۵۰ و ۵۱۔ ۲۔ طبری

Marfat.com

بحیرہ خوارزم
دریائے سیحون
شاش
فرغانہ
خجند
بخارا
اشروسنہ
کش
سمرقند
صغد
نسف
بیکند
صغانیان
ترمذ
ختل
بدخشاں
بلخ
خراسان
جیحون (آمو دریا)
جرجان
مرو
مرورود
کابل
دریائے ہرات
ہراۃ
قوہستان
دریائے ہیلمند
سجستان
مکران

Marfat.com

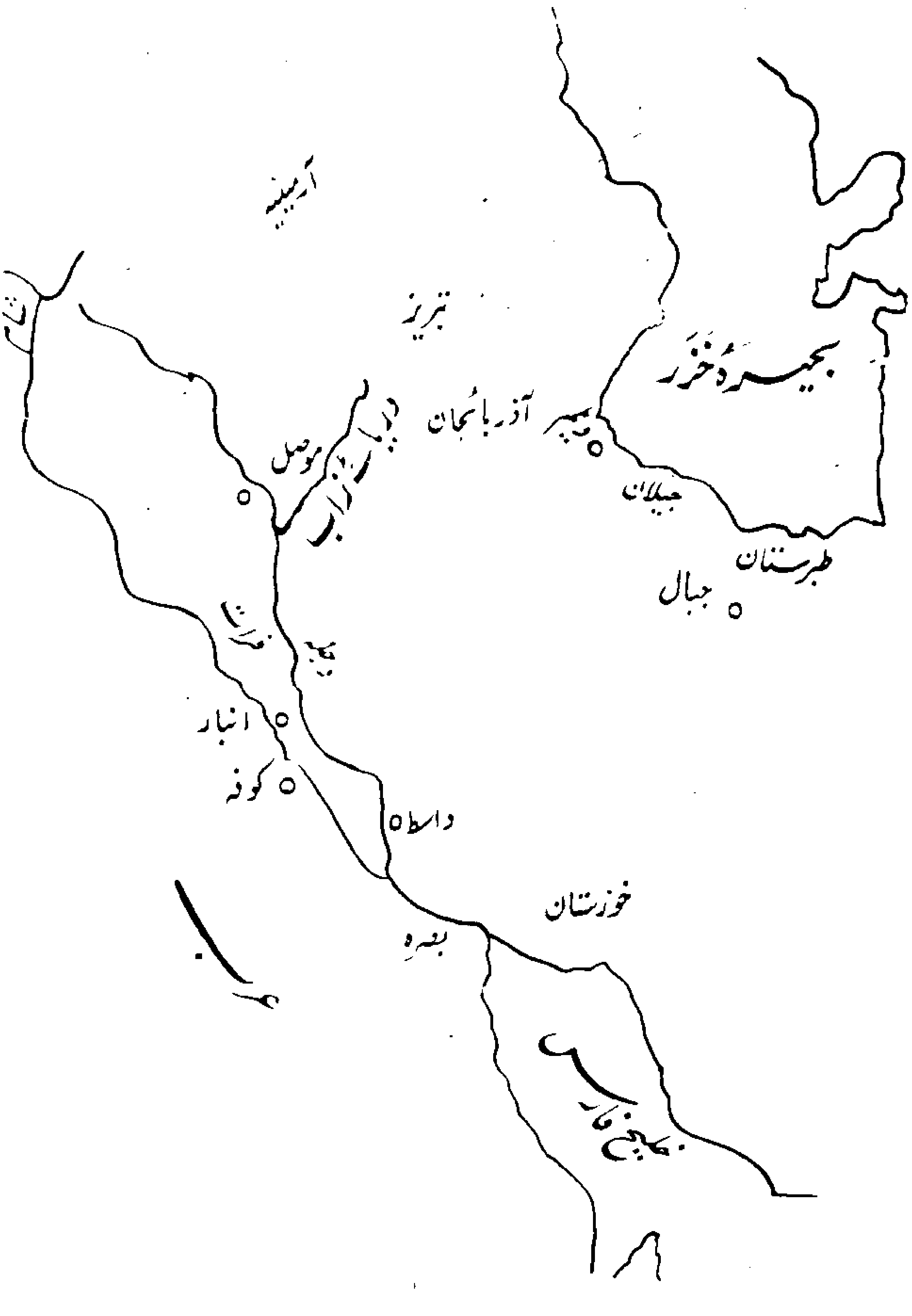
آرمینیہ
تبریز
بحیرۂ خزر
آذربائیجان
موصل
جیلان
طبرستان
جبال
انبار
کوفہ
واسطہ
خوزستان
بصرہ
خلیج فارس

Marfat.com

سلسلہ کوہ کاف
بحیرہ اسود
ایشیائے کوچک
دربند
بخارا
سمرقند
کابل
بلخ
نیشاپور
مکران
عرب
بحیرۂ عرب

Marfat.com

۱۔ ترکستان : یہ خطہ سنگلاخ اور کوہستانی تھا۔ راستے تنگ، پرپیچ اور دشوار تھے۔ کوہی ندیاں جگہ جگہ حائل تھیں۔ لوگ جری اور جاں باز تھے۔ بت پرست ہونے کی وجہ سے آئے دن اسلامی حکومت سے باغی ہو بیٹھتے تھے۔

خلافت راشدہ کے دوران میں کابل میں غزنہ و غور تک کے علاقے مطیع کر لیے گئے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے کار خلافت سنبھالا تو کئی علاقوں نے عہد شکنی اور سرکشی کی۔ اسلامی افواج ۴۱ سے ۴۷ ہجری تک بلخ کے شہر کو مغلوب کرتی ہوئی کابل، زابلستان (غزنہ اور اس کے اضلاع) اور کوہستان غور پر چھا گئیں۔ ۱۔

۵۴ ہجری میں فتوحات کے قدم پھر اٹھے۔ بخارا کے علاقے ایک ایک کر کے فتح ہوئے۔ ملکہ بخارا نے ترکوں کو مدد کے لیے بلایا۔ انہوں نے شکست کھائی اور ملکہ نے خراج پر صلح کر لی۔ ۲۔ اس کے بعد سمرقند کی باری آئی۔ اسے بھی زیر کر لیا گیا۔ ۳۔ حکم بن عمروؓ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے ۵۰ ہجری میں ماوراء النہر میں نماز ادا کی۔ ۴۔

۲۔ افریقیہ : افریقیہ کے لوگ بربر کہلاتے تھے۔ ترکستانی قبائل کی طرح دلاور اور سرکش تھے۔ بہت چالاک تھے۔ اسلامی لشکر گوشمالی کے لیے آتے تو سر تسلیم خم کر دیتے اور جب وہ پلٹتے تو پھر بغاوت پر اتر آتے تھے۔

حضرت معاویہ نے اس محاذ پر حضرت عقبہ بن نافع اور حضرت معاویہ بن خدیج کو مامور کیا۔ یہ دونوں جرنیل لازوال شہرت کے مالک ہیں۔

عقبہ بن نافع اور معاویہ بن خدیج : عقبہ بن نافع فہری والدہ کی طرف سے عمرو بن العاص کے بھائی تھے۔ جن دنوں عمرو بن العاص مصر کے گورنر تھے عقبہ سرحدی علاقوں پر جہاد کرتے رہے۔ ۵۔

حضرت معاویہؓ بن خدیج صحابی تھے۔ فتح مصر میں شریک تھے۔ اسکندریہ کی فتح کی خبر آپ ہی حضرت عمرؓ کے پاس لائے تھے۔ بربر کا خوب تجربہ رکھتے تھے۔

عقبہ اور ابن خدیج نے بلاد افریقیہ کے کئی حصے فتح کیے۔ عقبہ بن نافع نے قیروان کا شہر بسایا۔ تبلیغ اسلام کی طرف دل لگا کر توجہ دی۔ نتیجتہً بربر کی ایک کثیر تعداد اسلام لائی۔ ۶۔

حضرت معاویہؓ بن خدیج نے ۵۳ ہجری میں مصر میں وفات پائی۔ ۷۔

۳۔ سندھ : ۴۳ ہجری میں عبداللہ بن سوار نے قیقان یعنی قلات تک قدم بڑھائے۔ وہ اس مہم میں کام آیا۔ ۴۴ ہجری میں اس کی جگہ مہلب بن ابی صفرہ نے سنبھالی۔ وہ ملتان اور کابل کے درمیانہ علاقوں تک پہنچ گیا۔ مورخین نے بنہ اور الاہوار کے شہروں کا ذکر کیا ہے۔ ۸۔ ممکن ہے الاہوار سے مراد لاہور ہو لیکن یہ لاہور نام کا وہ قصبہ ہوگا جو سرحدی علاقہ میں مردان کے

۱۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ ۲۔ بلاذری۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ابن اثیر۔ ۵۔ بلاذری۔ ۶۔ بلاذری ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔

Marfat.com

قریب واقع ہے۔

۴۔ رومی محاذ : رومی محاذ پر سال بھر معرکے گرم رہتے تھے۔ اہل اسلام کی ایک مہم گرمیوں میں جاتی تھی اور ایک سردیوں میں۔ ۴۹ ہجری میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا۔ پہلے سفیان بن عوف ایک کثیر التعداد فوج لے کر گیا۔ یہ فوج رومی علاقہ میں جا کر مشکلات میں گھر گئی۔ حضرت معاویہؓ نے اس کی مدد پر اپنے بیٹے یزید کو بھیجا۔ اس کے ساتھ بعض بہت بلند پایا صحابی مثلاً ابن عباسؓ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ شامل تھے۔ ۱۔

مجاہدین لڑتے بھڑتے قسطنطنیہ تک پہنچے۔ کئی خون ریز جھڑپیں ہوئیں اور مہم ناکام لوٹی۔ ۲۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اس جہاد میں وفات پائی۔ ان کو شہر کے دروازہ کے قریب فصیل کے سایہ میں دفن کیا گیا۔ ۳۔

رومیوں کے ساتھ بحری لڑائیاں بھی ہوئیں۔ ۵۳ ہجری میں روڈس کا جزیرہ فتح ہوا۔ مجاہدین کا ایک گروہ وہیں مقیم ہوگیا۔ اس نے یورپی جہازوں کی آمد و رفت خطرہ میں ڈال دی۔ ۵۴ ہجری میں ارواڈ کا جزیرہ زیر تسلط آیا۔ یہاں بھی مجاہدین کی ایک تعداد مقیم ہوئی۔ یزید خلیفہ ہوا تو اس نے یہ دونوں جزیرے خالی کروا دیے۔ ۴۔

حضرت معاویہؓ کو رومیوں کی سرکوبی کی اتنی فکر رہتی تھی کہ آخری وصیت میں بھی ان کو دبا کر رکھنے کی ہدایت کر گئے۔ ۵۔

یزید کی ولی عہدی : یزید کی ولی عہدی کا نقشہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ کے ذہن میں آیا۔ وہ یزید کے پاس گئے اور کہا، اکابر صحابہ، اعیان قریش اور عمر رسیدہ اصحاب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔ تم رائے و تدبیر میں اور سنت و سیاست سے آگاہی میں افضل ہو۔ میں نہیں جانتا کہ امیر المومنین کو تمہاری ولی عہدی کی بیعت لینے سے کیا چیز روک رہی ہے۔ یزید نے کہا، کیا میری بیعت ممکن ہے؟ مغیرہ بولے، کیوں نہیں؟ یزید نے حضرت معاویہؓ کے پاس حاضر ہو کر مغیرہ کے خیالات پیش کیے۔ حضرت معاویہؓ نے مغیرہ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو کہا، یزید کیا کہہ رہا ہے؟ مغیرہ نے جواب دیا، میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد جو اختلافات اور خون ریزی دیکھی ہے اس کے پیش نظر یہ کہوں گا کہ آپ یزید کے لیے بیعت لے لیں تاکہ بعد میں فتنہ اور ہلاکت کا ظہور نہ ہو۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا، اس معاملہ میں میرا ساتھ کون دے گا؟ کہا، کوفہ کا میں ضامن ہوں اور بصرہ میں زیادؓ کام نکالے گا۔ ان دو شہروں کی بیعت کے بعد کوئی شخص خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ حضرت معاویہؓ نے مغیرہ کو حکم دیا کہ کوفہ جا کر اس تحریک کی اشاعت کرو اور حامیوں کی جماعت پیدا کرو۔ حضرت مغیرہؓ نے کوفہ سے دس سے زائد سرداروں کا وفد دمشق روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو یقین دلایا کہ ہماری اور اہل کوفہ کی

۱۔ طبری۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

رائے ہے کہ یزید آپ کا جانشین ہو۔ اب حضرت معاویہؓ کا عزم اور پختہ ہوا۔ انہوں نے زیادؓ کا مشورہ حاصل کرنے کے لیے قاصد بھیجا زیادؓ نے زید بن کعب نمیری کو بلا کر تنہائی میں کہا کہ امیر المومنین نے یزید کی ولی عہدی کے بارہ میں مشورہ کے لیے خط لکھا ہے۔ ایک طرف ان کو عوام کی ناراضی کا خدشہ ہے اور دوسری طرف ان کی تائید بھی چاہتے ہیں۔ امارات اسلام کا مسئلہ ایک عظیم ذمہ داری ہے۔ یزید سہل کوش اور راحت پسند ہے۔ طرہ یہ کہ شکار میں کھویا رہتا ہے۔ تم امیرالمومنین کے پاس جاؤ۔ یزید کے افعال سے انہیں متنبہ کرو اور کہو کہ عجلت مت کیجیے۔ تاخیر میں کامیاب ہونا عجلت میں ناکام رہنے سے بہتر ہے۔ زید نے کہا کہ امیرالمومنین کو یزید سے بدظن کرنے کے مقابلے میں بہتر یہ ہے کہ خود یزید کے پاس جاؤں اور اسے نصیحت کروں۔ زیادؓ نے اتفاق کیا۔ زید نے جا کر یزید کو سمجھایا۔ اس نے بہت حد تک اصلاح کر لی۔ زید کے ہاتھ زیادؓ نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا کہ جلدی نہ کیجیے اور تامل سے کام لیجیے۔ ا۔

زیادؓ نے ۵۳ ہجری میں قضا کی۔ حضرت معاویہؓ نے یزید کے لیے بیعت حاصل کرنے پر کمر باندھ لی۔ عراق میں میدان ہموار تھا۔ حجاز سے مخالفت کا اندیشہ تھا۔ آپ نے مدینہ کے والی مروان بن حکم کو لکھا کہ میری عمر ڈھل چکی ہے۔ مجھے اپنے بعد اختلاف امت کا ڈر ہے۔ میری رائے ہے کہ لوگوں سے پوچھ لوں کہ میرا جانشین کون ہو۔ مروان نے عوام میں حضرت معاویہؓ کے عندیہ کا اظہار کیا۔ لوگوں نے کہا' انہوں نے درست بات کہی ہے۔ جسے چاہیں ولی عہد نامزد کر لیں اور دیر نہ کریں۔

حضرت معاویہؓ کے پاس مروان کی طرف سے اطلاع نامہ پہنچا تو آپ نے یزید کا نام لکھ بھیجا۔ مروان نے لوگوں میں یہ اعلان کیا تو عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کھڑے ہوئے اور کہا' اے مروان! تم اور معاویہؓ دونوں جھوٹے ہو۔ اس انتخاب میں تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بہتری منظور نہیں۔ تم خلافت کو ہرقلیت بنانا چاہتے ہو۔ کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اٹھ کھڑا ہو۔ پھر حضرت حسینؓ نے اٹھ کر انکار کا اعلان فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی ان کی تائید کی۔ مروان نے حضرت معاویہؓ کو اطلاع بھیج دی۔ ۲۔ انہوں نے اس کے بعد صوبوں سے وفد منگوا کر یزید کی بیعت لے لی۔ جب عراق اور شام والوں کی بیعت ہو چکی تو ایک ہزار سوار لے کر حجاز کا قصد کیا۔ ۳۔

حضرت معاویہؓ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت حسینؓ' حضرت عبدالرحمان' حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ استقبال کے لیے آئے۔ آپ نے ان چاروں اصحابؓ کے سلام کا جواب ترشی سے دیا اور منہ موڑ لیا۔ انہوں نے یہ سلوک دیکھا تو مکہ تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہؓ' حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا' میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے

ا۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر

Marfat.com

ہیں اگر حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے یزید کی بیعت نہ کی تو میں انہیں ہلاک کر دوں گا۔ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا' ان اصحاب کی شان اس سے بہت بالا۔ لیکن میں یزید کی بیعت لے چکا ہوں۔ ان حضرات کے سوا دیگر لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔ کیا اب بیعت کے مکمل ہونے کے بعد میں اسے توڑ دوں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا' آپ نرمی سے کام لیجئے وہ ان شاء اللہ آپ سے موافقت کریں گے۔ حضرت معاویہؓ بولے' میں آپ کی فرمائش کے مطابق عمل کروں گا۔ ا۔

چند روز بعد حضرت معاویہؓ نے مکہ کا سفر کیا۔ یہ چار اصحاب آپ کی پیشوائی کو مرا ظہران کے مقام پر موجود تھے۔ حضرت معاویہؓ دل جوئی سے پیش آئے اور انہیں ساتھ لے کر چلے۔

چند روز کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان اصحاب سے بیعت کے بارے میں پھر گفتگو کرنا چاہی۔ یہ آپس میں طے کر چکے تھے کہ ہم یزید کی ولی عہدی تسلیم نہیں کریں گے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنی طرف سے کلام کرنے کا مجاز بنایا۔ جب وہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا' آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ میری روش کیا رہی ہے۔ آپ میری قرابت پروری اور رضا جوئی سے بھی واقف ہیں۔ یزید آپ لوگوں کا بھائی اور عم زادہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خلافت اس کے نام سے ہو اور سررشتہ کار آپ کے ہاتھ میں ہو۔ حضرت ابن زبیرؓ نے جواب دیا' ہم آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتے ہیں۔ یا تو آپ ہادی اکبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال کو سامنے رکھیے۔ حضور صلعم نے کسی کو نامزد نہیں فرمایا۔ لوگوں نے اپنی پسند سے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا یا آپ حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کیجیے۔ انہوں نے ایک ایسے قریشی فرد کو چنا جو اُن کا قریبی رشتہ دار نہ تھا۔ ورنہ آپ حضرت عمرؓ کے طریق کار پر چلیے۔ انہوں نے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنائی جس میں ان کا کوئی بیٹا یا رشتہ دار نہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں اس موضوع پر عوام کے سامنے تقریر کروں گا۔ اگر تم میں سے کسی نے میری تردید کی تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ آپ نے پہرہ داروں کو بلایا اور حکم دیا کہ ان اصحاب میں ہر ایک کے سر پر تم میں سے دو آدمی کھڑے رہیں۔ اگر انہوں نے بر سر مجلس ایک لفظ بھی کہا تو فوراً تلوار مار دینا۔ اس کے بعد آپ انہیں ساتھ لے کر باہر نکلے۔ منبر پر چڑھے اور حمد و ثناء کے بعد کہا' یہ اصحاب مسلمانوں کے افضل ترین سردار ہیں۔ ان کے مشورہ کے بغیر نہ کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے اور نہ قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے راضی ہو کر یزید کی بیعت کر لی ہے۔ تم بھی اللہ کا نام لو اور بیعت کرو۔ عوام جو ان اصحاب کے فیصلہ کے منتظر تھے اٹھے اور بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ سوار ہو کر مدینہ کوچ کر گئے۔ ۲۔

بعد میں لوگوں نے حضرت حسینؓ' حضرت عبدالرحمٰن' حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ

ا۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر نے جو روایت اختیار کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ مدینہ میں ہوا۔ دونوں روایتوں کے مضمون میں فرق نہیں۔ میں نے ابن اثیر کی روایت کو لیا ہے کیوں کہ اردو کی تاریخوں میں یہی روایت درج ہوتی ہے۔

Marfat.com

سے کہا کہ آپ لوگ کہتے تھے ہم بیعت نہیں کریں گے۔ پھر کس لیے مان گئے؟ انہوں نے جواب دیا' واللہ ہم نے بیعت نہیں کی۔ لوگوں نے پوچھا' برسرعام تردید کیوں نہ کی؟ بولے' ہمیں جان کا خطرہ تھا۔ ۲۔

وفات: حضرت معاویہؓ نے ۶۰ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ۷۰ برس سے زائد تھی۔

جن دنوں حضرت معاویہؓ بیمار تھے یزید شکار پر گیا ہوا تھا۔ آپ نے دو افسروں کو بلا کر وصیت کی کہ یزید کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ اہل حجاز کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنا۔ اگر اہل عراق ہر روز مطالبہ کریں کہ ان کا گورنر بدل دو تو مان لینا۔ میرے نزدیک ایک عام عامل کی تبدیلی اس سے بہتر ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے خلاف بے نیام ہو جائیں۔ شام والوں کے ساتھ مروت سے پیش آنا۔ انہیں مددگار بنانا اور ان کا حق پہچانتے رہنا۔ مجھے قریش میں سے صرف ان تین آدمیوں سے تمہارے بارہ میں اندیشہ ہے۔ حضرت حسینؓ سے تمہارا قریبی رشتہ ہے۔ ان کا بہت حق ہے اور انہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت حاصل ہے۔ مجھے گمان ہے کہ عراق والے ان کو تمہارے خلاف لا کر رہیں گے۔ اگر تم ان پر قدرت پاؤ تو درگزر کرنا۔ کیونکہ کہ میرا ان سے واسطہ پڑے تو معاف کر دوں۔ رہا ابن زبیرؓ تو وہ بہت حیلہ پرور ہے۔ اگر تمہارے مقابل آئے تو اس سے کھل کر جنگ کرنا سوائے اس کے کہ وہ امن کی التماس کرے۔ اگر وہ صلح چاہے تو منظور کر لینا۔ جہاں تک ممکن ہو قوم کی خوں ریزی سے بچنا۔ ۲۔

وصیت کے بارے میں دو روایات ہیں جو قدرے مختلف ہیں۔ ایک روایت میں عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کا ذکر ہے۔ اور حضرت ابن زبیرؓ کے بارے میں سخت الفاظ ہیں۔ مورخین اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ عبدالرحمان بن ابوبکرؓ نے حضرت معاویہؓ سے پہلے وفات پائی۔ اس لیے ہم اس روایت کو باور کرنے سے قاصر ہیں۔ صحیح روایت وہی ہے جو یہاں بیان کی گئی ہے۔ ۳۔

حضرت معاویہؓ کو مدت خلافت تقریباً بیس برس ہے۔

اوصاف و اخلاق: حضرت معاویہؓ بلند قامت' پرگوشت اور صاحب وجاہت تھے۔ چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ حضرت عمرؓ انہیں دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ ۴۔

آپ بلند سیرت انسان تھے۔ وقار کے ساتھ ساتھ حلم و تحمل کے اوصاف سے بھی بدرجہ کمال بہرہ مند تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں تشریف لائے تو لوگ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ہادی اکبر علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ حدیث سنائی کہ جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے سرو قد کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرے۔ ۵۔

آپ کو بعض آدمی بھرے دربار میں مذاق کا نشانہ بنا لیتے لیکن آپ شگفتہ روئی سے پیش آتے تھے۔ آپ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ لوگ آپ سے بے باکانہ کلام کر جاتے اور آپ فراخ دلی

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ تاریخ الخلفاء۔ ۴۔ ابن اثیر۔ تاریخ الخلفاء ۵۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

سے برداشت کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ سیدھے چلیں ورنہ ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے۔ آپ نے پوچھا' کاہے سے سیدھا کرو گے؟ بولا ڈنڈے سے۔ آپ نے کہا' تو پھر ہم سیدھے ہو جائیں گے۔ ۱

آپ کا قول ہے: اللہ کی قسم میں اس شخص پر تلوار نہیں اٹھاتا جس کے پاس تلوار نہیں۔ ۲

ایک شخص نے آپ کے سامنے زیاد کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا' زیاد نے تلوار سے اتنا کچھ حاصل نہیں کیا جتنا میں نے زبان سے حاصل کیا ہے۔ ۳

آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحیح اور صائب نظر عطا کی تھی۔ آپ ذہانت اور زیرکی کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ آپ کے بارے میں کہا کہ تم لوگ قیصر و کسریٰ اور ان کی سیاست کی باتیں کرتے ہو حالانکہ تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔ ۴

حضرت معاویہؓ نہایت مردم شناس اور مرتبہ دان تھے۔ سب کے ساتھ ایک سا سلوک روا نہیں رکھتے تھے۔ آدمی آدمی دیکھ کر برتتے تھے۔ ۵

حضرت معاویہؓ کی حکومت پر تبصرہ

آئین و سیاست : آئینی لحاظ سے حضرت معاویہؓ کی حکومت کو ہم محدود ملوکیت کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے خلافت راشدہ کا دور ختم کر کے ملوکیت کی بنیاد رکھی۔ لیکن یہ ملوکیت کلیتہ مطلق العنان نہ تھی۔ اگرچہ آئینی لحاظ سے آپ شوریٰ کے پابند نہ تھے تاہم مشیروں اور ذی رائے اصحاب سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جو شخص قومی خزانہ سے ایک دانہ بھی اپنی مرضی سے خرچ کرے وہ خلیفہ نہیں بادشاہ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت معاویہؓ نے بادشاہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ بیت المال کو اپنی مرضی سے صرف کرتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے ذاتی حفاظت کے لیے پہرہ دار اور دربان مقرر کیے۔ یہاں تک کہ مسجدوں میں اپنے لیے الگ مقصورے بنائے تاکہ کوئی شخص حملہ نہ کرنے پائے۔

حضرت معاویہؓ کی رعیت نے خلافت راشدہ کے دن دیکھے تھے۔ اس لیے آپ کو ان کے ساتھ نہایت احتیاط کا برتاؤ کرنا پڑتا تھا۔ آپ نے آزادی رائے پر کوئی پابندی عائد نہ کی۔ آپ کا قول ہے کہ جب تک عوام میرے اور میری حکومت کے درمیان حائل نہ ہوں میں ان کے اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔ آپ عوام کی شکایت پر امراء کو معزول کر دیتے

۱۔ تاریخ الخلفاء۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ عیون الاخبار۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

تھے۔ یہاں تک کہ مروان بن حکم کو دوبار معزول کیا۔ یزید کو وصیت کی کہ اگر عراق کے لوگ تمہیں ہر روز ایک عامل بدلنے کو کہیں تو تسلیم کرنا۔

حضرت معاویہؓ کی سیاسی پالیسی کے تین بنیادی عناصر تھے۔ تحمل' زرپاشی اور رازداری۔ آپ بڑے سے بڑے مخالفین کے ساتھ بھی ابتدائً نہایت فراخ دلی سے پیش آتے تھے۔ ہر ممکن طریقہ سے اس کی مزاج برداری کرتے تھے۔ زر و سیم کے نوالہ سے اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ سیاسی مقاصد کے لیے بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے۔ آپ کے اسی حربہ کے طفیل حضرت عقیل اپنے بھائی حضرت علیؓ کو چھوڑ کر آپ کے پاس آگئے۔ اگر دشمن پر نہ آپ کا تپاک اثر کرتا اور نہ دولت کا فسوں چلتا تو آپ اس کے خلاف چرچا پھیلا دیتے یا زہر سے اس کا صفایا کر دیتے تھے۔ ورنہ محاذ جنگ کی اگلی صفوں میں بھیج دیتے تاکہ اسی طرح شاید ٹھکانے لگ جائے' تلوار آپ کا آخری حربہ ہوتا تھا۔ آپ کا قول ہے:

> "جہاں میرا کوڑا کفایت کرتا ہے وہاں تلوار کو بار نہیں دیتا اور جہاں میری زبان کام دے جائے وہاں کوڑے کو نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال بھی ہو تو ان سے تعلق نہ توڑوں۔ جب وہ اسے کھینچیں تو میں اسے ڈھیلا چھوڑوں اور اگر وہ اسے ڈھیلا چھوڑیں تو میں اپنی طرف کھینچوں" [1]

جہاں سختی کی ضرورت ہوتی وہاں حضرت معاویہؓ بے دریغ سختی کرتے تھے۔ آپ نے ابن عامر کو اس شکایت پر بصرہ سے معزول کر دیا کہ وہ مجرموں سے نرمی کرتا تھا۔ آپ اسلام میں پہلے شخص ہیں جس نے دشمن کا سر کٹوا کر پھروایا۔ آپ نے ایک گورنر کو لکھا کہ میں نرم ہوں' تم سختی کرو۔ ورنہ لوگ بے باک ہو جائیں گے۔ اور اگر تم زیادہ سختی کر بیٹھو گے تو بھاگ کر میرے پاس پناہ لے لیں گے۔

مرکزی حکومت : مرکزی حکومت کا اختیار اعلیٰ حضرت معاویہؓ کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ صوبائی انتظام والیوں کے ذمے تھا۔ لیکن جو علاقے دارالخلافے یعنی دمشق کے قریب تھے وہ براہ راست مرکز کے تحت تھے۔

عہدہ داروں کا انتخاب حضرت معاویہؓ اپنی مرضی سے کرتے تھے۔ اس کے لیے ان کے مدنظر دو وصف ہوتے تھے۔ (۱) اہل بیت اور (۲) وفاداری۔ حضرت معاویہؓ کی کامیابی کا ایک راز یہ تھا کہ آپ عہدہ داروں کے انتخاب میں نہایت بصیرت اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس معاملہ میں خاندانی تعلقات آپ پر اثرانداز نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ نے شاید ہی کسی اموی فرد کو کوئی ممتاز عہدہ دیا ہو۔

عہدیدار : مرکز میں کئی عہدے دار تھے۔ اہم ترین عہدے کاتب اور حاجب کے تھے۔ ان کے

ا۔ یعقوبی۔

Marfat.com

علاوہ مختلف محکموں کے سربراہ مقرر تھے۔ جن کو وزراء کا سا مرتبہ حاصل تھا۔
کاتب یا سیکرٹری کے پاس انتظامی امور نہیں ہوتے تھے۔ وہ مرکزی دفتر کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔
کاتب کے لیے لازم تھا کہ وہ عمدہ انشاء پرداز ہو۔ اسے حکومت کے کئی اسرار میں شرکت حاصل ہوتی تھی اس لیے اس کا از بس قابل اعتماد ہونا ضروری تھا۔ حضرت معاویہؓ نے خلافت راشدہ کے طریق کے برعکس اس منصب پر ایک عیسائی سرخون بن منصور نام کو مقرر کر رکھا تھا۔
حاجب خلیفہ اور رعیت کے درمیان افسر رابطہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ملاقاتیوں کو خلیفہ کی بارگاہ میں پہنچانا اسی کے ذمے تھے۔ حاجب کو خلیفہ سے بہت قرب حاصل ہوتا تھا' اس لیے خلیفہ کے مزاج میں بہت دخل رکھتا تھا۔
وفاتر : مرکز کا دفتری کاروبار وسیع اور نہایت منضبط تھا۔ اس نظام کے کئی شعبے تھے۔ جن میں مندرجہ ذیل بہت اہم تھے۔
ا۔ دیوان اموال : یہ مالیات کا دفتر تھا۔ اس میں آمد و خرج کا حساب ہوتا تھا۔
آمدن کی مدات یہ تھیں : زکوٰۃ' عشر' خراج' جزیہ' غنیمت' شاہی جاگیریں اور تحائف وغیرہ۔
مرکز کا بیشتر روپیہ صوبوں کی معرفت آتا تھا۔ البتہ خلیفہ کو جو تحائف وصول ہوتے تھے وہ آمدن کا بلاواسطہ ذریعہ تھے۔ حضرت معاویہؓ سے پہلے تحائف وصول کرنے کا رواج نہ تھا لیکن آپ نے لوگوں کو اس طرف رغبت دلائی۔ خصوصیت کے ساتھ مہرجان اور نوروز وغیرہ کے تہواروں پر تحائف وصول کیے جاتے تھے۔
ملک کے متعدد صوبے تھے۔ ہر صوبہ سے کروڑوں روپیہ آتا تھا۔
۲۔ دیوان عطایا (یا اعطیات) : لوگوں کو جو وظائف ملتے تھے ان کا دفتر میں اندراج ہوتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہر روز ایک عہدہ دار ابوالجیش نام دمشق کی مجالس میں پھرتا اور لوگوں سے پوچھتا کہ کیا کوئی نومولود یا نوارد ہے۔ اگر ہوتا تو اس کا نام دیوان میں درج کر لیا جاتا۔ اور وظیفہ جاری ہو جاتا تھا۔
یہ دفتر اور اس کا طریقہ کار حضرت عمرؓ کے وقت سے چلا آتا تھا۔
۳۔ دیوان خاتم : اس میں خلیفہ کے فرامین کا ریکارڈ ہوتا تھا۔ اس شعبے کا وجود پہلے نہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ایجاد کیا۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو زیاد کے نام حکم نامہ دیا کہ اسے ایک لاکھ روپیہ ادا کر دو۔ نامہ بردار نے تحریر میں تبدیلی کر دی اور بجائے ایک کے دو لاکھ کر کے رقم وصول کر لی۔ بعد میں جانچ ہوئی تو راز کھلا۔ اس قسم کی جعلسازی کا سدباب ضروری تھا۔ ورنہ جعلی خطوط سے بہت خرابیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ ہر فرمان سربمہر جایا کرے اور اس کی ایک نقل دفتر میں رکھی

ا۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ کتاب الوزراء جشیاری۔ ۲۔ ابن اثیر۔ الفخری

Marfat.com

دفتر والے فرمان کو تاگے سے باندھ کر لاکھ سے مہر کر دیتے تھے۔ ا‌ے
مہر کو عربی میں خاتم کہتے ہیں۔ اسلیے اس دفتر کا نام دیوان خاتم پڑا۔ یہاں متفرق حکم ناموں کی نقول ہوتی تھیں۔

۴ ۔ برید : ڈاک کے محکمے کو برید کہتے تھے۔ اگرچہ ڈاک کا انتظام شروع سے تھا لیکن حضرت معاویہؓ نے اس کی ایسی عمدہ تنظیم کی اور اس کا دائرہ کار اس قدر پھیلایا کہ اس کے بانی کہلائے۔

ڈاک سرعت سے پہنچانے کے لیے جا بجا منزلیں مقرر ہوئیں جہاں تازہ دم گھوڑے تیار رہتے تھے۔ برید کے لفظی معنی ہیں بارہ میل' یہ نام غالباً اس لیے پڑا کہ منزل منزل میں تقریباً بارہ میل کا فاصلہ ہوتا تھا۔ ۲۔

برید کے ناظم اعلیٰ کو صاحب البرید کہتے تھے۔

۵ ۔ عدلیہ : عدلیہ کا محکمہ یوں تو انتظامیہ سے الگ تھا لیکن انتظامی ضرورتوں کے سلسلے میں حضرت معاویہؓ نہایت وسیع اختیارات رکھتے تھے۔ جہاں تک عوام کے مابین عدالت کا تعلق ہے حضرت معاویہؓ دخل نہیں دیتے تھے۔

عدالت کا صیغہ نہایت بلند تھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابودرداؓ ایسے قاضی موجود تھے۔

قاضی دمشق : دارالخلافہ اور اس کے نواح کے عدلیہ کا افسر ہوتا تھا۔ ہر صوبہ میں الگ قاضی مامور تھا۔

۶ ۔ شرطہ : پولیس کو شرطہ کہتے تھے۔ اس کی مستقل نفری ہوتی تھی۔ دمشق کی شرطہ براہ راست مرکزی حکومت کے تحت تھی۔ اس کا کام مجرموں کا مواخذہ اور اوباشوں کی سرکوبی تھا۔ اس کا ناظم اعلیٰ صاحب الشرطہ کہلاتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں شرطہ بہت مضبوط تھی۔ دمشق میں جو لوگ اخلاقاً مشتبہ تھے ان کے نام رجسٹر میں درج ہوتے تھے۔

قلمرو میں وسیع اور عمدہ جاسوسی نظام تھا۔ مجرموں کا حکومت کی آنکھ سے بچ نکلنا بہت مشکل تھا۔ ممکن ہے جاسوسی کا محکمہ شرطہ ہی سے منسلک ہو۔

۷ ۔ حرس : خلیفہ کے محافظ دستہ کو حرس کہتے تھے۔ خلافت راشدہ کے ایام میں اس کا وجود نہ تھا۔ لیکن جب لوگ خلفاء پر حملے کرنے میں جری ہوگئے تو حضرت معاویہؓ نے حرس کا اہتمام کیا۔

۸ ۔ احداث : یہ نوجوانوں کی ایک عارضی فوج ہوتی تھی جو ہنگامی بدنظمی پر فوراً قابو پاتی تھی۔ احداث کے بانی حضرت عمرفاروقؓ تھے۔ (ابن خلدون) لیکن تنظیم جدید کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو اس کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔

۹ ۔ فوج : ہر مسلمان کو سپاہی سمجھا جاتا تھا اور حکومت کو اختیار تھا کہ بوقت ضرورت جسے چاہے جبراً بھرتی کر لے۔ فوج صوبوں سے مہیا کی جاتی تھی۔ صوبائی گورنر فوج کا افسر بھی ہوتا تھا لیکن

ا‌ے مسعودی۔

Marfat.com

اختیار اعلیٰ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں تھا۔

فوج کے دو شعبے تھے: بری اور بحری۔

سرحدوں کے استحکام کی خاطر وہاں مستقلاً آباد کار فوج رہتی تھی۔ اس کو مرابطہ کہتے تھے۔ اس کو گزارے کے لیے زمینیں ملتی تھیں۔ مرابطہ کے جو لشکر بحیرہ روم کے جزائر میں مکین تھے ان کی بیش قدر تنخواہیں تھیں۔ مرابطہ کے لیے کئی جگہوں میں قلعے بھی تعمیر کیے گئے۔ مرابطہ کے بدولت کئی اجڑی بستیاں پر رونق ہو گئیں۔ اسی سلسلہ میں قیروان کا شہر بسایا گیا۔

رومی سلطنت سے بالعموم سارا سال جنگ رہتی تھی۔ حضرت معاویہؓ موسم بدلنے پر تازہ دم فوج بھیجتے تھے۔ جو لشکر گرمیوں میں جہاد کرتا اسے صائفہ کہتے تھے اور جو سردیوں میں جاتا اسے شاتیہ کہتے تھے۔

۱۰۔ بحریہ: حضرت معاویہؓ کو بحری جنگ سے بہت لگاؤ تھا۔ بحری مہمات کی ابتداء سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں کی تھی۔ بیوی بچوں کو بھی ساتھ لے کر گئے تھے۔ خلیفہ ہوئے تو بحریہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ جہاز بنانے کے کارخانے قائم کیے جن میں سترہ سو جنگی جہاز اور سات سو سفینے تعمیر کرائے۔

حضرت معاویہؓ سے قبل بحریہ کا الگ محکمہ نہ تھا۔ شام اور مصر کے والیوں کے پاس مختصر سے بیڑے ہوتے تھے۔ وہ رومی مہمات میں ان بیڑوں کو استعمال کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں اس کو بہت وسعت ہوئی تو آپ نے اس کا ایک الگ شعبہ قائم کیا جس کا نظام ایک خاص افسر کے ہاتھ میں ہوتا تھا جسے امیر البحر کہتے تھے جو کہ آج کل ایڈمرل کہلاتا ہے۔

۱۱۔ خلیفہ کے عام معمولات: حضرت معاویہؓ کو رعایا کی بہبود کی گہری لگن تھی۔ لیکن خلفائے راشدینؓ کے برعکس آپ تک ہر وقت رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ خلفائے راشدین کے دروازوں پر پہرہ دار نہیں ہوتے تھے۔ مسجد ہی ان کی جلسہ گاہ ہوتی تھی جہاں امیر و غریب ہر شخص بے روک آ سکتا تھا۔ حضرت معاویہؓ محل میں رہتے تھے جہاں وہ مقررہ اوقات میں عوام کو بار دیتے تھے لیکن عوام سے جب ملاقات ہوتی تھی تو بہت قرب اور انس کے ساتھ۔

آپ جب ناشتہ پر بیٹھتے تو آپ کا سیکرٹری ایک ایک حاجت مند کو بلاتا۔ آپ اسے اپنے ساتھ ناشتہ پر بٹھاتے۔ وہ دو تین نوالے لیتا۔ اس دوران میں سیکرٹری اس کی درخواست پڑھتا اور حضرت معاویہؓ جو حکم صادر کرتے لکھتا۔ اس کے بعد وہ سائل چلا جاتا اور دوسرا آتا۔ اس طرح چالیس چالیس سائل یکے بعد دیگرے آ کر کھانے میں شریک ہوتے اور درخواستوں کا فیصلہ کروا کر واپس جاتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد عصر تک ارباب اختیار کی مجلس منعقد ہوتی۔ اس کے بعد عصر کے آخری اوقات میں دربار خاص لگتا۔ ۱؎

۱؎ کتاب الوزراء جہشیاری

Marfat.com

صوبائی حکومت : اسلامی قلمرو کئی صوبوں میں تقسیم تھی۔ ان میں شام' مصر' مکہ' مدینہ' کوفہ' اور بصرہ بہت اہم تھے۔ ہر صوبہ ایک والی یعنی گورنر کے تحت ہوتا تھا۔ البتہ زیاد کو کوفہ اور بصرہ دونوں صوبے دیے گئے تھے۔

حضرت معاویہؓ کی طرح ان کے والیوں کے اطوار بھی رعب انداز تھے۔ مروان حاکم مدینہ نے حضرت معاویہؓ کی طرح نماز کے لیے مسجد میں مقصورہ بنا لیا تھا۔ زیاد جب عوام میں نکلتا تو اس کے آگے آگے ڈنڈے برچھیاں اٹھائے ہوئے سپاہی ہوتے تھے۔ ہر وقت پانچ پہرہ دار اس کی حفاظت پر مامور رہتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کے والیوں کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ خلافت راشدہ میں بیت المال والی کے براہ راست تصرف میں نہیں ہوتا تھا لیکن اب والیوں کو بیت المال پر پوری دسترس تھی۔ البتہ انہیں حضرت معاویہؓ کو ہر سال حساب پیش کرنا ہوتا تھا۔

والی اپنے ماتحت افسروں کا تقرر خود کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ مناسب سمجھتے تو بعض تقرر خود بھی فرما دیتے تھے۔ والیوں کے ذمے صرف انتظامی امور نہ تھے بلکہ فوجی صیغہ بھی تھا۔ صوبہ کی حفاظت اور ملحقہ علاقوں کی مہمات کی زمام والی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

صوبائی حکومت کے بھی تقریباً وہی شعبے تھے جو مرکزی حکومت کے تھے۔ مثلاً دیوان خاتم' دیوان اعطیات' دیوان اموال' شرطہ اور فوج۔ سوائے دیوان اموال کے باقی دفتر عربی میں تھے۔ اس لیے ان کا عملہ بھی بالعموم مقامی لوگوں سے بھرتی ہوتا تھا۔ حمص کے دیوان اموال کا سیکرٹری ایک عیسائی ابن اوثال تھا۔ [۱]

صوبوں کی عدالتیں انتظامیہ سے آزاد تھیں۔ لیکن حضرت معاویہؓ کی طرح والیوں کو بھی انتظامی ضرورت کے لیے سزا کے انتہائی اختیارات حاصل تھے۔ جسے چاہتے قتل کر دیتے۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں صوبوں میں مکمل امن و امان تھا۔ زیاد نے اپنے صوبہ میں شرطہ کی تعداد چار ہزار کر دی تھی۔ وہ مشتبہ آدمیوں کی بھی گردن اڑا دیتا تھا۔

اہل ذمہ : اسلامی آئین و قوانین کے اس شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکے گا کہ اس نے اپنی سلطنت میں بیگانہ مذاہب کے پیروؤں سے نہایت شفقت کا سلوک کیا۔ حضرت معاویہؓ اس سلسلہ میں خلافت راشدہ کی مقرر کردہ حدود سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے۔ آپ نے اہل ذمہ کو بعض کلیدی عہدے دیئے حالانکہ خلفائے راشدین اس پالیسی کے سخت خلاف تھے۔ حضرت معاویہؓ جس طرح مسلم رعایا کی خوشنودی حاصل کرنے کو عین کامیابی سمجھتے تھے اس طرح اہل ذمہ کی رضا کے بھی جویا رہتے تھے۔ اور ان سے نہایت مربیانہ برتاؤ رکھتے تھے۔

Marfat.com

متفرق کارنامے : حضرت معاویہؓ کا بست سالہ دور حکومت امن و سکون کا دور تھا۔ اس لیے آپ کا انتظامی اور تعمیری امور کی طرف توجہ دینے کا بہت وقت ملا۔ آپ کے ہاتھوں سے کئی کارنامے ظہور میں آئے۔ انتظامی کارناموں کا ذکر آ چکا ہے۔ دیگر نمایاں کارنامے مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قیروان کی آبادی : ۵۰ ہجری میں افریقیہ میں قیروان کا شہر بسایا گیا۔ یہاں پہلے ایک خوفناک جنگل تھا۔ درندوں' اژدہوں اور مہلک بچھوؤں کی اس قدر بہتا تھی کہ کوئی آدمی ادھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ عقبہ بن نافع نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی۔ سب جاندار جنگل چھوڑ کر چل دیئے۔ یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو منہ میں اٹھائے جاتے نظر آئے۔ ابن نافع نے شہر کی خط کشی کی۔ مکانوں اور مسجد جامع کی تعمیر ہوئی اور ایک پر رونق آبادی کھڑی ہوگئی۔ ۱۔ قیروان افر[illegible] تھا۔

۲۔ زراعتی ترقی : حضرت معاویہؓ نے زراعت کو فروغ دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ فتوح البلدان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے عراق میں بیس سے زائد نہریں کھدوائیں اسی طرح باقی علاقوں کی طرف توف توجہ دی۔ یہاں تک کہ کرمان کے پہاڑی علاقہ میں کاریزیں یعنی زیر زمین نہریں تیار کرائیں۔ ۲۔ اور بخارہ کے کوہستان میں ایک نہر کھدوائی۔ ۳۔

۳۔ دینی خدمات : حضرت معاویہؓ کو دینی شعائر' آثار اور برکات سے گہری محبت تھی۔ آپ نے اس ضمن میں نہایت بیش قدر خدمات انجام دیں۔ مثلاً

حضرت معاویہؓ نے بے شمار مساجد تعمیر کرائیں۔ آپ ہی کے عہد میں میناروں کا رواج ہوا۔۴

حرم مکہ کی علامت مٹ رہی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے نئی علامات نصب کرائیں۔ ۵۔

آپ نے حضرت خدیجہؓ کا مکان خرید کر اسے مسجد کے طور پر وقف کیا۔ ۶۔

کعبؓ بن زہیرا ایک قصیدہ گو شاعر کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر عطا فرمائی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے دس ہزار درہم میں خریدنا چاہی لیکن کعبؓ نے انکار کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے یہ چادر ان کے ورثا سے بیس ہزار درہم میں خرید کر محفوظ کر لی۔ خلفاء اس جارد کو عید کے موقع پر پہنتے تھے۔ (سیرت رسول عربی از نور محمد توکلی)

تاریخی نقطہ نگاہ سے ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کعبہ کو ریشمی غلاف پہنایا۔ ۷۔

۴۔ علمی خدمات : حضرت معاویہؓ علم دوست اور علم پرور تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بطور کاتب کام کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ کو علم کی ترویج و توسیع کی لگن رہتی

۱۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ بلاذری صفحہ ۲۲۸۔ ۲۔ بلاذری صفحہ ۳۹۴۔ ۳۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین۔
۴۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین۔ ۵۔ بلاذری صفحہ ۵۴۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ یعقوبی۔

Marfat.com

تھی۔ کتابوں سے بہت شوق تھا۔ آپ نے علم کے جواہرپارے اکٹھے کیے اور شاہی کتب خانہ قائم کیا۔ [1]

حضرت معاویہؓ کے عہد میں یمن کا ایک باشندہ عبید بن شریہ تاریخ قدیم سے بہت آگاہی رکھتا تھا۔ آپ نے اسے بلا کر اس سے قدیم تاریخ سنی اور حکم دیا کہ اس تاریخ کو عبید کے نام سے کتاب کی صورت میں قلم بند کر لیا جائے۔ [2]

حضرت معاویہؓ کا ایک طبیب ابن آثال یا ابن اوثال نام تھا۔ اس نے آپ کے استفادہ کے لیے طب کی بعض کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ [3]

حضرت معاویہؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے بہت شیفتگی تھی۔ آپ نے اس کی حفاظت اور اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

۱۔ رسائل شبلی۔ ۲۔ کتاب الفہرست ۳۔ رسائل شبلی۔

Marfat.com

یزید بن معاویہؓ

۶۰ تا ۶۴ ہجری

تعارف : یزید ۲۶ ہجری میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں میسون بنو کلب کے قبیلہ سے تھی۔ وہ صحرائی دنیا میں پلی تھی اس لیے شہروں کی رونق پر دیہات کی سادگی اور صفائی کو ترجیح دیتی تھی۔ اکثر صحرا میں آکر دن گزارتی تھی۔ یزید پر میسون کے اس میلان کا گہرا عکس پڑا۔ اس کو صحراؤں کی فضا سے رغبت پیدا ہوگئی۔ اکثر یہیں آکر دل بہلاتا تھا۔ یہیں اس کا سیر و شکار اور خوش وقتی کا میلان پروان چڑھا۔

تکمیل بیعت کی کوشش : خلافت کی زمام سنبھالنے کے بعد یزید کی پہلی فکر یہ تھی کہ حضرت حسینؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت حاصل کی جائے۔ ان دنوں مدینہ کا والی ولید بن عتبہ بن ابو سفیان تھا۔ یزید نے اسے حکم بھیجا کہ ان اصحاب سے بلا تاخیر بیعت حاصل کرو۔ مدافعت کا زیادہ کھٹکا حضرت حسینؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے تھا۔ ولید نے ان دونوں اصحاب کو بلا بھیجا۔ حضرت حسینؓ نے ولید کے پاس جا کر فرمایا کہ میری طرح کا آدمی پوشیدہ بیعت نہیں کرتا۔ جب سب لوگ بیعت کریں گے تو دیکھا جائے گا۔ ولید مان گیا۔ رہے عبداللہ بن زبیرؓ تو وہ ولید کا بلاوا ٹال گئے اور راتوں رات مدینہ سے نکل کر مکہ کی راہ لی۔ ولید نے تعاقب میں آدمی دوڑائے لیکن بے سود۔ ۱؎

حضرت حسین علیہ السلام : حضرت حسین علیہ السلام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند تھے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھے۔ آپ ہجرت کے چوتھے برس مدینہ شریف میں پیدا ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی حضرت حسن علیہ السلام سے عمر میں تقریباً ایک برس چھوٹے تھے

حضرت حسینؓ گلستان نبوت کا روح پرور پھول تھے۔ صورت اور سیرت ہر دو لحاظ سے اپنے نانا علیہ الصلوۃ والسلام سے بہت مشابہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بے کنار محبت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ میرا ہے اور میں حسینؓ کا ہوں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک دو چاند مسجد میں نظر آئے۔ یہ حسنؓ اور حسینؓ تھے۔ سرخ لباس زیب بدن تھا۔ چلتے تھے تو کم سنی سے لڑکھڑا جاتے تھے۔ نانا کی محبت نے جوش مارا آپ نے خطبہ ملتوی فرمایا۔ منبر سے اترے اور دونوں نواسوں کو گود میں اٹھالیا بارہا ایسا ہوتا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے، تو حسینؓ پشت مبارک پر بیٹھ جاتے حضور ﷺ سجدے سے اٹھنا چاہتے تو انہیں آہستہ سے اتار دیتے۔ نماز سے فارغ ہو کر انہیں گود

۱؎ ابن اثیر

Marfat.com

میں بٹھا لیتے۔

حضرت حسینؓ کا بچپن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ لطف و تربیت میں گزرا۔ آپ سات برس کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ چھ ماہ اور گزرے تھے کہ والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی جنت کا سفر کیا۔ شفیق باپ نے پرورش سنبھالی عمر کے ساتھ ساتھ طبیعت کا جوہر روشن سے روشن تر ہوتا گیا۔ بلوغ کی منزل میں قدم رکھا تو حسینؓ علمی اور روحانی دونوں لحاظ سے انسانیت کے کمال پر تھے

حضرت حسینؓ نے دین اور ملت کی راہ میں وقتاً فوقتاً بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ آپ اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اپنے بھائی حضرت حسن علیہ السلام کے دست راست رہے۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرلی تو آپ مدینہ میں مقیم ہوگئے اور اسلام کی خدمت میں مصروف رہے۔

حضرت حسینؓ کے دل میں حق کی غیرت اور حمایت کا بے کراں جذبہ تھا آپ اصول پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے جب یزید کے لیے بیعت لینا چاہی تو آپ نے انکار فرمادیا۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے بیعت کی تکمیل کرنا چاہی تو آپ نے اس کے آگے سر جھکانا قبول نہ کیا اور اصول کی خاطر بجلیوں سے کھیلنے پر آمادہ ہوگئے۔ ولید حاکم مدینہ نے یزید کی بیعت کے لیے بلایا لیکن آپ حکومت کے رعب میں نہ آئے۔

حضرت حسینؓ کی مدینہ سے روانگی: جس رات ولید نے حضرت حسین علیہ السلام کو بیعت کے لیے بلایا تھا اس سے اگلی شب حضرت حسینؓ نے سوائے محمد بن حنفیہ کے اپنے کنبہ کے سب افراد کو ہمراہ لیا اور عازم مکہ ہوئے۔ ۱

کوفیوں کی مراسلت: حضرت حسینؓ مکہ میں پہنچے تو کوفہ سے ایلچی آنے لگے۔ دو ایلچی سلیمان بن صرد وغیرہ کی طرف سے تھے۔ ایک اور قاصد کوفہ والوں کے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لے کر آیا جن میں تحریر تھا کہ آپ اگر کوفہ تشریف لائیں تو ہم آپ کے زیر علم اکٹھے ہوجائیں گے۔

حضرت حسینؓ نے جواب میں لکھا کہ میں اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں وہ تمہارے میلانات اور خیالات سے مجھے مطلع کریں گے اگر تمہارے خطوط کی تصدیق ہوگئی تو میں کوفہ آجاؤں گا۔

مسلم بن عقیل کوفہ میں: حضرت مسلم بن عقیل مکہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ ہوتے ہوئے کوفہ پہنچے۔ کوفہ کے لوگوں نے آپ کے پاس حاضر ہوکر بہت ارادت اور سپردگی کا اظہار کیا اٹھارہ ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کی بیعت کی۔ مسلم بن عقیل نے یہ حالات دیکھ کر حضرت حسینؓ کو کوفہ میں تشریف لانے کو لکھا۔ ۲

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

کوفہ کا والی ان دنوں نعمان بن بشیر تھا۔ وہ نیک دل اور نرم مزاج تھا۔ اس نے حضرت مسلم بن عقیل کی سرگرمیوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔ یزید کو اطلاع ملی تو نعمان کی جگہ زیاد کے بیٹے عبید اللہ کو فرمان امارت بھیجا ا۔ اور حکم دیا کہ مسلم بن عقیلؓ کو شہر سے نکالو یا قتل کردو۔ ۲۔

عبید اللہ بن زیاد: عبید اللہ صرف سترہ سواروں کے ساتھ کوفہ آیا ۳۔ منہ لپیٹے ہوئے تھا وہ شہر میں جہاں جہاں سے گزرا لوگوں نے حضرت حسینؓ سمجھ کر خوش آمدید کہا۔ ۴۔

عبید اللہ نے زمام کار سنبھالنے کے بعد عوام کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں مخالفین کے خلاف شدید کاروائی کی دھمکی دی اور کہا کہ جس عریف (نمبردار) کے علاقہ میں بغاوت کے آثار نظر آئے اسے دار پر کھینچ دیا جائے گا۔ ۵۔

مسلم بن عقیل ان دنوں مختار کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے ان کو حالات کا علم ہوا تو مختار کے گھر سے نکل کر ہانی کے مکان میں آگئے اور یہیں مرکز قائم کرلیا۔ ۶۔

عبید اللہ نے جاسوسوں کے ذریعے مسلم بن عقیل کی قیام گاہ کے احوال کے بارے میں معلومات حاصل کرلیں ہانی کو حیلہ سے اپنے پاس بلایا اور مطالبہ کیا کہ مسلم کو میرے حوالے کردو۔ ہانی نے انکار کیا تو اتنا مارا کہ زخمی کردیا۔ پھر قید میں ڈال دیا۔ ۷۔

مسلم بن عقیل کی شہادت: مسلم کو اطلاع ہوئی تو اپنے پیروں کو مقابلہ پر اٹھنے کا حکم دیا۔ آپ ایک کثیر ہجوم کے ساتھ دارالامارت کی طرف آئے اور اسے گھیرے میں لے لیا۔ ابن زیاد نے قصر کے دروازے بند کرلیے۔ اس کے ساتھ پولیس کے صرف ۳۰۰ آدمی اور چند اشراف قبائل تھے۔ اس نے ان رؤساء سے کہا' اپنے اپنے قبیلہ والوں کو ڈرا دھمکا کر واپس کردو۔ انہوں نے اہل قبیلہ کو خوف زدہ کرکے پھیر دیا۔ حضرت مسلم کا سارا مجمع چھٹ گیا۔ آپ کے ساتھ صرف ۳۰ آدمی رہ گئے۔ ۸۔

حضرت مسلم ان تیس آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس ہوئے اور بنو کندہ کے محلّہ کی طرف چلے راہ میں یہ تیس آدمی بھی ساتھ چھوڑ گئے اور آپ تنہا رہ گئے کوئی راستہ بتانے والا بھی نہ تھا۔ ایک بوڑھی عورت نے ترس کھا کر گھر میں پناہ دی۔ اس کے بیٹے کو علم ہوا تو راز فاش کردیا۔ عبید اللہ کے ستر آدمی ان کو گرفتار کرنے آئے۔ مسلم نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ زخم کھائے اور ہمت نہ ہاری۔ محمد بن اشعث نے جو گرفتاری کے لئے آیا تھا امان کا وعدہ دے کر گرفتار کیا۔ وہ آپ کو لے کر ابن زیاد کی طرف چلا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور کہا کہ مجھے حسینؓ کا خیال آرہا ہے وہ مکہ سے چل نکلے ہوں گے مسلم نے محمد بن اشعث سے کہا کہ حضرت حسینؓ کو میرے حالات سے مطلع کردو اور میری طرف سے پیغام بھیجو کہ واپس چلے

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن اثیر

Marfat.com

جائیں۔ ابن اشعث نے اس مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد روانہ کر دیا۔ ۱؎
ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی امان کا پاس نہ کیا۔ حضرت مسلم کا سر کٹوایا اور قصر کی بلندی سے گروادیا۔ پھر جثہ بھی لڑھکا دیا۔ اس کے بعد ہانی کو قید خانہ سے نکلوایا اور سر بازار گردن کٹوادی۔ ۲؎

حضرت حسینؓ کا مکہ سے سفر: حضرت حسینؓ مکہ میں چار ماہ سے مقیم تھے مسلم بن عقیل نے آپ کو تشریف آوری کے لیے عرضداشت لکھی تو آپ نے رخت سفر باندھا۔ ہوا خواہوں نے روکنا چاہا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اگر کوفہ والوں نے یزید کے والی کو نکال دیا ہے تو آپ خوشی سے جائیے ورنہ یہی لوگ آپ کے خلاف اٹھیں گے آپ کو مکہ سے سفر کرنا ہی ہے تو یمن تشریف لے جائیے' وہاں قلعوں اور گھاٹیوں کی کثرت ہے اور آپ کے والد ماجد کے عقیدت مندوں کی وافر تعداد ہے۔ آپ نے فرمایا' میں عزم کر چکا ہوں۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر جانا ہی ہے تو اہل وعیال کو ساتھ نہ لیجیے۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ آپ کو حضرت عثمانؓ کی طرح گھر والوں کی آنکھوں کے سامنے شہید کیا جائے گا۔ ۳؎

آپ نے ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے کوچ کیا۔ آپ کے ساتھ بہتر (۷۲) افراد تھے۔ مکہ کے والی نے چند آدمی بھیج کر روکنے کی کوشش کی۔ دونوں طرف سے تلواریں بے نیام ہوئیں۔ حضرت حسینؓ کا راستہ کوئی نہ روک سکا۔ ۴؎

حضرت حسینؓ نے مکہ سے کچھ سفر کیا تھا کہ فرزدق شاعر ملا۔ وہ کوفہ سے آرہا تھا حضرت حسینؓ نے پوچھا' کوفہ والوں کی کیا خبریں ہیں؟ فرزدق بولا' ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنو امیہ کے ہمراہ۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا' سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ راستہ میں مکہ سے ایک چٹھی عبداللہ بن جعفر کی ملی جس میں انھوں نے آپ کو واپس آنے کی درخواست کی تھی۔ ایک اور خط والی مکہ کا آیا جو عبدالرحمان بن جعفر نے لکھوایا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ آپ واپس تشریف لے آیئے۔ میں آپ کو امان دیتا ہوں۔ آپ نے بازگشت سے انکار کر دیا۔ ۵؎

ابن زیاد کو حضرت حسینؓ کی روانگی کا علم ہوا تو عراق عرب کی سرحد پر قادسیہ کے آس پاس فوجیں پھیلادیں۔ حضرت حسینؓ نے راستہ میں ایک قاصد کو کوفہ والوں کے نام خط دے کر روانہ کیا۔ اسے قادسیہ کی فوج نے گرفتار کرکے بن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے اسے مروا ڈالا۔ ۶؎

ثعلبیہ کے مقام پر حضرت حسینؓ کو مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی۔ آپ کے بعض ہمراہیوں نے مشورہ دیا کہ واپس چلیں کیوں کہ کوفہ میں آپ کا ایک بھی یاور نہیں بلکہ ہمیں

۱؎ ابن اثیر۔ ۲؎ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۳؎ ابن اثیر۔ ۴؎ ابن کثیر۔ ۵؎ ابن اثیر۔ ۶؎ ابن اثیر۔ ۷؎ ابن اثیر۔

Marfat.com

خدشہ ہے کہ وہ آپ کے خلاف اٹھیں گے۔ بنو عقیل بھڑک کر بولے' واللہ' جب تک ہم انتقام نہ لیں یا عقیل کی طرح موت کا ذائقہ نہ چکھ لیں' دم نہیں لیں گے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا' ان کے بعد زندگی کا مزہ نہیں۔ ۱۔

راستہ میں آپ جن جن آبادیوں کے پاس سے گزرے وہاں کے بدو آپ کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ جب آپ کو حضرت مسلم اور اپنے ایک اور قاصد کے سفاکانہ قتل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ساتھیوں سے خطاب کیا کوفہ والوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے تم میں سے بھی جو آدمی جانا چاہے آزاد ہے۔ بدو دائیں بائیں کھسک گئے اور آپ کے ہمراہ وہی افراد باقی رہے جو مکہ سے روانہ ہوئے تھے۔ ۲۔

شراف سے آگے نکلے تو حر بن یزید تمیمی ایک ہزار کے دستہ کے ساتھ سامنے سے نمودار ہوا۔ وہ قادسیہ کی شاہی فوج سے آیا تھا۔ یہاں آکر اپنے لشکر کے ساتھ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ظہر کی اذان کے بعد حضرت حسینؓ نے ان لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا' میں تمہاری طرف خود نہیں آیا۔ تمہارے خطوط اور قاصدوں کے جواب میں آیا ہوں۔ اب اگر تم لوگ مجھے نہیں چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ دوست دشمن سب آپ کے پیچھے صف بستہ ہوئے۔ عصر کی نماز کے بعد کوفہ والوں کے سامنے تقریر کی کہ ہم اہل بیت ان جھوٹے دعویداروں کے مقابلہ میں حکومت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اب اگر تمہاری رائے بدل گئی ہے اور تم خطوط اور قاصدوں کے پیغاموں سے مڑ گئے ہو تو میں لوٹ جاتا ہوں۔ حر نے کہا' واللہ' ہم نہیں جانتے آپ کن قاصدوں اور خطوط کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے خطوط کے دو بنڈل پھیلا دے۔ حر بولا' ہم نے یہ چٹھیاں نہیں لکھیں۔ ہمیں تو حکم ملا ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ چلیں تاکہ آپ کو کوفہ میں ابن زیاد کے سامنے پہنچا دیں۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ تمہارے اس مقصد سے موت تمہارے قریب تر ہے۔ حضرت حسینؓ نے ساتھیوں کو لوٹنے کا حکم دیا۔ حر مانع آیا اور کہا کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو کوفہ لے کر جاؤں۔ مجھے آپ سے لڑنے کی فرمائش نہیں۔ آپ مدینہ اور کوفہ کے مابین کوئی راستہ اختیار کریں میں ابن زیاد کو خط لکھتا ہوں۔ آپ بھی یزید یا ابن زیاد کو لکھیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ عافیت کی راہ نکالے اور میں اس آزمائش سے بچ جاؤں۔ حضرت حسینؓ نے قادسیہ کا راستہ چھوڑ دیا۔ حر آپ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔

عذیب الہجانات کے مقام پر آپ کو اپنے دوسرے قاصد کی موت کی خبر آئی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ قبیلہ طے کے ایک رئیس طرماح نے عرض کیا' آپ ہمارے علاقہ میں تشریف لے جائیں۔ میرا قبیلہ بنو طے آپ کی حفاظت میں سینہ سپر ہوگا۔ آپ وہاں

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

جانے سے معذوری ظاہر کی۔ ۱۔

نینویٰ کے مقام پر حر کے پاس ابن زیاد کا قاصد یہ پروانہ لے کر آیا کہ حضرت حسینؓ کے قافلہ کو ایسی جگہ اتارو جہاں نہ قلعہ ہو اور نہ پانی۔ آپ کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ حر کے ساتھ جنگ کی جائے۔ آپ نے فرمایا' میں پہل نہیں کروں گا۔ ۲۔

کربلا : حضرت حسینؓ ۲ محرم ۶۱ ہجری کو کربلا کے میدان میں اترے۔ یہ جمعرات کا روز تھا۔

ابن زیاد نے سعدؓ بن ابی وقاص کے بیٹے عمر کو چار ہزار فوج کے ساتھ حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر بھیجا۔ یہ تین محرم کو آیا۔ حضرت حسینؓ نے اس سے کہا کہ کوفہ کے لوگوں نے ہمیں بلایا تھا۔ اگر وہ ہمیں پسند نہیں کرتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ عمر نے ابن زیاد کو اطلاع کی۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت حسینؓ سے یزید کی بیعت لو اور ان پر دریا کا پانی بند کر دو۔ چنانچہ یزیدی فوج کے پانچ سو آدمی گھاٹ پر مامور کر دیئے گئے۔ یہ شہادت حسینؓ سے تین روز پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت حسینؓ کے قافلہ میں پیاس کی شدت ہوئی تو آپ نے پچاس آدمی پانی لانے کو بھیجے۔ بیس پیدل تھے جو مشکیں اٹھائے ہوئے تھے اور تیس سوار تھے۔ انہوں نے لڑ بھڑ کر مشکیں بھر لیں۔ ۳۔

حضرت حسینؓ کی عمر بن سعدؓ سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ مجھے یا واپس جانے کی اجازت دو یا اپنے حال پر چھوڑ دو کہ جہاں چاہوں چلا جاؤں اور دیکھوں کہ مستقبل کیا دکھاتا ہے۔ عمر نے ابن زیاد کو ان شرائط سے آگاہ کیا۔ ابن زیاد تسلیم کرنے کو تیار تھا لیکن شمر بن ذی الجوشن نے کہا کہ اگر آج حسینؓ تمہارے ہاتھوں سے نکل گئے تو یہ تمہاری بڑی کمزوری ہوگی۔ ان کے ساتھ اس بات پر تصفیہ کرو کہ وہ اپنے آپ کو تمہارے سپرد کر دیں اور تم جو فیصلہ چاہو کرو۔ ابن زیاد مان گیا۔ اور شمر کے ہاتھ عمر کے نام یہ حکم بھیجا کہ حسینؓ کی اطاعت حاصل کرو ورنہ جنگ کر کے انہیں قتل کرو اور ان کی لاش پر گھوڑے دوڑاؤ۔ اگر تمہیں اس کی تعمیل سے انکار ہے تو کمان شمر کے حوالے کر دو۔

محرم کی نویں تاریخ کو عمر بن سعد لشکر لے کر بڑھا۔ حضرت حسینؓ نے کہلا بھیجا کہ جنگ کل پر ملتوی کرو۔ ہم آج رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لیں۔ انہوں نے مان لیا۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ نے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ تم لوگ رات کو چل دو۔ تمہیں میری طرف سے آزادی ہے۔ یہ لوگ مجھ سے غرض رکھتے ہیں۔ تمہاری پروا نہیں کریں گے۔ آپ کے اہل بیت نے کہا' ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ۴۔

اہل بیت نے تمام رات عبادت میں بسر کی۔ صبح ہوئی تو حضرت حسینؓ نے نماز کے بعد صف

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

بندی کی۔ آپ کے ساتھ بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ مستورات کے خیمے لشکر کی پشت پر تھے۔ اس خیال سے کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر دے رات کو خیموں کے پیچھے کچھ جگہ کھود لی گئی تھی۔ اس میں ایندھن ڈال کر آگ جلا دی۔ ۱۔

دشمن کا لشکر سامنے آیا تو حضرت حسینؓ نے اس کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ کوفیوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ البتہ حر بن یزید نے گھوڑے کو ایڑ کی اور آپ کے لشکر میں آ ملا۔ اس کے تیس سوار بھی شریک ہوئے۔ ۲۔

عمر بن سعد آگے بڑھا اور لشکر حسینؓ پر تیر پھینک کر بولا "گواہ رہو کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ اس کے بعد کوفیوں نے کچھ دیر تیراندازی کی اور ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ ایک طرف گنتی کے فداکار تھے اور دوسری طرف چار ہزار فوج۔ حضرت حسینؓ کے رفقاء بجلی کی ادا سے جھپٹتے تھے۔ جدھر رخ کرتے دشمن کی فوج سمٹ سمٹ جاتی تھی۔ دشمن نے تیروں کی بارش کر دی۔ اہل بیت کے سب گھوڑے بیکار ہو گئے اور وہ پیدل ہو کر لڑنے لگے۔ ظہر کا وقت آ گیا۔ دشمن نے توقف نہ کیا اور لشکر حسینؓ نے صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ اس کے بعد جنگ کے شعلے تیز تر ہوئے۔ لشکر حسینؓ نے بہادری اور بے خوفی کی بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ زہیر بن القین نے بارہ آدمی قتل کیے جو زخمی کیے وہ الگ تھے۔ ۳۔

حضرت حسینؓ کے جاں نثار ایک ایک کر کے آپ کی حفاظت میں فدا ہو گئے۔ اب اہل بیت کی باری آئی۔ سب سے پہلے علی اکبرؓ نے شہادت پائی۔ ۴۔

اس کے بعد سادات کے دیگر نوجوانوں نے دلاوری اور سرفروشی کا عدیم المثال مظاہرہ کر کے جان دی۔

حضرت حسینؓ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے۔ آپ نے اکیلی جان سے پورے لشکر کا مقابلہ کیا۔ زخم پر زخم آنے لگے۔ آپ نے اپنے کمسن بچے عبداللہ کو بلا کر گود میں بٹھایا۔ ایک تیر آیا اور حضرت عبداللہ کی جان لے گیا۔ پھر ایک خورد سال بچہ لکڑی کا ڈنڈا لے کر خیمہ سے نکلا۔ ایک ظالم نے اسے قتل کر دیا۔ ۵۔

حضرت حسینؓ کو پیاس نے ستایا تو فرات کی طرف رخ کیا۔ ایک تیر آ کر آپ کے چہرے میں لگا اور خون بہنے لگا۔ آپ چلو خون سے بھر کر آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے "اے اللہ میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ اعداء نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ کا ایک کمسن بھتیجا آپ کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ایک شخص نے آپ پر تلوار چلائی۔ آپ کے بھتیجے نے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹا اور جلد سے لٹک کر رہ گیا۔ بچہ چلایا۔ حضرت حسینؓ نے اسے گلے لگا لیا۔ حضرت حسینؓ تلوار لے کر جس طرف مڑتے حملہ آور بھاگ جاتے تھے۔ آپ پیدل تھے لیکن شاہ سواروں کی شان سے لڑ رہے

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

تھے۔ آپ کے ہاتھ اور شانہ پر تلواریں پڑیں۔ کسی نے نیزہ کا وار کیا۔ اور آپ گر پڑے۔ ایک ظالم نے آپ کا سر کاٹ لیا۔ آپ کا اسلحہ اور لباس لوٹ لیا گیا۔ اس کے بعد ظالموں نے خیموں میں لوٹ مچائی۔ حضرت حسینؓ کے بیٹے حضرت علیؓ خیمہ میں بیمار پڑے تھے۔ شمر نے انہیں بھی قتل کرنا چاہا۔ لیکن ایک شخص کے منع کرنے پر باز آیا۔ عمر بن سعد نے آکر لوگوں کو خیموں میں داخل ہونے سے روکا۔ اس کے بعد اس نے دس آدمیوں کو حکم دیا کہ حضرت حسینؓ کی نعش کو گھوڑوں سے پامال کریں۔ ا؎

شہداء کے سروں کو ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ مستورات کو بھی کوفہ پہنچایا اور انہیں ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ ابن زیاد نے انہیں دمشق یزید کے پاس بھیجا۔

اہل بیت وہاں چند روز رہے۔ اس کے بعد مدینہ تشریف لے گئے۔ ۲؎

واقعہ کربلا کے نتائج : دنیا میں بہت کم واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کے نتائج واقعہ کربلا کے سے دور رس ہوں۔ بنوامیہ کی سیاست پر کاری ضرب پڑی اور ان کی قدر و منزلت گھٹ گئی۔ اموی خاندان کو اتفاق سے بعض نہایت مدبر بادشاہ ملے۔ جنہوں نے حیلہ و حربہ سے حکومت کی گاڑی کو چلائے رکھا۔ لیکن خلیفہ کے لیے عوام کے دل میں جو احترام ہونا چاہیے وہ بنوامیہ کے لیے پیدا نہ ہو سکا۔ سوائے اہل شام اور بنو امیہ کے دیگر نمک خواروں کے عوام کی وفاداریاں متزلزل ہو گئیں۔ ولید نے نصف دنیا کو فتح کیا لیکن آج عوام میں کتنے لوگ اسے جانتے ہیں؟ اس کے برعکس اہل بیت کا احترام ہزار چند ہوا۔ انہی کے نام سے بالآخر چپکے چپکے ایک ایسی تحریک اٹھی جس نے اموی سلطنت کی بیخ کنی کر دی۔

الغرض ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو اموی اقبال نے جو ٹھوکر کھائی اس سے سنبھلنا نصیب نہ ہوا۔

۲۔ آئمہ اہل بیت سیاست سے دل برداشتہ ہو کر یک سو ہو گئے۔ انہوں نے ساری توجہ تعلیم و تزکیہ پر مبذول کر دی اور ہمہ وقت اس کے لیے وقف ہو گئے۔ امام زین العابدینؒ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علم و ہدایت کے مینار بن کر ابھرے۔ انہوں نے علم و فن اور فلسفہ و حکمت کی آب یاری کی اور علمی و روحانی دنیا کو مالا مال کر دیا۔

۳۔ سانحہ کربلا کے بعد اہل بیت کے ساتھ ملت کے ہر گروہ کی ہمدردیاں بڑھ گئیں۔

۴۔ کربلا کے حادثہ کی یاد حق کے جویاؤں کو ایک تو یہ سبق سکھاتی ہے کہ ملوکیت اور مطلق العنانی کھل کھیلے تو کیا گل کھلاتی ہے۔ اس لیے اسے پنپنے نہ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ باطل کی چمک دمک اور سرو سامان سے گھبرانا درست نہیں۔ حق کے پرستار مرکر بھی زندہ رہتے ہیں۔ وقت جوں جوں گزرتا ہے ان کی شخصیت نمایاں سے نمایاں تر ہوتی جاتی ہے۔

۵۔ حضرت امام حسینؓ نے چوں کہ اہل اسلام کے ہر گروہ کے دلوں میں گھر کر لیا ہے اس لیے

ا؎ ابن اثیر۔ ۲؎ ابن اثیر۔

Marfat.com

آپ کی یاد اسلام کے مختلف فرقوں کے درمیان اجنبیت کو گھٹاتی ہے۔

حجاز پر چڑھائی : مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے یزید کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ یزید نے ان شہروں پر فوج روانہ کی۔

جنگ حرہ : حرہ عربی میں آتش فشانی پتھروں کی زمین کو کہتے ہیں۔ مدینہ سے باہر حرہ کا ایک وسیع میدان ہے۔ یہاں یزیدی فوج اور اہل مدینہ کے درمیان ۶۳ ہجری میں جنگ ہوئی۔

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ واقعہ کربلا کے بعد مدینہ والوں نے یزیدی گورنر سے عنان اختیار چھین کر اپنا حاکم مقرر کرلیا۔ بنوامیہ کے جس قدر افراد مدینہ میں تھے انہیں محصور کر لیا۔ انہوں نے یزید کو اطلاع بھیج دی۔

اہل بیت اور عبداللہ بن عمرؓ کا گھرانہ اس انقلاب سے بے تعلق رہا۔[1]

یزید نے ایک عمر رسیدہ' سنگ دل اور سوختہ اخلاق شخص مسلم بن عقبہ مزنی کو دس پندرہ ہزار فوج کے ہمراہ مدینہ پر چڑھائی کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ تین روز صلح کی دعوت دینا۔ اگر مدینہ والے نہ مانیں تو جنگ کرنا۔ فتح یاب ہو کر مدینہ کو تین روز تک مباح کر دینا۔ شہر میں جس قدر مال' مویشی' اسلحہ اور غلہ ہے وہ تمہارے لشکر کا حق ہوگا۔[2]

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے باہر شرقی جانب حرہ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ اہل شہر کو تین روز کی مہلت دی۔ چوتھے روز جنگ چھڑی۔ خون ریز معرکہ ہوا۔ مدینہ والوں نے پہلے بلہ میں دشمن کا رخ پھیر دیا لیکن مسلم بن عقبہ ثابت قدمی نے جنگ کا نقشہ بدل ڈالا۔ اہل شہر شکست کھا کر بھاگے۔ مسلم نے اعلان کیا کہ مدینہ تین روز تک مباح رہے گا۔ شامیوں نے حرم میں خوب لوٹ مار کی اور جن لوگوں نے یزید کی بیعت سے انکار کیا انہیں نذر شمشیر کر دیا۔[3]

۲۔ مکہ پر حملہ :(۶۴) مسلم بن عقبہ مدینہ سے فارغ ہو کر مکہ کی طرف راہی ہوا۔ یہ کھوسٹ مریض راستہ میں تمام ہوا اور حصین بن نمیر نے کمان سنبھالی۔[4]

مکہ میں عبداللہ زبیر اپنا مرکز قائم کیے ہوئے تھے۔ آپ واقعہ کربلا کے بعد خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے اور حجاز والوں سے بیعت لینے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ آپ کے پاس خاصی جمعیت تھی۔ مدینہ کے بعض شکست خوردہ اصحاب بھی آپ کے گرد جمع ہو گئے کعبہ کی حفاظت کی خاطر خوارج کی ایک جماعت نے بھی ساتھ دیا۔[5]

ابن زبیرؓ کے لشکر اور یزیدی فوج کے درمیان ۶۴ ہجری کے اواخر میں جنگ چھڑی۔ صفر کا مہینہ گزر گیا۔ ربیع الاول آیا اور جنگ جاری رہی۔ ابن زبیرؓ بالاخر حرم میں محصور ہو کر بیٹھ رہے۔ یزیدی فوج نے ۳ ربیع الاول سے منجنیقوں کے ذریعے پتھروں اور آگ کی بارش شروع کی۔ اس اثناء میں کعبہ کے پردہ کو آگ لگ گئی۔ مشہور یہ ہے کہ حملہ آوروں کی آتش باری

۱۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

سے یہ حادثہ پیش آیا۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ محصورین کی اپنی غلطی سے شرارہ اڑا جس سے کعبہ کے پردوں اور لکڑی نے آگ پکڑ لی۔ ۱؎

مکہ کا محاصرہ جاری تھا کہ یزید کی موت کی خبر آئی۔ حصین بن نمیر نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور ابن زبیرؓ سے ملاقات کی درخواست کی۔ دونوں رات کے وقت ملے۔ حصین نے کہا' آپ سے بڑھ کر خلافت کا کوئی حقدار نہیں۔ آیئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں کیوں کہ میرے ساتھ جو لشکر ہے جو شام کے چیدہ شاہ سواروں پر مشتمل ہے۔ آپ وہاں گئے تو دو آدمی بھی اختلاف نہیں کریں گے۔ ہمارے آپ کے درمیان جو خوں ریزی ہوئی ہے آپ اس سے درگزر کریں۔ ابن زبیرؓ نے کہا' اللہ کی قسم میں یہ خون رائیگاں نہ جانے دوں گا۔ اور جب تک ایک کے بدلے دس نہ مار لوں گا۔ راضی نہ ہوں گا۔ حصین آہستہ بول رہا تھا اور ابن زبیرؓ کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔ حصین نے کہا' میرا خیال تھا کہ آپ صاحب رائے ہیں۔ میں آپ سے خفیہ گفتگو کرتا ہوں اور آپ علانیہ اظہار کرتے ہیں۔ میں آپ کو خلافت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور آپ قتل و ہلاکت کے طالب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ دونوں جدا ہوگئے۔ حصین نے لشکر لے کر شام کی راہ لی۔ ابن زبیر کو بعد میں ندامت ہوئی اور حصین کو کہلا بھیجا کہ میں شام نہیں جانا چاہتا۔ تم لوگ یہیں میری بیعت کر لو۔ حصین نے جواب دیا کہ جب تک آپ شام نہیں جائیں گے۔ یہ کام تکمیل کو نہیں پہنچے گا۔ کیوں کہ وہاں بنو امیہ کا ایک گروہ ہے جو خلافت طلب کرے گا۔ ۲؎

عقبہ بن نافع کی فتوحات : عقبہ بن نافع کو حضرت معاویہؓ نے افریقیہ کی ولایت سے معزول کر دیا تھا۔ یزید نے انہیں بحال کیا۔

افریقیہ کے بعض حصوں میں رومیوں کا بہت زور تھا۔ عقبہ نے ان کا تسلط ختم کرنے کی ٹھانی۔ آپ نے قسم کھائی تھی کہ ساری عمر کفار سے جہاد کروں گا۔ ایک عظیم لشکر لے کر دشمن کے علاقے میں داخل ہوئے۔ رومیوں اور بربر نے اتحاد کیا اور بڑے بڑے اجتماع کر کے عقبہ کے سامنے آئے۔ لیکن ہر بار شکست کھائی۔ حضرت عقبہ بن نافع زاب' سوس ادنیٰ اور سوس اقصیٰ کے اضلاع سے ہوتے ہوئے بحر محیط (بحر ظلمات یا اوقیانوس) کی بندرگاہ مالیان میں جا رکے۔ سامنے سمندر تھا۔ اسے دیکھ کر اللہؐ کے حضور میں عرض کیا' یا اللہ ! اگر یہ بحر نہ ہوتا تو میں تیری راہ میں جہاد کرتا بڑھے چلے جاتا۔ ۳؎

حضرت عقبہ نے ساحل اوقیانوس سے قدم موڑے۔ بربر کا ایک مسلمان سردار کسیلہ بن کرم آپ سے عناد رکھتا تھا۔ آپ واپسی کے سفر میں تھے کہ اس نے موقع دیکھ کر حملہ کر دیا۔ آپ کا لشکر بہت قلیل تھا۔ شجاعت کا حق ادا کیا اور سب ہمراہیوں کے ساتھ شہادت کا جام پی گئے۔ اب کسیلہ کے لیے میدان خالی تھا۔ اس نے قیروان پر قبضہ جما لیا۔ وہ عبدالملک کے عہد تک یہاں قابض رہا۔ ۴؎

یزید کی وفات : یزید نے ۱۴ ربیع الاول ۶۴ ہجری کو ۳۷ یا ۳۹ برس کی عمر میں قضا کی۔ ۵؎

۱۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر ۵۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

عُقبہ کا میدانِ جہاد

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

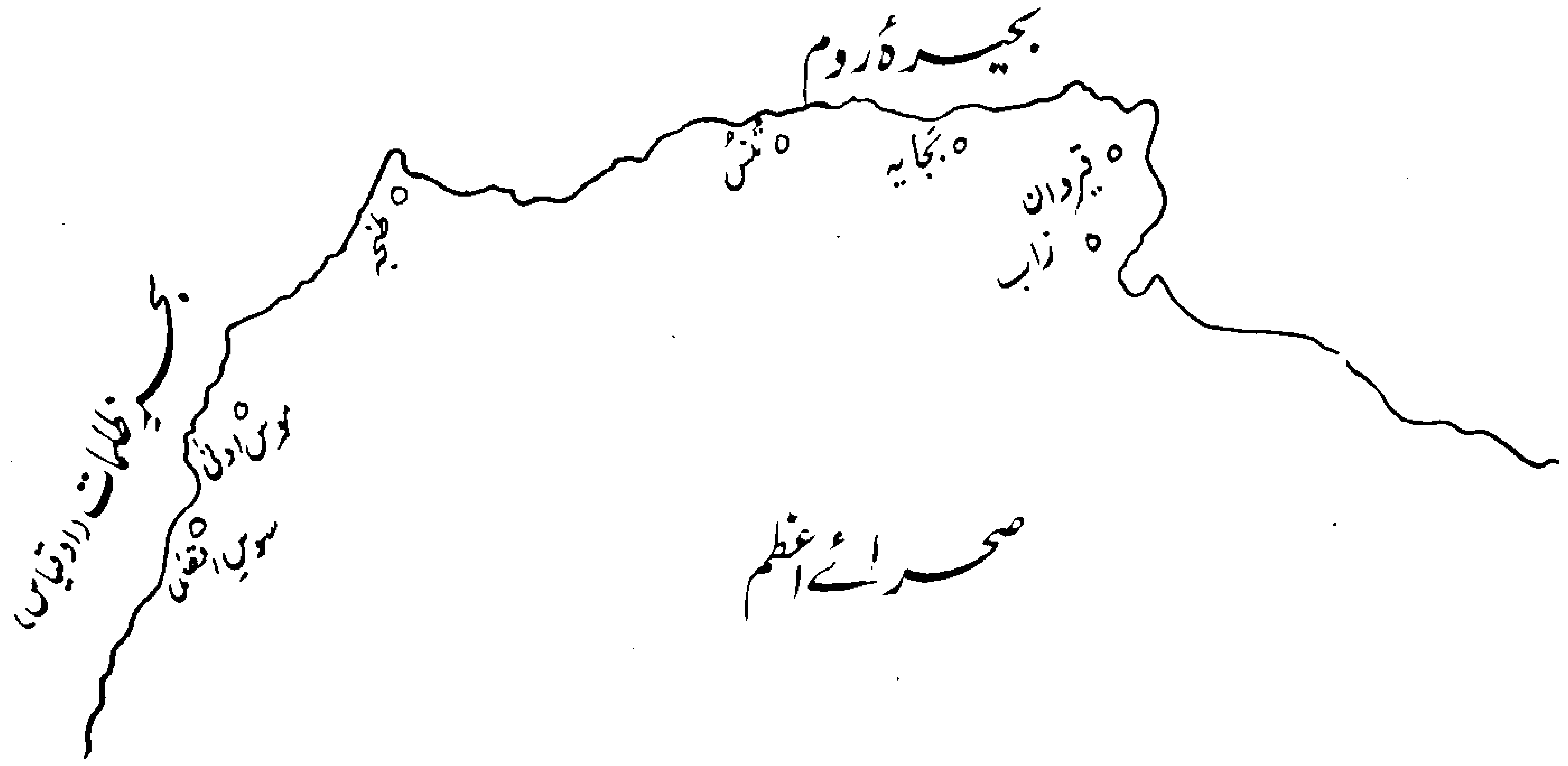

Marfat.com

معاویہ ثانی بن یزید ۶۴ ہجری

یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ تخت پر بیٹھا۔ وہ نہایت زاہد اور بے حرص تھا۔ جلد ہی حکومت سے اکتا گیا۔ اور تین ماہ کے بعد دست برداری کا اعلان کر دیا۔ بنو امیہ نے اس سے کہا کہ اپنا جانشین نامزد کر جاؤ۔ اس نے جواب دیا "کیا تلخی میں اٹھاؤں اور شیرینی کے مزے بنو امیہ لیں؟ وہ چند روز بعد انتقال کر گیا۔ [1] اس کی عمر اکیس برس کی تھی۔

[1] ابن اثیر

Marfat.com

مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیرؓ

۶۴ ہجری تا ۶۵ ہجری

معاویہ ثانی کی دست برداری کے بعد دنیائے اسلام کی نگاہوں میں عبداللہ بن زبیرؓ کی ہستی ہی شایان خلافت تھی۔ شام کے ایک حصے کے سوا کل صوبوں میں آپ کی بیعت ہو گئی۔

عراق پر عبیداللہ بن زیاد نے قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ بصرہ والوں نے اس کی بیعت تو کر لی لیکن باہر نکل کر ہاتھ دیواروں پر رگڑ رگڑ کر (تاکہ بیعت ہاتھوں سے گھس جائے) کہنے لگے' کیا مرجانہ ا۔ کا بیٹا توقع رکھتا ہے کہ ہم ہر حال میں اس کی اطاعت کریں گے۔ ابن زیاد نے کوفہ والوں کو بھی بیعت کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے انکار کیا۔ اہل بصرہ کو علم ہوا تو کھل کر ابن زیاد کے مقابل آ گئے۔ اس نے بھاگ کر شام میں پناہ لی۔ ۲۔

عبداللہ بن زبیرؓ : حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے بعد مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مدینہ میں مہاجرین کے ہاں آپ پہلے مولود تھے' اس لیے آپ کی پیدائش پر بہت خوشیاں منائی گئیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ حضرت صفیہؓ کے پوتے تھے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔

حضرت عبداللہ کے والد زبیرؓ نہایت جری شاہسوار تھے۔ حضور صلی اللہ وسلم نے زبیرؓ کو اپنا حواری کہا تھا۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر ہجرت کے دوران میں جن دنوں غار ثور میں مقیم تھے حضرت اسماءؓ آپ کو کھانا پہنچاتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ جناب ابن زبیرؓ کی خالہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے ابن زبیرؓ کو بیٹا کہہ رکھا تھا اور ان کے نام سے ام عبداللہ کہلاتی تھیں۔ ابن زبیرؓ ہمت و شجاعت میں بچپن سے ممتاز تھے۔ جنگ جمل میں آپ حضرت عائشہؓ کی فوج میں تھے۔ اس جنگ میں آپ گرفتار ہو گئے لیکن جناب امیرؓ نے رہا فرما دیا۔

یزید کی ولی عہدی سے جن لوگوں نے انکار کیا تھا ان میں ایک آپ بھی تھے۔ جناب امام حسینؓ نے کربلا میں شہادت پائی تو آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور مکہ کو مرکز بنا کر بیٹھ گئے۔ یزید نے مدینہ کو مغلوب کرنے کے بعد آپ کے خلاف ایک مہم بھیجی لیکن اس کی ناگہانی موت سے یہ مہم ادھوری رہ گئی۔

یزید کی موت اور اس کے بیٹے معاویہ کی دست برداری کے بعد سوائے دمشق کے ضلع کے اور سب مملکت میں ابن زبیرؓ کی بیعت ہو گئی۔ ۳۔ دمشق میں بنو امیہ کا بہت زور و اثر تھا۔ حالات

ا۔ زیاد کی ماں کا نام تھا۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

نے مدد کی اور خلافت پر ان کے دوبارہ قابض ہونے کی راہ نکل آئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں نہ صرف دمشق بلکہ سارے شام پر مروان بن حکم اموی کا تسلط قائم ہوگیا۔

مروان بن حکم : مروان کا باپ حکم فتح مکہ کے دن اسلام لایا تھا۔ بعد میں حضور ﷺ نے اسے مکہ سے شہر بدر کر کے طائف بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں مروان کا ستارہ چمکا۔ یہ حضرت عثمانؓ کا چچیرا بھائی تھا۔ انہوں نے اسے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اس نے حضرت علیؓ کے خلاف حضرت عائشہؓ کی حمایت کی۔ جنگ جمل میں گرفتار ہوا۔ حضرت علیؓ نے مراحم خسروانہ سے کام لیا اور آزاد کر کے جانے دیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے حامیوں میں شامل ہو گیا۔ حضرت معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو مروان کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ وہ اس عہدہ پر کئی برس فائز رہا۔

یزید کی وفات کے وقت مروان مدینہ میں تھا۔ ابن زبیرؓ نے حکم دیا کہ سب اموی مدینہ سے نکل جائیں۔ مروان بھی ان کے ساتھ شام چلا گیا۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا عبدلملک بھی تھا جو آگے چل کر خلیفہ ہوا۔ عبدالملک کی عمر اس وقت اٹھائیس برس تھی۔[1]

موتمر جابیہ (جابیہ کانفرنس) : حصین بن نمیر جب مکہ سے شام کو لوٹا تو اس نے مروان کو اپنی اور ابن زبیرؓ کی گفتگو سے مطلع کر کے رائے دی کہ بنو امیہ کو اپنا امیر منتخب کر لینا چاہیے۔ ورنہ فتنہ کی تاریکی ہمیں گھیر لے گی۔ مروان عبداللہ بن زبیرؓ کی شخصیت سے مرعوب تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ابن زبیرؓ کے پاس حاضر ہو کر بیعت کرے اور بنوامیہ کے لیے امان طلب کرے۔ مروان راستہ میں تھا کہ عبیداللہ بن زیاد سے ملاقات ہوئی۔ ابن زیاد عراق سے بھاگ کر آیا تھا۔ مروان کو یہ کہہ کر پھیر لایا کہ تم بنو امیہ کے سرخیل اور ان کی آخری امید ہو۔ یہ شرم کی بات ہوگی کہ تم ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ میں تمہارے لیے راہ ہموار کروں گا۔[2]

شام کے لوگوں کا کسی ایک ہستی کی خلافت پر اتحاد نہ تھا۔ بعض قبیلے بنوامیہ کے حق میں تھے اور بعض ابن زبیرؓ کے حق میں۔ اکثریت بنوامیہ کی طرف دار تھی۔

جابیہ کے مقام پر بنو امیہ کے حامیوں کی ایک موتمر یعنی کانفرنس کا انعقاد ہوا کہ خلیفہ کسے بنایا جائے۔ ان میں سے بعض افراد کے دلوں میں عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا خیال بھی گزرا تھا۔ لیکن وہ اپنے خیالات کو تجویز کی صورت میں پیش نہ کر سکے۔ موتمر کے سامنے مروان بن حکم اور خالد بن یزید کے نام تھے۔ بنو کلب کا قبیلہ خالد کی حمایت میں سرگرم تھا۔ کیونکہ اس کی ماں اس قبیلہ سے تھی۔ لیکن خالد کی کم سنی کی وجہ سے اس کا انتخاب مشکل تھا۔ ایک اور امید وار عمرو بن سعید بن العاص نام بھی تھا۔ لیکن یہ بھی تجربہ سے عاری تھا۔ آخر چالیس روز کے سوچ بچار کے بعد فیصلہ ٹھہرا کہ مروان کی بیعت کر لی جائے کیونکہ وہ عمر اور تجربہ دونوں لحاظ سے فائق ہے۔ اس کے بعد خالد بن یزید اور عمرو بن سعید علی الترتیب خلیفہ ہوں گے۔[3]

ضحاکؓ بن قیس : اس وقت دمشق پر ضحاکؓ بن قیس قابض تھا۔ یہ بہت با اثر ... تھا۔

۱۔ ابن اثیر ذکر وفات مروان۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ابن ... ۳۔ ابن اثیر

Marfat.com

صحابیت سے مشرف تھا۔ حضرت معاویہؓ کے وقت سے دمشق کا گورنر چلا آتا تھا۔ یزید کی وفات کے بعد پہلے پہل ابن زبیرؓ کا حامی ہوا۔ پھر بنو امیہ کا زور دیکھ کر ان کی طرف پلٹ گیا۔ جابیہ کانفرنس کی تحریک اسی نے کی تھی۔ لیکن ابھی جابیہ کے راستے ہی میں تھا کہ اس کی رائے دوبارہ ابن زبیرؓ کے حق میں بدل گئی اور واپس آ کر دمشق میں مقیم ہو گیا۔

ضحاکؓ بن قیس بہت قوت اور اقتدار کا مالک تھا۔ مروان کے لیے اس سے برسرمیدان ہوتا مشکل تھا، لیکن ساتھ ہی سادہ لوح تھا۔ اس لیے اسے سیاسی چال سے شکست دینا آسان تھا۔ اس کا بیڑا عبیداللہ بن زیاد نے اٹھایا۔ ابن زیاد دمشق آیا اور ضحاکؓ کے ساتھ دوستانہ راہ و رسم پیدا کی۔ آہستہ آہستہ اس پر پورا اعتماد جما لیا۔ ایک روز اسے صلاح دی کہ تم بہت امانت کیش اور صاحب لیاقت ہو، اگر تم خلافت حاصل کر لو تو عین بجا ہوگا۔ ضحاکؓ ان باتوں میں آ گیا اور تین روز اپنی خلافت کی دعوت دیتا رہا۔ عوام نے برا مانا اور اسے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ پہلے تم نے ابن زبیرؓ کے لیے بیعت حاصل کی۔ پھر بغیر کسی سبب یا عذر کے تم نے یہ بیعت توڑ ڈالی۔ اب اپنی ذات کے لیے خلافت کے طلب گار ہو۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ ضحاکؓ نے ناچار دوبارہ ابن زبیرؓ کی بیعت کی طرف رجوع کیا۔ لیکن تلون اور عدم ثبات کی وجہ سے اس کی قدر جاتی رہی۔[1]

ابن زیاد کا پہلا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا لیکن ابھی اسے ایک اور تیر بھی چھوڑنا تھا۔ دمشق میں ضحاکؓ کی سیاسی قوت تیزی سے گر رہی تھی ابن زیاد نے اسے مشورہ دیا کہ کامیابی چاہتے ہو تو شہروں کے بجائے صحراؤں کا رخ کرو۔ قبائل سے لشکر بھرتی کر کے لاؤ تاکہ دمشق پر ہمارا قبضہ مستحکم ہو سکے ضحاک اس جھانسے میں آ گیا۔ دمشق میں اس کی جو تھوڑی بہت فوج تھی اسے ساتھ لیا اور مرج راہط میں فروکش ہو گیا۔[2]

دمشق خالی ہوا تو مروان کے نائب نے قبضہ کر لیا۔ ابن زیاد نے مروان کو لکھا کہ اب بے شک کھل کر خلافت کی دعوت دو۔

مروان نے فوراً بیعت لینی شروع کی اور جلد ہی ایک زبردست قوت فراہم کر لی۔ یہاں سے سیدھے مرج راہط کا رخ کیا۔ ادھر ابن زیاد بھی دمشق سے چلا اور مرج راہط آ کر مروان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ دمشق کے والی نے اسلحہ وغیرہ کی مدد پہنچائی۔[3]

مروان کے پاس تقریباً تیرہ ہزار فوج تھی۔ ضحاک کی سپاہ تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ طرفین کی صف بندی ہوئی جنگ چھڑی اور بیس روز جاری رہی۔ بہت لوگ مارے گئے۔ عبیداللہ نے مروان سے کہا کہ جنگ حیلہ گری کا نام ہے۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ تم چال چلو اور مصالحت کا اعلان کر دو۔ مروان نے صلح کی منادی کرا دی۔ ضحاکؓ کا لشکر بے فکر ہو گیا تو مروانی فوج نے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ ضحاکؓ نے آخر دم تک ثابت قدمی سے جنگ کی اور بہادری سے جان دی۔ ضحاک کا سر مروان کے سامنے پیش کیا گیا۔[4]

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

کہتے ہیں کہ فتح کے دن مروان یہ کہہ کر رو دیا کہ اب جب کہ میں بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہوں سلطنت کے لیے خون بہا رہا ہوں۔ ۱

مرج راہط کی جنگ ۶۴ ہجری میں ذوالحجہ کے مہینہ میں ہوئی۔

مروان کا مصر پر قبضہ : شام پر قبضہ مستحکم کرنے کے بعد مروان نے فوج لے کر مصر کی طرف قدم بڑھائے یہاں ابن زبیرؓ کا نائب عبدالرحمان بن جحدم (ن ح دم) تھا۔ عبدالرحمان مروان کو راستہ ہی میں روکنے کے لیے مصر سے نکلا۔ مروان کو علم ہوا کہ عبدالرحمان مصر کو خالی کر گیا ہے تو ایک اور طرف سے عمرو بن سعید کے تحت لشکر مصر میں داخل کر دیا۔ عمرو بن سعید آسانی سے مصر پر قابض ہو گیا۔ عبدالرحمان کو خبر ملی تو مروان کا مقابلہ کیے بغیر چلا گیا۔ مصر میں مروان کی بیعت ہو گئی اور وہ دمشق کو واپس ہوا۔ ۲

مروان کی ایک بد عہدی : مروان نے یہاں آ کر اپنی حکومت کو اپنی اولاد کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ جابیہ کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ مروان کے بعد خالد بن یزید اور اس کے بعد عمرو بن سعید خلیفہ ہوں گے۔ مروان نے ۶۵ ہجری میں اس قرارداد کو توڑ دیا۔ اس نے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کیا اور عبدالملک کے لیے بیعت حاصل کر لی۔ ۳

مروان کی وفات : رمضان ۶۵ ہجری کی ایک صبح کو مروان اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ بعد میں راز کھلا کہ اس کی بیوی ام خالد نے اسے قتل کیا ہے۔

ام خالد یزید کی بیوہ تھی۔ مروان کو کھٹکا تھا کہ خالد خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے گا اس لیے اس کو دبانے کے لیے مروان نے اس کی ماں سے شادی کر لی۔ مروان خالد کو عوام کی نگاہوں میں گرانا چاہتا تھا ایک دن بر سرعام اس کی ماں ام خالد کے بارے میں قبیح الفاظ کہے۔ خالد نے ماں سے شکایت کی۔ اس نے کہا چپکے رہو کسی سے ذکر نہ کرنا۔ میں تمہاری طرف سے اس کو سمجھ لوں گی۔ چند روز بعد مروان جب اس کے ہاں سویا تو ام خالد نے اس کے منہ پر سرہانہ رکھا اور لونڈیوں سمیت اس پر بیٹھ گئی۔ مروان کا دم گھٹ چکا تو اٹھی۔ عبدالملک نے بعد میں ام خالد کو قتل کرنا چاہا مشیروں نے رائے دی کہ جانے دو۔ ورنہ لوگ کہیں گے کہ مروان کو ایک عورت نے مار ڈالا۔ ۴ عبدالملک باز آ گیا۔

مروان کی مدت خلافت صرف نو مہینے ہے لیکن تاریخ کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس کی حکومت کسی کے گمان میں بھی نہ تھی۔ اس نے نہایت ہوشیاری اور دانشمندی سے شام اور مصر کے دو زرخیز اور وفاکیش صوبوں میں اپنی حکومت کے پائے مضبوط کر لیے اور خلافت آل معاویہ سے نکال کر اپنی اولاد میں منتقل کر دی۔

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ابن

Marfat.com

عبدالملک بن مروان (۶۵ تا ۸۶ ہجری)

اور

عبداللہ بن زبیرؓ (۶۵ تا ۷۲ ہجری)

مروان کی وفات کے وقت شام اور مصر کی ولایات اس کے بیٹے عبدالملک کے زیر نگیں تھیں اور دیگر علاقے ابن زبیرؓ کے تحت۔ ابن زبیرؓ کی زندگی کے ابتدائی حالات سابقہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ یہاں ہم عبدالملک کی قبل امارت کی زندگی پر سرسری نظر ڈالیں گے۔

عبدالملک : عبدالملک نے ۲۶ ہجری میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ولادت پائی۔ یہی سنہ یزید کی پیدائش کا بھی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے وقت عبدالملک دس سال کا تھا۔

عبدالملک کی زندگی کے ابتدائی ایام مدینہ کی مردم خیز سرزمین میں گزرے۔ یہ شہر علمی لحاظ سے اسلامی قلمرو کا دل تھا۔ عبدالملک نہایت ذہین اور فہیم تھا۔ اس نے علم کی طرف توجہ دی۔ علماء و فقہاء اور عبادت گزاروں اور نیکو کاروں سے صحبت رکھتا تھا۔ علمی اور اخلاقی لحاظ سے وہ ان مقدس ہستیوں کے فیض سے سیراب ہوا۔ اس نے قرآن' حدیث اور فقہ کے علوم میں نمایاں مقام پیدا کیا۔ قرات میں یکتائے روزگار تھا۔ فقہ میں سعید بن مسیب اور امام شعبی کا ہم پایہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اس کی گوناگوں خوبیوں سے متاثر ہوکر سولہ برس کی عمر میں مدینہ کی گورنری کا موقع دیا۔

عبدالملک نے بربر کے علاقہ میں جہاد کیا اور معاویہ بن خدیج ایسے جرنیل کے تحت حربی تربیت حاصل کی۔ ۱

عبدالملک نے مروان کے بعد خلافت سنبھالی لیکن اس کے پہلو میں ایک اور اموی شہزادہ عمرو بن سعید کی رقابت کا ایک زہریلا خار تھا جس کے نکالے بغیر بنو امیہ کی وفاداری مشتبہ تھی۔ عبدالملک نے مناسب موقع دیکھتے ہی اس کا مداوا کیا۔

جابیہ کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ مروان اور خالد بن یزید کے بعد عمرو بن سعید خلیفہ ہوگا لیکن مروان اس عہد کو توڑ کر عبدالملک کو جانشین کرگیا۔ خالد ابھی لڑکا تھا۔ اس کی طرف سے کھٹکا نہ تھا لیکن عمرو پر عبدالملک کی کڑی نگرانی تھی۔ ایک دفعہ عبدالملک دمشق سے باہر گیا تو عمرو نے شہر پر قبضہ جمالیا۔ عبدالملک واپس آیا تو کئی روز کی جنگ کے بعد اسے دوبارہ حاصل کیا۔ چند دن بعد عبدالملک نے عمرو کو دھوکے سے ذبح کردیا۔ یہ واقعہ ۶۸ ہجری کا ہے۔ ۲

اس کے بعد عبدالملک کو اموی خاندان کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا۔ اب وہ دیگر حریفوں سے نبڑ سکتا تھا۔

۱۔ یہاں تک عبدالملک کے ابتدائی حالات ابن کثیر سے لیے گئے ہیں۔ ۲۔ ابن اثیر۔ مسعودی نے عمرو بن سعید کے قتل کی تفصیلات میں مختلف روایات بیان کی ہیں۔

Marfat.com

توابین : کوفہ میں شیعہ کی خاصی تعداد تھی۔ ان دنوں ان کے سرغنہ سلیمانؓ بن صرد تھے۔ آپ صحابی تھے۔ اہل بیت کے پرجوش عقیدت مند اور داعی تھے۔ آپ کی جماعت نے حضرت حسینؓ کو کوفہ تشریف لانے کے لیے خط لکھے لیکن مدد کو نہ پہنچ سکے بعد میں انہیں اپنی کوتاہی کا رنج ہوا اور کہنے لگے کہ ہم جب تک واقعہ کربلا کا انتقام نہیں لیتے اس کا گناہ ہماری گردنوں پر رہے گا۔ انہوں نے تہیہ کیا کہ شہدائے کربلا کے قاتلوں کو ٹھکانے لگائیں گے ورنہ خود مٹ کر رہ جائے گے۔ انہوں نے اپنا نام توابین (توبہ کرنے والے) رکھا۔ ان کے ہم خیال بصرہ اور مدائن میں بھی تھے۔ انہیں کوفہ بلایا اور اپنے نصب العین کے لیے مخفی تیاریاں شروع کردیں۔ توابین کی پوشیدہ جماعت بندی واقعہ کربلا کے بعد سے جاری تھی۔ مروانی عہد میں جب ابن زیاد جزیرہ کی حکومت کا پروانہ لے کر شام سے روانہ ہوا تو توابین پانچ ہزار سے کچھ زائد کی تعداد میں کوفہ سے نکلے۔ یہ ۶۵ ہجری کا واقعہ ہے اس وقت عراق پر ابن زبیرؓ کا قبضہ تھا۔ ان کے والی نے مزاحمت نہ کی کیوں کہ توابین کی ٹکر بنی امیہ سے تھی۔ یہ لوگ حضرت امام حسینؓ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ ایک دن رات رو رو کر معافی مانگی۔ اس کے بعد مروانی حکومت کے ستون ابن زیاد سے بدلہ لینے کے لیے روانہ ہوئے۔ شام کی سرحد پر پہنچے تو ابن زیاد سے سامنا ہوا۔ وہ ابھی شام اور جزیرہ کی راہ میں تھا۔ دو روز بڑے زور کی جنگ ہوئی۔ توابین کی تعداد تھوڑی تھی تاہم انہوں نے سرفروشی اور جاں سپاری کی خوب داد دی۔ ان میں سے بہت کم لوگ زندہ بچے حضرت سلیمانؓ بن صرد شہادت پا گئے۔

مختار بن ابو عبید ثقفی : سلیمانؓ بن صرد کی مہم کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں رونما ہوا لیکن تحریک بدستور زندہ تھی۔ اس کی زمام اب مختار بن ابو عبید ثقفی نے سنبھالی۔

مختار بنو ثقیف کے قبیلے سے تھا۔ اس کا باپ ابو عبید ایک شجاع جرنیل تھا جس نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عراق کے محاذ پر شہادت پائی تھی۔

مختار ہجرت کے برس پیدا ہوا تھا۔ نہایت زیرک تھا۔ بنو امیہ کو دل سے برا سمجھتا تھا۔ یزیدی عہد میں مقید ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نکاح میں اس کی بہن تھی۔ انہوں نے سفارش کرکے رہائی دلوائی۔ جن دنوں ابن زبیرؓ کو حصین بن نمیر نے محصور کر رکھا تھا یہ ابن زبیرؓ کے ساتھ رہا۔ یزید کی موت کے بعد کوفہ چلا آیا اور اہل بیت کی حمایت میں توابین کا ہمنوا ہوا۔ اس نے اس تحریک کی بہت تقویت کی لیکن طریق کار میں سلیمانؓ بن صرد سے متفق نہ تھا اس لیے عملاً الگ رہا۔ اس کے پیروؤں کی ایک جداگانہ جماعت قائم ہوئی۔ کوفہ کے والی کو خدشہ ہوا تو اس نے مختار کو جیل میں ڈال دیا۔ سلیمانؓ بن صرد کی وفات کے بعد توابین نے اس کو سردار مان لیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے دوبارہ سفارش کی اور قید سے چھڑا دیا۔ ۱

ا۔ [illegible] والسیاست۔ ابن [illegible]

Marfat.com

مختار کا یہ نظریہ تھا کہ خلافت کے حق دار حضرت علیؓ کے فرزند محمد بن حنفیہ ہیں۔ کوفہ کے چند آدمی حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس مکہ حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آیا مختار کو ان کی تائید حاصل ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے ذریعے ہمارے دشمن سے انتقام دلوائے[1] اس کے بعد مختار کی قوت بڑھ گئی۔

مختار نے اپنی دعوت درپردہ رکھی۔ طاقت بڑھائی تو اچانک کوفہ پر قبضہ کرلیا۔ ابن زبیرؓ کے والی نے بھاگ کر بصرہ میں وہاں کے گورنر مصعب بن زبیرؓ کے پاس پناہ لی۔ مختار نے کوفہ کے صوبہ میں محمد بن حنفیہ کے حق میں بیعت لی اور اپنے حکام مقرر کیے۔[2]

مختار نے سب سے پہلے قاتلین حسینؓ کی طرف توجہ کی۔ انہیں چن چن کر قتل کیا۔ عمرو بن سعد اس کا بہنوئی تھا۔ اس کا سر اس کے بیٹے کے سر کے ہمراہ محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ مزید قاتلوں کو تلاش کر رہا ہوں۔ شمر جو اس وقت کوڑھی ہوچکا تھا شہر سے بھاگا مختار کے آدمیوں کو خبر لگ گئے انہوں نے مار کر لاش کتوں کے آگے پھینک دی۔

مختار کی پالیسی تھی کہ ابن زبیرؓ کے ساتھ تعلقات استوار رہیں۔ اس نے ابن زبیرؓ کو بنو امیہ کے مقابلہ پر تعاون کی پیش کش کی اور فوری مدد کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ ابن زبیرؓ کو اس پر بھروسہ نہ تھا انہیں خدشہ ہوا کہ مختار اس حیلہ سے حجاز پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے آپ نے اس لشکر کا صفایا کردیا۔[3]

محمد بن حنفیہ اور ابن عباسؓ دونوں ابن زبیرؓ کی بیعت سے انکاری تھے لیکن سیاست میں عملی حصہ نہیں لیتے تھے۔ مختار نے کوفہ میں محمد بن حنفیہ کے نام سے حکومت قائم کی تو حضرت ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہ کو شک کی بنا پر ان کے چند حامیوں کے ہمراہ حراست میں لے لیا اور کہا کہ جب تک آپ میری خلافت تسلیم نہیں کریں گے رہائی نہیں دوں گا۔۔ مختار نے سپاہ بھیج کر محمد بن حنفیہ کو رہائی دلوائی۔

عبید اللہ بن زیاد کو مروان نے جزیرہ کی حکومت دی تھی اور ایک لشکر عراق پر چڑھائی کے لیے ہمراہ کیا تھا۔ عبید اللہ نے جزیرہ پر قبضہ جمایا اور ابھی وہیں مقیم تھا کہ مختار نے اپنے ایک سرکردہ اور جانباز سالار ابراہیم بن مالک اشتر کو اس سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ ابراہیم نے فتح پائی۔ شامی لشکر کا ایک کثیر حصہ کام آیا۔ ابن زیاد اور حسین بن نمیر کے سر کوفہ لائے گئے۔

عبید اللہ کا سر جامع کوفہ میں رکھا گیا۔ ناگہاں ایک سانپ آیا ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا اور کچھ دیر ٹھہر کر باہر نکلا۔ اس طرح تین چکر کاٹے پھر غائب ہوگیا۔[4]

مختار نے ابن زیاد کا سر محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجا۔

عبداللہ بن زبیر نے ۶۷ ہجری میں بصرہ کی ولایت پر اپنے بھائی مصعب بن زبیرؓ کو مامور کیا اور

لـ ابن اثیر۔ ۲۔ الامامت و سیاست۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ترمذی ابواب مناقب

Marfat.com

حکم دیا کہ مختار کی سرکوبی کرو۔ ۱؎

مختار عربوں پر اہل عجم کو فوقیت دیتا تھا۔ اس لیے عرب قبائل اس سے مایوس ہوگئے۔ ۲؎

اس کے علاوہ قاتلین حسینؓ کو سزا دینے کے دوران میں کچھ بے اعتدالیاں ہوئیں۔ مختار کے ساتھیوں نے بعض لوگوں کو محض ذاتی کینہ کی بنا پر مار ڈالا۔ عرب قبائل نے مختار کے خلاف ایکا کیا۔ ان کی ایک کثیر تعداد کام آئی۔ اشراف عرب کا ایک گروہ بھاگ کر مصعب بن زبیرؓ حاکم بصرہ کے پاس پہنچا اور مختار پر چڑھائی کی ترغیب دی۔ مصعب فوج لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کوفہ کے قریب پہنچے تو مختار کا ایک لشکر روکنے آیا لیکن ہار کھا گیا۔ اب مختار خود مقابل ہوا ایک تلی ہوئی جنگ ہوئی۔ مختار پلٹ کر کوفہ آیا اور قصر امارت میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ محاصرہ نے تقریباً چار ماہ تک طول کھینچا۔ پانی اور غلہ کی بالکل بندش تھی اس لیے مختار کا لشکر عاجز آگیا۔ مختار نے مشورہ دیا کہ باہر نکل کر مردانہ وار جان دو لیکن کسی نے کان نہ دھرا۔ وہ صرف انیس آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے نکلا اور لڑ کر جان دی۔ کوفہ پر مصعب کا قبضہ ہوگیا۔ یہ ۶۷ ہجری کا واقعہ ہے۔ ۳؎

مورخین نے مختار کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور اس کی سیرت کو بدنما کر کے دکھایا ہے مثلاً اس مضمون کی روایات ملتی ہیں کہ محمد بن حنفیہ نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا مگر مختار نے آپ کی طرف سے ایک جعلی خط کوفہ والوں کو دکھا کر اپنا کام بنایا ایک پرانی کرسی کو حضرت علیؓ سے منسوب کیا اور کہا کہ یہ ہمارے لیے ایسی ہی بابرکت ہے جیسے بنو اسرائیل کے لیے تابوت سکینت۔ اس کے علاوہ جب آخر میں محاصرہ سے نکل کر مصعب کے لشکر سے لڑنے آیا تو اپنے ایک ساتھی سے کہا' میں نے دیکھا کہ ابن زبیرؓ نے حجاز پر قبضہ کرلیا ہے ابن نجدہ نے یمامہ پر اور مروانؓ نے شام پر' تو میں نے بھی ان کی طرح خواہش کی سوائے اس کے کہ عرب والے قاتلین حسینؓ سے غافل ہو کر سوگئے اور میں نے انتقام لیا۔

مختار کو اس کی زندگی میں کذاب بھی کہا جاتا تھا لیکن ابن عباسؓ کا نظریہ مختلف تھا۔ اگر وہ مختار کے حق میں نہ تھے تو مخالف بھی نہ تھے۔ مختار کے قتل کے بعد عبد اللہ بن زبیرؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ آپ نے کذاب کے قتل کی خبر نہیں سنی؟ ابن عباسؓ نے پوچھا کذاب کون ہے؟ ابن زبیرؓ نے جواب دیا' ابن عبید۔ ابن عباسؓ بولے' ہاں۔ میں نے مختار کے قتل کی خبر سنی ہے۔ ابن زبیرؓ نے فرمایا' شاید آپ نے اس کے لیے کذاب کا نام پسند نہیں کیا اور اس کے قتل پر دکھی ہیں۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا یہ وہ شخص ہے جس نے ہمارے قاتلوں کو فنا کیا ہمارا بدلہ لیا اور ہمارے سینے کی آگ بجھائی اس کی جزا یہ نہیں کہ ہماری زبان سے اس کے لیے گالیاں نکلیں اور ہم اس کے مرنے پر خوشی منائیں۔ ۴؎

۱؎ الامامۃ والسیاسۃ۔ ۲؎ اخبار الطوال صفحہ ۳۰۶۔ ۳؎ ابن اثیر۔ ابن خلدون۔ اخبار الطوال۔ ۴؎ ابن اثیر۔

Marfat.com

مختار عقائد کی رو سے شیعی تھا اور غالبا کیسانی شاخ سے تعلق رکھتا تھا بعض مورخین نے اسے کیسانیہ کا بانی کہا ہے۔ یہ فرقہ محمد بن حنفیہ کو امام مانتا تھا۔

تاریخ اسلام میں مختار کا کردار : مختار کی سیرت اور عقائد سے قطع نظراس نے اسلام کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے اس کا یہ لاجواب کارنامہ ہے کہ اس نے قاتلین حسینؓ سے جی بھر کر انتقام لیا جس صحن میں حسینؓ کا سر عبید اللہ کے سامنے رکھا گیا تھا وہیں عبید اللہ کا سر مختار کے آگے پیش ہوا لیکن اس کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ طور سے بنو امیہ کی تقویت بھی ہوئی اور ابن زبیرؓ کی سیاست کو ضعف پہنچا۔ اس نے عراق کو دو گروہوں میں بانٹ دیا ایک گروہ ابن زبیرؓ کا حامی تھا اور ایک مختار کا۔ مختار کی فوج کی ایک کثیر تعداد مصعب بن زبیرؓ کے ہاتھوں کھیت رہی۔ ان کے پس ماندگان اور رشتہ داروں کا ابن زبیرؓ سے بر سر عداوت ہونا قدرتی امر تھا۔ نتیجہ یہ کہ عبدالملک ابھی شام میں تھا کہ اس کو عراق والوں کے بلاوے پہنچنے لگے۔

عبدالملک کی قیصر روم سے مصالحت : ۷۰ ہجری میں قیصر روم نے شام کی۔ عبدالملک کے قدم ابھی مضبوط نہ تھے اس لیے ہفتہ وار خراج کے وعدہ پر صلح کرلی اور اسے تحفے بھیجے۔ [1]

عبدالملک کی عراق پر فوج کشی : عراق کے لوگ عبدالملک کو چٹھیاں لکھ رہے تھے کہ تم عراق پر چڑھائی کرو ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ عبدالملک عمرو بن سعید سے فارغ ہو چکا تھا اور قیصر روم سے صلح کر کے اس کا خطرہ ٹال چکا تھا اب اس کو ابن زبیرؓ سے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ ۷۱ ہجری میں عراق پر حملہ آور ہوا۔

عبد اللہ بن زبیرؓ کا بھائی مصعب مقابلہ کو موجود تھا۔ کوفہ سے تقریباً پچاس میل شمال میں باجمرا کے قریب دونوں لشکر تقریباً تین فرسخ کا فاصلہ چھوڑ کر خیمہ زن ہوئے۔ عبدالملک نے سفیر بھیجا کہ شوریٰ کے ذریعے تصفیہ کیا جائے۔ مصعب نے جواب دیا کہ یہ فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ اس دوران میں مصعب کے بعض سردار آہستہ آہستہ عبدالملک کی چھاؤنی میں آگئے۔

جنگ چھڑی تو مصعب کے کئی مزید امراء عبدالملک کی رشوت اور سنہری وعدوں میں آکر عین موقع پر دھوکا دے گئے۔ مصعب شجاعت کا پیکر تھا۔ آخر دم تک جان لڑاتا رہا۔ عبدالملک اس کی خوبیوں کو مانتا تھا۔ اس کے علاوہ کسی زمانے میں وہ گہرے دوست بھی رہے تھے۔ اس نے امان کا پروانہ لکھ بھیجا لیکن مصعب نے کہا کہ میں غالب آؤں گا یا جان دے دوں گا۔ زخموں سے چور ہوکر بھی دھیما نہ پڑا اور شجاعت کی دھاک بٹھا کر جان دی۔ عبدالملک کے پاس اس کا سر آیا تو تاسف کیا اور رو کر کہا کہ اب کوئی ماں ایسا بیٹا نہیں جنے گی۔ [2] عراق اب عبدالملک کے زیر نگیں آگیا۔

مکہ پر فوج کشی : عبدالملک کچھ عرصہ چھوٹے چھوٹے دستے حجاز کے علاقوں میں ابن زبیرؓ کو

[1] ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ [2] ابن اثیر

Marfat.com

تنگ کرنے اور اس کی قوت کو جانچنے کے لیے بھیجتا رہا۔ جم کر کوئی جنگ نہ ہوئی مصعب کے قتل کے بعد عبدالملک نے مکہ پر لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا کوئی امیر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے ہامی بھری۔ اس نے ۷۲ ہجری میں سات ہزار سواروں کے ساتھ مکہ کی جانب کوچ کیا۔ طائف میں پڑاؤ ڈالا۔ حجاج کے دستے طائف سے چل کر عرفہ کے میدان میں ابن زبیرؓ کی فوج کے ساتھ جنگ کرتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ ہر بار ابن زبیرؓ کی فوج ہزیمت اٹھاتی۔ یہ جھڑپیں ایک عرصہ تک جاری رہیں۔ آخر حجاج نے عبدالملک کو خط لکھا کہ ابن زبیرؓ کی طاقت تیزی سے گر رہی ہے اور اس کے ساتھی منتشر ہو رہے ہیں۔ مجھے حرم میں داخل ہونے کی اجازت دو اور مدد بھیجو۔ عبدالملک نے ایک لشکر روانہ کیا جس نے پہلے مدینہ کو قبضہ میں لیا اور پھر جاکر حجاج کا شریک ہوا۔

حجاج نے بڑھ کر ابن زبیرؓ کو حرم میں گھیر لیا۔ ابن زبیرؓ کی اقتصادی اور فوجی طاقت سرعت سے روبہ زوال تھی۔ محاصرہ پر تقریباً سات مہینے گزر گئے۔ ابن زبیرؓ پر کمک اور رسد قطعاً بند تھی۔ شہر کے محصور حصہ میں قحط نے سر اٹھایا۔ لوگ بھوک سے نڈھال ہوگئے۔ ساتھ کی پہاڑیوں پر حجاج نے منجنیق نصب کر کے [illegible]ی شروع کر رکھی تھی۔ اس سے ہراس اور بڑھ رہا تھا۔ نوبت یہ کہ ابن زبیرؓ کی تقریب دس ہزار سپاہ عاجز آکر حجاج کے ساتھ مل گئی۔ ابن زبیرؓ کے دو بیٹے (حمزہ اور خبیب) بھی دشمن کے کیمپ میں جا پہنچے۔ ابن زبیرؓ نے ایک اور بیٹے کو بھی اجازت دی کہ حجاج کے پاس جاکر جان بچالے لیکن اس نے باپ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

حجاج نے ابن زبیرؓ کو متواتر خطوط لکھے کہ میں تمہیں امان پیش کرتا ہوں۔ ان کے بھائی عروہ کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں لیکن ابن زبیرؓ نے قبول نہ کیا۔[۱]

ابن زبیرؓ کی شہادت : حضرت عبداللہ بن زبیر اپنی والدہ حضرت اسماؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اماں لوگ مجھ سے جدا ہوگئے ہیں۔ حتیٰ کہ بیٹوں اور گھر والوں نے بھی مجھے چھوڑ دیا ہے میرے پاس مٹھی بھر سپاہ ہیں اس کا حوصلہ بھی ٹوٹنے کو ہے۔ حریف مجھے منہ مانگی مراد دینے کو تیار ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے۔[۲]

حضرت اسماؓ کی عمر اس وقت تقریباً ایک سو برس کی تھی ان کی بینائی جاچکی تھی۔[۳] انہوں نے اپنے سعادت مند فرزند کو جو جواب دیا وہ ہر ماں کے لیے سرمایہ درس ہے۔ فرمایا' اگر تم جانتے ہو کہ میں حق پر ہوں اور حق کی دعوت دے رہا ہوں تو اپنا کام جاری رکھو' کیوں کہ حق کی خاطر تمہارے رفقاء نے جان دی اگر تم نے دنیا کے لیے جنگ برپا کی تھی تو بہت برا کیا اور خلق کو ناحق ہلاک کیا۔ اب اگر حق بجانب ہو کر بھی یہ کہتے ہو کہ میرے ساتھی چل دیے اور میری قوت ماند پڑگئی ہے تو یہ طریقہ احرار اور اہل دین کا نہیں۔ آخر کب تک زندہ رہوگے۔ عزت

۱۔ [illegible] ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ [illegible]

Marfat.com

سے جیو اور عزت سے مرو۔ ابن زبیرؓ نے کہا کہ دشمن میری موت کے بعد میرے بدن کو قطع کرے گا اور سولی پر آویزاں کرے گا۔ ماں نے جواب دیا' مرنے کے بعد بکری کی کھال کھینچی جائے تو اسے کچھ الم نہیں ہوتا۔ اپنی بصیرت سے کام لو اور اللہ سے مدد کی دعا کرو۔ ابن زبیرؓ بولے' میری بھی یہی رائے تھی آپ نے اسے پختہ کر دیا ہے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے بدن پر زرہ تھی۔ حضرت اسماءؓ نے یہ بھی اتروادی اور اللہ کو سونپا۔ [1] ابن زبیرؓ تلوار تھام کر آئے۔ کئی روز تک حجاج بن یوسف کی سپاہ پر شیرانہ حملے کرتے رہے۔ [2] آخر جام شہادت پی گئے۔ حجاج نے آپ کا سر عبدالملک کے پاس بھجوایا اور آپ کے جثہ کو بر سر عام سولی پر لٹکا دیا۔ حضرت اسماءؓ بیٹے کی نعش کے پاس گئیں۔ دیر تک ان کے لیے دعا کرتی رہیں۔ آپ کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ اتنے میں حجاج آگیا۔ حضرت اسماءؓ نے اس سے کہا کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ حجاج نے طنز سے جواب دیا۔ [3]

عبداللہ بن عمرؓ ابن زبیرؓ کی نعش کے پاس گئے اور کھڑے ہو کر اسے خطاب کیا' اے ابن زبیرؓ تو بڑا روزہ دار اور نماز گزار تھا اور اپنے قرابت داروں کے حقوق خوب پہچانتا تھا (اگر جیسا کہ تیرے دشمن کہتے ہیں) تو سب سے برا تھا تو یہ امت واقعی بہترین ہے (یعنی جس امت کا بدترین فرد تیری طرح ہے' اس کی برتری کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے) حجاج تک یہ الفاظ پہنچے تو نعش اتروا کر دفن کرا دی۔ [4] یہ سنہ ۷۳ ہجری کا واقعہ ہے۔

چند روز کے بعد حضرت اسماءؓ بھی وفات پا گئیں۔

ابن زبیرؓ کی ناکامی کے اسباب : عبداللہ بن زبیرؓ ایک نیک سیرت اور شستہ کردار انسان تھے۔ ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر اہل اسلام نے ان کی خلافت فوراً مان لی تھی۔ لیکن آپ کا نظام روز بروز بگڑتا گیا اور آپ مروانی سیاست سے مات کھا گئے۔ مروان اور عبدالملک اپنے مقبوضات بڑھانے کے لئے برابر ہاتھ پاؤں مارتے رہے تاہم آپ نے توجہ نہ دی۔ تا آنکہ حجاج کا لشکر اچانک آپ کے سر پر آموجود ہوا۔ حیرت ہوتی ہے کہ مختار کو بھی آپ نے ڈھیل دی اور جب تک عراق خطرہ میں گھر نہ گیا اس سے باز پرس نہ کی۔

مروانی سلطنت میں امن وامان تھا۔ لیکن حضرت ابن زبیرؓ کے دائرہ حکومت میں شور و شر بڑھتا جارہا تھا اور جمعیت پریشان ہو رہی تھی۔ ۶۸ ہجری میں حج کے موقع پر چار مختلف جھنڈے تھے آپ کے علم کے علاوہ عبدالملک مختار ثقفی اور خوارج کے علم بھی لہرا رہے تھے۔ مکہ آپکا صدر مقام تھا۔ وہاں اس قسم کے حالات دیکھ کر عوام میں آپ کے نظم و ضبط کا کمزور ہونا لازم تھا۔

اگر عبداللہ بن زبیرؓ مکہ میں ٹک کر بیٹھ نہ رہتے اور حکومت دمشق کے خلاف سرگرمی سے

۱۔ ابن اثیر۔ الامامۃ والسیاسۃ۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ [illegible] مسلم کتاب الحج۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

قدم اٹھاتے تو عین ممکن ہے کہ آپ اس پر غالب آتے لیکن شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو ایک جگہ سمٹ رہے تو کب تک موثر رہے گی۔ اگر بجائے اس کے کہ شامی افواج پیش قدمی کرتیں حجاز کے عساکر دمشق کے دروازہ پر ہتھیار بجاتے تو شاید ابن زبیرؓ کی ناکامی کا المناک سانحہ رونما نہ ہوتا اور تاریخ کی روداد مختلف ہوتی۔

حجاج بن یوسف : حجاج بن یوسف عبداللہ بن زبیرؓ کو راستہ سے ہٹانا یقیناً مشکل تھا لیکن شوریدہ سر عراقیوں کو ادب و اطاعت کا سبق پڑھانا مشکل تر تھا اس مشکل کو حل کرنے کے لیے عبدالملک نے اس آہنی شخصیت کو آگے بڑھایا جسے حجاج بن یوسف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسے بنو مروان کی تلوار کہیں تو بجا ہوگا۔

حجاج بن یوسف ۴۱ ہجری کے لگ بھگ پیدا ہوا۔ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف سے تھا۔ طائف میں کچھ عرصہ مدرس بھی رہا۔ ایک بلند پایہ ادیب تھا اور فصیح و بلیغ اور آتش بار خطیب تھا۔ بعض لوگ قرآن حکیم کے اعراب بھی اس سے منسوب کرتے ہیں لیکن یہ غلط ہے۔

حجاج کے بارے میں حکایت بتائی جاتی ہے کہ پیدائش کے بعد دودھ نہیں پیتا تھا۔ چار دن تک اسے خون پلاتے رہے۔ جب اس نے دودھ پینا شروع کیا۔ اس حکایت میں صداقت نظر نہیں آتی۔

حجاج بن یوسف کی بے خوفی اور حربی مہارت کی ایک جھلک ہم سابقہ صفحات میں دیکھ آئے ہیں۔ اب ایک گورنر کی حیثیت سے اس کی زندگی کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ بدرود ایک تاریخی شخصیت کی ادا سے ابھرتا ہے۔

عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو کوفہ اور بصرہ دونوں صوبوں کی ولایت سونپ دی اور سیدو سفید کا مالک کر دیا۔ اس نے اہل عراق کی شعلہ مزاجی کو تلوار کے پانی سے ٹھنڈا کیا اور اپنی قلمرو کو خارجیوں کے وجود سے صاف کیا۔

حجاج ۷۵ ہجری میں فقط بارہ سواروں کے ساتھ کوفہ آیا۔ عوام کو مسجد میں اکٹھا کیا۔ اس کا چہرہ عمامہ میں مستور تھا۔ لوگ پہچان نہ سکے۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی عام والی ہے۔ جیسا کہ عراق والوں کا وتیرہ تھا انھوں نے کنکریاں اٹھائیں کہ اس کے منہ پر ماریں۔ اتنے میں حجاج اٹھا اور چہرے سے کپڑا سرکایا۔ لوگ سہم گئے۔

اے عراق والو! شقاق و نفاق والو اور برے اخلاق والو! میری بڑی تمنا تھی کہ تم سے سروکار پڑے۔ کل میرا کوڑا گم ہو گیا اور اس کے عوض (تلوار دکھا کر) یہ کوڑا لیا ہے۔ کتنے ہی سر دیکھتا ہوں جو پک گئے ہیں اور ان کے چننے کا وقت آ گیا ہے۔ عماموں اور داڑھیوں پر خون چلتا نظر آتا ہے۔ میں مستعد ہوں۔ تم بھی مستعد ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم بڑے کے عوض چھوٹے کو اور غلام

ا۔ مسعودی: ۳: ۱۳۲۔ ۲۔ ابن کثیر، جلد ۹، ص ۸۔

Marfat.com

کے عوض آزاد کو پکڑوں گا۔ اور طرح کوٹوں گا ....

یہ سن کر لوگوں کے ہاتھوں سے کنکریاں گرنے لگیں۔

حجاج نے تقریر جاری رکھی اور کہا:

عبدالملک نے اپنا ترکش پھیلا کر ایک ایک تیر کو جانچا اور مجھے سب سے کڑا اور تیز پایا اور تمہاری طرف پھینکا۔ تم نے مدت سے شر کی وضع اختیار کی ہے اور بغاوت کی راہیں تراشی ہیں۔ اب کمر باندھ لو اور درست ہو جاؤ۔

اللہ کی قسم! حق پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ ورنہ تم پر تلوار کی وہ چوٹ لگاؤں گا جو عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دے گی' یہاں تک کہ تم باطل سے کٹ جاؤ اور اس کی محبت سے باز آ جاؤ۔ اگر نافرمانوں کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو نہ ملک فتح ہوں' نہ دشمن کا مقابلہ ہو اور نہ سرحدوں کی حفاظت ہو سکے۔ نافرمانوں کو جبراً جنگ پر نہ بھیجا جائے تو خوشی سے کبھی نہ جائیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مہلب کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اس کی نافرمانی اور مخالفت کر کے شہر میں لوٹ آئے ہو۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آج سے تین روز بعد مہلب کے لشکر کا ایک آدمی بھی میں نے دیکھا تو اس کا سر اڑا دوں گا اور اس کا گھر لوٹ لوں گا۔ [1]

خطبہ کے بعد حجاج نے عبدالملک کے فرمان کی خواندگی کا حکم دیا۔ پڑھنے والے نے جب السلام علیکم پڑھا تو جواب میں کوئی آواز سنائی نہ دی۔ حجاج کڑک کر بولا' اے لاٹھی کے غلامو! امیرالمومنین سلام کہہ رہے ہیں اور تمہاری طرف سے جواب نہیں آتا۔ واللہ! میں تمہارے طور بدل دوں گا۔ پھر قاری سے کہا' پڑھو' قاری نے جب دوبارہ السلام علیکم پڑھا تو سب مجمع نے آواز ملا کر پکارا۔

سلام اللہ علیٰ امیرالمومنین و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

(امیرالمومنین پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمت اور برکات ہوں)

ایک بوڑھا شخص جنگ سے معافی چاہنے کے لئے کھڑا ہوا اور بولا کہ میں ضعیف ہوں۔ حجاج نے اسے وہیں مروا دیا۔

حجاج کی ایک ہی گرج نے عراق کے لاڈلوں کو حکم کا بندہ بنا دیا۔ لوگ بھاگم بھاگ گھروں سے نکلے اور مہلب کی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پر بڑا اژدحام ہو گیا۔ [2]

اس کے بعد حجاج بصرہ گیا۔ ایک ہی تقریر سے بصرہ والوں کے بل بھی نکال دیے اور اہل فوج کو مہلب کے پاس جانے کا حکم دیا۔ ایک شخص کو بیماری کے عذر پر بشر بن مروان نے معذور گردانا تھا۔ اس نے اپنا عذر پیش کیا۔ حجاج نے اس کی گردن کٹوا دی۔ سب لوگ سیدھے ہو گئے۔ [3]

۱۔ خطبہ ابن کثیر اور ابن اثیر سے مقتبس ہے۔ ۲۔ ابن ا... ۳۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر

Marfat.com

خوارج : عراق میں خوارج کے روز افزوں ہنگامے برپا تھے۔ ان کے لئے عبدالملک اور ابن زبیرؓ کی کش مکش خوب سازگار تھی۔ یمامہ میں ان کی ایک نئی جماعت نے جنم لیا جس کا پیشوا بحدہ حروری تھا۔ خوارج نے فارس' عراق' بحرین اور یمن وغیرہ میں خوب جڑیں پھیلائیں۔ مہلب بن ابی صفرہ ابن زبیرؓ اور عبدالملک دونوں کے عہد میں خوارج کی بیخ کنی پر مامور رہا۔

مہلب بن ابی صفرہ نے ابن زبیرؓ کے عہد میں خوارج کو جگہ جگہ زک دی' لیکن یہ سخت جان مخلوق مٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ عبدالملک نے ان کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر اہتمام کیا۔ اس نے مہلب کی مدد پر چیدہ چیدہ جرنیل بھیجے۔ خوارج کا زور ٹوٹتا نظر آیا۔ لیکن اتنے میں بشر بن مروان والی عراق نے انتقال کیا۔ خوارج کے خلاف زیادہ تر عراق کی فوجیں مامور تھیں۔ بشر کا ان پر بہت دبدبہ تھا۔ اس لئے مہلب کے تحت فرائض انجام دیتے رہے۔ لیکن انہوں نے بشر کی موت کا سنا تو گھروں میں لوٹ آئے۔ مہلب کے پاس جو فوج رہی وہ بہت ناکافی تھی۔

بشر بن مروان کا عہدہ حجاج بن یوسف کو ملا۔ اس نے آتے ہی عراق والوں پر ایسی دھاک بٹھائی کہ مہلب کو چھوڑ کر جس قدر لوگ واپس آئے تھے سب فوج میں حاضر ہو گئے۔

پے درپے کامیابیوں نے حجاج کا دماغ بہت چڑھا دیا تھا۔ ادھر تو لوگوں کو مہلب کی مدد پر ابھارنا شروع کیا اور ادھر فوج کی تنخواہیں گھٹا دیں۔ ایک سردار عبداللہ بن جارود نے اس تخفیف کو برا مانا۔ چند دیگر روساء نے اس کا ساتھ دیا۔ ابن جارود کے تحت ایک بہت بڑا لشکر [illegible] اور اس نے حجاج کو عراق سے نکالنے پر کمر باندھ لی۔ ۷۶ ہجری میں ایک جنگ ہوئی۔ حجاج کا لشکر قلیل تھا جنگ چھڑی تو ابن جارود ظفریاب ہوتا نظر آیا۔ لیکن ایک ناگہانی تیر کھا کر گرا اور دم توڑ دیا۔ حجاج نے فتح پائی۔ اب وہ پوری توجہ خوارج پر مبذول کر سکتا تھا۔

ان دنوں کوفہ اور اس کے نواح میں خارجیوں کے سرغنہ شبیب کا دور دورہ تھا۔ حجاجی دور میں ایک عبادت گزار شخص صالح نام نے بنو امیہ کے مظالم کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا اور شبیب کا معاون ہو گیا۔ صالح جلد مارا گیا۔ لیکن خوارج کو اس سے بہت تقویت ہوئی۔

حجاج نے شبیب کے خلاف کئی دستے بھیجے۔ انھوں ہر بار منہ کی کھائی اور بہت جانیں ضائع گئیں۔ ایک دن شبیب کوفہ میں داخل ہو گیا۔ کئی روساء کو قتل کیا اور شہر پر رعب بٹھا کر واپس چلا گیا۔ حجاج نے ایک ممتاز جرنیل عبدالرحمان بن اشعث کو اس کے خلاف روانہ کیا اور کہا کہ تم ہار کر آئے تو سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ شبیب نے بجائے برسر میدان آنے کے ایسی جنگی چالیں چلیں کہ عبدالرحمان تھک کر رہ گیا۔ اتنے میں عید کے ایام آ گئے۔ عبدالرحمان نے شبیب کی ساتھ عارضی صلح کر لی۔ حجاج نے اسے معزول کر کے عثمان کو مامور کیا۔ عثمان ایک معرکہ کے دوران میں شبیب کی تلوار کا شکار ہو گیا۔

Marfat.com

شاہی فوج کی مسلسل شکستوں کو دیکھ کر لوگ بددل ہونے لگے۔ حجاج نے عبدالملک کو عریضہ لکھا کہ شبیب عراق کے شہروں پر چھا گیا ہے۔ کوفہ کی فوج اس سے عاجز ہے۔ شام سے کمک بھیجو۔ عبدالملک نے چھ ہزار فوج روانہ کی۔

حجاج نے پچاس ہزار کی سپاہ شبیب کے خلاف بھیجی۔ شبیب کی کل سات سو سپاہ نے اسے شکست دی۔ شبیب کوفہ کے سر پر آدھمکا۔ حجاج خود مقابلہ کو نکلا۔ عراقیوں کے بس میں ہوتا تو حجاج کی شکست کہیں نہ گئی تھی لیکن شامی فوج کی وفاداری کام دے گئی۔ شبیب پسپا ہوا۔ حجاج نے تعاقب میں لشکر بھیجے اور کوفہ کے نواح میں جھڑپیں ہوئیں۔ شبیب کا پلہ بھاری تھا۔ حجاج نے مدد کے لئے عبدالملک سے ایک اور اپیل کی۔ اس کی کمک آنے پر نئے سرے سے معرکہ آرائی ہوئی۔ شامیوں نے بھی دل چھوڑ دیا' لیکن شبیب اچانک دریا میں گر کر مر گیا۔ اس کے فرقہ کا زور ماند پڑ گیا اس کی لاش کو دریا سے نکال کر دل دیکھا گیا تو پتھر کی طرف سخت تھا۔

مہلب خوارج کے فرقہ ازارقہ سے الجھا ہوا تھا۔ اس نے سارا فارس ان کے ہاتھ سے چھین کر مجوس کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن پھر اٹھارہ ماہ تک اس کی پیش قدمی رکی رہی۔ اتنے میں حالات نے یاوری کی۔ ازارقہ میں اختلاف اٹھا اور وہ دو گروہ ہو گئے۔ مہلب نے ایسی تدبیریں کرائیں کہ ان کا اختلاف باہمی جنگ میں بدل گیا۔ اب ان کی گوشمالی آسان تھی۔

افریقہ : یزیدی حکومت کے آخری ایام میں افریقہ پر ایک باغی سردار کسیلہ بن کرم نے رومیوں کی مدد سے قبضہ جما لیا تھا۔ اسلامی حکومت اندرونی خلفشار کے سبب سے ایک مدت تک ادھر توجہ نہ دے سکی۔ آخر ۶۹ ہجری میں عبدالملک نے زہیر بن قیس کو یہ مہم اٹھانے کا حکم دیا۔ اس نے کسیلہ کی بیخ کنی تو کر لی لیکن اس دوران میں رومیوں نے برقہ پر قابض ہو کر وہاں کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے۔ زہیر کی فوج قلیل تھی۔ تاہم برقہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کی تمام فوج کام آ گئی پانچ برس تک حکومت ان علاقوں پر توجہ نہ دے سکی۔

عبدالملک نے ۷۳ ہجری میں ابن زبیرؓ سے فارغ ہونے کے بعد حسان بن نعمان کو افریقہ پر بھیجا۔ اس نے قرطاجنہ کا شہر فتح کیا۔ اور آس پاس کے علاقے زیر کئے۔ ان دنوں جبل اوراس میں بربر کی ایک ظالم ملکہ حکمران تھی۔ وہ کاہنہ تھی۔ کاہنہ فوج لے کر حسان کے مقابل ہوئی۔ اسلامی فوج نے بہت نقصان اٹھایا۔ حسان شکست کھا کر مصر واپس چلا آیا اور کاہنہ نے کل افریقہ پر تسلط قائم کر لیا۔

عبدالملک ان دنوں خوارج کے کانٹوں میں الجھا ہوا تھا۔ وہاں سے فراغت پائی تو حسان کو مدد بھیجی۔ حسان نے لاؤ لشکر سے کاہنہ پر حملہ کیا۔ کاہنہ نے دیکھا کہ مشکل ہے تو علاقہ کی تخریب شروع کر دی تاکہ مسلمان ملک کو ویران دیکھ کر پلٹ جائیں۔ رعیت اس سے پہلے ہی بددل تھی۔

Marfat.com

اب دشمن ہو گئی۔ حسان جہاں جہاں پہنچا لوگ خود بہ خود اطاعت کرتے گئے۔ کاہنہ نے بالآخر جنگ کی طرح ڈالی۔ اور ایسا معرکہ چھڑا گویا فنا کا دن ہے۔ کاہنہ تاب نہ لا سکی اور بھاگی لیکن گرفتار ہو کر ماری گئی۔ اس کے ملک پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔

رتبیل اور ابن اشعث کی بغاوتیں : سیستان کا ترک فرماں روا رتبیل (ر ت ب ی ل) اسلامی حکومت کے عارضی اضطراب کا سہارا لے کر باغی ہو بیٹھا۔ سیستان کے پر پیچ اور دشوار گزار پہاڑوں میں بیرونی فوج کے لئے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا۔ اس لئے شروع میں اسلامی فوج نے بہت نقصان اٹھایا۔ اس سلسلہ میں تین مہمیں بھیجی گئیں جن کا ذکر درج ذیل ہے :

(ا) بجستان کے نائب والی عبداللہ بن امیہ نے ۷۱ھ ہجری میں سیستان پر حملہ کیا۔ رتبیل اہل اسلام سے مرعوب تھا۔ عبداللہ نے اس کے علاقہ میں جوں ہی قدم رکھے رتبیل نے صلح کے لئے سفیر بھیجا اور بہت بڑی رقم کی پیش کش کی۔ عبداللہ نے انکار کیا۔ رتبیل نے یہ چال چلی کہ اس کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیا۔ عبداللہ فتح کے سرور میں بڑھتا گیا۔ رتبیل نے اس پر ناکے بند کر دیئے۔ عبداللہ نے رتبیل سے خواہش کی کہ اس کا راستہ کھول دیا جائے' لیکن رتبیل نے مطالبہ کیا کہ تین لاکھ درہم نقد دو اور یہ عہد کرو کہ آئندہ ہمارے علاقے پر چڑھائی نہ کرو گے۔ عبداللہ مان گیا۔ عبدالملک کو اس بات کی خبر لگی تو اسے معزول کر دیا۔ سلطنت سے بگاڑ پیدا کرنے کی کھل کر جرات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خراج پیش کرتا رہا لیکن بارہا انکار بھی کر دیتا تھا۔

۷۹ ہجری میں حجاج نے بجستان کے والی عبیداللہ بن ابی بکرہ کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ جب تک اس کے ملک کو خوب غارت نہ کر لو' قلعے گرا نہ دو اور لوگوں کو اسیر نہ کر لو واپس نہ آنا۔ عبیداللہ نے کوفہ اور بصرہ کی افواج لے کر سیستان پر چڑھائی کی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ رتبیل نے اسے بلا مقابلہ بڑھنے دیا۔ عبیداللہ اس کے صدر مقام کے قریب جا پہنچا۔ رتبیل نے ان اس پر وادیاں اور گھاٹیاں بند کر دیں۔ اسلامی افواج کے اوسان خطا ہو گئے۔ عبیداللہ نے [illegible] جانا چاہی لیکن اس کے ایک سالار شریح بن ہانی نے اصرار کیا کہ شہادت کا موقع ہاتھ سے [illegible] جا[illegible]ئے۔ عبیداللہ ماننے کو تیار نہ ہوا تو شریح نے اہل فوج کو پکارا کہ میرے ساتھ آ کر شہادت میں [illegible]و۔ صرف چند رضا کاروں نے لبیک کہا۔ شریح انہیں کو لے کر دشمن کے لشکر میں گھس [illegible] تقریباً سارا دستہ کام آیا۔ باقی فوج واپس ہوئی۔ جہاں جہاں سے گزرے علاقے کے لوگ کھانے لے کر حاضر ہوئے۔ جس نے کھانا کھایا وہ عدم کو سدھارا۔ ان کھانوں میں زہر تھا۔ اب لوگ محتاط ہو گئے اور بچی کھچی فوج خراب و خستہ واپس ہوئی۔[1]

---

[1] ابن اثیر۔

Marfat.com

اس مہم کی ناکامی حجاج کے لئے بہت الم ناک تھی۔ اس نے عبدالملک سے پھر فوج کشی کی اجازت لی۔ ہجری میں کوفہ اور بصرہ سے چالیس ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اس کو سامان حرب سے خوب لیس کیا۔ اس کی امارت عبدالرحمان بن محمد بن اشعث کو سونپی۔ عبدالرحمان نے بجستان پہنچ کر لوگوں کو جہاد پر ابھارا۔ اور مزید فوج بھرتی کر کے رتبیل کے علاقہ میں لاؤ لشکر کے ساتھ داخل ہوا۔ رتبیل کو خبر لگی تو سفیر بھیج کر معذرت کی اور خراج کی پیش کش کی لیکن ابن اشعث نہ مانا۔

رتبیل نے ابن اشعث کے ساتھ بھی سابقہ مہمانوں کا داؤ کرنا چاہا۔ لیکن ابن اشعث محتاط تھا۔ وہ سنبھل کر چلا۔ جو علاقہ یا قلعہ فتح کرتا وہاں ایک امیر مقرر کرتا اور اس کو ضرورت بھر فوج دے دیتا۔ واپسی کے راستہ میں اس نے جگہ جگہ دستے مامور کر دیئے تاکہ دشمن گھات نہ لگا سکے۔ باغی علاقہ کو جی بھر کر تاراج کیا اور فیصلہ کیا کہ اب پلٹ جانا چاہیئے۔ اگلے برس آ کر رہی سہی کسر نکالیں گے۔ اس سال کی فتوحات سے فوج کا حوصلہ بڑھ جائے گا اور اس دوران میں علاقہ کی دیکھ بھال کر کے اس کے راستوں سے ہم خوب واقف ہو جائیں گے۔ اس نے حجاج کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ حجاج نے ابن اشعث کو سخت جواب دیا کہ تمہارا خط ایک ایسے آدمی کا خط ہے جو صلح کا خواہشمند ہے اور مصالحت کر کے جان چھڑانا چاہتا ہے اور جس نے قلیل اور ذلیل دشمن سے ساز باز کر لی ہے۔ فوراً بڑھو اور دشمن کو تباہ و برباد کرو۔ اس کے بعد اسی مضمون اور انداز کا ایک اور خط لکھا۔ پھر تیسرا خط لکھا کہ میرا حکم بجا لاؤ تو بہتر ورنہ کمان اپنے بھائی کے حوالے کر دو۔ [1]

عبدالرحمان بن محمد بن اشعث کندہ کا سردار تھا۔ اس کی بہن میمونہ حجاج کے بیٹے محمد کے عقد میں تھی۔ عبدالرحمان عقل و خرد، مردانگی، فصاحت اور حسن کی دولت سے مالا مال تھا۔ شروع میں اس کے تعلقات حجاج سے بہت اچھے تھے۔ لیکن بعد میں ان بن ہو گئی۔ حجاج کہا کرتا تھا کہ میں اسے جب بھی دیکھتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ اس کا سر اڑا دوں۔ ادھر ابن اشعث اس فکر میں تھا کہ حجاج کی حکومت کا تختہ الٹ دے۔

حجاج نے ابن اشعث کو اس مہم پر مجبوراً بھیجا تھا کیوں کہ اور کوئی اہل آدمی نظر نہ آتا تھا۔ اس نے جب ابن اشعث کو امیر لشکر کیا تو اسے رائے دی گئی کہ ابن اشعث تم سے بغاوت کرے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے نہ بھیجو۔ لیکن حجاج کو اپنے رعب و داب کا اتنا گھمنڈ تھا کہ وہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ابن اشعث اس کے مقابل اٹھنے کی جرآت کرے گا۔

ابن اشعث کے پاس حجاج کے پے درپے تین تلخ خطوط پہنچے تو اسے ناگوار ہوا۔ اس نے فوج کو جمع کر کے خطاب کیا:

---

[1] ابن اثیر۔

Marfat.com

اے لوگو! میں تم سے خلوص رکھتا ہوں۔ تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تمہارے بھائی اس علاقے میں کل موت کی آغوش میں چلے گئے۔ میں جلد بازی کر کے تمہیں دشمن کے علاقہ میں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن حجاج مجھے کمزور گردانتا ہے اور کہتا ہے کہ دشمن کے علاقہ میں بے دریغ گھس جاؤ۔ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ فوج نے کہ اکہ ہم اللہ کے دشمن حجاج کی بیعت توڑ کر تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ فیصلہ ٹھہرا کہ پہلے عراق پر حملہ کر کے حجاج کو وہاں سے نکالا جائے۔

عبدالرحمان نے رتیل سے دوستانہ صلح کر لی اور فوج کو لے کر عراق کی طرف بڑھا۔

عبدالرحمان کے اعلان بغاوت کو عوام نے بہت مسرت سے لبیک کہا۔ جوش و خروش سے اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو گئے۔ گویا بند ٹوٹا اور بھرا ہوا دریا پھوٹ بہا۔ حجاج کے ظلم و ستم سے عوام کا پیمانہ صبر پہلے ہی لبریز تھا۔ اب ان دنوں اس نے تازہ قہر یہ کیا تھا کہ ملک کا خراج بڑھانے کے لئے نو مسلموں پر جزیہ لگایا اور انہیں شہروں سے نکل کر دیہات میں آباد ہونے کا حکم دیا۔ یہ لوگ شہر سے نکلے تو حیران دور ماندہ تھے کہ کدھر کو جائیں۔ ناچار روتے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد کرتے تھے۔

وقت کے بڑے بڑے ائمہ مثلاً امام شعبی اور سعید بن جبیر نے حجاج کے خلاف فتوے دیے اور عوام کے جذبات میں حجاج کے خلاف ایک تلاطم برپا ہو گیا۔

اہل عراق کی ناراضی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ ان پر شامی فوج کو فوقیت حاصل تھی۔ شامیوں کی تنخواہیں زیادہ تھیں۔

عبدالرحمان کے پیروؤں نے پہلے صرف حجاج کی بیعت توڑی تھی' لیکن اب حجاج کے مربی عبدالملک کی بیعت بھی فسخ کر دی۔

حجاج نے عبدالملک کو صورت حال سے آگاہ کیا اور کمک مانگی۔ عبدالملک نے فوج روانہ کی۔ لیکن ان کا راستہ میں بچ کر حجاج کے پاس سالم پہنچنا مشکل تھا۔ اس لئے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیوں میں مسافرانہ انداز میں برید کے ساتھ آئے۔

عبدالرحمان اور حجاج کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ عبدالرحمان نے بصرہ فتح کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہزیمت اٹھائی۔ پھر کوفہ کا رخ کیا اور اس پر قابض ہو گیا۔ کوفہ کے قریب دیر جماجم کے مقام پر متواتر معرکے ہوئے۔ لیکن نتیجہ خیز نہ تھے۔ ان کے ہمراہ دو لاکھ فوج تھی۔ یہ ۸۲ ہجری کا قصہ ہے۔

عبدالملک عراقیوں کے آگے جھکنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ اگر تم اطاعت کر لو تو حجاج معزول کر دوں گا۔ تمہاری تنخواہیں شامی تنخواہوں کے برابر ہو جائیں گی اور ابن اشعث

Marfat.com

جس علاقہ کی حکومت چاہے گا عمر بھر کے لئے دے دوں گا۔ ابن اشعث اس پیش کش کو قبول کرنے کے حق میں تھا۔ لیکن فوج نے انکار کر دیا۔

حجاج اور ابن اشعث کے درمیان پھر جنگوں کا ایک طویل سلسلہ چھڑ گیا۔ حجاجی فوج میں رسد کی کمی کا یہ حال تھا کہ گویا محصور تھے لیکن آخر حجاج کا عزم عراقیوں کے انبوہ پر غالب آیا۔ عبدالرحمان نے بصرہ کا رخ کیا ور پندرہ روز کی جنگ کے بعد ہزیمت اٹھاتا ہوا رتبیل کے علاقہ میں چلا گیا۔

عبدالرحمان کو رتبیل کی دوستی کا بھروسا تھا۔ رتبیل اس سے وفا کرنا چاہتا تھا لیکن حجاج کی ہیبت اتنی مسلط ہو چکی تھی کہ رتبیل کو اپنی فکر پڑ گئی۔ حجاج نے اسے پیغام بھیجے کہ ابن اشعث کو میرے حوالے کر دو' ورنہ میرے شاہ سوار تمہاری زمین کو روند ڈالیں گے۔ رتبیل نے ۸۵ ہجری میں اپنے بدنصیب مہمان کا سر حجاج کے پاس بھیج دیا۔

عراق کی یہ ہمہ گیر بغاوت ایک طویل عرصہ تک رہی بے شمار جانوں کا زیان ہوا۔ یہی ایک واقعہ حجاج کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن وہ ایسی خولایا تھا جسے دنیا کا انقلاب بدل نہیں سکتا تھا۔ اس کو خون کی اور چاٹ لگی۔ اور حریفوں سے چن چن کر بدلے لئے۔ حضرت سعید بن جبیر ۹۴ ہجری میں بعد ولید گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے بے دردی سے ان کی گردن کٹوا دی۔

ماوراء النہر: مہلب بن ابی صفرہ نے ۸۰ ہجری میں نہر بلخ (سیحون) کو عبور کیا اور کش اور ختل کے علاقے فتح کیے۔ دو برس بعد یہاں سے لوٹا تو راستہ میں مرو کے مقام پر وفات پائی۔ وہ اپنے بیٹے کو جانشین کر گیا۔ حجاج نے اس تقرر کو منظور کر لیا۔ دو برس بعد ۸۴ ہجری میں ترکوں سے پھر چپقلش ہوئی۔ یزید نے باذغیس کے ترکی سردار نیزک سے اس کا قلعہ چھین لیا۔ یہ قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ نیزک جب اسے دیکھتا تو سجدہ کرتا تھا۔ اگلے برس یزید کے جانشین مفضل نے باذغیس کا سارا علاقہ زیر نگیں کر لیا' اور شومان تک جا پہنچا۔[1]

رومی محاذ: عبدالملک نے ۷۰ ہجری میں قیصر روم کی پیش قدمی کو خراج کے وعدہ سے ٹالا تھا۔ اگلے برس پھر جنگ چھڑ گئی۔ مسلمانوں نے قیساریہ واپس لے لیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً معرکے ہوتے رہے۔ ۷۹ ہجری میں رومیوں نے انطاکیہ پر حملہ کر کے قبضہ جما لیا۔ مسلمانوں نے ۸۴ ہجری میں ان سے انتقام لیا اور مصیصہ کا شہر فتح کر لیا۔[2]

بحیرہ روم کی فتوحات: عبدالملک کے عہد میں بحیرہ روم میں سلسلہ اور صقلیہ کے جزیرے فتح ہوئے۔[3]

ولی عہدی: مروان نے عبدالملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ الامامۃ والسیاسۃ

Marfat.com

عبدالملک نے عبدالعزیز کا نام ہٹا کر اپنے بیٹوں کو جانشین کرنا چاہا۔ لیکن سمجھانے بجھانے پر یہ ارادہ چھوڑ دیا۔ آخر عبدالعزیز کی ناگہانی موت نے اس کا ہاتھ بٹایا۔ اس نے ولید اور سلیمان کی ولی عہدی کا اعلان کیا اور ان کے لئے بیعت حاصل کر لی۔

حضرت سعید بن مسیب تابعی نے مدینہ میں ولید اور سلیمان کی بیعت سے انکار کیا۔ اور کہا کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں ہم دوسرے خلیفہ کی بیعت نہیں کریں گے عبدالملک کا بیٹا ہشام یہاں گورنر تھا۔ اس نے حضرت سعید پر سختی کی اور انہیں کوڑے پڑوائے' تاہم وہ اپنے موقف سے نہ ہٹے۔[۱]

وفات : عبدالملک نے ۱۵ شوال ۸۶ ہجری کو وفات پائی اور دمشق میں دفن ہوا۔ مرنے سے پہلے اس نے اولاد کو وصیت کی کہ حجاج کی تکریم کرنا۔ اس نے ملک تمہارے زیر نگیں کئے ہیں اور اعداء کی گردنیں جھکا دی ہیں۔[۲]

اوصاف و اخلاق : عبدالملک کو علم و فضیلت میں بہرۂ وافر ملا تھا۔ ملک داری کی مصروفیتوں نے اسے گھیر نہ لیا ہوتا تو اس کا شمار دنیائے علم کے ممتاز تاجداروں میں ہوتا۔ قرآن خوانی کا بہت دل دادہ تھا۔ جس وقت اسے خلافت کا مژدہ ملا وہ قرآن حکیم گود میں رکھے تلاوت میں مصروف تھا۔ اسے بند کر کے کہا۔ هذا فراق بيني و بينك (لو میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے) اب آئندہ قرآن خوانی کے لئے پہلا سا وقت نکالنا مشکل ہو گا۔

عبدالملک ایک بلند حوصلہ' ذہین و فطین اور معاملہ فہم حکمران تھا۔ وہ ایک بہت مدبر سیاست دان تھا جس وقت تخت پر بیٹھا اس کے پاس فقط مصر و شام کے صوبے تھے۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور درجہ بدرجہ کل عالم اسلامی کی زمام سنبھال لی۔

عبدالملک جب اہل شام کا لشکر لے کر روانہ ہوا تو راستہ میں ایک رات نہایت وحشت ناک خبریں ملیں۔ لیکن عبدالملک جیسا اس رات شگفتہ و خنداں تھا ویسا کبھی نہ تھا۔[۳]

بنو امیہ کی حیلہ جوئی اسے ورثہ میں ملی تھی۔ اس حیلہ سے عمرو بن سعید کا کام تمام کیا اور مصعب بن زبیر کی فوج کے ایک کثیر حصہ پر فسوں کر کے عین ہنگامہ کار زار میں اپنی طرف کھینچ لیا۔

عبدالملک طبعاً برا نہ تھا۔ اگر وہ حجاج بن یوسف کو رعیت پر مسلط نہ کرتا تو ایک محبوب بادشاہ ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حجاج نے جب خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب انسؓ بن مالک سے گستاخانہ سلوک کیا تو ان کی شکایت پر عبدالملک نے طیش میں آکر حجاج کو ایک تہدید آمیز خط لکھا اور حکم دیا کہ پیدل جا کر ان سے معافی مانگو۔ اسی طرح جب مدینہ کے حاکم نے حضرت سعید بن مسیب کے ساتھ سختی کی تو اسے بھی ایک سخت خط لکھ کر ڈانٹا۔ لیکن حق یہ

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ہم نے یہ روایت مسعودی سے باختصار لی ہے۔ اس نے [illegible] کی جو نوعیت بتائی ہے۔ ان میں بعض تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔

Marfat.com

ہے کہ کاغذ کے یہ دو بے اثر پرزے تاریخ کی بے لاگ عدالت میں اسے امراء کے مظالم سے بمشکل بری کرا سکیں گے۔

سیاست ملوکانہ کے تقاضے نہ ہوتے تو عبدالملک کا دامن بے داغ ہوتا۔ اس کے ذاتی کردار میں بعض نہایت دلفریب جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وہ مظلوموں اور دکھیوں کے احوال سن کر زار و قطار روتا تھا۔ بارہا خوف الٰہی سے لرزاں دیکھا گیا۔ ایک دفعہ برسر منبر رو کر کہا' اے اللہ تعالیٰ! میرے گناہ عظیم ہیں۔ لیکن تیرا ادنیٰ عفو بھی ان سے عظیم تر ہے۔ اے اللہ اپنے قلیل عفو کے ساتھ میرے گناہوں کو مٹا ڈال۔ حسن بصری تک یہ الفاظ پہنچے تو انہوں نے آب دیدہ ہو کر فرمایا' اگر کوئی کلام حروف زر میں لکھنا ہو تو میں یہ الفاظ لکھوں۔ ایک بار عبدالملک سے کسی نے پوچھا' کون آدمی افضل ہوتا ہے؟ جواب دیا جس نے بالادستی کے وقت انکسار کیا۔ صاحب مقدرت ہو کر زہد اختیار کیا اور قوت کے وقت انتقام سے درگزر کیا۔[1]

ایک دفعہ اس کے ہاتھ سے ایک فلس (پیسہ کے برابر سکہ) گندے کنوئیں میں گر پڑا۔ اس نے تیرہ دینار (اشرفیاں) خرچ کر کے نکلوایا۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ فلس پر اللہ عزوجل کا نام ہے۔[2]

عبدالملک کے عہد پر تبصرہ

دولت امویہ کا بانی ثانی

نظام حکومت : عبدالملک نے حریفوں کو میدان سے ہٹا کر بلا شرکت غیرے مملکت اسلامیہ پر حکومت قائم کی اور اس کا نظام پختہ کیا۔ اموی حکومت کے اولین بانی حضرت معاویہؓ ہیں۔ لیکن ان کے پوتے کے بعد اس حکومت کے قدم بالکل اکھڑ گئے تھے۔ مروان نے نئے سرے سے اس کی طرح ڈالی۔ لیکن وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ گیا تھا۔ عبدالملک کو دولت امویہ کا بانی ثانی کہیں تو بجا ہو گا۔ اس کے بعد سیاسی پالیسی بجائے حضرت معاویہؓ کے زیادہ تر اسی کے انداز پر رہی۔

نظم و ضبط : عبدالملک کا طرز حکومت اور نظام کار کم و بیش وہی تھا جو حضرت معاویہؓ کے عہد میں تھا۔ ایک نمایاں فرق البتہ یہ تھا کہ لوگ جس آزادی سے حضرت معاویہؓ بلکہ بعد کے حکمرانوں کو بھی مخاطب کرتے تھے عبدالملک نے اس کی بندش کر دی اور حکم دیا کہ میرے حکم کے جواب میں زبان نہ ہلاؤ۔ اگرچہ عبدالملک کی عام روش معتدل تھی لیکن دربار کے اجلاس میں اپنے رعب و داب کی کمی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس نے نئے سرے سے حکومت قائم کی تھی' اس لئے قانون اور نظم و ضبط کے معاملہ میں سخت تھا۔ بنو امیہ میں وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے مظلوموں کی فریاد سننے کے لئے ایک الگ دن مقرر کیا۔[3] امن دشمن عناصر کی اس سے ہمت

---

[1] ابن کثیر۔ [2] ابن کثیر۔ [3] ماوردی احکام السلطانیہ

Marfat.com

ں ..ں۔ یہ اس قدر پسندیدہ اقدام تھا کہ بعد میں بھی جاری رہا۔ عباسی دور میں خلیفہ معتدی (۲۰۰۔۲۰۶ھ) تک اس پر عمل ہوتا رہا۔

عبدالملک سے پہلے عمال خود سر ہو گئے تھے۔ رشوت خوری عام تھی۔ عبدالملک نے عمال کے خلاف تحقیقات کی اور رشوت کا مال اگلوایا۔

دفتری بندوبست : حضرت معاویہؓ کے عہد میں جو محکمے قائم تھے ان کو کامل تر کیا۔ برید کو اور وسعت دی۔

عربی زبان : عبدالملک نے دفتری نظام میں بہت اصلاحیں کیں۔ دفتری اصلاحات کے سلسلہ میں عبدالملک کا یہ ممتاز کارنامہ ہے کہ اس نے کل صوبوں میں دفاتر کو عربی میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے قبل عجم، شام اور مصر میں مردم شماری اور وظائف کے کاغذات عربی میں تھے اور مالیات کے مقامی زبان میں۔ عبدالملک نے عربی کو واحد زبان قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حاکمانہ مناصب عربوں کے پاس تھے، لیکن دفاتر کی کارگزاری مقامی عملے کے ذمے ہوتی تھی۔ ان میں کئی غیر مسلم بھی تھے۔ عرب حاکم مقامی زبانوں سے نابلد ہونے کی وجہ سے دفتری دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ اس لئے بدعنوانیاں ہو جاتی تھیں۔ عبدالملک نے اس کے سدباب کے لئے یہ تجویز کی کہ سب دفاتر میں عربی زبان رائج کی جائے۔ ان دنوں عراق حجاج بن یوسف کے تحت تھا۔ اس نے اس کام کی نگرانی کی اور صالح کاتب کے ذمے یہ خدمت سپرد کی۔ اہل عجم نے صالح کو ایک لاکھ درہم کی پیش کش کی اور کہا کہ تم اس کام سے معذری کا اظہار کر دو۔ صالح نہ مانا اور اس مشکل کام کو آسان کر کے دم لیا۔ [1]

شام اور مصر کے دفاتر پر عربی کا قبضہ کب ہوا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ مصر کے دفاتر میں عربی کا دخل غالباً ولید کے زمانے میں ہوا اور شامی دفاتر میں غالباً ہشام کے عہد میں۔ لیکن اس کارنامے کی ابتداء کا سہرا بہرحال عبدالملک کے سر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کی ابتداء سب صوبوں میں عبدالملک کے حکم سے ہوئی۔ اور فارسی دفاتر تو یقیناً اس کی زندگی ہی میں عربی میں منتقل ہو گئے۔

عربی زبان کے دفاتر پر چھا جانے سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ عربی کی اشاعت بڑھی اور دوسرے یہ کہ سرکاری زبان ایک ہو گئی۔ سرکاری زبان کے ایک ہونے سے مختلف صوبوں کے درمیان ربط اور یک جہتی تیزی سے بڑھنے لگی۔ لیکن اس کے کچھ نقصانات بھی تھے۔ مثلاً بعض مقامی لوگوں کو رنجش ہوئی کہ ان کی مادری زبان کی بے قدری ہوئی ہے۔ مالیات کے دفاتر میں جو مقامی ملازمین تھے ان کی کمائی جاتی رہی۔

مالیات : عبدالملک کے عہد کا غالب حصہ جنگ و جدل میں گزرا۔ اس لئے خزانے پر بہت بوجھ

[1] ابن اثیر۔ ابن الندیم۔ بلاذری۔ جہشیاری کتاب الوزراء صفحہ ۳۸، اعلان التوبیخ سخاوی۔

Marfat.com

رہا۔ عبدالملک ایسا مدبر شخص ادھر سے بے فکر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اخراجات کے معاملہ میں اتنا محتاط تھا کہ اس کا نام رشح الحجارہ یعنی پتھرزا کا پسینہ پڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا کنجوس خلیفہ تھا۔ اس کے عہد میں خزانہ بھرنے پر اس قدر توجہ تھی کہ نو مسلموں پر جزیہ لگایا گیا۔ حجاج نے اتنی شدت کی کہ عراق کی مالی حالت الٹا خراب ہو گئی۔

مالیات کے سلسلہ میں عبدالملک نے جو اصلاحات کیں ان میں ایک نمایاں اصلاح ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اس نے مالیات کا دفتر عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ دوسری اصلاح اسلامی سکے کی ٹکسال قائم کرنا ہے۔ اسلامی ممالک میں پہلے رومی سکہ رائج تھا۔ عبدالملک کا قاعدہ تھا کہ مکاتیب میں قل ھو اللہ احد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا سرنامہ لکھواتا تھا۔ قیصر روم نے اعتراض کیا اور کہا کہ اگر تم اپنے خطوط میں یہ الفاظ لکھوانا نہ چھوڑو گے تو ہم بھی اپنے سکوں پر ایسی تحریریں کندہ کرائیں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔ عبدالملک نے اس دھمکی کا جواب یہ دیا کہ رومی سکہ خلاف قانون قرار دے دیا۔ اور ۷۶ ہجری میں درہم و دینار کی ٹکسال قائم کی۔[۱] سب سے پہلے عراق میں حجاج کے زیر اہتمام ٹکسال بنی اور اس کے بعد دیگر ولایات میں۔ جو لوگ اپنے طور سے سکے ڈھالتے تھے انہیں کڑی سزا ملتی تھی۔[۲] پہلے درہموں کا وزن ایک نہیں تھا۔ عبدالملک نے پانچ مثقال (یعنی اونس) وزن مقرر کیا۔[۳]

ان اصلاحات سے کئی فائدے مرتب ہوئے۔ مثلاً پرائے سکوں پر بھروسا رکھنے میں یہ خرابی تھی کہ ایک لحاظ سے اغیار کا اقتصادی دباؤ قائم تھا۔ وہ اپنی مرضی سے سکوں کے وزن میں کمی بیشی کر سکتے تھے اور ملاوٹ کر کے مسلمانوں کو گھاٹا دے سکتے تھے۔ اندرون ملک میں بھی بعض عیار لوگ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ عبدالملک نے فریب کاری کے یہ سب رخنے بند کر دیے۔

زراعت : عبدالملک کے عہد میں عراق کے علاقہ میں زراعت کی طرف بہت توجہ ہوئی۔ لیکن حجاج کے مظالم اور مسلسل رزم آرائی کی وجہ سے زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ حجاج نے کئی نہریں کھدوائیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک صاحب سعد بن عمرو نے ایک نہر کی کھدائی کا آغاز کرایا تھا۔ راہ میں چٹان آ گئی تو اسے ادھورا چھوڑ دیا۔ حجاج نے اس کی تکمیل کرائی۔ اس کا نام بانی اول کے نام سے نہر سعد بن عمرو ہی ہے۔[۴]

حجاج نے اور بھی کئی نہریں کھدوائیں۔ مثلاً نہر الصین، نہر النیل، نہر الزابی وغیرہ۔[۵]

متفرق کارنامے : ۱۔ عبدالملک نے حضرت سعید بن جبیر سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھوائی۔[۶]

۲۔ جامع اقصیٰ : عبدالملک نے جامع اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کی تعمیر کرائی۔ دونوں کے فرش پر

۱۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ ۲۔ خضری۔ ۳۔ ماوردی باب السابع صفحہ ۶۸۔ ۴۔ بلاذری صفحہ ۲۷۴۔ ۵۔ بلاذری صفحہ ۲۹۔
۶۔ میزان الاعتدال ذہبی ذکر عطا بن دینار۔

Marfat.com

رنگین مرمر بچھوایا۔ قبہ پر منبت کاری اور تزئین کا بے نظیر کام ہوا۔ اس میں نگینے اور جواہر جڑے گئے۔ سونے چاندی کا بے دریغ استعمال ہوا چمک دمک سے اس پر نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تھی۔[۱] گویا جادو کا محل ہے۔

مسجد اور قبہ میں سونے چاندی کی قندیلیں وغیرہ فراہم کیں۔ خوشبو کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ زائر اپنے علاقوں میں واپس جاتے تو کئی روز تک ان کے لباس سے خوشبو آتی۔[۲]

۳۔ شہروں کی آبادی

ا۔ واسط : عبدالرحمان بن اشعث کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے حجاج نے شام سے فوج منگوائی۔ اسے عراقی آبادی سے دور رکھنے کے لئے ایک نئی چھاؤنی کی ضرورت ہوئی۔ حجاج نے اس مقصد سے ۸۳ ہجری میں واسط کا شہر آباد کیا۔[۳] حجاج نے یہاں ایک سبز گنبد بنوایا جس کا بہت شہرہ تھا۔ یہ گنبد مدت تک قائم رہا۔[۴]

ب۔ مدینتہ الثیل : یہ شہر بھی حجاج نے بسایا۔[۵]

۴۔ سرحدی تحفظات : عبدالملک نے شامی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ مصیصہ کا قلعہ از سرنو تعمیر کیا اور اس میں سپاہ آباد کی۔

مکہ میں بند کی تعمیر : ۸۰ ہجری میں مکہ میں ایک عظیم سیلاب آیا جس نے کعبہ کو گھیر لیا۔ اور کئی حاجیوں کو بہا کر لے گیا۔ عبدالملک نے ایک نصرانی انجینئر کو بھیج کر سیلاب کے انسداد کے لئے ایک مضبوط بند بندھوایا۔ ہر کوچہ کے دہانہ پر ایک بند کی تعمیر کی۔ نشیبی مکانوں اور مسجد حرام کی پختگی کی خاطر پشتے بنوائے۔[۶]

کعبہ کی تعمیر نو : کعبہ کی عمارت کی کچھ جگہ اپنی اصل بنیادوں پر نہیں تھی کیوں کہ اسلام سے قبل جب قریش نے اس کی از سرنو تعمیر کی تو خرچ کی کمی کی وجہ سے عمارت کو قدرے تنگ کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ دروازہ کو انہوں نے اصل سطح سے اوپر رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ درستی کر دی جائے لیکن مصلحت وقت دیکھ کر ارادہ چھوڑ دیا۔[۷]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کے دوران میں کعبہ کی عمارت کی اصل بنیادوں کو بحال کیا۔ عبدالملک کی باری آئی تو اس نے اسے گرا کر دوبارہ عہد نبوی کی بنیادوں پر تعمیر کرایا۔

کعبہ کی تاریخ کے نقطہ نگاہ سے یہ ایک اہم واقعہ ضرور ہے لیکن ہم اسے عبدالملک کا کوئی کارنامہ شمار نہیں کر سکتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ : قرآن حکیم کے اعراب کو حجاج بن یوسف اور اس کے واسطہ سے عبدالملک سے منسوب کرنا درست نہیں۔ یہ خدمت حضرت علیؓ کے شاگرد ابوالاسود دولی اور ان کے شاگردوں نصر بن عاصم اور یحییٰ بن عمر نے انجام دی۔ اعراب کو آخری اور موجودہ شکل عباسی عہد میں ملی۔[۸]

ا۔ ابن کثیر ۶۶ ہجری۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ مسعودی ذکر منصور۔ ۴۔ بلاذری صفحہ ۲۹۰۔ ۵۔ فتوح البلدان۔ ۶۔ فتوح البلدان صفحہ ۵۳۔ ۷۔ صحیح مسلم کتاب الحج۔

Marfat.com

ولید بن عبدالملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ ۷۰۵ تا ۷۱۳ء

عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید جانشین ہوا۔ ولید کو ایک وسیع، مستحکم اور بے شورش مملکت ورثہ میں ملی۔ وہ اپنے باپ کے برعکس علم سے بالکل کورا تھا۔ عربی بھی صحیح نہیں بول سکتا تھا لیکن جہانداری کے فن میں صاحب کمال تھا۔

قتیبہ اور وسط ایشیا کی فتوحات : ماوراء النہر (جیحوں پار یا وسط ایشیا) کا علاقہ کوہستانی، سنگلاخ اور پیچ در پیچ ہے۔ ان دنوں یہ سر زمین متعدد مقامی حکمرانوں پر بٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسلامی حکومت کا اقتدار قبول کر لیا تھا۔ ان کے علاقوں میں جو مسلمان آباد تھے ان کے امور کی نگہداشت کی خاطر والی خراسان کی طرف سے عمال مقرر تھے۔[۱]

ولید کے تخت نشین ہوتے ہی حجاج بن یوسف نے یزید بن مہلب کی جگہ قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا والی بنایا۔ ماوراء النہر پر یزید کا بہت دبدبہ تھا۔ اس کی معزولی پر یہاں کے باشندوں نے جگہ جگہ بغاوت کر دی۔ قتیبہ نے ان کی گوشمالی کی۔ اس کے کارناموں کی روداد درج ذیل ہے۔

ترکستان : ۸۶ ہجری میں قتیبہ بن مسلم بلخ کے قریب پہنچا۔ دہقان تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ دریا کو عبور کیا تو صغانیاں کے بادشاہ نے پیشوائی کی اور سونے کی چابیاں پیش کیں اور آگے بڑھا تو شومان وغیرہ کے بادشاہ اطاعت کے لئے حاضر ہوئے۔ قتیبہ طخارستان اور صغانیان کے صوبوں کو بغیر خوں ریزی کے زیر کر کے واپس آیا اور مرو میں مقام کیا۔ اس کے بھائی صالح نے فرغانہ تک کا علاقہ سر کر لیا۔ ۸۷ ہجری میں بادغیس کے امیر نیزک طرخاں نے مصالحت کی۔ اس کے پاس جو مسلمان قیدی تھے واپس کر دیے۔

۸۷ ہجری میں قتیبہ نے بیکند کے شہر پر حملہ کیا۔ آس پاس کے ترک بیکند والوں کی مدد کو آئے اور تمام راہیں بند کر دیں۔ دو ماہ تک قتیبہ ان کے پھندے میں پڑا رہا اور اس کو کوئی خبر نہ آئی۔ آخر اس نے جان پر کھیل کر بیکند کو فتح کیا اور صلح کر لی۔ واپس ہوا تو بیکند والوں نے مسلمان عامل اور اس کے ساتھیوں کو مار ڈالا۔ قتیبہ نے دوبارہ لشکر کشی کی اور دشمن کی سپاہ کو تہ تیغ کر دیا۔

۸۸ ہجری میں خاقان چین کا بھانجا سغد، اہل فرغانہ اور ترکوں کا دو لاکھ کا لشکر لے کر قتیبہ کے مقابلہ کو آیا اور شکست کھا گیا۔ اگلے دن قتیبہ نے دریا کو پار کیا۔ سغد کے علاقے اور کش اور نسف وغیرہ کو زیر کر کے بخارا کو جا چھوا۔ لیکن وہاں سے ناکام واپس آیا۔ ۹۰ ہجری میں پھر

۱۔ ہسٹری آف سیراسنز سید امیر علی

Marfat.com

بخارا پر فوج کشی کی۔ جنگ ہوئی تو اب کے بھی مسلمان دبنے لگے۔ اور اپنے خیموں تک پسپا ہو گئے۔ مستورات نے رو رو کر غیرت دلائی۔ مجاہدین نے یکبارگی پلٹ کر ایسا ریلا کیا کہ اہل بخارا کے قدم اکھڑ گئے اور بھاگ کر دریا کی دوسری جانب پہنچے۔ اہل اسلام کی مختصر سی جماعت نے دریا عبور کر کے ان سے جنگ کی اور فرار کی راہ دکھائی۔[۱]

نیزک کو قتیبہ کی روز افزوں کشور کشائیوں سے اندیشہ ہوا اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے کئی پڑوسی حکمرانوں کو بھی اکسایا۔ قتیبہ گو شالی کو پہنچا تو ایک ایک ترک حکمران نے ہتھیار ڈال دیے۔ نیزک ایک دشوار گو ... میں حفاظت سے بیٹھ گیا۔ قتیبہ کو اس کے قلعہ تک پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ سخت متحیر ہوا۔ آخر ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا جس نے اسے قتیبہ کے پاس معافی چاہنے کو آمادہ کیا۔ نیزک قتیبہ کے پاس خود حاضر ہوا اور معافی کی درخواست کی۔ اب وہ معافی کا حق دار نہ تھا۔ اس کی گردن مار دی گئی۔[۲]

سمر قند : سمر قند کا شہر وادی صغد[۳] کا دل تھا۔ یہاں کی سرسبزی عجب بہار دیتی تھی۔ آبادیاں گھنے اور بلند درختوں میں ستر پوش تھیں۔ باشندے آتش پرست ترک تھے اور وہ بھی صغد کہلاتے تھے۔

صغد کا اہل اسلام سے معاہدہ تھا۔ لیکن انہوں نے خلاف ورزی کی اور قتیبہ کے خلاف کئی مہموں میں حصہ لیا۔ قتیبہ نے مجبوراً ۹۳ ہجری میں سمر قند پر حملہ کیا اور شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ اہل صغد کی درخواست پر ہمسایہ ممالک سے ملوک و امراء کے بیٹے گراں لشکر لے کر سمر قند والوں کی مدد پر روانہ ہوئے۔ ابھی وہ راہ میں تھے کہ قتیبہ کے بھائی صالح نے رات کے وقت ان سے جنگ کی۔ کئی شہزادے کام آئے۔ اور ان کی فوج فرار ہو گئی۔

اہل سمر قند کو معلوم ہوا تو شکستہ دل ہوئے۔ مسلمانوں نے شہر کی فصیل میں شگاف ڈال دیا۔ ناچار اہل سمر قند نے ۲۲ لاکھ مثقال (اونس) سونے کے سالانہ خراج کے عوض اطاعت کر لی۔[۴]

شہر میں بڑے بڑے قدیم بت تھے۔ صغد کا عقیدہ تھا کہ جو شخص ان کو آگ لگائے گا ہلاک ہو جائے گا۔ قتیبہ کو یہ بتایا گیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے آگ لگائی۔[۵]

۹۴ ہجری میں قتیبہ نے فرغانہ تک کا علاقہ تسخیر کر لیا۔

اطاعت چین : خاقان چین اہل ترکستان کا پشت پناہ تھا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف کمک بھیجتا تھا۔ قتیبہ نے ۹۶ ہجری میں اس کی خبر لینے کا ارادہ کیا۔ فرغانہ سے ایک لشکر روانہ ہوا جس نے چین کے سرحدی شہر کاشغر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ شاہ چین نے لکھا کہ مذاکرات کے لئے سفیر بھیجو۔

۱۔ ابن اثیر ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ صغد کو سین کے ساتھ یعنی سغد بھی لکھا جاتا ہے۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر

Marfat.com

قتیبہ نے دس آدمیوں کا ایک وفد ہیرہ کی قیادت میں روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہارے ملک کو پامال نہ کر دوں' تمہارے سلاطین پر مہریں نہ لگا لوں اور جزیہ وصول نہ کر لوں واپس نہ جاؤنگا۔ خاقان چین نے وفد سے کہا کہ تم نے میرے ملک کی وسعت اور میں نے تمہاری قلت دیکھ لی۔ خیریت درکار ہے تو واپس چلے جاؤ صفراء نے جواب دیا' وہ لوگ کیونکہ قلیل ہو سکتے ہیں جو تمہاری سرحد سے لے کر زیتون کے باغوں (یعنی سرزمین شام) تک پھیلے ہوئے ہیں۔ رہی تمہاری دھمکی تو ہم موت کے وقت کو مقرر جانتے ہیں اور قتل کو اشرف ترین موت سمجھتے ہیں۔ موت کو نہ ہم ناپسند کرتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے ہیں۔[۱]

خاقان یہ جملے سن کر جی چھوڑ بیٹھا۔ خراج پیش کیا اور اہل اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی۔

محمد بن قاسم اور فتح سندھ: جزیرہ یاقوت (سراندیپ) کے بادشاہ نے عراق کی طرف آٹھ بحری جہاز روانہ کئے۔ ان میں حجاج کے لئے قیمتی تحائف تھے۔ ساتھ چند خواتین تھیں جو حج کی نیت سے جا رہی تھیں۔ ان کے علاوہ عرب کی چند یتیم لڑکیاں تھیں جن کے باپ تاجر تھے اور جزیرہ سراندیپ میں وفات پا چکے تھے۔ جہاز دیبل (کراچی) کے قریب پہنچے تو سندھ کے قزاقوں نے چھاپہ مارا۔ جہازوں کو لوٹا اور خواتین کو ساتھ لے گئے۔ ایک خاتون نے بلند آواز سے فریاد کی "یا حجاج"! حجاج کو خبر ملی تو اس نے پکار کر کہا' یا لبیک۔ حجاج نے سندھ کے راجہ داہر کو لکھا کہ خواتین ہمارے حوالے کرو۔ اس نے جواب بھیجا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جن پر میں قدرت نہیں رکھتا۔[۲]

ناچار حجاج نے ولید کی اجازت حاصل کر کے سندھ پر لشکر بھیجنے شروع کیے۔ پہلی دو مہمیں ناکام رہیں۔ اب اس نے ۸۹ ہجری میں اپنے چچیرے بھائی اور داماد محمد بن قاسم حاکم فارس کو روانہ کیا۔ محمد بن قاسم کا سن صرف سترہ برس تھا۔ لیکن مردانگی اور لیاقت میں کسی سے کم نہ تھا۔ اس کے ساتھ چھ ہزار شامی فوج کے علاوہ مزید لشکر بھی تھا۔[۳] اس مہم کے لئے حجاج نے پوری تیاری کی۔ تاگے اور سوئی تک کا اہتمام کیا۔ سرکہ میں بھگو کر سکھائی ہوئی روئی تیاری کی تاکہ ضرورت پڑے تو تر کر کے سرکہ نچوڑ لیا جائے اور پکانے کے کام آئے۔[۴]

اسلحہ اور آلات جنگ وغیرہ سفینوں میں لاد کر سمندر کی راہ سے بھیجے۔ محمد بن قاسم نے خود بری سفر اختیار کیا۔ دیبل پہنچا تو سفینے بھی کنارے آ لگے۔ دیبل کو محصور کر لیا۔ محمد بن قاسم اپنے ساتھ منجنیق لایا تھا جس میں پانچ سو آدمی کام کرتے تھے۔ شہر میں ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس پر لکڑی کا ایک اونچا ستون تھا۔ اس کے سرے پر ایک عظیم سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا۔[۵] اس پر منجنیق سے سنگ باری کی گئی۔ ستون گر گیا۔ اہل شہر نے اسے بدشگونی سمجھا اور سراسیمہ ہو گئے۔ انہوں نے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن ٹھہر نہ سکے اور دوبارہ محصور ہو گئے۔ مسلمان سیڑھیاں لگا

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ فتوح البلدان بلاذری۔ فتح نامہ سندھ (چچ نامہ)۔ ۳۔ فتوح البلدان بلاذری فتح نامہ سندھ۔ ۴۔ بلاذری۔ ۵۔ بلاذری۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

کر فصیل پر چڑھے اور اندر داخل ہو گئے۔ داہر کا عامل بھاگ نکلا اور شہر فتح ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے یہاں ایک مسجد تعمیر کی اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آباد کی۔[1] جن مسلمانوں کو جہازوں سے اسیر کیا گیا تھا ان میں سے اکثر یہیں سے ملے۔[2] راجہ داہر کی راجدھانی اندرون ملک میں تھی۔ محمد بن قاسم نے ادھر کا رخ کیا۔ مقامی لوگوں کی کم حوصلگی اور باہمی افتراق نے نوجوانوں اور بلند اقبال فاتح کی راہ سہل کر دی۔ جو راجے مہاراجے راہ میں پڑے وہ خود حاضر ہو کر فرمان کے بندے بن گئے۔ ابن قاسم نے نیرون (موجودہ حیدر آباد) اور اس کے گرد و نواح کے علاقے دیکھتے ہی دیکھتے تسخیر کر لئے۔ چار ہزار جاٹ ابن قاسم کی فوج میں شامل ہو گئے اور کئی امراء اسلام لائے۔[3]

محمد بن قاسم نے دریا کے غربی کنارے سفر جاری رکھا۔ راجہ داہر نے ایک فوج مقابلہ کے لئے بھیجی، جو شرقی ساحل پر تھی۔ محمد بن قاسم نے دریا عبور کرنا چاہا لیکن ہندوستانی فوج نے پل نہ باندھنے دیا۔ اسی انتظار میں ایک مدت گزر گئی۔ اسلامی فوج میں رسد اور غلہ کی بہت کمی ہو گئی یہاں تک کہ بعض دفعہ فوجی ضرورت کے جانور ذبح کر کے کھانے پڑے۔ حجاج کو حالات معلوم ہوئے تو دو ہزار کی کمک بھیجی اور مناسب ہدایات روانہ کیں۔ محمد بن قاسم نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں پاٹ کم تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ کشتیوں کو جو مقامی امراء نے مہیا کی تھیں ایک پل کی شکل میں جوڑا۔ اس کا ایک سرا مغربی ساحل سے باندھا۔ کشتیوں میں سپاہ بٹھائی اور پل کو بہاؤ کے ساتھ ریلا تو دوسرا مشرقی کنارے سے جا لگا۔ مجاہدین کے دشمن کے محافظ دستے پر تیروں کی بارش کر دی۔ وہ بھاگ نکلے۔ انہوں نے پل کو ساحل سے باندھا اور اتر کر غنیم کی فوج پر جا پڑے۔ فوج نے ہمت چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ ہلالی پرچم ہولے ہولے مراد کے کندھوں پر سوار بڑھتا چلا گیا۔ راستہ میں داہر کا بیٹا جیسیہ یعنی جے سنگھ مزاحم ہوا۔ لیکن اس کے قدم بھی ایسے اکھڑے کہ جم نہ سکے۔[4]

محمد بن قاسم نے جے پور میں خیمے لگائے۔ تقریباً ایک فرسنگ کی راہ پر داہر داد عیش دے رہا تھا۔ اس نے محمد بن قاسم کے خلاف یکے بعد دیگرے دو لشکر بھیجے۔ مگر دونوں شکست کھا گئے۔ اب وہ خود ایک گراں لشکر لے کر مقابل ہوا۔ پیدل فوج کے علاوہ دس ہزار ایسی سپاہ اس کے ہمراہ تھی جو سرتاپا لوہے میں غرق تھی۔ ہاتھیوں کی صفیں الگ تھیں۔ دو روز جنگ ہوئی۔ دوسرے دن بہت خوفناک معرکہ ہوا۔ مجاہدین جانوں پر کھیل گئے۔ ہاتھیوں کا علاج یہ کیا کہ ان پر تیل کی آگ برسائی۔ داہر ایک سفید ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کی عماری میں آگ لگ گئی۔ ہاتھی بھاگا اور دریا میں ڈبکی لگا کر واپس آیا۔ داہر بہادری کے جوہر دکھاتا ہوا مارا گیا۔ محمد بن قاسم نے اس کا سر کٹوا کر عراق بھیجا۔ داہر سوائے ایک کے باقی سب رانیوں کو ساتھ لایا تھا اور سپاہیوں کو حکم دیا

۱۔ بلاذری ابن اثیر۔ ۲۔ چچ نامہ۔ ۳۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ چچ نامہ۔ ۴۔ چچ نامہ۔ بلاذری نے داہر کے بیٹے کا نام جیسیہ لکھا ہے۔ اور چچ نامہ کے مصنف نے جیسے۔

Marfat.com

تھا کہ میں مارا جاؤں تو ان کا کام تمام کر دینا تاکہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ نہ آئیں۔ ایک رانی نے کسی طرح جان بچا لی۔ محمد بن قاسم نے اس سے نکاح کر لیا۔ اس کا نام لادی تھا۔[۱]

داہر کی آخری رانی نے راور میں قلعہ بند ہو کر فاتحین سے قسمت آزمائی کی۔ جب بے آس ہو گئی تو مال و متاع جلا ڈالا اور کنیزوں سمیت ستی ہو گئی۔[۲]

جیسیہ برہمن آباد میں ڈیرے ڈالے مدافعت کے سامان کر رہا تھا۔ داہر کا وزیر سیاکر اس کے ہمراہ تھا۔ سیاکر بددل ہو کر محمد بن قاسم سے آملا۔ وہ اپنے ہمراہ باقی ماندہ مسلمان عورتوں کو بھی لایا جن کی پکار نے عرب شاہسواروں کو سندھ کی راہ سجھائی تھی۔ جیسیہ بھاگ نکلا۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ چھ ماہ کے بعد اہل شہر نے امان حاصل کر کے ہتھیار ڈال دیے۔[۳]

ابن قاسم شہر پر شہر لیتا ملتان کے دروازے پر جا رکا۔ یہاں کے راجہ نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آخر شہر نشین ہو گیا۔ محاصرہ پر ایک طویل مدت گزر گئی۔ شہر میں رسد کی بہت قلت ہوئی لیکن محصورین نے ہمت نہ ہاری۔ شہر کے اندر ایک نہر جاتی تھی۔ محمد بن قاسم نے اسے بند کرا دیا۔ لوگ پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو گئے تو امان لے کر ہتھیار ڈال دیے۔[۴]

ملتان بدھوں کا مقدس شہر تھا۔ یہاں بہت نذرانے آتے تھے۔ مسلمانوں کو اس جگہ بے شمار دولت ہاتھ آئی۔ آٹھ گز چوڑا اور دس گز لمبا ایک کمرہ تھا جو سونے سے پر تھا۔[۵] سالہا سال سے اس میں دولت جمع ہو رہی تھی۔

محمد بن قاسم نے ملتان سے ایک دستہ قنوج کی طرف روانہ کیا۔[۶]

محمد بن قاسم نے اہل سندھ کے ساتھ نہایت رواداری کا ثبوت دیا۔ اس کے حسن سلوک اور عدل و انصاف ہی کا اثر تھا کہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے داہر کے بڑے بڑے امراء نہ صرف محمد بن قاسم کے حامی ہوئے بلکہ ان میں سے اکثر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اخیر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابن قاسم آگے بڑھتا تو مقامی باشندے ڈھول اور قرنا بجاتے اور ناچتے اس کے استقبال کو آتے تھے۔

محمد بن قاسم نے رعیت نوازی اور عوام کی خبر گیری کی ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ سیاکر اپنا وزیر اور مشیر بنایا۔ مالیات کا سابقہ نظام بحال رکھا اور ہندوؤں کو اس شعبہ میں مامور کیا۔ برہمنوں کا بہت احترام کیا۔ ان کی شان میں فرق نہ آنے دیا۔ انہیں شکستہ مندروں کی تعمیر کی اجازت دی اور ملازمتیں دیں۔ ان سے جس قدر عہد کیے تھے نبھائے۔

اسلامی فوج نے کوئی چھینا جھپٹی نہ کی۔ سوائے جنگ جو افراد کے کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ تبدیل مذہب میں قطعاً جبر نہیں کیا۔ جاگیریں بحال رکھیں اور ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا۔[۷]

رومی محاذ: شام کی سرحدوں پر ہمیشہ روما کی نگاہ حرص رہتی تھی۔ ولید نے اس خطرے کی پیش

۱۔ بلاذری چچ نامہ۔ ۲۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ ۳۔ چچ نامہ۔ ۴۔ بلاذری۔ چچ نامہ۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ چچ نامہ۔ ۷۔ محمد بن قاسم کے سلوک کے بارے میں چچ نامہ کے جستہ جستہ مقامات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

Marfat.com

بندی کے لئے اپنے بھائی مسلم اور اس کے تحت اپنے بیٹے عباس کو مامور کیا۔

رومیوں کے ساتھ مسلسل معرکے رہے۔ شاید ہی کوئی سال خالی جاتا ہو۔ مسلمہ نے ۸۷ ہجری میں مصیصہ کا قلعہ لیا۔ اگلے برس طوانہ فتح کیا۔ اس کے بعد اور آگے بڑھا اور یکے بعد دیگرے کئی شہر تسخیر کئے۔ ۹۴ ہجری میں انطاکیہ سر کیا اور اگلے سال ہرقلہ پر پرچم لہرا دیا۔ ۱۔

موسیٰ بن نصیر: ولید نے ۸۹ ہجری میں افریقیہ کی ولایت حسان بن نعمان کی جگہ موسیٰ بن نصیر کو سونپ دی۔ موسیٰ کے والد نصیر ایک عجمی غلام تھے جن کو خالدؓ بن ولید جنگ میں گرفتار کر کے لائے تھے۔ نہایت قابل تھے۔ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے جنگ کرنے کے لئے صفین کی طرف چلے تو نصیر نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت معاویہؓ اس جوہر قابل کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لئے اس بات کو دل میں جگہ نہ دی۔ ۲۔

موسیٰ نے ۱۹ ہجری میں جزیرہ کے علاقہ میں ولادت پائی۔ موسیٰ حضرت معاویہؓ کے عہد میں بحری جنگوں کا قائد رہا۔ ۳۔ عبدالملک کے دور میں افریقیہ کے ایک حصہ کا حاکم تھا۔ ۴۔

موسیٰ افریقیہ کا والی ہوا تو بربر نے خیال کیا کہ یہ نیا گورنر حسان کی طرح ضبط نہیں رکھ سکے گا۔ انہوں نے شورش بپا کر دی۔ موسیٰ نے ان کے اندازوں کو غلط ثابت کیا اور افریقیہ کے اس سرے سے اس سرے تک بجلی کی طرح کوند گیا۔ ۸۹ ہجری میں ان کا دارالملک طنجہ (ط ن ج ہ) فتح کیا۔ اور مسلمانوں کی آبادی قائم کی۔ اس نے ایک ایک بربری کو امن و اطاعت کے آداب سکھائے۔ موسیٰ تلوار کا دھنی ہی نہ تھا، دعوت حق کا علمبردار بھی تھا۔ اس نے معلم اور مبلغ مامور کیے جن کی بدولت افریقیہ میں نہایت تیزی سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ۵۔

بربر کی بغاوت کوشی کے تین سبب تھے خوارج، رومی اور اہل اندلس۔ موسیٰ نے رومی اثر و رسوخ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ ان کے آئے دن کے حملوں کے انسداد کے لئے میورقہ اور منورقہ کو فتح کر کے مملکت اسلام کا جزو بنا لیا۔ ۶۔ اس نے سپین کو زیر نگیں کیا۔

فتح اندلس۔ اسباب۔: (۱) افریقیہ کے ساحلی علاقہ پر سپین کا قبضہ تھا۔ موسیٰ نے افریقیہ کو تسخیر کیا تو سپینی مقبوضات بھی اس کے تصرف میں آ گئے شاہ اندلس کو اس بات کا رنج ہوا۔ بربر نے جب بغاوت کی تو اس نے جہازوں میں غلہ اور کمک بھیجی۔ ۷۔

(۲) سپین کے سیاسی اور معاشی حالات ناگفتہ بہ تھے۔ سپین کا بادشاہ زردیق (راڈرک ۸۔) غاصب تھا۔ سابق بادشاہ غیطشہ (Witiza) کے لڑکے چاہتے تھے کہ کسی طرح اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ ۹۔ ان کا سپین میں خاصا اثر تھا جو اندر ہی اندر راڈرک کے خلاف کام کر رہا تھا

(۳) سپین کے مظلوم یہود بھاگ کر افریقیہ میں پناہ لیتے تھے انہوں نے طارق کے حملہ سے

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ مقری صفحہ ۱۷۱۔ ابن اثیر۔ ۳۔ النجوم الزاہرہ ۱۹ھ۔ ۴۔ انبار الطوال دینوری جلد ۱، صفحہ ۳۳۳۔
۵۔ مقری۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ ۶۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ۸۹۔ نجوم ۔ ۷۔ مقری صفحہ ۱۲۳، ۱۲۳۔ ۸۔ RODERIC
۹۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (مقالہ سپین)

Marfat.com

سترہ برس قبل سپین کی عیسائی حکومت کے خلاف ایک پر زور تحریک چلائی تھی۔ عین ممکن ہے انہوں نے موسیٰ بن نصیر کو حملہ کی ترغیب دی ہو۔

(۴) راڈرک اخلاقاً بہت گرا ہوا تھا۔ اس وقت کے یورپ کے دستور کے موافق اس کے محل میں امراء کی لڑکیاں زیر تربیت تھیں۔ ان میں ایک امیر جولین نام کی ناکتخدا لڑکی بھی تھی۔ جولین افریقیہ کی اندلسی ولایت سبتہ (Ceuta) کا گورنر تھا۔ راڈرک نے اس کی بیٹی کی عصمت لوٹ لی۔ اس نے باپ سے شکایت کی۔ جولین غصہ سے بے تاب ہوگیا لیکن مجبور تھا' بادشاہ کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ وہ موسیٰ کے پاس آیا۔ سپین کے حالات اور دفاع کی خامیوں سے آگاہ کر کے اسے فتح کا یقین دلایا۔[۱] جولین کی پشت پر غیطشہ کے لڑکے بھی تھے[۲] کیونکہ وہ غیطشہ کا داماد تھا۔

موسیٰ نے ولید سے اجازت طلب کی۔ اس نے لکھا کہ اہل اسلام کو ہولناک سمندر میں نہ ڈالو۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان کوئی وسیع سمندر نہیں بلکہ خلیج سی ہے جس کے پار کا علاقہ ادھر سے نظر آتا ہے۔ ولید نے حکم دیا کہ دستے بھیج کر پہلے حالات کی تحقیق کرلو۔[۳]

واقعات۔ موسیٰ نے سب سے پہلے ۹۱ ہجری میں طریف کو جولین کے ہمراہ روانہ کیا کہ سپین کے حالات بچشم خود دیکھے' اہل سپین کی طاقت کا اندازہ کرے اور اس بات کا مشاہدہ کرے کہ جولین واقعی وفادار ہے۔ طریف چار سو پیدل اور ایک سو اسپ سوار لشکر کے ہمراہ روانہ ہوا۔ سپین کے اخبار وکوائف فراہم کیے۔ اہل سپین سے جنگ آزمائی کی اور مال غنیمت لے کر لوٹا۔ اس کے بعد موسیٰ نے مزید تحقیق کے لیے ایک ہزار کا لشکر ابوزرعہ کے تحت روانہ کیا۔ وہ ساحلی علاقے کو پامال کر کے کامران واپس آیا۔[۴]

موسیٰ نے مہم کی مکمل تیاری کی اور اپنے تربیت یافتہ غلام طارق کو رجب ۹۲ ہجری میں سات ہزار بربر اور تین سو عرب فوج کی معیت میں سپین روانہ کیا۔[۵]

طارق کے اوائل زندگی کے بارے میں صحیح معلومات میسر نہیں بعض کہتے ہیں کہ فارس کا رہنے والا تھا لیکن بربر اسے اپنا ہم قوم بتاتے ہیں۔[۶]

طارق کی مہم کے لیے جہاز جولین نے فراہم کیے۔[۷] طارق نے ساحل سے چل کر پہلا پڑاؤ سمندر کے وسط میں ایک پہاڑی پر ڈالا جو اس کے نام سے آج تک جبل الطارق (جبرالٹر) کہلاتی ہے۔ پھر آگے بڑھ کر سپین کے ساحل پر اترا۔ راڈرک ان دنوں کسی مہم پر سپین کی شمالی سرحدوں پر تھا۔ اس کے نائب تدمیر نے اطلاع کی۔ راڈرک فوراً واپس آیا۔[۸]

راڈرک نے زیور پہنے اور ایک لاکھ فوج زیر کمان لے کر طارق کے مقابلہ کو آیا۔ ۱۹ جولائی ۷۱۱ عیسوی کو دریائے لکہ (یا بکہ[۹]) کے کنارے تصادم ہوا۔ اس وقت تک طارق کو پانچ ہزار

۱۔ مقری۔ ابن اثیر۔ ۲۔ انسائیکلوپیڈیا (مقالہ سپین)۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ مقری۔ ۵۔ مقری۔ ابن اثیر۔
۶۔ مقری صفحہ ۱۸۱۔ ۷۔ مقری۔ ۸۔ مقری۔ ۹۔ ابن [illegible]۔

Marfat.com

کی مزید کمک موسیٰ کی جانب سے پہنچ چکی تھی۔ ایک لاکھ کی آراستہ و پیراستہ فوج سے اس مختصر لشکر کو کوئی نسبت نہ تھی۔ طارق نے اس موقع پر ایک جوش انگیز خطبہ دیا جس کے ابتدائی کلمات یہ تھے۔

اے لوگو! اب جائے فرار نہیں۔ عقب میں سمندر اور سامنے دشمن ہے۔ تمہارے لیے اب ایک ہی سبیل رہ گئی ہے اور وہ جم کر لڑنے اور استقامت کی ہے۔

تمہاری حالت اس جزیرہ میں ایسی کس مپرسی کی ہے جیسی بخیلوں کی دعوت میں یتیموں کی۔ دشمن تمہارے قریب آگا ہے اس کا اسلحہ اور رسد وافر ہے۔ تمہاری تلواریں ہی تمہاری پناہ ہیں۔ ۱

راڈرک سیمابی اور فساد پسند مزاج کی وجہ سے رعایا میں ازبس نا مقبول تھا وہ شاہی گھرانے سے نہ تھا بلکہ اس کا قوط سے ہونا بھی مشکوک تھا اس لیے لوگ اسے حقیر جانتے تھے اس کی فوج نے خیال کیا کہ عرب لوٹ مار کے لیے آئے ہیں۔ بادشاہ سے ہمارا پیچھا چھڑا کر واپس چلے جائے گے۔ بہتر یہ ہے کہ مقابلہ سے گریز کر جائیں۔ جنگ چھڑی تو ہسپانوی سپاہ خود بخود چھٹتی گئی۔ راڈرک کی فوج میں سابق شاہ غیطشہ کے لڑکے بھی تھے۔ وہ راڈرک کے دشمن تھے لیکن اس کے خوف سے مجبورا لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے طارق سے نامہ و پیام کیا کہ ہماری جاگیر مل جائے تو ہم تمہارا ساتھ دینے کو آمادہ ہیں۔ طارق نے تسلیم کیا اور وہ اس کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ راڈرک کی رہی سہی جمعیت بھی پریشان ہوگئی۔ اس نے شکست کھائی۔ اس کے انجام کی صحیح خبر نہیں بعض کہتے ہیں کہ طارق کی تلوار کا شکار ہوا اور بقول بعض حالت فرار میں مارا گیا۔ ۲

طارق نے وادی لکہ سے سپین کے دارالملک طلیطلہ (Toleda) کا رخ کیا۔ دیگر بڑے بڑے شہروں کی طرف الگ فوجیں روانہ کیں۔ قرطبہ پر مغیث کو بھیجا۔ اس شہر کی فصیل بہت سنگین اور بلند تھی۔ مغیث نے محاصرہ ڈالا۔ کئی روز گزر گئے۔ آخر ایک رات بارش ہوئی اور کڑاکے کی سردی پڑی۔ مجاہدین مقامی گڈریوں کی رہنمائی میں فصیل پھاند گئے۔ سنتری بے خبر پڑے سوتے تھے۔ مجاہدین نے دروازے کھول دیئے اور شہر سر ہوگیا۔ ۳ اس کے بعد مالقہ اور غرناطہ فتح ہوئے۔ طلیطلہ والوں نے طارق کی پیش قدمی کا سنا تو جس قدر سازو سامان اٹھا سکے لے کر نکل گئے۔ طارق نے خالی شہر قبضہ میں لے لیا۔ ۴

موسیٰ نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی سپاہ ایک غیر ملک کے اندرون میں داخل ہوکر ہلاکت میں پڑے۔ انہوں نے طارق کو سخت چٹھی لکھی اور حکم دیا کہ قرطبہ سے آگے نہ جانا۔ ۵

موسیٰ کی آمد ۹۳ ہجری میں موسیٰ بھی اچانک سپین میں تشریف لے آئے۔ انہوں نے اپنی یلغار

۱۔ مقری۔ ابن اثیر۔ ۲۔ مقری۔ ابن قوطیہ۔ ۳۔ مقری صفحہ ۹۳ تا صفحہ ۱۹۷۔ ۴۔ مقری۔ ابن اثیر۔ ۵۔ بلاذری۔

Marfat.com

کے لیے جدا راستہ انتخاب کیا اور سپین کے مغربی حصہ کا رخ کیا۔ پہلے قرمونہ لیا۔ اس کے بعد اشبیلیہ پر گھیرا ڈالا۔ یہ شہر کسی زمانے میں راجدھانی تھا اور بہت اہمیت رکھتا تھا۔ چند ماہ میں سر ہوگیا پھر مارده کی باری آئی۔ اس کے محاصرہ نے طول کھینچا۔ اہل اسلام نے بہت تکلیفیں اٹھائیں اور کئی معرکوں میں جانی نقصان کا بھی سامان کرنا پڑا۔ انجام کار محصورین نے صلح کرلی۔ ۱؎

مارده کے محاصرہ نے بہت مدت لی تو اشبیلیہ والوں کو بغاوت کی سوجھی۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ان کی خبر لینے بھیجا۔ اس نے ان کی خوب سرکوبی کی۔ ۲؎

موسیٰ نے ایک فوج سردانیہ (سارڈینیا) کے جزیرہ پر بھیجی۔ اہل جزیرہ ہلال کی فاتحانہ پیش قدمی سے پہلے ہی مرعوب تھے، فوراً ہتھیار ڈال دیے۔ انہوں نے سونے چاندی کے ذخیرے کچھ تو سفینہ گاہ کے پانی میں اور کچھ ایک کلیسا کی چھت میں چھپا دیے۔ اتفاق دیکھیے کہ سمندر کا دفینہ ایک مجاہد کو نہاتے ہوئے معلوم ہوگیا۔ کلیسا کا پوشیدہ خزانہ بھی اچانک طشت ازبام ہوگیا۔ زروسیم کے یہ ڈھیر اہل اسلام کے حصہ میں آئے۔

حضرت موسیٰ بن نصیر طلیطلہ کی طرف بڑھے۔ طارق نے سنا تو استقبال کے لیے نکلا۔ راستہ میں ملاقات ہوئی موسیٰ نے جھڑکا کہ تم نے میری رائے کی مخالفت کیوں کی۔ کوڑا بھی اٹھایا لیکن طارق نے دم نہ مارا۔ ۳؎

یہ دونوں سپہ سالار نئے علاقوں کی تلاش میں شمال کی طرف بڑھے طارق آگے آگے تھا فرانس کی سرزمین میں قدم رکھے اور ارادہ کیا کہ قسطنطنیہ سے ہوکر شام پہنچیں ایکا ایکی ولید نے موسیٰ اور طارق دونوں کو بلا بھیجا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مجاہدین کٹھن مہمات میں پڑکر زندگی سے ہاتھ دھوئیں۔ ۹۴ ہجری میں انہوں نے سپین کو الوداع کہا۔ موسیٰ کے فرزند عبدالعزیز وائسرائے مقرر ہوئے۔ انہوں نے قرطبہ کو مرکز بنایا۔ ۴؎

غیطشہ کے لڑکے ولید کے پاس حاضر ہوئے اس نے عزت و احترام کے ساتھ واپس کیے اور ان کو الگ الگ جاگیریں عطا کیں۔ ۵؎

اسپین سے انبار در انبار غنیمت ملی۔ سونے چاندی کے علاوہ طرح طرح کے نوادر ہاتھ آئے۔ ایک سبز رنگ کا زبرجدی میز دستیاب ہوا۔ اس کے ۳۶۰ پائے تھے۔ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا تھا۔ موسیٰ واپس آئے تو ان کے ساتھ اس متاع بے کراں کے علاوہ تیس ہزار اسیر تھے۔ ۶؎

اندلس میں انقلاب: جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت سپین پر قوط کی نیم وحشی قوم کا راج تھا۔ یورپ کا دستور ان دنوں انصاف اور مساوات کے نام سے قطعاً آشنا نہ تھا۔ انسانیت کا احترام مفقود تھا۔ باشندے تین طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سب سے اونچا طبقہ

۱۔ مقری صفحہ ۲۱۲ تا صفحہ ۲۱۳۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ مقری صفحہ ۲۱۸۔ ۴۔ ابن اثیر' الامامۃ والسیاسۃ مقری صفحہ ۱۳۵' ۲۱۸' ۲۲۱' ۲۲۳ مع حواشی۔ ۵۔ مقری۔ ابن قوطیہ۔ ۶۔ ابن اثیر۔ مقری۔

Marfat.com

امراء کا تھا۔ وہ لوگ گویا کھانے پینے اور خوش وقتی ہی کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ دوسرے طبقہ کو ویسے تو متوسط درجہ حاصل تھا لیکن ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ حکومت کے اخراجات اور ٹیکسوں کا بوجھ یہی طبقہ اٹھاتا تھا۔ زمینوں کے مالک زمینیں فروخت نہیں کرسکتے تھے۔ بارہا وہ اس ذلت کی زندگی سے بھاگ جاتے تھے۔ تیسرا طبقہ کاشتکاروں اور غلاموں کا تھا۔ کاشتکاروں کی حالت بھی غلاموں کی سی تھی۔ ساری عمر ایک ہی مالک اور ایک ہی قطعہ زمین سے وابستہ رہتے تھے۔ وہ قطعہ زمین کسی جدید مالک کے پاس جاتا تو کاشتکار بھی زبردستی منتقل کر دیئے جاتے تھے۔ کاشتکار مالک کی مرضی کے بغیر شادی بھی نہ کرسکتے تھے اگر میاں بیوی دو مختلف مالکوں کی زمینوں سے ہوتے تو ان کی اولاد ان دو مالکوں کے درمیان تقسیم ہو جاتی تھی۔ [1] بردہ فروشی کا بازار گرم تھا۔ کاشتکار اور غلام بارہا اس زندگی سے تنگ آکر جنگلوں میں بھاگ جاتے اور راہزنی کرکے وقت گزارتے تھے۔ [2]

اندلس کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ یہ لوگ فقط نام کے عیسائی تھے۔ ان میں عیسائیت کی کوئی جھلک نہ تھی۔ پادری جو امراء کے ہم پایہ ہوتے تھے۔ عیش و عشرت میں غرق رہتے تھے۔ آدم خوروں سے بھی بڑھ کر سنگ دل تھے۔ مذہبی رواداری عنقا تھی۔ یہود کی اندلس میں بہت تعداد تھی۔ ان کو تبدیل مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اگر انکار کرتے تو طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ بس چلتا تو بھاگ کر بربر کے ہاں اسلام کے زیر سایہ پناہ لیتے تھے۔ طارق کے حملہ سے پندرہ برس پہلے انہوں نے آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک تحریک چلائی۔ حکومت کو علم ہوگیا ان کے مال و اسباب ضبط ہوئے اور ان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا۔ ان کے بچے تک چھین لیے گئے۔ اور یہودیت ممنوع قرار دی گئی۔ [3]

اسلام نے اندلس کی سرزمین سے ظلم و جہالت کی تہ بہ تہ تاریکیوں کو دور کیا اور زندگی کا نقشہ بدل دیا۔ سرکش امراء اور غاصب پادری عوامی سطح پر آگئے۔ ضعیف سے ضعیف انسان کو اہل وطن کے برابر حقوق حاصل ہوئے۔ زیریں طبقہ پر جو گردن شکن بوجھ تھے اتارے گئے۔ سنگدلانہ قوانین پر خط تنسیخ کھچا اور اندلس کا گوشہ گوشہ عدل و مساوات کی نعمت سے ہمکنار ہوگیا۔ یورپی مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سپین والوں کے لیے یہ فتح نفع کا سامان تھی۔ فتح کے وقت مختلف شہروں سے جو شرائط طے ہوئیں ان کو فاتحین نے نباہا۔ کسی امن پسند شہری کی جائیداد یا زمین نہیں چھینی۔ صرف انہی لوگوں کی زمینوں پر قبضہ ہوا جو ملک سے فرار ہوگئے تھے۔ البتہ جن امراء اور پادریوں کی غیر معمولی طور سے بڑی جاگیریں تھیں انہیں ختم کیا گیا اور طبقات کی تقسیم جاتی رہی۔ جن زمینوں پر غلام یا کاشتکار کام کرتے تھے وہ ان کے قبضے میں رہنے دی گئیں۔ مالکوں کو زمین فروخت کرنے کی اجازت حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کی طرح

۱۔ ڈوزی۔ لین پول صفحہ ۴ تا ۸۔ ۲۔ ڈوزی۔ ۳۔ ڈوزی ۲۲۴ تا ۲۲۹۔

Marfat.com

انہیں بھی پیداوار کا مقرر حصہ حکومت کو دینا ہوتا تھا جو زمین کی اہلیت کے موافق ہوتا تھا۔ بٹائی کی شرح مسلم و غیر مسلم سب کے لیے یکساں تھی۔ کاشتکاروں کو جب زمینوں پر مستقل حقوق عطا ہوئے تو انہوں نے زراعت میں خوب دل لگایا اور محنت کی۔ غلہ کی بہتات ہوگئی۔

جو غلام اسلام قبول کرتے وہ ازخود آزاد ہوجاتے تھے۔ سپین میں غلاموں کی تعداد آزاد باشندوں سے بدرجہا زیادہ تھی یہ لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

غیر مسلموں کو حسب حیثیت جزیہ ادا کرنا ہوتا تھا اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار ۴۸ درہم تھی۔ غرباء سے صرف بارہ درہم سالانہ لیے جاتے تھے۔ جزیہ ماہوار اقساط میں وصول ہوتا تھا تاکہ ادا کرنے والوں کو سہولت رہے۔ یہ ٹیکس صرف انہی غیر مسلموں پر عائد ہوتا تھا جو جنگ کے قابل ہوتے تھے۔ بچے' بوڑھے' عورتیں اور معذور معاف تھے۔

غیر مسلموں کو حکومت کے کاروبار میں بھی شریک کیا گیا۔ ان سے اہم معاملات میں مشورے لیے جاتے۔ ضلعی حاکم اور کارپرداز بالخصوص لگان اور جزیہ وصول کرنے والا عملہ انہی میں سے ہوتا تھا ان کے مقدمات کے لیے الگ عدالتیں ہوتی تھیں جہاں غیر مسلم جج مامور ہوتے تھے۔

اندلس کا ملک پہلی بار مذہبی آزادی سے آشنا ہوا۔ یہود کے لیے یہ ایک بے کراں نعمت تھی۔ وہ مدت سے عیسائی فرمان رواؤں کے تعصب کا شکار ہو رہے تھے۔ اب انہیں آزادی سے عبادت کرنے اور زندگی گزارنے کا موقع ملا۔

سپین کے عیسائیوں نے اہل اسلام کی عدل پروری' کرم گستری اور مساوات پسندی دیکھی تو اسلامی حکومت کو وطنی حکومت پر ترجیح دینے لگے ایک طویل مدت تک کسی طرف سے شورش یا بغاوت کی صدا نہ اٹھی۔ لوگ ازخود اسلام قبول کرنے لگے اور ایک ہی پشت میں سپین میں مسلمانوں کی وافر تعداد ہوگئی۔

اندلس پر اتنی دانش مندی اور عدل کے ساتھ آج تک حکومت نہ ہوئی تھی۔ مورخ لین پول حیرت سے پوچھتا ہے کہ صحرانشین فاتحوں نے یہ اہلیت کہاں سے پیدا کی تھی۔ [1]

حجاج بن یوسف کی موت : حجاج بن یوسف نے ۹۴ ہجری میں حضرت سعید بن جبیر کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کرایا تھا حضرت سعید کا سر زمین پر گرا تو اس سے تین بار لا الہ الا اللہ کی صدا نکلی۔ یہ منظر دیکھ کر حجاج کے حواس مختل ہوگئے۔ وہ وحشت زدہ رہنے لگا۔ بار ہا کہا کرتا تھا مجھے سعید بن جبیر سے کیا لینا تھا۔ [2]

حجاج نے ۹۵ ہجری میں تقریباً چون برس کی عمر میں وفات پائی۔ مدت ولایت بیس برس ہے۔ [3]

حجاج بن یوسف ایک ظالم' خود رائے اور سرکش حکمران تھا۔ اس کی فرعونیت کا یہ حال تھا

۱۔ دیکھو لین پول (مورزان سپین) صفحہ ۴ تا ۸ ذوزی (ستشن اسلام)۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

کہ نماز میں تاخیر کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی گرفتار کرکے مروائے تھے۔[۲]
اس کے عہد میں لوگ اسلام لاکر شہروں میں آباد ہونے لگے اور خراج گھٹ گیا تو اس نے حکم دیا کہ سب نو مسلم شہروں سے نکل جائیں اور حسب سابق جزیہ ادا کریں۔[۳]

حجاج کے مظالم سے عراق کی حالت اس قدر زبوں ہو چکی تھی کہ سلیمان نے یزید بن مہلب کو یہاں کا والی بنایا تو اس نے دیکھا کہ بغیر ظلم و ستم کے عراق سے خراج کی پوری رقم وصول کرنا ناممکن ہے۔ وہ سلیمان کو ناراض نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے حیلہ کرکے اس ولایت سے جان چھڑائی اور خراسان پر مامور ہوا۔

ولید کی وفات: ولید نے ۹۶ ہجری میں رحلت کی۔[۴]

ولیدی عہد پر تبصرہ

ولید کو اپنے باپ سے ایک پختہ اور استوار حکومت ورثہ میں ملی تھی۔ بدامنی کا نشان تک نہ تھا۔ سکون کی فضا طاری تھی۔ البتہ چند در چند مجبوریوں کی بنا پر بیرونی ممالک پر فوج کشی کی گئی اور اس سلسلہ میں ترکستان اور سپین کے علاقے زیر نگیں آئے۔ ولید کی خوش قسمتی تھی کہ اسے محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور قتیبہ بن مسلم جیسے ماہرین جنگ ملے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے نام تاریخ کے صفحات پر ثبت کیے بلکہ ولید کا نام بھی شہرت دوام کے ایوان میں لکھ گئے۔ توحید کی شعاعوں نے ایک طرف اندلس کو روشن کیا اور دوسری طرف ہندوستان کو منور کرنے لگیں۔

ولید کے عہد میں خزانہ بھرپور تھا۔ خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا رفاہ عامہ کے متعدد کارنامے انجام پذیر ہوئے اور یادگار زمانہ تعمیرات وجود میں آئیں۔ اسلامی حکومت کا دبدبہ بڑے بڑے پر غرور بادشاہوں پر چھا گیا۔ روم کے قیصر نے مسجد النبی کی تعمیر کے لیے دل کھول کر مدد دی۔

نظام حکومت: ولید کا نظام حکومت نہایت شاندار تھا وہ ایک ایک جزئیہ کی طرف خود توجہ دیتا تھا۔

جس حکمران کی سطوت کا یہ حال ہو کہ تمام دنیا اس سے سہمتی ہو اور ملکی امور کی خبرگیری کا یہ عالم ہو کہ بازار کی سبزیوں کا بھاؤ بھی خود جاکر ملاحظہ کرے[۵] اس کے کاروبار میں خرابیوں کا دخل پانا مشکل تھا۔

ولید نے سرکاری ملازموں کا شمار کروایا اور تقریباً بیس ہزار آدمیوں کی چھانٹی کر دی۔ (یعقوبی)
ولید کی مملکت اچانک دور دور تک پھیل گئی اور کئی اجنبی اقوام کا اقتدار سنبھالنا پڑا لیکن یہ

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصلوۃ ۔ ۲۔ ترمذی ابواب الفتن ۔ ۳۔ ابن اثیر واقعات ابن اشعث ۔ ۴۔ ابن اثیر۔ کتاب الوزراء جہشیاری۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہر کہیں برابر کا امن و امان اور سکون تھا۔ نو تسخیر علاقوں میں نہایت سرعت سے جدید نظام قائم ہوا۔ اس انقلاب میں ہر پہلو سے خیر و فلاح کی صورت نظر آتی تھی۔ رعیت خور سند تھی اور راعی مطمئن۔ نظم و ضبط کا یہ حال تھا کہ وہ جرنیل جنہوں نے ایک عالم کو ہلا دیا تھا اپنے فرماں روا کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔

عدل: اتنی وسیع حکومت کا اس قدر کامیاب نظام جبھی چل سکتا ہے کہ اس میں عدل کی روح کار فرما ہو۔ ولید کی عدل پرستی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ یمن کا والی اموال لایا۔ صحن کعبہ میں اسے پچاس قسمیں دیں کہ یہ مال حلال ہے اور عوام سے جبرا وصول نہیں ہوا۔ ۱۔

ولید کو جامع دمشق کے لیے تانبے کی ضرورت ہوئی۔ اسے معلوم ہوا کہ ایک عورت کے پاس کچھ مقدار ہے۔ ولید نے کارندے بھیجے تو اس عورت نے کہا' میں اسے دوگنا سونے کے عوض بیچوں گی۔ ولید مان گیا۔ عورت نے یہ سلوک دیکھا تو تانبا مفت دے دیا۔ ۲۔

تعلیم: ولید نے تعلیم کی طرف قومی پیمانے پر توجہ دی اور قرآنی تعلیمات کی خوب اشاعت کی۔ علم کا ذوق و شوق پیدا کرنے اور علماء کو فکر روزگار سے فارغ رکھنے کے لیے فقہاء اور حفاظ قرآن کے وظائف مقرر کیے۔ وقتاً فوقتاً انہیں عطیے بھی دیتا تھا اور ان کے قرضے ادا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک سائل نے ولید سے قرضہ میں مدد چاہی۔ ولید نے پوچھا' کیا قرآن پڑھ سکتے ہو؟ بولا' نہیں ولید نے کہا' تو قریب آؤ۔ اس کا عمامہ اتارا اور سر کو چھڑی سے خوب ٹھونک بجا کر ایک درباری کو حکم دیا کہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھو۔ جب تک قرآن نہ پڑھ چکے جانے نہ دو۔ ۳۔

زراعت: ولید نے جزیرہ میں ایک نہر کھدوائی۔ اس کی گزرگاہ بنانے کے لیے جنگل کٹوا کر جگہ صاف کروائی۔ اس نہر کا نام نہر سعید بن عبدالملک تھا۔ ۴۔

فوج: ولید کے عہد میں سپاہ کی کثرت نہ تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سندھ اور چین ایسے خطرناک محاذوں پر مختصر فوج بھیجی گئی۔ لیکن جہاد کی روح تازہ تھی اور نظم و ضبط انتہا پر تھا۔ طارق بن زیاد پر موسیٰ نے سب کے سامنے کوڑا اٹھایا۔ تاہم طارق نے سعادت مند شاگرد کی طرح اس سرزنش کا تحمل کیا۔

ولید کے عہد میں بحری بیڑے نے بہت ترقی کی۔ موسیٰ بن نصیر نے تیونس میں ایک دارالصناعت (کارخانہ) بنایا۔ یہاں جہاز تیار ہوتے تھے۔ بارہ میل لمبی نہر کھدوا کر اسے سمندر سے ملایا تاکہ جہازوں کی آمد و رفت ہو سکے۔ موسیٰ نے یہاں ایک سو سفینے بنوائے۔ ۵۔

رفاہ عامہ: ولید کو رفاہ عامہ سے طبعی لگاؤ تھا۔ اس کا یہ کارنامہ فراموش نہیں ہو سکتا کہ اس نے گداگری کے استیصال کی طرف عملی قدم اٹھایا۔ اس نے غریبوں اور کوڑھیوں کو سوال کرنے کی ممانعت کر دی اور ان کے وظائف مقرر کیے۔ فقراء میں چاندی کے ٹکڑے تقسیم کروایا کرتا

۱۔ طبری۔ ۲۔ خلاصۃ المذھب المسبوک از عبدالرحمان اربلی۔ ۳۔ طبری ۴۔ بلاذری صفحہ ۱۷۶۔ ۵۔ الامامۃ والسیاسۃ میں مذکور ہے کہ اسے موسیٰ نے ۸۴ ہجری میں بنایا۔ لیکن درست یہ ہے کہ موسیٰ ولید کے عہد میں والی مقرر ہوا۔

Marfat.com

تھا۔ جو لوگ چلنے پھرنے سے معذور تھے ان کے لیے خادم اور اندھوں کے لیے رہنما مقرر کیے[1]۔ یتیم بچوں کے ختنہ کا سرکاری اہتمام کرایا۔ ان کے لیے اساتذہ بھی مقرر کیے۔ معذوروں اور مسکینوں کے لیے ولید نے روزینے جاری کیے۔ (یعقوبی)

ولید نے ملک بھر میں اعلان جاری کیا کہ راستے ہموار کیے جائیں اور کنویں کھودے جائیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جو اس وقت مدینہ کے حاکم تھے ہدایت کی کہ مدینہ میں فوارہ بنواؤ[2]۔ چنانچہ ایک نہایت شاندار فوارہ تعمیر ہوا۔ مکہ میں حجون کے مقام پر ایک کنواں کھدوایا۔ یہ کنواں بعد میں مٹ گیا۔[3]

ولید پہلا حکمران ہے جس نے عوام کے لیے بیمارستان کی تعمیر کی۔ اس نے مسافروں کی سہولت کے لیے سرکاری مہمان خانے بھی بنوائے۔[4]

ولید نے علم طب کی ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔ ایک یہودی ماسرجویہ نام نے طب کی ایک کتاب کا سریانی سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب شاہی کتب خانہ میں رکھی گئی۔

تعمیرات : ولید نے تعمیرات میں کمال دلچسپی لی۔ دولت کی کمی نہ تھی دل کھول کر روپیہ لگایا۔

جامع دمشق : ولید کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ جامع دمشق ہے جسے جامع اموی بھی کہتے ہیں۔ یہ اعجوبہ روزگار تھی اس کی جگہ پہلے ایک گرجا تھا۔ حضرت عمرؓ کی عہد میں دمشق فتح ہوا تو معاہدہ کی رو سے اس کا آدھا حصہ مسجد کے لیے دے دیا گیا۔ گرجا اور مسجد چوں کہ ساتھ ساتھ تھے اس لیے نماز میں خلل ہوتا تھا۔ ولید نے نصاریٰ سے طے کر کے یہ نصف گرجا بھی لے لیا اور اس کے عوض ان کو ایک اور گرجا دیا۔ مسلمان اسے گرانے لگے تو عیسائیوں کہا کہ جو شخص اسے گرائے گا پاگل ہوجائے گا۔ ولید بولا تو پھر اللہ کی راہ میں سب سے پہلے میں پاگل ہوں گا۔ پھاوڑا اٹھایا اور اسے کھودنا شروع کیا۔

کاریگروں کی ضرورت تھی قیصر روم کو لکھا تو اس نے دو سو کاریگر بھیجے۔

مسجد کا گنبد بنانے لگے تو بنیادیں پانی تک کھودیں اور پھر انہیں پتھروں سے بھر کر ان پر گنبد تعمیر کیا۔ چھت کو اندر سے سونے سے لیپ دیا۔

اس تعمیر میں سونے کے چار سو صندوق خرچ ہوئے۔ ہر صندوق میں چودہ ہزار اور ایک روایت کے مطابق ۲۸ ہزار دینار تھے۔ یہ سب روپیہ ولید کا ذاتی تھا۔ بیت المال پر بار نہیں ڈالا۔

جامع دمشق ۸۶ ہجری سے ۹۶ ہجری تک تعمیر ہوتی رہی۔ جو کمی رہ گئی تھی سلیمان نے پوری کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں اس جامع سے سونا اور قیمتی پتھر اکھیڑنے کا ارادہ کیا

۱۔ ابن اثیر۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ۲۔ ابن اثیر سن ۸۸۔ ۳۔ طبری۔ ۴۔ ابن اثیر سن ۸۹۔

Marfat.com

لیکن اس اثناء میں ایک عیسائی آیا اور مسجد کی عظمت و شوکت دیکھ کر بے ہوش ہو گیا حضرت عمر نے یہ سنا تو کہا کہ اغیار کو مرعوب کرنے کے لیے رہنے دو۔ [۱]

مسجد النبی کی تعمیر جدید : ۸۸ ہجری میں ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ مسجد النبی کو ازسرنو تعمیر کیا جائے۔ حضرت عمر ثانی نے حکم کے بموجب امہات المومنین کے حجرے اور دیگر ملحقہ مکان خرید کر اس کے رقبہ میں ملائے ولید نے شام سے کاریگر بھیجے قیصر روم نے سونے کی ایک کثیر مقدار ایک سو کاریگر اور منبت کاری سے لدے ہوئے چالیس اونٹ پیش کیے۔ مسجد ۹۱ ہجری میں مکمل ہوئی۔ ولید نے دیکھنے کے لیے خود حاضری دی۔ [۲]

بیت المقدس : ولید نے بیت المقدس کی مسجد پر گنبد تعمیر کرایا۔ [۳]

کعبہ کی تزئین : ولید نے کعبہ کے دروازے' میزاب اور ستونوں پر سونا چڑھوایا۔ [۴]

ان کے علاوہ ولید نے اور بھی کئی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ [۵]

۱۔ جامع دمشق کے عنوان کے لئے ابن کثیر اور طبری بردی کی تاریخیں دیکھی جائیں۔ ۲۔ ابن کثیر۔ طبری۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ خلاصۃ الذہب المسبوک عبدالرحمان اربلی۔ یعقوبی۔ ۵۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

سلیمان بن عبدالملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ ۷۱۴ء تا ۷۱۷ء

ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان' عبدالملک کی وصیت کے بموجب تخت نشین ہوا۔ ولید نے وفات سے قبل قتیبہ اور حجاج کی مدد اور تائید سے سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو خلیفہ نامزد کرنا چاہا تھا لیکن موت نے مہلت نہ دی۔

محمد بن قاسم کی شہادت : حجاج کی وفات کے بعد محمد بن قاسم نے سندھ سے واپسی کا ارادہ کیا۔ سلیمان خلیفہ ہوا تو اس نے یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے محمد بن قاسم کو پابہ زنجیر کر کے عراق بھیجا۔ ابن قاسم نے اس موقع پر کہا :

اضاعونی و ای فتی اضاعوا لیوم کریتہ و سداد ثغر

ترجمہ : انہوں نے مجھے کھو دیا اور کیسا جوان کھویا جو خوفناک جنگ اور سرحدوں کی حفاظت کے لائق تھا۔

محمد بن قاسم سندھ سے چلا گیا تو لوگ رونے لگے۔ اسے واسط پہنچایا گیا۔ وہاں کے حاکم صالح نے اسے دل دوز ایذاؤں سے شہید کیا۔ صالح کے ایک بھائی کو جو خارجیوں کا ہم خیال تھا حجاج نے قتل کیا تھا۔ صالح نے اس کا انتقام لیا۔

یزید بن ابی کبشہ سندھ پر صرف ۱۸ دن حکومت کر کے مر گیا اور اس کی جگہ حبیب بن مہلب آیا۔

قتیبہ کی موت : سلیمان خلیفہ ہوا تو اس نے قتیبہ کو خراسان پر بحال رہنے دیا لیکن قتیبہ کو یزید بن مہلب کی طرف سے اندیشہ تھا۔ یزید سلیمان کا دست راست تھا۔ قتیبہ نے اس کے اندیشہ کے پیش نظر سلیمان کی بیعت توڑ دی لیکن اس کی فوج کے ایک کثیر حصہ نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ فوج کے دو گروہ ہو گئے۔ ان میں جنگ چھڑ گئی جس میں قتیبہ کام آیا۔[1]

مورخ دینوری نے لکھا ہے کہ قتیبہ نے ولید بن عبدالملک کے عہد میں اپنے لشکر والوں کے ہاتھ سے وفات پائی۔ اگرچہ قتیبہ کی موت کا سابقہ روایت کے پیش نظر دیسے بھی سلیمان پر الزام عائد نہیں ہوتا لیکن دینوری کے بیان سے قتیبہ کا سلیمانی عہد میں انتقال کرنا ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔[2]

موسیٰ بن نصیر کا انجام : موسیٰ بن نصیر اور طارق کو ولید نے اپنی زندگی میں واپس بلایا تھا۔ یہ جب شام پہنچے تو ولید وفات پا چکا تھا۔ سلیمان موسیٰ سے عناد رکھتا تھا۔ اسے سب عہدوں سے معزول کر دیا۔ قید میں ڈالا اور اتنا بھاری تاوان کیا کہ اسے اہل عرب کے سامنے دست احتیاج

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ اخبار الطوال جلد ۱ صفحہ ۳۳۱

Marfat.com

دراز کرنا پڑا۔[1] کچھ مدت بعد عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن مہلب کی وساطت سے سلیمان اس سے راضی ہو گیا اور تاوان چھوڑ دیا۔[2]

سلیمان کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جن دنوں موسیٰ اندلس سے واپس آ رہا تھا ولید بستر مرگ پر تھا۔ سلیمان نے چاہا کہ اندلس کے غنائم اس کے دور حکومت میں پیش ہوں۔ موسیٰ کو خط لکھا کہ آہستہ رفتار سے آؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں بے وفائی نہیں کروں گا اور جو رفتار اختیار کی ہے اسے نہ بدلوں گا۔ سلیمان تک یہ جواب پہنچا تو غصہ میں بھر گیا۔ جب خلیفہ ہوا تو موسیٰ کو بلا کر ڈانٹا۔ اسے عین دوپہر کے وقت دھوپ میں کھڑا کیا۔ موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔[3]

کچھ مدت بعد موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز والی اندلس کا سر سلیمان کے سامنے پیش ہوا۔ عبدالعزیز کے قتل کے بارے میں دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے راڈرک کی بیوہ سے شادی کی تھی۔ وہ اس کے مزاج پر بہت حاوی ہو گئی اور کہا کہ میں تمہیں شاہوں کی شان سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ امراء سے کہو تمہیں سجدہ کیا کریں۔ عبدالعزیز نے انکار کیا۔ لیکن بیوی نے ضد کی تو اپنے کمرہ میں ایک تنگ سا دریچہ بنوایا۔ امراء اس سے گزر کر آتے تو ان کے سر لا محالہ جھک جاتے تھے۔ عبدالعزیز کی بیوی کی تسلی ہو گئی۔ لیکن اس پر اکتفاء نہ کیا اور تاج بنوا کر عبدالعزیز کے سر پر رکھوایا۔ لوگوں میں شہرہ ہوا کہ عبدالعزیز نصرانی ہو گیا ہے۔ اسے ایک دن قتل کر دیا[4] ۔ یہ روایت بے بنیاد نظر آتی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سلیمان کے سامنے کسی نے جھوٹ چغلی کھائی کہ عبدالعزیز نے تمہارے بارے میں سخت کلمات کہے ہیں۔ سلیمان نے آدمی بھیج کر اسے عین اس وقت مروا دیا جب وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کا سر آیا تو سلیمان نے موسیٰ کے پاس بھیجا۔ موسیٰ نے دیکھ کر کہا' اس کو شہادت مبارک ہو۔ واللہ تم نے ایک پابند صوم و صلوۃ مرد کو قتل کیا۔[5] کہتے ہیں کہ سلیمان پر بعد میں حقیقت کھلی کہ عبدالعزیز اس کا وفادار تھا۔ وہ بہت نادم ہوا۔ موسیٰ کے ذمے جو تاوان تھا معاف کیا اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا رہا۔ موسیٰ ۹۷ ہجری میں اس کے ہمراہ مکہ کے سفر میں تھا کہ وفات پائی۔ سلیمان نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔[6]

موسیٰ ایک نیک دل اور خدا دست انسان تھا۔ اس سے کئی بار کرامات کا ظہور ہوا۔[7] وہ ایک باکمال خطیب اور انشاء پرداز تھا۔ مثلاً ولید کو سپین کی فتوحات اور غنیمت کے بارے میں لکھا' یہ فتوحات نہیں حشر ہے۔[8]

بعض مورخین نے کچھ ایسی روایات بھی لکھی ہیں جن میں سلیمان کی بدسلوکی کو بہت بڑھا

۱۔ ابن ... ۔ ۲۔ الامامۃ والسیاسۃ۔ فتوح البلدان۔ مقری۔ ۳۔ الامامۃ والسیاسۃ۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ الامامۃ والسیاسۃ۔ ۶۔ الامامۃ والسیاسۃ' النجوم الزاہرہ۔ ۷۔ الامامۃ والسیاسۃ۔ ۸۔ مقری صفحہ ۲۵۱۔

Marfat.com

چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ موسیٰ نے سلیمان کے ہاتھوں گداگری کے عالم میں وادی القریٰ میں وفات پائی۔[1] یہ روایت درست نہیں۔

جرجان' قہستان[2] اور طبرستان کی فتوحات : یزید بن مہلب کی دیرینہ خواہش تھی کہ قتیبہ کی طرح فتوحات میں نام پیدا کرے۔ خراسان کی ولایت پر مامور ہونے کے بعد اسے یہ موقع اس طرح ملا کہ جرجان کے لوگوں نے نہ صرف خراج بند کر دیا بلکہ خراسان کی راہ بھی روک دی۔ آس پاس کے اسلامی علاقوں میں قزاقی کرنے اور بدامنی پھیلانے لگے۔ یزید نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ ان پر چڑھائی کی ۔ راستہ میں قہستان کے علاقے تھے۔ انہیں آسانی سے تسخیر کر لیا۔ جرجان کی فتح میں بھی دیر نہ لگی۔ یزید کا حوصلہ بڑھا اور اسے طبرستان کی خواہش ہوئی۔ اس نے شاہ طبرستان اور اس کے مددگاروں کو زبردست شکست دی لیکن اس ملک پر قبضہ جمانے میں ناکام رہا اور واپس ہوا۔ راستہ سے لاعلمی کی وجہ سے اس کی فوج کا ایک کثیر حصہ گمر کر تباہ ہوا۔ یزید گھبرایا اور ایک مقامی مسلمان کو شاہ طبرستان کے پاس بھیجا کہ اسے صلح پر جھکاوَ۔ یہ شخص اہل وطن کی ہمدردی کا روپ بھر کر گیا۔ اور شاہ کو ڈرایا کہ یزید کی کمک آیا چاہتی ہے تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ صلح کر لو۔ یہ داؤ چل گیا اور صلح ہو گئی۔ یزید واپس آیا۔

قسطنطنیہ کی مہم ۹۸ھ : حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا تھا لیکن کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

سلیمان کے پاس آذر بائیجان کا ایک عیسائی سردار الیون (لیو LEO) آیا اور کہا کہ قیصر مر چکا ہے۔ تم قسطنطنیہ پر حملہ کرو۔ میں فتح کا ضامن ہوں۔ سلیمان نے اپنے بھائی مسلمہ کو قسطنطنیہ کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ شہر والے قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ سردیاں آئیں تو مسلمہ نے لکڑی کی بارکیں بنوائیں۔ محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا گیا۔ محصورین نے صلح کی درخواست کی لیکن مسلمہ نے انکار کر دیا۔ اب شہر والوں نے الیون سے معاہدہ کیا کہ تم اسلامی لشکر کو پھیر دو تو تمہیں بادشاہ بنا لیں گے۔ الیون نے مسلمہ سے فریب کیا اور کہا کہ اگر تم بارکوں کو جلا دو تو شہر والے سمجھیں گے کہ اب تم قطعی فیصلہ پر تل گئے ہو اور وہ تمہاری اطاعت کر لیں گے۔ الیون دھوکے سے غلہ کی بھی ایک کثیر مقدار لے گیا۔

بارکیں جلا کر اور غلہ سے ہاتھ دھو کر اسلامی لشکر مصیبت میں پھنس گیا۔ کھالیں' درختوں کی جڑیں اور پتے غرض مٹی کے سوا کیا چیز تھی جو مسلمانوں نے جان بچانے کے لئے نہیں کھائی۔ جاڑے کے ستم ان پر طرہ تھے۔ سلیمان وابق میں مقیم تھا۔ وہ مدد نہ بھیج سکا۔[3]

اسلامی لشکر مصائب کا شکار تھا۔ کمک ناپید تھی۔ لیکن پھر بھی پلٹنے کا نام نہ لیا۔ ادھر رومی بھی ہمت نہ کر سکے کہ شہر سے نکل کر کھلے میدان میں ان سے برسرِ جنگ ہوں۔

۱۔ مقری۔ ۲۔ یا قوہستان' اصل میں کوہستان ہے۔ یہاں ہرات اور نیشاپور کا درمیانی کوہستان مراد ہے۔ ۳۔ ابن اثیر۔

ولی عہد کی نامزدگی اور سلیمان کی وفات: سلیمان نے کہا تھا کہ میں قسطنطنیہ سر کر کے آؤں گا ورنہ مر جاؤں گا۔ اس کا یہ عہد یوں پورا ہوا کہ وہ دابق ہی میں بیمار پڑا اور وفات پائی۔ مرض الموت میں اس نے اپنے بیٹے کو نامزد کرنا چاہا۔ مشہور محدث اور وزیر خاص رجاء بن حیوت نے جو اس وقت سلیمان کے ہمراہ تھا کہا کہ قبر میں خلیفہ کا بچاؤ اس بات سے ہوتا ہے کہ اپنا جانشین کسی صالح آدمی کو کر جائے۔ دونوں نے غور فکر کے بعد عمر بن عبدالعزیز کی ولی عہدی کا فیصلہ کیا۔ سلیمان کو ڈر تھا کہ خلافت آل عبدالملک سے نکلی تو وہ فساد کر دیں گے۔ اس لئے عمر ثانی کے بعد اس نے یزید بن عبدالملک کا نام رکھا۔ ارکان خاندان کو بلایا اور نامزد خیفہ کا نام ظاہر کئے بغیر لفافہ میں بند وصیت نامہ پر بیعت لی۔ حضرت عمر ثانی نے رجاء سے کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ اگر اس میں میرا نام ہے تو بتا دو تاکہ استعفاء دے دوں۔ رجاء نے نہ بتایا۔[1]

اس فریضہ سے فارغ ہونے کے بعد سلیمان نے ۹۹ھ میں ۴۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدت خلافت تقریباً دو سال آٹھ ماہ ہے۔

سلیمان کے یہ کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں کہ ایک تو اس نے حجاجی دور کے ... مٹانے کی سعی کی اور دوسرے عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین کیا۔

تعمیری کارنامے

۱۔ سلیمان نے حرم میں میٹھا پانی پہنچانے کے لئے یہ اہتمام کیا کہ کوہ ثبیر کے دامن میں ایک حوض بنوایا اور اس سے ایک نلکے کے ذریعے صحن حرم میں فوارہ کی صورت میں پانی پہنچایا۔ یہ فوارہ بہت مدت تک باقی رہا۔[2]

۲۔ سلیمان نے رملہ کا شہر آباد کیا اور یہاں شاندار عمارتیں بنوائیں۔[3]

۱۔ ابن اثیر، سیوطی۔ ۲۔ یعقوبی ۳۔ یعقوبی

Marfat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیز

(۹۹ھ تا ۱۰۱ھ)

تعارف : حضرت عمر بن عبدالعزیز مروان کے پوتے تھے۔ آپ کی والدہ ام عاصم حضرت عمر فاروقؓ کی نواسی تھیں۔[۱] آپ اکسٹھ یا تریسٹھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے پیدائش کے بارے میں صحیح علم نہیں۔ بعض مصر اور بعض مدینہ بتاتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد مصر کے گورنر تھے۔ انھوں نے آپ کو تحصیل علم کے لئے مدینہ بھیجا۔ آپ نے بچپن میں قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ آپ نے مدینہ کے مقتدر اہل علم سے استفادہ کیا۔[۲]

آپ اپنی والدہ کے ماموں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بہت متاثر تھے۔ والدہ سے کہا کرتے تھے کہ میں ان کے مانند ہونا چاہتا ہوں۔ آپ کی والدہ کچھ عرصہ کے بعد جب اپنے شوہر کے پاس مصر گئیں تو آپ مدینہ میں حضرت عبداللہؓ ہی کے پاس رہے۔ بالغ ہو کر مصر اپنے والد ماجد کے پاس گئے اور پھر مدینہ آ گئے۔[۳]

والد نے وفات پائی تو آپ کے چچا عبدالملک نے آپ کو دمشق بلا لیا اور اپنی بیٹی بیاہ دی۔[۴]

آپ ۸۷ سے ۹۳ھ تک مکہ، مدینہ اور طائف کی ولایت پر مامور رہے۔ آپ حکومت کو قرآن و سنت کے رنگ میں رنگنا چاہتے تھے۔ مدینہ میں آپ نے شوریٰ کا اصول زندہ کیا۔ دس اہل الرائے فقہاء کی ایک مجلس قائم کی جس کے مشورہ سے حکومت کرتے تھے۔[۵]

ان ایام میں آپ خوش لباس اور نمائش پسند تھے۔ خوشبو کے بہت شائق تھے۔ جدھر سے گزر جاتے فضا میں خوشبو بن جاتی تھی۔ آپ کا لباس تیس اونٹوں پر بار ہوتا تھا۔ تاہم آپ عدل و انصاف کے بہت دلدادہ تھے۔

حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اسے بہت ناپسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ سنا کہ وہ حج کے لئے آ رہا ہے۔ آپ نے خلیفہ کو لکھا کہ حجاج کو ہدایت کی جائے کہ وہ مدینہ کے پاس سے نہ گزرے۔[۶] عراق کے لوگ حجاج کے ظلم و ستم سے بھاگ کر آپ کے زیر سایہ حجاز میں پناہ لیتے تھے۔ حجاج نے ولید سے شکایت کی۔ اس نے آپ کو معزول کر دیا۔[۷]

حضرت عمر بن عبدالعزیز شروع سے اموی خلفاء کی مطلق العنانی کے خلاف تھے۔ ایک دفعہ عبدالملک کو خط لکھا کہ تم رعیت کے نگہبان ہو اور تم سے باز پرس ہو گی۔[۸]

ایک دفعہ سلیمان کو نصیحتیں کیں اور تلخ کلامی تک نوبت پہنچ گئی۔ آپ ناراض ہو کر مصر

۱۔ تہذیب التہذیب ۲۔ سیوطی۔ ۳۔ ابن عبدالحکم۔ ۴۔ سیوطی۔ ۵۔ ابن کثیر، ابن جوزی۔ ۶۔ ابن عبدالحکم۔ ۷۔ ابن اثیر ذکر سن ۹۳۔ ۸۔ سیرت ابن جوزی۔

Marfat.com

چلے گئے۔ اس کے بعد مصالحت ہو گئی۔[1]

بیعت خلافت : سلیمان نے اپنی زندگی میں جانشین کا نام ظاہر کیے بغیر وصیت نامہ پر بنو امیہ کی بیعت لے لی تھی۔ اس نے وفات پائی تو رجا بن حیوت نے کچھ دیر خبر پوشیدہ رکھی۔ بنو امیہ کو اکٹھا کیا۔ سلیمان کے سربمہر لفافہ پر دوبارہ ان سے بیعت حاصل کی۔ اس کے بعد لفافہ چاک کیا اور وصیت سنا کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا اعلان کیا۔ عبدالملک کا بیٹا ہشام بول اٹھا' واللہ ہم اس کی بیعت کبھی نہیں کریں گے۔ رجاء نے جرات سے کام لیا اور کہا' بیعت کو اٹھو ورنہ تمھاری گردن اڑا دوں گا۔ ہشام بے بس تھا۔ ناچار اٹھا اور بیعت کی۔[2]

حضرت عمر نے خیال کیا کہ یہ بیعت جمہوری نہیں یوں کہ نہ سلیمان نے مومنوں کی رائے سے آپ کو نامزد کیا تھا اور نہ بنو امیہ عوام کے نمائندے تھے۔ آپ نے دوسرے روز عوام کو جمع کر کے کہا:

"میں نے ظاہرا یا باطنا کبھی خلافت کی تمنا نہیں کی۔ میری رائے اور مسلمانوں سے مشورہ کے بغیر مجھ پر یہ بوجھ ڈالا گیا ہے۔ میں تمھیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں۔ جسے چاہو اپنا امیر چن لو۔"

حاضرین بہ یک آواز پکارے' ہم نے آپ کو امیر چن لیا۔ لوگوں کا جوش عقیدت دیکھ کر آپ نے یہ منصب منظور فرما لیا۔[3]

فقر کا دور : سلیمان کو دفن کرنے کے بعد آپ نے دیکھا کہ رعنا سواریوں اور سائیسوں کا ایک جلوس کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ سواریاں آپ کے لیے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں لے جاؤ اور میرا خچر لاؤ۔ اس پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو دستور کے موافق پولیس کا افسر آگے آگے چلا۔ آپ کو یہ عجمی تصنع پسند نہ آیا۔ اور افسر کو حکم دیا کہ ایک طرف ہو جاؤ۔ بیعت کے بعد گھر تشریف لائے تو نہایت فکر مند تھے۔ لونڈی نے حیران ہو کر پوچھا' آج مسرت کا دن ہے' پھر یہ تشویش کیسی؟ فرمایا' اس سے بڑھ کر اور کیا تشویش ہو گی کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد نہیں جو اس وقت مجھ سے حق طلب نہیں کر رہا ہو چاہے اس نے مجھے لکھا ہے یا نہیں اور زبانی طلب کیا ہے یا نہیں۔[4]

اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا کہ میرے ساتھ رہنا ہے تو فراغ حاصل نہیں ہو گا۔ چاہو تو بے شک میکے چلی جاؤ۔ یہ سن کر گھر کے سب آدمی رو دیے۔[5] کنیزوں کو بھی اجازت دے دی کہ میری طرف سے تم پر پابندی نہیں۔ تم آزادی اختیار کر کے جا سکتی ہو۔[6] آپ نے قیمتی لباس اتار ڈالا اور بدن سے خوشبو دھو ڈالی۔

سابق خلیفہ کی اقامت گاہ میں زرق برق کی بیش قیمت قالین اور پردے تھے۔ حکم دیا کہ

۱۔ ابن کثیر ۲۔ ابن اثیر' ابن کثیر' سیوطی۔ ۳۔ ابو نعیم' ابن جوزی' تہذیب التہذیب۔ ۴۔ ابن کثیر' سیوطی۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ سیوطی' ابن الحکم۔

Marfat.com

انہیں اٹھوا کر بیچ دو اور رقم بیت المال میں جمع کر دو۔[۱] اصطبل کے لئے آپ سے خرچ مانگا گیا۔ فرمایا' گھوڑوں کو فروخت کرو اور قیمت خزانہ میں جمع کر دو۔ میرے لئے خچر کافی ہے۔[۲]

اولین احکام : خلیفہ سلیمان کو دفن کرنے کے بعد آپ نے وہیں قلم دوات منگوا کر تین حکم لکھے۔ ایک یہ تھا کہ قسطنطنیہ کی مہم لوٹ آئے اور دوسرے دو حکم مصر کے صاحب الخراج اور افریقیہ کے والی کی سبک دوشی کے بارے میں تھے۔ یہ دونوں ظالم اور خود سر تھے۔[۳] آپ کو گوارا نہ تھا کہ ان کی مصیبت کو رعیت کے سر سے ہٹانے میں ایک پل کی بھی تاخیر ہو۔

اصلاحات

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت راشدہ کی نظیر کو سامنے رکھا۔ اور اس کی تقلید کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس لئے آپ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے۔

آپ کو حضرت عمرؓ کے نقوش قدم پر چلنے کی بہت تمنا تھی۔ ان کی زندگی میں ڈھلنے کی کوشش کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کو عمر ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے پوتے حضرت سالم کو لکھا کہ مجھے حضرت عمرؓ کی سیرت قلم بند کر کے بھیج دو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر آپ ان کی سیرت پر عمل پیرا ہوں تو ان سے بھی افضل ہوں گے۔ نیکی میں ان کے کئی مددگار تھے۔ ان کا کوئی نہیں۔[۴] بنو امیہ دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے کہ ہم نے حضرت عمرؓ کے گھرانے سے رشتہ کیوں کیا۔

حضرت عمرؒ کے سامنے انقلابی' اصلاحات کا ایک سکیم پروگرام تھا۔ اس کے لئے جس قوت ایمانی اور سیرت کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر ثانی اس سے مالا مال تھے۔ آپ نے متعدد اصلاحات کیں۔ مثلاً :

۱۔ اصول حکمرانی : آپ نے اموی اصول جہاں داری کو جس پر مطلق العنانی کا رنگ چھایا ہوا تھا بدلنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑی ۔ بنو امیہ تلملاتے تھے' لیکن دم نہ مار سکتے تھے۔ ایک دفعہ ہشام بن عبدالملک آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ سابقہ خلفاء کے فیصلوں کو نہ بدلیں' انہیں بحال رہنے دیں۔ آپ نے پوچھا' دو فرمان ہوں' ایک حضرت معاویہؓ اور ایک عبدالملک کا تو میں کس پر عمل کروں؟ ہشام نے جواب دیا' پہلے فرمان پر۔ آپ نے فرمایا' تو قرآن کا فرمان سب پر مقدم ہے۔[۵]

اموی حکومت میں دنیا کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا۔ آپ نے اسلامی اصول کے بموجب دین و دنیا دونوں کا معتدل توازن پیش کیا۔ آپ کا نصب العین محض نظم و نسق کا اہتمام ہی نہ تھا بلکہ دین کی اشاعت' اخلاق کی اصلاح و تربیت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی تھا۔ حکام

۱۔ ابن عبدالحکم۔ ۲۔ ابن جوزی' ابن کثیر۔ ۳۔ سیوطی۔ ۴۔ ابن کثیر' سیوطی۔ ۵۔ ابن جوزی۔

Marfat.com

سے بھی آپ یہی توقع رکھتے تھے کہ محض سرکاری فرائض میں محدود نہ رہیں۔ نیکی کی تبلیغ اور برائی کے استیصال میں برابر کوشاں رہیں۔

اموی خلفاء کی قوت اقتدار میں حکام بھی حصہ بٹا لیتے تھے۔ رعیت پر بارہا ناروا سختی کرتے تھے۔ حضرت عمر ثانی حکام پر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ ان کو اکثر خطوط لکھتے رہتے تھے اور ان کو فرائض سے آگاہ کرتے تھے۔ اموی راج جبر کے بل بوتے پر قائم تھا۔ لوگوں کو ادنیٰ ادنیٰ جرم پر خوفناک سزائیں ملتی تھیں۔ ایک شخص کے جرم پر پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آمریت کا یہ داغ آئین کے ماتھے سے دھویا اور حکم دیا کہ صرف مجرم کو سزا دی جائے۔

کسی کو سزا دینا منظور ہوتا تو آپ مجرم کو تین روز حراست میں رکھتے اور ان ایام میں اس معاملہ پر غور کرتے تاکہ عجلت میں زیادتی نہ ہو جائے۔[۱] موصل کے حاکم نے لکھا کہ یہاں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں بہت ہوتی ہیں۔ کیا لوگوں کو شبہ پر سزا دوں یا ثبوت کے بعد؟ آپ نے لکھا کہ سنت نبوی کے موافق گواہ طلب کرو ورنہ سزا نہ دو۔ اگر ان کی اصلاح حق سے نہیں ہوتی تو کبھی نہیں ہوگی۔[۲]

۲۔ حق و عدل کا قیام: حکومت کا کارخانہ عدل و انصاف ہی سے درست چل سکتا ہے ورنہ رعیت نالاں ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر ثانی کی بصیرت پر یہ راز بخوبی فاش تھا۔ آپ نے اصلاحات میں عدل و انصاف کے قیام کو مرکزی حیثیت دی۔

خراسان کے حاکم نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ رعیت بہت بگڑ گئی ہے۔ کوڑے اور تلوار کے بغیر درست نہیں ہو گی۔ آپ نے جواباً تحریر فرمایا' تم جھوٹ کہتے ہو۔ کہ اصلاح کے لئے کوڑے اور تلوار کی ضرورت ہے۔ ان کی اصلاح حق و عدل سے ہو گی۔ ان سے خوب کام لو۔[۳]

ایک اور حاکم نے لکھا کہ شہر کی حالت خراب ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمان بھیجا کہ اس کے گرد عدل کی دیوار کھینچو اور راستوں سے ظلم دور کرو۔[۴]

آپ دفعہ آپ حمص کے بازار میں سوار چلے جاتے تھے۔ ایک شخص نے سواری روک لی اور کہا کہ میرا انصاف کیجئے۔ آپ سواری سے اترے اور پوچھا' کیا شکایت ہے؟ وہ بولا' ایک شخص نے میری زمین چھین لی ہے۔ آپ نے وہیں حاکم کو خط لکھا کہ اس کے معاملہ میں تحقیق کر کے فیصلہ کرو۔ آپ نے اس شخص کو زاد راہ کے لئے رقم دی۔[۵]

ایک عورت شکایت لے کر آئی۔ آپ نے فرمایا' بعد میں آنا' میں حکم لکھ دوں گا۔ پھر کہا ٹھرو' شاید جب تک زندگی نہ ہو۔ ابھی حکم لکھ دوں۔[۶]

مدینہ کے حاکم نے لکھا کہ فلاں شخص نے آپ کو گالی دی ہے۔ میرا ارادہ اسے قتل کرنے کا

۱۔ سیوطی۔ ۲۔ سیوطی ۳۔ سیوطی۔ ۴۔ ابو نعیم صفحہ ۳۰۵۔ ۵۔ ابو نعیم صفحہ ۲۸۰۔ ۶۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۴۲۔

Marfat.com

ہے۔ آپ نے جواب لکھا' اگر تم نے اسے قتل کیا تو میں قصاص میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ گالی کی سزا قتل نہیں سوائے اس کے کہ کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے۔[1]

ایک شخص نے حاضر ہو کر شکایت کی کہ میں نے فصل بوئی تھی۔ شامی لشکر ادھر سے گزرا اور اس نے برباد کر دی۔ آپ نے دس ہزار دینار ہرجانہ کے طور پر دیئے۔[2]

۳۔ ظالم حکام کا استیصال : حکومت کی اصلاح جبھی ممکن ہے کہ حکام کی اصلاح کی جائے اور ناقابل اصلاح حکام کو سزا دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ دی۔ خلیفہ سلیمان کو دفن کرنے کے بعد اسی جگہ جو احکام تحریر فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ مصر کے صاحب الخراج اسامہ بن زید تنوخی کو قید کر دیا جائے اور صرف نماز کے وقت اس کی بیڑیاں اتاری جائیں۔ دوسرا حکم یہ تھا کہ افریقیہ کے والی کو سبک دوش کر دیا جائے۔ یہ والی بہت سنگ دل تھا۔[3] آپ نے ان سب حکام کو جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے' علیحدہ کر دیا۔[4]

آپ نے عراق ک نامور والی یزید بن مہلب سے سلیمانی عہد کا حساب مانگا۔ اس نے معذوری ظاہر کی اور کہا' میرے اور سلیمان کے درمیان معاملہ واحد تھا۔ آپ نے اسے قید میں ڈال دیا۔[5] آپ بیمار پڑے تو یزید جیل سے بھاگ نکلا اور خط لکھا کہ مجھے آپ کی زندگی کی امید ہوتی تو نہ بھاگتا۔ آپ نے دعا کی' اے اللہ! لوگوں کو اس کے شر سے بچا۔[6]

آپ ایک طرف حضرت فاروق اعظمؓ کو نیکی کی نظیر مانتے تھے اور دوسری طرف حجاج بن یوسف کو بدی کی مثال کے طور پر پیش کرتے تھے۔ آپ نے عمال کو حکم دیا کہ حجاج بن یوسف کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ وہ نہ وقت پر نماز پڑھتا تھا اور نہ واجب زکوۃ لیتا تھا۔[7] آپ نے حجاج کے سارے خاندان کو یمن کی طرف چلا وطن کیا اور وہاں کے حاکم کو لکھا' میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں جو بدترین عرب ہیں۔ انہیں ان کی فرومائیگی کے اندازے سے صوبہ میں منتشر کر دو۔[8] حجاج کا کل خاندان اس کے مظالم میں شریک تھا۔ اس لئے وہ اس سزا کے حقدار تھے۔

۴۔ حکام کو ذمہ داری کا احساس : اموی عہد میں اعلیٰ مناصب جاہ و حشمت اور عیش و عشرت کا سرچشمہ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر ثانی نے اس غلط فہمی کی اصلاح کی۔ ایک عہدہ دار کو لکھتے ہیں : جو آدمی سلطنت کے کسی امر میں آزمایا گیا وہ سمجھے کہ عظیم آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔[9] خلافت راشدہ میں امارت کا یہی تصور تھا۔ چنانچہ لوگ ذمہ داری کے مناصب سے پہلو تہی کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں بھی وہی نقشہ نظر آنے لگا۔ آپ نے ایک صاحت کو کسی عہدے پر مامور کرنا چاہا۔ اس نے انکار کیا۔ آپ نے بہت اصرار کیا تو اس نے

۱۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۷۔ ۲۔ ابو نعیم صفحہ ۳۲۵۔ ۳۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۴۔ ۴۔ ابن جوزی۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن جوزی۔ ۸۔ ابن جوزی۔ ۹۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۸۷۔

Marfat.com

جواب دیا کہ مجھے ذمہ دار اٹھانے میں اللہ تعالیٰ کا خوف آتا ہے۔[۱]

۵ ۔ رشوت کا قلع و قمع : آپ نے عمال کو رشوت خوری سے بچانے کے لئے اتنی تنخواہیں مقرر کر دیں کہ زندگی کی ضروریات انہیں نہ ستائیں۔[۲]

آپ کا اپنا یہ حال تھا کہ کسی کا تحفہ بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے یہ عرض کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول فرما لیا کرتے تھے۔ جواب دیا' تحفہ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ ہوتا تھا۔ ہمارے لئے رشوت کا قائم مقام ہے۔[۳] آپ نے اپنے لئے قبر کی جگہ بھی بیس دینار میں خرید کر مخصوص کر لی تھی۔[۴]

۶ ۔ ناروا اموال کی واپسی : اموی خلفاء اور روساء نے سرکار اور عوام کی املاک چھین جھپٹ کر اپنے قبضہ میں کر لی تھیں۔ عمر ثانی نے اس کا تدارک کیا۔ اموی تاجدار نے یا خاصہ کی زمین بھی اپنے ذاتی تصرف میں لے آئے تھے حالاں کہ ان کی آمدن سرکاری اخراجات میں لگنی چاہیے تھی۔ آپ نے یہ سب زمین سرکاری تحویل میں دے دی۔ خود معمولی تنخواہ پر گزر کرتے تھے۔

فدک کی زمین جو ابتدا سے سرکاری اخراجات کے لئے وقف تھی بنو امیہ نے آپس میں بانٹ لی تھی۔ اس کا ایک حصہ حضرت عمر ثانی کے والد کے پاس بھی تھا۔ آپ نے یہ کل زمین سرکاری تصرف میں دے دی۔[۵] آپ کو وراثتہً یمامہ میں کچھ زمین ملی تھی۔ یہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لئے تھی۔ اس سے دست بردار ہو گئے۔[۶] آپ کی زوجہ حضرت فاطمہ کے پاس ایک لونڈی تھی آپ کو معلوم ہوا کہ اسے زبردستی اپنے گھر سے جدا کیا گیا تھا۔ اسے گھر والوں کے پاس لوٹا دیا۔[۷]

آپ نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اپنے زیور بیت المال میں جمع کر دو۔ انہوں نے تعمیل کی۔[۸]
آپ نے اپنی انگوٹھی کا نگینہ بھی بیت المال میں جمع کر دیا۔[۹]

اموی شہزادوں کو حکومت کی طرف سے وظیفے ملتے تھے۔ آپ نے بند کر دیے۔ انہوں نے گلہ کیا تو فرمایا کہ تمہارا حق دیگر مسلمانوں سے زیادہ نہیں۔[۱۰]

ایک روز ظہر سے کچھ قبل عوام کو مسجد میں جمع کیا اور فرمایا' لوگوں نے ہمیں کچھ عطیے دیے تھے جن پر نہ میرا حق ہے اور نہ دیگر آل مروان کا۔ آج وہ عطیے ہم تمہیں واپس کرتے ہیں۔ ...پ کے پاس ایک تھیلا تھا۔ اس میں سابقہ خلفاء کے قبالے تھے۔ خود منبر پر بیٹھے اور ایک ...س کو یہ تھیلا دے کر پاس کھڑا کیا۔ وہ ایک ایک قبالہ نکال کر پڑھتا اور حضرت عمر کے ہاتھ ...دیتا۔ آپ کے ہاتھ میں قینچی تھی۔ آپ قبالہ کو لے کر کاٹ دیتے۔ قبالے کاٹتے کاٹتے ظہر اذان ہو گئی۔[۱۱]

...بو نعیم۔ ۲۔ ابن جوزی۔ ۳۔ سیوطی' ابو نعیم۔ ۴۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۱۱۴۔ ۵۔ ابن کثیر' ابن جوزی۔ ۶۔ ابن جوزی۔ ۷۔ ابن ...بدالحکم۔ ۸۔ ابن کثیر۔ ۹۔ ابن جوزی۔ ۱۰۔ سیوطی۔ ۱۱۔ ابن جوزی۔

Marfat.com

لوگوں نے آپ کی انصاف پروری کا سنا تو حق طلب کرنے کے لئے جوق در جوق آنے لگے۔ چند عرب کاشت کار آئے اور نالش کی کہ ہم نے کچھ ویران زمین آباد کی تھی، ولید نے چھین کر اپنے اعزہ کو دے دی۔ حضرت عمر نے کہا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔ جس نے ویران زمین آباد کی وہ اسی کی ہو گی۔ زمین کاشت کاروں کو لوٹا دی۔ ۱

خلیفہ ولید کے بیٹے عباس کے خلاف ایک بوڑھے شخص نے فریاد کی کہ اس نے میری زمین چھینی ہے۔ عباس نے کہا مجھے ولید نے دی تھی اور فرمان لکھ دیا تھا۔ فرمایا، ولید کی تحریر پر اللہ کی کتاب مقدم ہے۔ زمین واپس کر دو۔ ۲

اموی ارکان کی ظلم سے بنی ہوئی املاک ہاتھ سے نکل گئیں تو آپ کے پاس سفارش کے لئے گئے۔ انہوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا، مجھے چھوڑ دو ورنہ مکہ چلا جاؤں گا اور خلافت کسی اہل تر آدمی کے سپرد کر جاؤں گا۔ ۳

ایک دفعہ بنو امیہ آپ کے دروازے پر اکٹھے ہوئے اور آپ کے بیٹے عبدالملک کی زبانی کہلا بھیجا کہ سابقہ خلفاء ہمیں عطیے دیتے تھے اور ہمارا حق پہچانتے تھے۔ آپ نے ہم پر دروازہ بند کر دیا ہے۔ آپ نے جواب بھیجا، میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتا ہوں۔ ۴ آپ کا ایک رشتہ دار آیا اور رزق کی شکایت کی۔ فرمایا، موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ تنگی جاتی رہے گی۔ ۵

آپ نے شہزادوں سے چھینا جھپٹی کا مال باری باری اگلوایا۔ ان کی تعداد بہت تھی، اس لئے یہ قدم یک بارگی نہیں اٹھا سکتے تھے تاکہ حکومت میں انتشار پیدا نہ ہو جائے۔ ۶

آپ نے عہدہ داروں سے بھی چھینا ہوا مال واپس دلوایا۔ ۷ حکم عام جاری کیا کہ میں نے مغصوبہ اموال واپس کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر منع کر دیا کیوں کہ لوگ جھوٹ دعوے پیش کرنے لگے۔ لیکن اب پھر حکم دیتا ہوں کہ اموال حق داروں کو پھیر دو۔ میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ بدگمانی کے ساتھ اموال واپس کروں بجائے اس کے کہ روک رکھوں اور کل (آخرت کو) معاملہ کھل کر سامنے آ جائے۔ ۸

۷۔ **تاوانوں کی واپسی**: حجاج بن یوسف نے عوام پر جس قدر تاوان لگائے تھے آپ نے سب واپس کر دیئے۔

۸۔ **ظالمانہ ٹیکسوں کی تنسیخ**: آپ سے پہلے اموی خلفاء نے عوام کو بوجھل ٹیکسوں سے زیر بار کر رکھا تھا۔ آپ نے یہ سب ٹیکس منسوخ کیے۔ اور حکم دیا کہ صرف وہی ٹیکس وصول کیے جائیں گے جو شرع میں جائز ہوں۔ ۹ آپ نے ایک اعلان عام جاری فرمایا کہ نو روز اور مہرجان کے تحفے، فرامین کی قیمت، پیادوں کی اجرت، نقد کی پرکھ کرنے والے سرکاری ملازموں سے

۱۔ ابن جوزی۔ ۲۔ ابن کثیر، ابن جوزی۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابو نعیم۔ ۵۔ ... ۶۔ ... ۷۔ ... ۸۔ ابن عبدالحکم۔ ۹۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۶۵۔

عوضانے اور عمال کی خوراک اور مہمانداری ممنوع ہے۔ [1] اس نرمی کے باوصف آپ کے عہد میں حجاجی دور کی نسبت خراج بڑھ گیا۔ [2]

۹۔ نو مسلموں سے جزیہ لینے کی ممانعت: بنو امیہ اور ان کے امراء کی زر طلبی کا یہ حال تھا کہ جو ذمی اسلام قبول کر لیتے ان سے بھی بدستور جزیہ وصول کرتے تھے۔ یہ ٹیکس خلاف اسلام تھا۔ اس کے برابر سنگدلانہ ٹیکس شاید ہی کوئی اور ہو۔ آپ نے حکم دیا کہ کسی کلمہ گو سے جزیہ نہ لیا جائے اور نہ اسے ذمی شمار کیا جائے۔ [3] ایک عامل نو مسلموں سے جزیہ لیتا تھا اور انہیں اسلام لانے سے روکتا تھا۔ آپ نے یہ لکھ کر اسے معزول کر دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے نہ کہ وصولی کے لئے۔ [4] ایک حاکم نے لکھا لوگ کثرت سے مسلمان ہو گئے ہیں اور جزیہ کم ہو گیا ہے۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا' کاش سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور ہم تم کھیتی باڑی کر کے روزی کمائیں۔ [5]

۱۰۔ بیت المال کا صحیح مصرف: عمر ثانی سے قبل اموی بادشاہ بیت المال کو ذاتی ملک سمجھتے تھے اور اپنی خوشی سے خرچ کرتے تھے۔ آپ نے بیت المال کے بارے میں خلافت راشدہ کا نظریہ زندہ کیا کہ یہ عوام کا مال ہے اور انہی کی ضرورتوں میں لگنا چاہیے۔ خلیفہ کا بیت المال کی رقم پر ایک رتی بھی حق نہیں۔ آپ نہ صرف خود بیت المال کے معاملہ میں بہت محتاط تھے بلکہ عمال اور دیگر عہدہ داروں پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔

آپ کا سالانہ وظیفہ چار سو درہم تھا یعنی تقریباً ایک درہم یومیہ۔ آپ کی خوراک بالعموم دال ہوتی تھی۔ ایک دفعہ بیوی سے پوچھا' کیا تمہارے پاس ایک درہم نہیں جس سے انگور خریدوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ لیکن کیا امیرالمومنین ہو کر بھی آپ کے لئے ایک درہم دشوار ہے۔ فرمایا' ہاں۔ دوزخ میں بھنے سے یہ آسان سمجھتا ہوں۔ [6]

آپ کے پاس روشنی کے لئے ایک شمع ہوتی تھی اور ایک دیا۔ شمع سرکاری تھی اور دیا ذاتی۔ شمع کو صرف سرکاری کام کے لئے روشن کرتے تھے۔ [7]

ایک دفعہ ذاتی ضرورت کے لئے شہد منگوایا۔ معلوم ہوا کہ سرکاری جانوروں پر رکھ کر لایا گیا ہے۔ آپ نے شہد بیچ ڈالا اور رقم بیت المال میں جمع کر دی۔ [8]

ایک بار گوشت منگوایا۔ نوکر سے کہا کہ بھون لائے۔ وہ جلدی سے سرکاری مطبخ میں بھون لایا۔ آپ کو علم ہوا تو اسے کہا' تم خود ہی کھا لو۔ [9]

ایک دفعہ آپ کا ملازم سرکاری باورچی خانہ میں پانی گرم کر لایا۔ آپ کو معلوم ہوا تو ایک درہم کا ایندھن خرید کر بھجوا دیا۔ [10] ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بھی منظور نہ تھا کہ آپ کے کام کے لئے سرکاری جانور بلکہ سرکاری باورچی خانہ کی آگ تک استعمال ہو۔ حد یہ

۱۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۶۱۔ ۲۔ مستطرف باب ۱۹ صفحہ ۱۴۲۔ ۳۔ ابن جوزی۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن جوزی' ابو نعیم۔ ۶۔ سیوطی۔
۷۔ ابن عبدالحکم' ابن کثیر۔ ۸۔ ابن جوزی۔ ۹۔ ابن جوزی۔ ۱۰۔ سیوطی۔

Marfat.com

ہے کہ ایک دفعہ بیت المال کی خوشبو آپ کے سامنے لائی گئی تو آپ نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہا کہ خوشبو کا یہی تو فائدہ ہے کہ اسے سونگھا جائے۔ ۱۔ (آپ نے یہ فائدہ اٹھانا قبول نہ کیا اس لیے کہ خوشبو آپ کی نہ تھی، سرکاری تھی)

آپ سے قبل خلیفہ کی ذات کے لئے تین سو محافظ اور تین سو سپاہی پولیس کے ہوتے تھے۔ آپ نے ان سے کہا، تقدیر میری پاسبان اور اجل محافظ ہے۔ تم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔ ۲۔

تقریباً پچاس برس کے بعد دنیا کے سامنے ایک بار پھر خلافت راشدہ کا منظر آگیا کہ خلیفہ بغیر پہرہ اور حفاظتی دستہ کے عوام میں پھر رہا ہے۔

ایک دن سرکاری سیب تقسیم کر رہے تھے۔ ایک سیب آپ کے بچے نے اٹھا لیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ گھر آئے تو فرمایا، میں نے بچے سے سیب چھینا تو گویا اپنے دل سے نوچ لیا۔ لیکن یہ نہ چاہا کہ ایک سیب کے عوض اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم ہو جاؤں۔ ۳۔

ایک حاکم نے کاغذ مانگے۔ اسے لکھا، قلم باریک کرو۔ سطریں قریب قریب لکھو۔ حاجتیں مختصر کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کا مال بے فائدہ خرچ کروں۔ مدینہ کے قاضی ابوبکر نے درخواست بھیجی کہ فجر کی نماز کو جانے کے لئے شمع کے پیسے چاہیں۔ آپ نے جواب دیا، مجھے معلوم ہے کہ ایک وقت بارش کی اندھیری رات میں تم پیدل جایا کرتے تھے۔ اور آج کل تو تمہاری حالت بہتر ہے۔ ۴۔

وہب بن منبہؒ یمن کے صاحب بیت المال تھے۔ ان سے ایک دینار کھو گیا۔ آپ نے لکھا، میں آپ پر بے دینی یا بددیانتی کی تہمت نہیں لگاتا لیکن نقصان کا الزام دیتا ہوں۔ آپ حلف اٹھائیں۔ ۵۔

۱۱۔ **اخلاقی اصلاح** : آپ نے عوام کی اخلاقی اصلاح کی طرف بہت توجہ دی۔ شراب کی بندش کی امکانی کوشش کی۔ عورتوں کو پبلک حماموں میں غسل کرنے سے روکا اور مردوں کو ضرورت سے بڑھ کر بال سنوارنے سے منع کیا۔

۱۲۔ **ایک بری رسم کا انسداد** : بنو امیہ کا طریقہ تھا کہ جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؓ کے خلاف گستاخانہ فقرے کہتے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ آئندہ ایسے فقرے نہ دہرائے جائیں اور ان کے بجائے خطبہ میں قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی جائے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔

۱۳۔ **اہل الذمہ کے حقوق کی بحالی** : جس دور حکومت میں اسلامی رعیت کے حقوق بحال

۱۔ ابن کثیر، ابن عبدالحکم صفحہ ۴۴، ابونعیم۔ ۲۔ سیوطی۔ ۳۔ ابن جوزی۔ ۴۔ ابن جوزی، ابونعیم۔ ۵۔ ابن جوزی، ابن عبدالحکم۔

Marfat.com

نہ تھے وہاں غیر مسلموں کو انصاف کی توقع کیوں کر ہو سکتی تھی۔ ان کی حالت بہت کمزور پڑ گئی تھی۔ حضرت عمر ثانی نے اس بات کا احساس کیا کہ غیر مسلم بھی سلطنت کے اعضاء ہوتے ہیں۔ ان کے کمزور پڑنے سے سلطنت کمزور ہو جاتی ہے۔ آپ نے ایک عامل کو لکھا اہل الذمہ کی طاقت بڑھاؤ۔ انہیں ہمارے ساتھ صرف دو سال نہیں رہنا ہے۔ ا۔

حجاج ذمیوں کے کندھوں پر مہر کرواتا تھا۔ آپ نے یہ ظالمانہ طریقہ منسوخ کیا۔ ۲۔

اسلام نے اہل ذمہ کے جو حقوق مقرر کئے ہیں وہ بحال ہوئے۔ ان کو مذہبی آزادی حاصل ہوئی۔ کوئی شخص ان پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو مار ڈالا۔ تو آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا۔ ۳۔ ایک مسلمان نے ایک ذمی کے گھوڑے کو بیگار میں پکڑا۔ آپ نے اس مسلمان کو چالیس کوڑے پڑوائے۔ ۴۔

بربر کے ایک قصبہ لواتہ کی کچھ لونڈیاں مسلمانوں کے ہاں تھیں۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ یا تو ان کے آباء کی اجازت لے کر ان سے نکاح کر لو یا انہیں گھروں کو لوٹا دو۔ ۵۔

سابقہ ایام میں اہل ذمہ کے ساتھ جو بے انصافیاں ہوئی تھیں آپ نے ان کی تلافی کی۔

متفرق کارنامے

رفاہ عامہ

۱۔ اشاعت علم : آپ کو علم کی ترقی سے بہت لگاؤ تھا۔ کہا کرتے تھے' اگر ہو سکے تو عالم بنو ورنہ متعلم ہو جاؤ۔ اگر یہ دونوں کام نہ کر سکو تو عالم و متعلم سے محبت رکھو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو ان سے بغض نہ رکھو۔ ۶۔ آپ نے اہل علم کو حکم دیا کہ مسجدوں میں علم کی نشر و اشاعت کریں کیوں کہ سنت سے لوگ غافل ہو گئے ہیں۔ ۷۔ آپ نے کتابت حدیث کی پرزور تحریک چلائی اور علماء کو لکھا کہ احادیث کو احاطہ تحریر میں لاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ علم کھو جائے۔

۲۔ سرکاری مہمان خانے : آپ نے بعض جگہوں میں مہمان خانے بنوائے جہاں مسلمان مسافروں کے لئے ایک دن تک سرکاری طور سے اقامت اور خوراک کا اہتمام ہوتا تھا۔ ۸۔

۳۔ نہر ابن عمر : آپ نے زر کثیر خرچ کر کے عراق میں ایک نہر کھدوائی جسے نہر ابن عمر کہا کرتے تھے۔

۴۔ آپ نے معذوروں کی خدمت کے لئے خدام مہیا کئے۔ ۹۔

۵۔ مقروضوں کے بارے میں بالخصوص جو وفات پا چکے تھے حکم دیا کہ ان کے قرضے بیت المال سے ادا کیے جائیں۔ ۱۰۔

۶۔ سلیمان نے قسطنطنیہ کے محاذ پر ایک مہم بھیجی تھی جو بہت تکلیفوں میں مبتلا تھی۔ سلیمان

۱۔ ابن عبد الحکم صفحہ ۶۷۔ ۲۔ ابو نعیم صفحہ ۳۰۶۔ ۳۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین بحوالہ نصب الرایہ۔ ۴۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین بحوالہ ابن سعد۔ ۵۔ بلاذری صفحہ ۲۵۵۔ ۶۔ ابن عبد الحکم صفحہ ۱۳۷۔ ۷۔ ابن جوزی۔ ۸۔ ابن ۔ ۹۔ ابن عبد الحکم صفحہ ۵۵۵۔ ۱۰۔ ابن عبد الحکم صفحہ ۶۷' ۱۷۔

Marfat.com

اس کو واپس نہیں بلانا چاہتا تھا۔ عمر ثانی خلیفہ ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ اس کی واپسی کا حکم بھیجا۔[1] رومیوں کے ہاتھ میں ایک مدت سے مسلمان اسیر مصیبت کے دن گزار رہے تھے۔ آپ نے رومی اسیر اور فدیہ دے کر چھوٹے بڑے، مرد، عورت اور غلام و آزاد سب کو رہا کرایا اور انہیں آزادی ملنے پر مبارک باد بھیجی۔[2] آپ نے عمال کو حکم بھیجا کہ قیدیوں کو آزاد کراؤ چاہے خزانے خالی ہو جائیں۔[3]

۷۔ آپ نے تمام اسلامی قلمرو میں باٹ اور ماپ یکساں کر دیے۔[4]

۸۔ **اشاعت اسلام :** آپ نے غیر مسلم بادشاہوں کو قبول اسلام کی دعوت نامے بھیجے۔ اس کے جواب میں راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ اور چند دیگر ہندوستانی راجے اسلام لائے۔ ان کے اسلامی نام رکھے گئے اور انہیں ملک پر بحال رہنے دیا گیا۔[5] آپ کی دعوت پر ماوراء النہر کے بھی بہت سے لوگ اسلام لائے۔[6]

نظم و ضبط : حضرت عمر نے بے مثال نظم و ضبط قائم کیا۔ آپ کا دور اصلاحات کا دور ہے۔ جس فرماں روا کو ہر صیغہ حکومت اور شعبہ حیات میں اصلاحات نافذ کرنا ہوں اس کے خلاف قدم قدم پر شورش کا خطرہ رہتا ہے۔ لیکن آپ کا دور خلافت امن و سکون کا دور تھا۔ آپ نے نرمی اور سختی سے کام لیا۔ سب سے زیادہ سختی آپ نے اموی ارکان پر کی۔ ان کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اس کے انسداد کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان سے باری باری اور درجہ بدرجہ مظالم کی تلافی کروائی۔[7]

آپ کا دستور تھا کہ حتی الوسع نرمی اور دل جوئی سے کام لیتے تھے۔ خوارج تک آپ کے حسن عمل اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر خاموش ہو گئے۔ لیکن جہاں آپ دیکھتے تھے کہ سختی کے بغیر چارہ نہیں تو کوڑے یا تلوار کو ہاتھ میں لینے سے نہیں ڈرتے تھے۔ کتنے ہی حکام آپ کے ہاتھ سے معزول ہوئے یا کوڑوں سے پٹے یا قید و بند میں مبتلا ہوئے۔

ولید بن عبدالملک کا ایک اجڈ سا بیٹا روح نام تھا۔ اس نے حمص کے شہر میں لوگوں کی دکانیں قبضہ میں کر لی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے پاس شکایت آئی۔ آپ نے روح کو حکم دیا کہ دکانیں واپس کرو۔ فریقین واپس ہوئے تو روح نے ایک شاکی کو دھمکی دی۔ اس نے لوٹ کر حضرت عمر کو اطلاع کی۔ آپ نے ایک افسر کو حکم دیا کہ جاؤ اور دیکھو۔ روح دکانیں واپس کر دے تو بہتر ورنہ اس کا سر کاٹ لاؤ۔ روح کو معلوم ہوا تو دکانیں واپس کر دیں۔[8] بنو مروان آپ کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک اموی نے آپ کو نازیبا خط لکھا۔ آپ طیش میں آ گئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ کو بنو مروان کا ذبح کرانا منظور ہے۔ یہ گلو تراشی کہیں

۱۔ ابن عبدالحکم۔ ۲۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۷۰، ابو نعیم صفحہ ۲۹۰۔ ۳۔ ابو نعیم صفحہ ۳۱۲۔ ۴۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۹۸۔ ۵۔ ابن اثیر ذکر سن ۹۵۔ ۶۔ بلاذری صفحہ ۴۲۶۔ ۷۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۵۹۔ ۸۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۵۹۔

Marfat.com

میرے ہاتھوں واقع نہ ہو۔ بنو امیہ تک یہ کلمات پہنچے تو ایسی حرکتوں سے باز آ گئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت عمر جب کوئی عزم کر لیتے ہیں تو رکتے نہیں۔ [۱]

حضرت عمر نے اعلان کیا کہ جو شخص ہمیں کسی ظلم کی اطلاع دے گا یا ایسی بات کی جس کی رو سے خاص و عام کو فائدہ پہنچے اس کو تین سو دینار تک انعام ملے گا۔ [۲]

وفات : آپ نے اڑھائی برس کے خلافت کے بعد بیس روز بیمار رہ کر انتقال فرمایا۔ موت غالباً سل کے مرض سے واقع ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بنو امیہ نے آپ کے ملازم کو ایک ہزار دینار رشوت دے کر کھانے میں زہر ڈلوا دیا تھا جس سے آپ وفات پا گئے۔ [۳] لیکن یہ بیان درست نظر نہیں آتا کیونکہ زہر اپنا کام کرنے میں بالعموم اتنی مدت نہیں لیتا۔

آپ نے زندگی کی ابھی چالیس بہاریں بھی نہیں دیکھی تھیں۔

اوصاف و اخلاق : حضرت عمر ثانی صاحب علم، ماہر فقہ اور پیکر ورع تھے۔ بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے شاگرد نظر آتے تھے۔ [۴] آپ کے فتوے اسلامی فقہ میں سند ہیں۔

آپ ازبس سادہ، متواضع اور مساوات پسند تھے۔ آپ کے عہدہ خلافت سنبھالنے کے بعد لوگ آپ کی تعظیم کو کھڑے ہوئے تو آپ نے منع فرمایا اور کہا میرے سامنے مت کھڑے ہو۔ صرف اللہ کے آگے کھڑا ہونا چاہیے۔ [۵] ملازموں کو سلام کہنے میں پہل کرتے تھے۔ [۶] ایک دفعہ ایک جنازے میں شریک ہوئے۔ لوگوں نے چٹائی بچھا دی۔ آپ نے اسے پاؤں سے ہٹا دیا اور عوام کے ساتھ فرش زمین پر بیٹھے۔ [۷]

ایک رات رجاء بن حیوت کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔ دیے کی لو کجلائی۔ ایک طرف خادم سو رہا تھا۔ حضرت رجاء نے کہا، اسے جگاتا ہوں کہ اٹھ کر بتی اکسائے۔ عمر بن عبدالعزیز خود اٹھے اور روشنی درست کر کے فرمایا، جب میں اٹھا تو عمر بن عبدالعزیز تھا اور دیا ٹھیک کر کے واپس آیا ہوں تو اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔ [۸]

سادگی کا یہ عالم تھا کہ مرض الموت کے ایام میں آپ کے پاس ایک ہی لباس تھا جسے پہن رکھا تھا۔ [۹]

آپ کے بیٹے عبدالملک بہت پارسا، عوام پرور اور اصول پرست تھے۔ آپ کے دست راست تھے۔ انہوں نے جوانی میں وفات پائی۔ آپ ایک دن ان کی تعریف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا، آج وہ زندہ ہوتے تو آپ انہیں جانشین کر جاتے۔ فرمایا، نہیں عین ممکن ہے وہ مجھے اس لئے اچھا نظر آتا ہو کہ وہ میرا بیٹا تھا۔ [۱۰]

قبول عامہ : عامتہ الناس کو آپ سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ حج کے ایام میں آپ کی

۱۔ ابو نعیم صفحہ ۲۸۱۔ ۲۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۱۴۱۔ ۳۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۴۔ سیوطی، ابو نعیم۔ ۵۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۷۔ ۶۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۸۔ ۷۔ ابو نعیم صفحہ ۲۸۹۔ ۸۔ سیوطی، ابو نعیم۔ ۹، ۱۰۔ سیوطی۔

Marfat.com

محبوبیت دیکھ کر آپ کے ایک معاصر نے کہا' لوگوں کی یہ محبت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی آپ سے محبت ہے۔[1] حضرت سعید بن المسیب کو امراء کے دروازوں پر جانا منظور نہ تھا لیکن آپ کے پاس جانے میں عار نہیں کرتے تھے۔[2]

خلافت راشدہ کے بعد یہ محبوبیت کسی فرماں روا کو حاصل نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ شاہ روم نے بھی آپ کی وفات کا سن کر کہا' اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مردوں کو زندہ کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو عمر بن عبدالعزیز ہوتے۔[3]

خلافت عمر کے دور رس نتائج : حضرت عمر بن عبدالعزیز نے طرز حکومت میں ایک خاموش انقلاب برپا کیا۔ یہ انقلاب نظر بہ ظاہر آپ کی وفات کے بعد باقی نہ رہ سکا کیونکہ آپ کو مددگار میسر نہ تھے۔ آپ کی مثال ایک کامل صناع کی تھی جس کے پاس اوزار نہ ہوں۔ تاہم آپ کی مختصر سی مدت خلافت کے نہایت گہرے اور دور رس نتائج تھے۔

عوام بنو امیہ کی چیرہ دستی سے نالاں تھے۔ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت میں خلافت راشدہ کا رنگ دیکھا تو ہر طرف اطمینان کی لہریں موجزن ہوئیں۔ انہیں آسرا لگا کہ آبرو اور جان و مال کے احترام کے دن آگئے ہیں۔ لیکن آپ کے آنکھیں بند کرتے ہی ان کے ارمانوں کا خون ہو گیا' ایسے ایسے تاجدار بھی آئے جنہیں اخلاق و مروت سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ نتیجہ یہ کہ اولاد امیہ کے خلاف جذبات ابھرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شورش و اضطراب کے طوفان چل نکلے اور شہریاروں کا سکون لٹ گیا۔ عباسی تحریک کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور اموی سلطنت متزلزل ہو گئی۔

۱۔ صحیح مسلم۔ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ ۳۔ ابو نعیم صفحہ ۲۹۰۔

Marfat.com

یزید ثانی بن عبدالملک

(۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ) (۷۱۹ء تا ۷۲۳ء)

یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو شروع میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سی سیرت اختیار کی اور کہا کہ وہ مجھ سے بڑھ کر رضائے الٰہی [illegible] تھے لیکن چالیس روز کے بعد اچانک عادت بدل گئی۔[1] اس کی دو لونڈیاں تھیں [illegible] محبت میں ایسا کھویا کہ حکومت کی کچھ خبر نہ رہی۔[2،3]

آل مہلب کی ہلاکت: یزید بن [illegible] مہلب سے دیرینہ عناد تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن مہلب نے سلیمان کے [illegible] یوسف کے خاندان سے چھینا جھپٹی کا مال اگلوانے میں بہت شدت کی تھی۔ [illegible] بھتیجی یزید بن عبدالملک کی بیوی تھی۔ ابن مہلب نے اس پر اور بقول بعض اس [illegible] سختی کی۔ یزید سفارش کے لئے ابن مہلب کے مکان پر گیا تو اس نے اس کی [illegible] دی۔ یزید نے دھمکی دی کہ میں خلیفہ ہوا تو تمہیں تلوار سے تراش ڈالوں گا۔ ابن مہلب نے جواب دیا کہ تم نے ایسا کیا تو میں تم پر ایک لاکھ تلواریں برساؤں گا۔[4]

یزید بن مہلب کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے غبن کی پاداش میں قید کر رکھا تھا۔ حضرت عمر مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ابن مہلب جیل سے فرار ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ یزید بن عبدالملک انتقام لے گا۔

ابن مہلب ہاتھ سے نکل گیا تو یزید بن عبدالملک نے اس کے تین بھائیوں مفضل، حبیب اور مروان کو جو بصرہ میں تھے جیل میں ڈلوا دیا۔ ابن مہلب بصرہ آیا۔ یہاں کے لوگوں میں وہ ہر دلعزیز تھا۔ اس نے نہایت آسانی سے بصرہ پر قبضہ کیا اور اس کے اضلاع پر حکومت قائم کر لی۔ اس نے عوام کو بنو امیہ کے خلاف جوش دلانا شروع کیا۔ ایک تقریر میں کہا کہ میں کتاب و سنت اور جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتا ہوں۔ شامیوں کے ساتھ جہاد کرنا ترک و دیلم کے جہاد سے افضل ہے۔ حضرت حسن بصری موجود تھے۔ انہوں نے پکار کر کہا ہمیں تمہاری ولایت اور حکومت کا تجربہ ہے۔ تمہارے منہ سے یہ باتیں اوچھی لگتی ہیں۔ حضرت حسن اس کے بعد بھی لوگوں کو اس سے خبردار کرتے رہے۔[5]

خلیفہ نے ابن مہلب کے خلاف پے درپے لشکر بھیجے۔ ایک بار جب شاہی فوج مسلمہ بن

۱۔ سیوطی۔ ۲۔ فخری۔ ۳۔ مسعودی۔ ۴۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

عبدالملک کے زیر قیادت ابن مہلب کے مقابلہ پر میدان میں آئی تو ابن مہلب کی فوج بھاگ نکلی۔ اس کے ساتھ مختصر سی جماعت رہی۔ تاہم وہ نہ گھبرایا۔ اور بہادرانہ جان دی۔ اس کا بھائی بھی اس جنگ میں کھیت رہا۔ مفضل اپنے دیگر تین بھائیوں اور اہل خاندان کو لے کر قندابیل (سندھ) کی طرف فرار کر گیا۔ اس کے ساتھ کچھ مددگار تھے۔ ان میں سے اکثر راہ سے پلٹ آئے۔ قندابیل کا حاکم آل مہلب کا پروردہ تھا لیکن اس نے ان کے خلاف تلوار بے نیام کر لی۔ ایک ہلکی سی جھڑپ میں مہلب کے سب بیٹے مارے گئے۔ مستورات اور دیگر ارکان کو قید کر کے خلیفہ کے پاس روانہ کر دیا۔ مہلب کے نامور خاندان کا یوں انجام ہوا۔

آل مہلب یمنی تھے۔ ان کی بربادی پر یمنی قبائل تلملا اٹھے یمانیہ اور مضر کے درمیان دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔

بغاوتیں اور شورشیں : یزید بن عبدالملک کے خلاف عوام میں ہر کہیں ناراضی کے آثار نظر آنے لگے۔ ایک تو آل مہلب کے ہوا خواہ اس سے متنفر تھے۔ اور دوسرے ٹیکسوں کے بوجھ سے عوام برگشتہ ہونے لگے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں نرمی اور رواداری کا سلوک ہوتا تھا۔ اب دوبارہ حجاج کی پالیسی پر عمل ہوا تو چین' افریقہ اور ماوراء النہر ہر کہیں بغاوت کے جھنڈے کھڑے ہو گئے۔

خوارج : خوارج نے ایک بار پھر سر اٹھایا۔ لیکن اب ان میں پرانے دم خم نہ تھے۔ شکست کھا کر دب گئے۔

افریقیہ : یہاں کے والی نے نو مسلموں پر جزیہ عائد کیا۔ لوگوں نے اسے مار ڈالا اور بغاوت پھیل گئی۔

ماوراء النہر : ترکوں نے حسب عادت غداری کی اور اپنے ہاں کے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اسلامی افواج نے پہنچ کر انہیں چھڑایا اور جہاں جہاں بغاوت کا دورہ تھا ختم کیا۔

خزر : آذر بائیجان کے لوگوں نے جو خزر کہلاتے تھے اسلامی فوج کو شکست دی۔ ان کے ساتھ طویل معرکے چھڑ گئے۔ طرفین کا بھاری نقصان ہوا۔

رومی محاذ : یزید کے عہد میں رومی محاذ پر بدستور سرگرمی رہی۔ مجاہدین نے کچھ مزید علاقے لئے۔

وفات : یزید نے ۱۰۵ ہجری میں چالیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی وفات کا قصہ یہ ہے کہ اس کی ایک محبوب لونڈی حبابہ نے اچانک رحلت کی۔ یزید نیم دیوانہ ہو گیا۔ اس کی میت کو دفن نہیں ہونے دیتا تھا۔ تین روز بعد جب کہ حبابہ کی میت سڑنے لگی تو مشکل سے اسے چھڑا کر دفن کیا گیا۔ یزید سل کا مریض تھا۔ اس صدمہ نے اور ستم کیا۔ پندرہ روز غم میں گھل کر جان دے دی۔ [1]

---

[1] ابن اثیر۔

Marfat.com

ہشام بن عبد الملک

۱۰۵ تا ۱۲۵ ہجری

یزید ثانی کی مسند اس کے بھائی ہشام لے نے سنبھالی۔ یزید ثانی کے عہد میں حکومت کی چولیں ڈھیلی پڑ چکی تھیں اور ہر شعبہ میں بگاڑ راہ پا چکا تھا۔ ہشام نے سب خرابیوں کی بیخ کنی کی ٹھان لی۔

جنگی مہمات : ہشام کے عہد میں جنگ کے محاذ سب سرحدوں پر گرم رہے۔ مثلاً

۱۔ **سندھ :** جنید والی سندھ نے راجہ داہر کے بیٹے جیسیہ سے بگاڑ پیدا کر لیا۔ جیسیہ مرتد ہوا اور مقابلہ کو اٹھا۔ ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جیسیہ گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد اسلامی افواج نے فتوحات کا دائرہ خوب پھیلایا۔ ازین (اجین) اور مالبہ (مالوہ) تک چھا گئیں۔ جنید کے بعد یہ علاقے ہاتھوں سے نکل گئے اور بڑی مشکلوں کے بعد واپس ملے۔ عرب سپاہ کی اقامت کے لئے دو شہر آباد کئے گئے۔ ایک کا نام محفوظ تھا جو سندھ کے مشرقی کنارے تھا۔ دوسرے کا نام منصورہ تھا۔ یہ سندھ کی غربی سمت میں تھا۔ ؎۲

۲۔ **ترکستان :** یہاں کا محاذ وسیع اور پر خطر تھا۔ پر پیچ گھاٹیوں میں ہر جگہ بغاوت کے شعلے لپک رہے تھے۔ ہشامی افواج قدم قدم پر جانی اور مالی نقصان سے دو چار ہوئیں۔ مہم کا سررشتہ حاکم خراسان کے ہاتھ میں تھا۔ ہشام کو آئے دن کی ناکامیوں کے سبب پے در پے خراسان کے حاکم بدلنا پڑے۔ چار برس کے بعد (۱۰۹ ھ میں) اس منصب پر اشرس سلمی کی باری آئی۔ اس نے شمشیر کی جگہ تدبیر اور تبلیغ سے کام لیا۔ لوگوں کو اسلام کے دعوت نامے بھیجے۔ قبیلوں کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے لیکن جزیہ بہت گھٹ گیا تو اشرس کو فکر لگی۔ اس نے صاحب الخراج کو لکھا کہ لوگ جزیہ سے بچنے کے لئے اسلام کا نام لے رہے ہیں۔ جو آدمی فرائض کا پابند ہے اور قرآن کی کم از کم ایک سورت پڑھ سکتا ہے صرف اس سے جزیہ اٹھاؤ۔ اس اقدام پر نو مسلم بگڑ بیٹھے۔ ایک صاحب ابوالسیداء نامی تبلیغ پر مامور تھے۔ انہوں نے بھی نو مسلموں کا ساتھ دیا اور بعض دیگر قدیمی مسلمان بھی احتجاج میں شریک ہوئے۔ اشرس نے گاہے حیلے اور گاہے جبر سے کام لیا۔ اس نے ابو السیداء اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کیا اور عجم کے سرداروں کی تذلیل کی۔ لوگ اور بھڑکے بغاوت کی آگ تیز تر ہوئی کئی لوگ مرتد ہو گئے۔ ترکی قبائل ان کی مدد کو آئے۔ سخت و تند معرکے ہوئے۔ دو سال بعد ۱۱۱ ھ میں ہشام نے اشرس کو الگ کر کے جنید کو مامور کیا۔ اس عرصہ میں ترکستان کا خاقان بھی مسلمانوں کے خلاف میدان میں آ چکا تھا۔ جنید پانچ برس تک اس کے ساتھ الجھا رہا۔ جنگ کے پلڑے تقریباً برابر رہے۔ کبھی مسلمان زک اٹھاتے

۱۔ ہشام میں شین بغیر تشدید کے ہے۔ ۲۔ بلاذری۔

Marfat.com

اور کبھی خاقان کا لشکر ہار کھا جاتا۔ ۱۱۶ ہجری میں ہشام نے جنید کی جگہ عاصم ہلالی کو دی۔ اب ایک مسلمان سردار حرث (یا حارث) نے سرتابی اختیار کی۔ عاصم نے ہشام کو لکھا کہ یہ تلاطم اس وقت تک نہیں تھمے گا جب تک خراسان کو عراق کے صوبہ میں نہ ملایا جائے۔ ہشام نے یہ تجویز منظور کی اور متحدہ صوبہ پر عبداللہ بن خالد قسری کا تقرر کیا۔ عاصم کو امید تھی کہ یہ عہدہ اسے ملے گا۔ اب جب پانسہ اس کے خلاف پڑا تو اسے خود مختاری کی سوجھی۔ اس نے حرث سے اتحاد کرنا چاہا لیکن شامی فوج نے انکار کر دیا۔ عاصم نے دوبارہ حرث سے جنگ چھیڑی اور اسے فیصلہ کن شکست دی۔ لیکن حکومت کی نگاہ میں اپنا گناہ نہ دھو سکا۔ اس کے جانشین اسد نے آتے ہی اسے گرفتار کرا لیا۔

اسد نے حرث کا زور بالکل توڑ دیا۔ وہ خاقان کے سایہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ خاقان کو اس کے ایک برگشتہ امیر کورصول نے قتل کر دیا۔ کورصول نے اہل اسلام سے جنگوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

دو سال بعد ۱۲۰ ہجری میں اسد نے وفات پائی۔ اس کی جگہ نصر بن سیار نے لی۔ اس نے نظام کار کی اصلاح کی۔ مظالم کا انسداد کیا۔ صیغہ خراج کو درست کیا اور نو مسلموں سے جزیہ ہٹایا۔[۱]

کورصول گرفتار ہو کر انجام کو پہنچا۔ ترکستانیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور جگہ جگہ سے صلح کی پیشکش ہونے لگی۔ سغد کے ساتھ نصر کی جو شرائط طے ہوئیں وہ یہ تھیں کہ کوئی نو مسلم مرتد ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں ہوگی۔ کسی کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ قبائل کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں ان کا قضیہ قاضی کے سامنے پیش ہو گا۔ اور وہ گواہیاں سن کر فیصلہ کرے گا۔[۲]

۳۔ آرمینیہ اور آذربائیجان: ان علاقوں کے باشندوں نے آرمینیہ کے والی کو ہلاک کر دیا اور موصل تک بڑھ آئے بڑی مشکل سے انہیں روکا گیا۔ مروان بن محمد نے ۱۱۴ ہجری میں بیس ہزار فوج کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ وہ بہت ثابت قدم اور قابل سپہ سالار تھا۔ ترک اس سے دب گئے۔ بحر خزر کے کنارے جس قدر علاقے تھے اس کے مطیع ہو گئے۔[۳]

۴۔ رومی محاذ: اس محاذ پر ہشام کا بھائی، اس کا عم زاد مروان بن محمد اور دیگر امراء معرکہ آرا رہے۔ انہوں نے ایشیائے کوچک[۴] کے کئی شہر فتح کیے اور نصف سے زائد حصے پر چھا گئے۔ بحری بیڑہ ان کی مدد پر مصروف کار رہا۔

۵۔ بربر: طنجہ کا والی نہایت بدسیرت تھا۔ اس نے بربری مسلمانوں پر خمس لگایا۔ مسلم و غیر مسلم سب باغی ہو گئے۔ ان کا سرغنہ ایک خارجی سردار تھا۔ باغیوں نے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ چند

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ آج کل یہاں ترکی کا ملک ہے۔

Marfat.com

روز بعد انہوں نے خارجی سردار کو مار دیا لیکن بدستور باغی رہے۔ عربوں نے ان معرکوں میں بہت جانی قربانی دی۔ ایک معرکہ میں تو انہوں نے ناقابل فراموش ثبت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے سردار چٹانوں کی طرح جم گئے۔ کٹ کٹ کر گرے۔ لیکن پیچھے نہ ہٹے۔ اس جنگ کا نام جنگ اشراف پڑا۔ ہشام نے ۱۲۳ ہجری میں ایک جرار لشکر بھیجا۔ بربر نے اسے شکست دی۔ لیکن شاہی افواج بدستور سرگرم رہیں۔ باغیوں نے ۱۲۴ ہجری میں قیروان پر حملہ کر دیا۔ اب زندگی اور موت کا سوال تھا۔ علمائے شہر نے جہاد کی منادی کی۔ عورتوں [illegible] شاہی فوج بے جگری سے دشمن پر ٹوٹی۔ بربر تقریباً دو لاکھ لاشیں چھوڑ کر بھاگے۔ ان کا سردار حنظلہ مارا گیا۔ یہ دو ٹوک فتح تھی۔ اس کے بعد بربر کے حوصلے ماند پڑ گئے۔ لیکن اس جنگ و فساد کی چنگاریاں اڑ کر اندلس پہنچیں اور وہاں کے خرمن امن کو جلا دیا۔ اندلس میں بربر، اہل شام اور مضریوں کی گروہ بندی ہو گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے پر تلواریں سونت لیں۔[1]

۶۔ **فرانس :** ہشام کے عہد میں مجاہدین نے جنوبی فرانس میں دور تک قدم بڑھا لئے۔ یورپ کے فرماں رواؤں نے اس پیش قدمی کو روکنے کے لیے اتحاد کیا۔ ۱۱۴ ہجری میں ٹورز (Tours) کے مقام پر لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ چھ روز معمولی جھڑپیں ہوئیں ساتویں روز فیصلہ کن جنگ چھڑی۔ امیر عبدالرحمان جو اندلس کے والی تھے، سو زخم کھا کر شہید ہوئے۔ اسلامی افواج پسپا ہو گئیں۔ اس جنگ کے بعد اسلامی عساکر نے قدم دوبارہ فرانس کی طرف نہ بڑھائے۔ اس لئے اسے یورپ کی تاریخ میں بے انتہا اہمیت حاصل ہے۔ یورپی افواج کا قائد فرانس کا نواب اعظم چارلس تھا اسے مارٹل (Martel) یعنی ہتھوڑے کا خطاب ملا۔ یورپ والے چارلس پر بہت فخر کرتے ہیں۔[2]

۷۔ **متفرق فتوحات :** سیسہ (۱۰۹ھ) سوس (۱۱۶ھ) سوڈان (۱۱۶ھ) اور سردانیہ (۱۲۲ھ) پر فاتحانہ یلغاریں ہوئیں۔[3]

حضرت زید بن علی کی شہادت : حضرت زید حضرت امام زین العابدین کے فرزند تھے اور ان کی طرح خواص و عوام کا مرجع تھے۔ ہشام کو یہ مقبولیت کھٹکتی تھی۔ خالد حاکم مدینہ نے حضرت زید کے ساتھ گستاخانہ سلوک کیا۔ حضرت زید شکایت لے کر ہشام کے پاس گئے۔ وہ حقارت سے پیش آیا اور آپ کو طعنہ دیا کہ کنیز زادے ہو کر خلافت کی تمنا کرتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک لونڈی کے فرزند تھے اور ان کا بھائی آزاد عورت کے بطن سے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ترجیح دی اور ان کی اولاد میں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اے ہشام! جس کا نانا سرور دو

۱۔ ابن اثیر ذکر ۱۱۶ھ وغیرہ۔ ۲۔ ابن اثیر، لین پول۔ ۳۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

عالم علیہ السلوۃ و السلام ہو اور دادا علیؓ ہو اس کے لئے لونڈی کے بطن سے پیدا ہونا کوئی مضائقہ نہیں۔ ہشام نے آپ کو اپنے پاس سے اٹھوا دیا۔ آپ کوفہ چلے گئے۔ [1]

قیام دمشق کے دوران میں ایک دفعہ جب آپ ہشام کے پاس سے اٹھ کر آئے تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ جو آدمی دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ ضرور ذلت اٹھاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دمشق سے اموی استبداد سے چھٹکارا پانے کا تہیہ کر کے روانہ ہوئے۔ آپ کوفہ تشریف لائے تو آپ کی نیک نفسی اور شیریں کلامی نے بہت جلد اہل عراق کو مسحور کر لیا۔ لوگ جوق در جوق آپ کے حلقہ ارادت میں خفیہ طور سے داخل ہو گئے۔ یوسف بن عمرو والی عراق نے آپ کو شہر سے نکال دیا۔ حضرت زید شہر سے نکل کر کچھ دور آئے تو چالیس ہزار شمشیر بردار آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حمایت کا یقین دلا کر بنو امیہ کے خلاف تلوار اٹھانے پر اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا' اے کوفہ والو! میں ڈرتا ہوں کہ تم مجھے اکیلے چھوڑ دو گے اور دشمن کے حوالے کر دو گے۔ اہل کوفہ نے قسمیں کھائیں اور آپ کو واپس لائے۔ [2]

والی کوفہ کو معلوم ہوا تو حضرت زید کی تلاش میں آدمی مقرر کئے۔ حضرت زید نے برسر میدان آنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں آپ کی جماعت والے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا' اللہ ان پر رحم کرے اور مغفرت نصیب کرے۔ میں نے اپنے گھر والوں سے ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ کوفہ والے فوراً بدل گئے اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ نے انہیں رافضہ (چھوڑ دینے والے) کا نام دیا۔ [3]

حضرت زید کے ساتھ مٹھی بھر جان نثار رہ گئے۔ آپ نے ہمت نہ ہاری۔ جنگ کے دوران میں ایک تیر آپ کے سر مبارک پر لگا اور دماغ میں پیوست ہو گیا۔ آپ جانبر نہ ہو سکے۔

آپ کے حامیوں نے اس خوف سے کہ دشمن آپ کی بے حرمتی نہ کرے آپ کو دفن کر کے اوپر پانی بہا دیا لیکن سرکاری کارندوں نے کھوج نکال لیا۔ انھوں نے یوسف بن عمرو کے حکم سے آپ کا سر کاٹ کر دمشق بھجوایا اور بدن سولی پر لٹکایا۔ ولید کے عہد میں یوسف نے آپ کی نعش کو جلوا دیا اور خاکستر فرات میں بکھروا دی۔

حضرت زید کی شہادت کا واقعہ محرم ۱۲۱ ہجری کا ہے۔

حضرت زید کے نام سے شیعی اصحاب میں ایک نیا فرقہ اٹھا جسے زیدیہ کہتے ہیں۔

وفات: ہشام نے ۱۲۵ ہجری میں وفات پائی۔

اوصاف و اخلاق: ہشام کی ایک آنکھ میں عیب تھا۔ اگرچہ اس میں طبیعت کی کچھ خامیاں بھی تھیں۔ تاہم وہ بنو امیہ کے بہترین خلفاء میں شمار ہوتا ہے۔ وہ نہایت حلیم اور سادہ مزاج تھا۔

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

اسراف کو ناپسند کرتا تھا۔

ہشام دیندار اور مذہب پرست تھا۔ ایک دفعہ اس کا ایک بیٹا جمعہ کی نماز کو نہ آیا۔ ہشام نے سبب پوچھا تو جواب دیا' سواری نہ تھی۔ ہشام نے کہا' کیا چل نہیں سکتے تھے؟ ہشام نے اسے یہ سزا دی کہ ایک برس تک اس کی سواری موقوف کر دی۔[1]

ہشام نغمہ و رنگ کے خلاف تھا۔ ایک بڈھے کو مطربائیں' شراب اور بربط رکھنے کے جرم میں اس کے پاس پیش کیا گیا۔ ہشام نے کہا کہ طنبورہ اس کے سر پر مار کر توڑ دو بڈھا رونے لگا۔ لوگوں نے کہا' صبر سے کام لو۔ اس نے جواب دیا کہ میں مار کے سبب سے نہیں روتا بلکہ اس لئے کہ بربط کو طنبورہ کہہ کر ہشام نے اس کی تحقیر کی ہے۔[2]

کارنامے

۱۔ **دفتری انضباط :** ہشام نے دفتری نظام کو بہت ترقی دی۔ اموی دور میں دفتری کاروبار کے لحاظ سے اس کا دور بہترین تھا۔[3] مالیات پر بہت دھیان دیا۔ خزانہ سے ایک پائی بھی بے سبب نہیں نکل سکتی تھی۔ غالباً اسی لئے بعض لوگوں نے ہشام کو بخیل کہا ہے۔

۲۔ **شہروں کی آبادی :** سندھ میں آئے دن راجپوتوں کی بغاوتیں اٹھتی رہتی تھیں۔ فوجی استحکام کے لئے منصورہ اور محفوظہ دو شہر آباد کیے۔[4]

شام میں ایک رصافہ یعنی چمنستان کو اتنی رونق دی کہ وہ اسی نام سے شہر بن گیا۔[5]

شامی سرحد پر قطرغاش کا قلعہ تعمیر کیا۔[6]

۳۔ **مذہبی خدمات :** ہشام کو دین سے بہت محبت تھی۔ اس نے اسلام کے مسلمہ عقاید پر یلغار کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ ایک شخص غیلان بن یونس کو عقیدہ قدر کے جرم میں ہاتھ پاؤں قطع کروا کر سولی دی۔ جعد بن درہم نے خلق قرآن کے عقیدہ کا اظہار کیا تو اسے مروا ڈالا۔[7] ایک جادوگر نے عجیب و غیرب عقاید کا فرقہ بنایا۔ عراق کے گورنر نے انہیں جلا دیا۔[8]

ہشام بن عبدالملک کی ایک قابل قدر خدمت یہ ہے کہ اس نے سنت رسول اللہ' صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے امام زہری سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ لکھوایا۔[9]

۴۔ شام کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری نے نہر مبارک کھدوائی۔[10]

۵۔ **علمی خدمات :** ہشام کو متفرق علوم سے بہت شوق تھا۔ اس نے ملوک عجم کی ایک مفصل اور مفید تاریخ کا ترجمہ فارسی سے عربی زبان میں کرایا۔

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ بلاذری۔ ۵۔ ابن اثیر' بلاذری' معجم البلدان۔ ۶۔ بلاذری۔ ۷۔ ابن اثیر' کثیر۔ ۸۔ ابن اثیر ۱۱۸ ہجری۔ ۹۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین بحوالہ تذکرہ ذہبی۔ ۱۰۔ بلاذری صفحہ ۲۹۰ مع حاشیہ۔

Marfat.com

ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک (۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ)

ہشام کے بعد یزید ثانی کا بیٹا ولید ثانی تخت پر بیٹھا۔ یہ شخص نااہل اور بدکردار تھا۔ ہشام نے اس کی عیش پرستی کو دیکھ کر اس کے بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد کرنا چاہا لیکن موت نے چلنے نہ دی۔

ولید کے مظالم: ہشام کی وفات کے بعد ولید نے اس کی سب املاک ضبط کر لیں یہاں تک کہ ہشام کو کفن بھی اس کے ایک آزاد کردہ غلام نے دیا۔ ہشام کی اولاد اور ان مشیروں پر جنہوں نے ولید کو ولی عہدی سے ہٹوانا چاہا تھا اس نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ اس کے بیٹے سلیمان پر کوڑے برسائے۔ اس کی داڑھی منڈوائی اور زندان میں ڈال دیا[1] ہشام کے ماموں کے دو بیٹوں کو اپنے ماموں یوسف بن محمد ثقفی والی حجاز کے حوالے کیا۔ وہ انہیں زنجیروں میں باندھ کر مدینہ لایا۔ لوگوں کے سامنے ان کی تذلیل کی اور پھر شام لوٹا دیا۔ ولید نے انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور کوفہ کے سنگ دل حاکم یوسف کی تحویل میں دے دیا۔ اس نے انہیں عذابوں سے ہلاک کیا۔ ہشام کے متعلقین پر اس قدر ستم کیے کہ ایک دفعہ اس کی قبر پر ایک خادم آیا اور رو کر کہا، کاش تم دیکھتے کہ ولید ہمارے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے۔[2]

یحیٰی بن زید کی شہادت: حضرت زید کی شہادت کے بعد ان کے فرزند حضرت یحیٰی خراسان چلے گئے تھے۔ یوسف والی عراق کی فرمائش پر نصر سیار نے انہیں گرفتار کر لیا ولید کا حکم آیا کہ انہیں آزاد کر کے میرے پاس بھیج دو۔ راستہ میں حضرت یحیٰی نے جان کے خوف سے تاخیر کر دی۔ نصر بن سیار کو عذر کا شبہ ہوا اور آپ کے خلاف دس ہزار کا لشکر پہنچا آپ کی معیت میں کل ستر آدمی تھے۔ تاہم آپ نے سرکاری لشکر کو شکست دی۔ اب دوسرا لشکر آیا۔ حضرت یحیٰی اس کے ہاتھوں شہید ہوئے اور آپ کے سب ساتھی کام آئے۔ آپ کے بدن کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور مسلم مزاحمت نے طاقت پکڑی تو اسے اتار کر دفن کیا۔[3] اس سال خراسان میں جو بچہ بھی پیدا ہوا اس کا نام زید رکھا گیا یا یحیٰی۔[4]

خانہ جنگی: ولید نے ہشام کی اولاد اور اس کے متوسلین پر ظلم کر کے خاندان میں پھوٹ پیدا کر دی۔ ولید اول کا بیٹا یزید انتقام کو اٹھا۔ اس نے خفیہ گروہ بندی شروع کی۔ یمنی قبائل اس کی مدد پر کمربستہ ہو گئے۔

یمن کے قبائل اس سے قبل اموی بادشاہوں کے وفادار تھے اور ان کی حکومت کے ستون شمار ہوتے تھے۔ لیکن ولید نے بد اندیشی سے انہیں ناراض کر دیا۔

عرب قبائل کی دو بڑی قسمیں تھیں: نزار یا مضر جن کے اجداد شمالی عرب میں اور دوسرے

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر، مسعودی۔ ۴۔ مسعودی۔

Marfat.com

یمنی جن کے اجداد جنوبی عرب میں مقیم تھے۔ ان دو فریقوں میں شروع سے چشمک تھی۔ ولید نے اسے خون کا رنگ دیا۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری کو جو یمانیہ کا سردار تھا یوسف والی کوفہ کے حوالے کر دیا جس نے اسے نہایت ہی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس بارے میں ایک نظم کی اشاعت ہوئی جس میں یمانیہ پر طنز تھی۔ اس نظم کو ولید سے منسوب کیا گیا۔ یمانیہ اور مشتعل ہوئے۔ انہوں نے ولید کی ہجو میں شعر کہے۔ اور اس کے درپے ہو گئے۔

ولید کا قتل : یزید کی طاقت بڑھی تو اچانک دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ولید ان دنوں باہر تھا۔ یزید نے اس کے خلاف فوج بھیجی۔ ایک معمولی معرکہ ہوا ولید نے شکست کھائی اور محل میں گھس گیا۔ یہاں اسے ذبح کر دیا گیا۔ [1]

ولید کی مدت خلافت ایک سال دو ماہ ہے۔

ولید لہو و لذت اور شراب و شعر کا دلدادہ تھا۔

۱۔ ابن اثیر ابن کثیر۔

Marfat.com

یزید ثالث بن ولید بن عبدالملک

۱۲۶ھ (۷۴۴ء)

انقلاب حکومت کے نتائج : یزید ثالث نے ولید ثانی کا صفایا آسانی سے کیا تھا۔ لیکن اب اس کے لئے بھی چین کا سانس لینا مشکل ہو گیا۔ یزید کی اس حرکت کے ایسے دور رس نتائج نکلے جو نہ صرف یزید بلکہ کل بنو امیہ کے لئے نہایت زہرناک ثابت ہوئے۔ ان نتائج کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

۱۔ ولید ثانی کسمپرسی کی حالت میں فوجیوں کے ہاتھوں ذبح ہوا تھا۔ اس سے اموی ملوکیت کے وقار کو زبردست ٹھیس پہنچی۔ عوام میں بنو امیہ کی پہلی سی دہشت نہ رہی۔

۲۔ خلیفہ کے نام کو کم از کم سادہ لوح عوام میں ایک گونہ تقدس حاصل تھا۔ ولید ثانی ہزار برا سہی لیکن جب اس کے قتل کی خبر آئی تو حمص کے شہر میں نالہ و بکا کا شور ہو گیا۔

۳۔ کئی اموی شہزادے ولید کا انتقام لینے کو یزید ثالث کے خلاف اٹھے۔ شاہی خاندان میں پہلے ایک حد تک نظم و ضبط تھا لیکن اب اس کا شیرازہ منتشر ہونے لگا۔ خانہ جنگی کا دروازہ کھل گیا۔

۴۔ ولید کی ماں مضری قبیلہ قیس سے تھی۔ اس لئے مضر کو صدمہ ہوا۔

۵۔ یزید ثالث نے یمانیہ کے بل پر خلافت پائی تھی۔ ان کا زور ہوا اور مضر کی شامت آ گئی۔ عراق کے والی یوسف کو یزید نے معزول کیا۔ وہ خلیفہ کے پاس گرفتار ہو کر حاضر ہوا۔ خلیفہ نے سر دربار اس کی تذلیل کی۔ اس کو گھنی اور لمبی داڑھی سے پکڑ کر جھٹکا اور زندان نشین کر دیا۔ مضر جہاں جہاں تھے طیش میں آ گئے۔

۶۔ یزید معتزلی تھا۔ معتزلہ کے عقائد اسلامی دنیا کے لئے بالکل نرالے تھے۔ یزید کا غلبہ گویا مسلک اعتزال کا غلبہ تھا۔ صحیح العقیدہ مسلمانوں نے ضروری جانا کہ یزید کا تخت الٹ دیا جائے۔

۷۔ یزید ثانی نے لوگوں کے وظائف بڑھا دیے تھے۔ یزید نے گھٹا کر ہشامی دور کے سے کر دیے۔ لوگوں نے اسے الناقص (گھٹانے والا) کہنا شروع کیا۔ اس تخفیف سے عام ناراضی پیدا ہوئی۔ اس کی سیاسی قوت کو بہت ضعف پہنچا۔

۸۔ جگہ جگہ بغاوت کے شعلے بھڑکے۔ حمص، فلسطین اور اردن کے اضلاع میں خلیفہ کے خلاف لام بندی ہوئی۔ اموی شہزادوں نے ان جگہوں میں باغیوں کی رہنمائی کی لیکن شاہی افواج ہی غالب آ گئیں۔

Marfat.com

۹ ۔ عراق' خراسان اور یمامہ میں بھی اضطراب پیدا ہوا۔ خراسان میں نصر بن سیار کی حکومت تھی۔ وہ مضری تھا۔ اس کی روش درست نہ تھی۔ تاہم یزید نے اسے بحال رہنے دیا۔ مضر کا اپنے حریف جدیع بن علی کرمانی کے ساتھ مخاصمت کا دور چلا جو آگے چل کر بنو امیہ کے حق میں تباہی خیز ثابت ہوا۔

مروان بن محمد اموی ارمینیہ کا حاکم تھا۔ اس نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ولید کے انتقام کی خاطر یزید کے خلاف فوج لے کر چلا لیکن ابھی راستہ ہی میں تھا کہ صوبوں کی ولایت کے عوض یزید کی بیعت کر لی۔

وفات : یزید ثالث نے چھ ماہ کی پر آشوب حکومت کے بعد ۱۲۶ ہجری میں وفات پائی۔

ا۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔

Marfat.com

ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

(۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ) (۷۴۴ء ۷۴۵ء)

یزید ثالث کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم خلیفہ ہوا جسے یزید نے خود جانشین نامزد کیا تھا۔

مروان کی چڑھائی : ابراہیم کی خلافت پر دمشق ہی میں اتفاق رائے نہ تھا۔ مروان اسی ہزار سپاہ کے ساتھ دمشق پر بڑھا۔ قنسرین اور حمص پر آسانی سے قبضہ جما لیا۔ ابراہیم نے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر سلیمان بن ہشام کے زیر کمان روانہ کیا۔ عین الجر کے مقام پر لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ مروان نے کہا اگر ولید کے بیٹوں حکم اور عثمان کو رہا کر دیا جائے تو مجھے اور کسی چیز سے سروکار نہیں۔ لیکن اس کی تجویز رد ہوئی اور زور کی جنگ چھڑی۔ سلیمان بن ہشام شکست کھا کر بھاگا۔

ابراہیم کے طرفداروں نے سوچا کہ مروان بڑھا چلا آرہا ہے۔ اگر وہ کامیاب ہوا اور ولید کے بیٹے آزاد ہو کر صاحب اختیار ہو گئے تو ہماری خیر نہیں۔ انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ مروان نے دمشق میں قدم رکھا تو ابراہیم روپوش ہو گیا۔ ابراہیم کی مدت خلافت کل چار ماہ ہے۔

مروان کی بیعت : مروان نے دمشق پر قبضہ کر لیا لیکن حکم اور عثمان کی فقط لاشیں ہی دیکھ سکا۔ ان کے ساتھ ایک سردار قید تھا۔ اس نے مروان کو بتایا کہ مرنے سے پہلے وہ تمہیں اپنا جانشین نامزد کر گئے ہیں۔ دمشق میں مروان کی بیعت ہو گئی۔

بعد میں سلیمان بن ہشام اور ابراہیم مروان سے عفو کے طلبگار ہوئے۔ اس نے معاف کر دیا۔

Marfat.com

مروان ثانی بن محمد بن مروان

(۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ) (۷۴۵ء تا ۷۴۹ء)

مروان ایک جہاں دیدہ اور آزمودہ کار جرنیل تھا میدان جنگ میں اس ثابت قدمی اور تحمل کا مظاہرہ کرتا تھا کہ اس کا لقب حمار (گدھا) پڑ گیا کیونکہ گدھے میں برداشت کا ملکہ بہت ہوتا ہے اس کے تحمل کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ اموی وتیرہ کے برعکس اس نے اپنے شکست خوردہ حریف ابراہیم کو معاف کر دیا۔

شورشیں : مروان کے عہد تک اموی تاج و تخت یمنی اور نزاری قبائل کی خوں بار رقابت کا سرچشمہ بن چکا تھا۔ مروان الحمار نے نزاریہ کی مدد سے تاج حاصل کیا تھا لہٰذا یمنی قبائل مخالف ہو گئے۔ ان کے اثر سے شام میں جگہ جگہ بغاوت کی آگ بھڑکی ہشام کے بیٹے سلیمان نے باغیوں کی کئی جگہوں میں قیادت کی لیکن مروان نے سب کے چھکے چھڑا دیے۔

حضرت عبداللہ بن معاویہ کی شہادت : کوفہ کے والی عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز بہت نرم مزاج تھے۔ وہ حیرہ گئے تو عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے زیدی شیعہ اور دیگر کوفیوں کی مدد سے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور والی سے جنگ کرنے کے لئے حیرہ کی طرف نکلے۔ چند جھڑپیں ہوئیں۔ آپ کے بعض سرداروں نے عین موقع پر ساتھ چھوڑ دیا اور آپ کو شکست ہوئی۔ کوفہ آئے۔ یہاں کئی روز جنگ کی۔ آپ کی طاقت روز بروز گھٹتی جاتی تھی۔ امان حاصل کر کے مدائن چلے گئے۔ وہاں سے شمالی ایران کے بعض علاقوں پر قابض ہوئے۔ تقریباً دو برس حکومت کی۔ اس دوران میں فارس پر بھی قبضہ کیا۔ آخر مروانی فوجوں سے بھاگے اور اس امید پر کہ ابومسلم کی حمایت ملے گی۔ خراسان گئے۔ وہاں عباسی داعی محض اس لئے مخالف ہو گئے کہ آپ کے باپ کا نام معاویہ کیوں ہے۔ ابومسلم خراسانی کو آپ کی آمد کی خبر ملی تو ہرات کے مقام پر چپکے سے مروا دیا۔

یہیں آپ کا مزار ہے۔

خوارج : خوارج نے دیکھا کہ مروان شام کی بغاوتوں میں مصروف ہے اور عراق میں بدنظمی ہے تو انہیں جرات ہوئی۔ ان کے سردار ضحاک نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ عراق کے والی عبداللہ بن عبدالعزیز کو مروان نے سبکدوش کر دیا تھا۔ اس نے نامزد والی کو چارج دینے سے انکار کیا اور اس سے جنگ چھیڑ دی۔ ضحاک کا مقابلہ بھی ضروری تھا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے ایک مدت تک تو اس کا مقابلہ کیا' لیکن پھر اس خیال سے ضحاک کی بیعت کر لی۔ کہ یہ مروان سے لڑ کر فیصلہ کر لے تو پھر دیکھا جائے گا سلیمان بن ہشام مروان کا حریف تھا۔ وہ بھی ضحاک کی صفوں

Marfat.com

میں شامل ہو گیا۔ ضحاک کی طاقت بہت بڑھی۔ اور اس نے شام کی طرف پیش قدمی کی۔ راہ میں مروان سے ٹکر ہوئی۔ ضحاک مارا گیا۔ تاہم خوارج ڈٹے رہے۔ ایک بار انہوں نے مروان کو بھگا بھی دیا لیکن بالآخر میدان مروان کے ہاتھ رہا۔ اس کے بعد موصل کے قریب تقریباً چھ ماہ تک مروان اور خوارج کے درمیان معرکے ہوتے رہے۔ آخر کار خوارج پسپا ہو گئے لیکن عراق پر اب بھی ان کا قبضہ تھا۔ مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اس نے انہیں عراق سے نکالا۔ سلیمان بن ہشام بھاگ کر سندھ پہنچا۔ ا۔

ادھر ایک خارجی سردار ابو حمزہ نے مکہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں سے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ سے کچھ ادھر جنگ ہوئی۔ اہل مدینہ کی ایک کثیر تعداد کام آئی۔ کوئی گھر ماتم سے خالی نہ تھا۔ ابو حمزہ نے اب شام کا قصد کیا۔ راستے میں مروانی فوج سے سامنا ہوا۔ ابو حمزہ نے منہ کی کھائی اور پلٹا۔ شاہی فوج نے تعاقب کر کے مار دیا۔ ۲۔

عباسی تحریک : عباسی تحریک جو ایک مدت سے مستور چلی آتی تھی۔ مروانی عہد میں منصہ ظہور پر آئی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اموی حکومت کا چراغ گل کر دیا۔

اموی استبداد نے پرزور مخالفتوں اور شورش انگیز بغاوتوں کے باوجود شمشیر کی قوت' خاندانی عصبیت' سیاست کی پرکاری اور ماحول کی یاوری کے بل پر اپنے بازار کی رونق قریب قریب ایک صدی تک قائم رکھی۔ ان کی عظمت و شوکت کے مینار کو مسمار کرنا آسان نہ تھا۔ یہ کام اگر کسی کے بس کا ہو سکتا تھا تو وہ پاک نہاد اور پاک ضمیر خانوادہ رسولؐ تھا۔ بنو امیہ کو ان سے ہر دم اندیشہ رہا۔ اس لئے انہوں نے سادات کے آئمہ کو ہمیشہ کڑی نگاہوں کے پہرے میں رکھا۔ جہاں کسی سید زادے سے بدگمانی ہوئی اسے کسی نہ کسی حیلہ و حربہ سے اپنی راہ سے صاف ہٹا دیا۔ تاہم سادات کا اثر و رسوخ روز بروز بڑھتا رہا اور بنو امیہ انحطاط کے سایے میں آتے گئے۔

اہل اسلام کے ایک گروہ کا نظریہ تھا کہ خلافت اہل بیت کا حق ہے۔ سادات کے بعض عمائد کے طرف سے وقتاً فوقتاً خلافت کے لئے جدوجہد بھی ہوئی۔ مثلاً جناب زید نے ہشام کے خلاف اور حضرت یحیٰی نے ولید کے خلاف علم بلند کیا۔

اہل بیت کے حق میں جو تحریک رواں تھی اس کی راہ میں ایک ایسا موڑ آیا جس نے اچانک بجائے اہل بیت کے بنو عباس کو مسند خلافت پر جلوہ آرا کر دیا۔ اس کی روداد یہ ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے بیٹے ابوہاشم عبداللہ ان کے جانشین ہوئے۔ اور پوشیدہ طور سے حصول خلافت کے لئے سرگرم رہے۔ انہوں نے ۹۹ ہجری میں شام کے ایک شہر حمیمہ کے مقام پر رحلت کی اور اپنا منصب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی کو سونپ گئے۔

محمد بن علی نے تحریک کو منظم کیا۔ آپ کی تنظیم عباسی تحریک کا سنگ بنیاد ہے۔ بنو امیہ کے

ا۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

خلاف یہ پہلی تحریک تھی جو پوشیدہ ہونے کے ساتھ کاملا مربوط اور منظم بھی تھی۔ محمد بن علی نہایت ذہین خوش تدبیر اور صاحب الرائے تھے۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ کامل تیاری سے پہلے حکومت کے مقابل ہونا پر خطر اقدام ہو گا۔ اس لئے آپ نے تحریک کو رازداری سے بڑھایا۔

محمد بن علی کی تحریک حضرت عباسؓ کے نام نامی سے عباسی تحریک کہلاتی ہے حضرت عباسؓ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ وہ حضورؐ کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے لیکن خلافت کی طلب کبھی نہیں کی۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن عباسؓ ایک مقتدر صحابی اور بلند پایہ عالم تھے۔ وہ حضرت علیؓ کے حامی تھے۔ بعد میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے حامی اور ہوا خواہ رہے۔ انہوں نے اپنے لئے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔

محمد بن علی تحریک عباسیہ کے بانی تھے۔ انہوں نے ۱۰۰ ہجری میں جب کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ اسلام تھے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ آپ نے بارہ نقیب مقرر کیے۔ اور ان کے تحت داعیوں کا عملہ ساری مملکت اسلامیہ بالخصوص عراق اور خراسان میں پھیلا دیا۔

آپ کی سیاسی تگ و دو کی جولان گاہ زیادہ تر عجم کا خطہ تھا۔ اہل عجم کے دل حقیقی طور سے بنو امیہ کے ساتھ کبھی وابستہ نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اموی حکومت میں یا عربوں کا ہاتھ تھا یا شامیوں کا دخل و اثر۔ اہل عجم کی حیثیت ان کے مقابلے میں زیر دستوں کی تھی۔ عبدالملک نے عربی کو دفتری زبان بنا کر عجم کا دفتری کاروبار میں جو تھوڑا سا حصہ تھا وہ بھی چھین لیا۔ عجم والوں کی تحقیر کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ بعض دفعہ ان کے نومسلموں سے جزیہ لیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ عجمی حدود میں آئے دن بغاوتوں کا غلغلہ اٹھتا رہتا تھا۔ اسلام سے قبل اہل عجم نے وطنی حکومت کی یادگار عالم بہار دیکھی تھی کسروی دور میں ان کی عظمت کے چرچے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسلام آیا اور خلافت راشدہ میں عجم مفتوح ہوا تو ان کے ساتھ برابر کا سلوک ہوا لیکن اموی عہد میں ان کی قدر گھٹتی گئی۔ اس لئے ان کا بنو امیہ سے متنفر ہونا طبعی تھا۔ وہ ایسے مرد خدا کے لئے چشم براہ تھے جو ان کو مساوات کی سطح پر لے آئے۔ محمد بن علی کی تحریک میں انہیں امید کی جھلک نظر آئی اس لئے فوراً اس سے وابستہ ہو گئے۔

حالات قدم قدم پر محمد بن علی کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد اموی حکومت کے پائے ڈگمگا گئے۔ ولید اور یزید کا ناکام دور گزرا تو ہشام نے حکومت سنبھالی۔ وہ باہمت اور اولوالعزم بادشاہ تھا لیکن اس کی حکومت کے کامل بیس برس داخلی شورشوں میں کھپ گئے۔ اس کی توجہ یا تو باغی سرداروں اور خوارج پر مبذول رہی یا ترکستان کے مسلسل اور تشویشناک حوادث میں کھوئی رہی۔ محمد بن علی برق رفتاری کے ساتھ کامیابی کی منزلیں مارتے گئے اور ہشام کو کوئی خاص خبر نہ ہوئی۔

Marfat.com

محمد بن علی کے انتھک اور جاں فروش داعی راہ گیروں اور سوداگروں کے بھیس میں شہر شہر اور گلی گلی پھرتے تھے۔ نہایت ہنرمندی سے ارباب حکومت کے داغ چمکاتے' عوام کے دلوں میں نیم بیدار عداوتوں کو جگاتے اور اہل بیت کی عقیدت کو مستحکم کرتے تھے۔ یہ پوشیدہ سلسلہ سرعت سے بڑھا اور دور دور تک پھیل گیا۔ ا۔

محمد بن علی نے ۱۲۴ہجری میں بعد ہشام انتقال کیا اور ان کے بیٹے ابراہیم جانشین ہوئے۔ ۲۔

اس اثناء میں کچھ ایسے دل خراش سانحے رونما ہوئے جنہوں نے بنو امیہ کی رہی سہی ساکھ بھی ڈبو دی۔ حضرت زید بن علی نے ہشام کے مقابلے میں اٹھ کر شہادت پائی تو ان کی نعش کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور بعد میں جلا دیا گیا۔ ان کے بعد ولید ثانی کے عہد میں حضرت یحییٰ بن زید کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ خراسان میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ حضرت یحی کی شہادت کے سال پیدا ہونے والے ہر بچے کا نام حضرت زید یا حضرت یحی کے نام پر رکھا گیا۔ ۳۔

ان علوی دعویداروں کو تو اپنی قربانیاں کام نہ آئیں لیکن آل عباس کو ان سے یہ فائدہ ہوا کہ ان کے حریف بنو امیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہنچے۔

ولید ثانی کے عہد سے عرب کے مضری اور یمنی قبائل میں خلفشار پیدا ہوگیا۔ خود اموی شہزادے بھی خانہ جنگی کے پیچ میں آگئے۔ حکومت کی یہ پراگندہ حالی عباسی تحریک کے لیے بہت سازگار تھی۔ اس کی جڑیں اس قدر پھیلیں کہ بظاہر بنو امیہ کی حکمرانی تھی لیکن عجم میں اندرونی طور سے عباسی تحریک کی متوازی حکومت چل رہی تھی۔

اس عرصے میں عباسی تحریک کو ایک ایسا صاحب ہمت کاروان اور صاحب تدبیر خادم ہاتھ آیا جس نے اس تحریک کو ایک گام میں کامیابی کی منزل سے ہمکنار کردیا۔ یہ ابو مسلم عبدالرحمن بن مسلم خراسانی تھا۔ ۴۔

ابو مسلم کے اوائل زندگی کے بارے میں تاریخ بہت حد تک خاموش ہے یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ اس نے عباسی داعیوں کے زمرے میں کب بار پایا۔ یہ سلا عجمی تھا کوفہ کے علاقہ میں پیدا ہوا بعض مورخین نے آزاد بتایا ہے اور بعض نے غلام لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی داعیوں نے اسے چار سو درہم میں خریدا اور امام محمد بن علی کے پاس پیش کیا۔ اسے ابتداء ہی سے عباسی داعیوں کی آغوش تربیت نصیب ہوئی۔ قوت فہم' جودت ذہن اور محنت پسندی نے جلد ہی اسے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا۔ ۵۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن علی نے اسے داعی اعظم بنایا تھا۔ لیکن یہ درست نہیں ہوسکتا امام محمد نے ۱۲۴ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ابو مسلم کی عمر زیادہ سے

ا۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۳۔ بلاذری' ابن اثیر۔ ۴۔ مسعودی۔ ۵۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔

Marfat.com

زیادہ پندرہ برس کی ہو سکتی تھی۔ اتنی کم عمر میں اس کا داعی اعظم بننا ناممکن نظر آتا ہے۔ بہر حال اس قدر ضرور قرین قیاس ہے کہ امام محمد کی زندگی میں ابو مسلم ایک ممتاز داعی تھا۔ امام ابراہیم نے اسے ۱۲۸ یا ۱۲۹ ہجری میں عراق و خراسان کا داعی اعظم بنایا۔ اس وقت اس کی عمر انیس برس کی تھی۔ نو عمری کی وجہ سے کارکنوں نے اسے نہ مانا۔ یہ امام ابراہیم کے پاس شکایت لایا۔ انہوں نے داعیوں کو تاکید کی کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسے حکم دیا کہ ہر مشکوک شخص پر ہاتھ صاف کرو اور ممکن ہو تو ہر عربی بولنے والے کا خاتمہ کردو۔ ۱۔

ابو مسلم کو امیران بیت رسول کا لقب ملا۔ ۲۔

ابو مسلم کا ظہور عباسی تحریک کا ایک نیا نقطہ آغاز ہے اس کی ہمت اور تدبیر نے تین برس کے اندر امام محمد اور امام ابراہیم کے سامنے خواب کی تعبیر پیش کردی۔ یہ شخص یکم رمضان ۱۲۹ ہجری کو خراسان آیا اور صوبہ بھر میں داعی پھیلا دیے۔ خراسان کا اموی حاکم نصر بن سیار اپنے حریف کرمانی سے مصروف جنگ تھا اس طرف توجہ نہ دے سکا لوگ جوق در جوق ابو مسلم کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔ ۲۵ رمضان کی رات کو ایک بہت بڑا الاؤ روشن کیا۔ یہ علانیہ اجتماع کی علامت تھی۔ دوسری صبح اس کے فداکاروں کے جنگل کے جنگل امنڈ آئے ان کا شعار سیاہ لباس اور سیاہ جھنڈا تھا۔ ۳۔

عیدالفطر کی نماز عباسی داعی نے پڑھائی۔ ۴۔

بنو امیہ کا شیرازہ تیزی سے بکھر رہا تھا۔ ولید ثانی کو یزید ثالث نے ختم کیا۔ یزید ثالث کل تین ماہ جیا۔ اس کی جگہ اس کے بھائی ابراہیم نے لی۔ مروان نے اس سے تخت چھین لیا۔ دشمنوں نے مروان کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ سلیمان بن ہشام بغاوت پر اتر آیا۔ مروان کے عہد میں حضرت عبداللہ بن معاویہ کے واقعات اور خوارج کی شورشوں نے ابو مسلم کی مزید دستگیری کی۔ مضری اور یمنی قبائل کے مابین مخاصمت کی آگ تیزی سے بھڑکی اور اموی تاج و تخت اس کی لپیٹ میں آگئے۔

ابو مسلم نے اپنی تحریک کا اعلان کرنے کے بعد نصر بن سیار کو پیروی کا دعوت نامہ لکھا اس نے جواب میں فوج بھیجی جس کا مقابلہ ابو مسلم کے جرنیل مالک نے کیا اور اسے شکست فاش دی۔ ۵۔

نصر بن سیار ابو مسلم کے خلاف مزید کاروائی کرنے سے قاصر تھا ان دنوں وہ یمنی قبائل سے دست و گریبان تھا۔ نصر مضری تھا اس نے یمانیہ کے ساتھ بہت بدسلوکی کی ان کا سرغنہ ان دنوں جدیع بن علی کرمانی تھا۔ وہ نصر کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ نصر نے اسے قید کردیا۔ جدیع بھاگ نکلا اور جنگ آزمائی پر تل گیا۔ ۶۔

۱۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر ۷ /۱۳۔ ۳۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

ابو مسلم کے لیے فراست و سیاست دکھانے کا خوب موقع تھا۔ اس نے نصر اور جدیع دونوں کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور انہیں اپنی بساط سیاست کے مہرے بنالیا ابو مسلم اس وقت تک بہت قوت فراہم کرچکا تھا۔ اس نے دونوں کو الگ الگ اپنی حمایت پر للچا کر ایک دوسرے کے خلاف گرمانے کی کوشش کی۔ وہ چاہتا تھا کہ عرب آپس میں لڑ بھڑ کر اس قدر ضعیف ہوجائیں کہ ان کی پامالی مشکل نہ رہے۔ جدیع اس کے جھانسے میں آگیا۔ ا۔

نصر اور جدیع کے لشکر آمنے سامنے خیمہ زن ہوئے۔ ابو مسلم نے اپنا لشکر ان دونوں کے درمیان ڈال دیا۔ ہر ایک کو اپنی مدد کے وعدے ولانے لگا۔ نصر بن سیار بہت کائیاں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ حالات دگرگوں ہورہے ہیں اس نے مروان کو نہایت دردناک اشعار لکھے جن میں ابھرتی ہوئی تباہی کی تصویر کھینچی۔ وہ زندہ جاوید اشعار یہ تھے: (اردو ترجمہ)

میں خاکستر کے نیچے آگ کی چنگاریاں دیکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ بھڑک نہ اٹھیں

آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتا ہے اور جنگ کی ابتداء کلام سے ہوتی ہے

تعجب سے کہتا ہوں کاش میں بوجھ سکوں کہ بنو امیہ خوابیدہ ہیں یا بیدار؟ ۲۔

نصر نے کسی طرح جدیع کو صلح پر آمادہ کرلیا۔ جدیع ایک سو آدمیوں کو ساتھ لے کر نصر کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ نصر کے دل میں جدیع کی طرف سے بدگمانی اٹھی۔ کرمانی ابھی راہ میں تھا کہ اس پر حملہ کرکے قتل کردیا۔ عربوں کے اتحاد کے خواب پریشان ہوگئے۔ جدیع کے بیٹوں نے ابو مسلم کے ساتھ قسمت وابستہ کرلی۔ ۳۔

نصر نے مروان سے مدد طلب کی تھی مروان اس وقت خوارج کے کانٹوں میں الجھا ہوا تھا۔ ان سے دامن چھڑوانا دشوار تھا اس نے جواب میں اشارۃً کہا کہ تم خود موقع پر موجود ہو۔ جو مناسب سمجھو کرو۔ نصر سمجھ گیا کہ مروان مدد بھیجنے سے قاصر ہے۔ مروان نے کوفہ کے والی ابن ہبیرہ کو لکھا کہ نصر کو مدد بھیجو۔ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک سپاہی بھی نہیں حالاں کہ عراق کہ مردم خیز خطہ سے لاکھوں کی فوج اٹھ سکتی تھی بعد میں ابن ہبیرہ نے کچھ مدد بھیجی لیکن اس برائے نام اور ناوقت کی کمک سے پہلے ہی نصر کے قدم مرو سے اکھڑ چکے تھے۔ ۴۔

نصر نے آخر دم تک سرتوڑ کوشش کی اس نے یمانیہ اور ربیعہ کو پھر اپنی طرف مائل کرلیا۔ جدیع کے بیٹے علی کرمانی نے معاہدہ پر دستخط بھی کردے لیکن باپ کے قتل کے خیال سے اس کی نیت بدل گئی اور دشمنی از سرنو قائم ہوگئی نصر اور علی کرمانی دونوں نے مدد حاصل کرنے لے لیے ابو مسلم کے پاس وفد بھیجے ابو مسلم نے کرمانی کی مدد کا فیصلہ کیا اگلے برس ۱۳۰ ہجری میں ابو مسلم نے مرو پر فوج کشی کی۔

نصر کی شکست: نصر کے پاس طاقت نہ تھی اطاعت کا اظہار کرکے جان بچائی۔ اور رات کے

ا۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

پردے میں بھاگ نکلا اب سارا خراسان ابو مسلم کے قدموں تلے تھا۔ نصر نے اثنائے فرار میں رے کے مقام پر بیمار پڑ کر وفات پائی۔ ۱۔

ابو مسلم سب عرب سرداروں کا دشمن تھا۔ نصر سے انتقام لے چکا تھا اب جدیع کرمانی کی اولاد کی باری تھی۔ اس نے اس کے بیٹوں علی اور عثمان کا خاتمہ کر دیا۔ ۲۔

قحطبہ کی پیش قدمی : ابو مسلم کا جرنیل قحطبہ خراسان سے روانہ ہوا اور فتح پہ فتح حاصل کر کے عراق جا پہنچا ادھر سے مروان بھی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر چلا۔ عراق کے والی ابن ہبیرہ نے مروان کے پہنچنے سے قبل قحطبہ کا سامنا کیا اور شکست کھائی لیکن قحطبہ ڈوب کر مرگیا اور اس بیٹا حسن کماندار ہوا ابن ہبیرہ واسط پہنچا حسن نے اس کو محاصرہ میں لے لیا۔ ۳۔

امام ابراہیم کی گرفتاری : اس اثناء میں امام ابراہیم حمیمہ میں سکونت پذیر تھے انہوں نے ابو مسلم خراسانی کو ایک خط لکھا۔ خط پکڑا گیا اور مروان پر سارا راز فاش ہوگیا۔ اس نے امام ابراہیم کو زنداں نشین کر دیا۔ امام نے گرفتاری سے قبل اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ کو اپنا جانشین نامزد کیا اور گھرانے کو حکم دیا کہ کوفہ چلے جاؤ۔

ابو العباس اور منصور کوفہ میں : ابوالعباس اور اس کا بھائی ابو جعفر منصور گھرانے کے دیگر افراد کے ساتھ حمیمہ سے نکلے اور کوفہ میں آکر مقیم ہوگئے یہاں ابو سلمہ خلال عباسی تحریک کے ایک سرگرم رکن تھے۔ خلال نے انہیں پوشیدہ طور سے ٹھہرایا۔

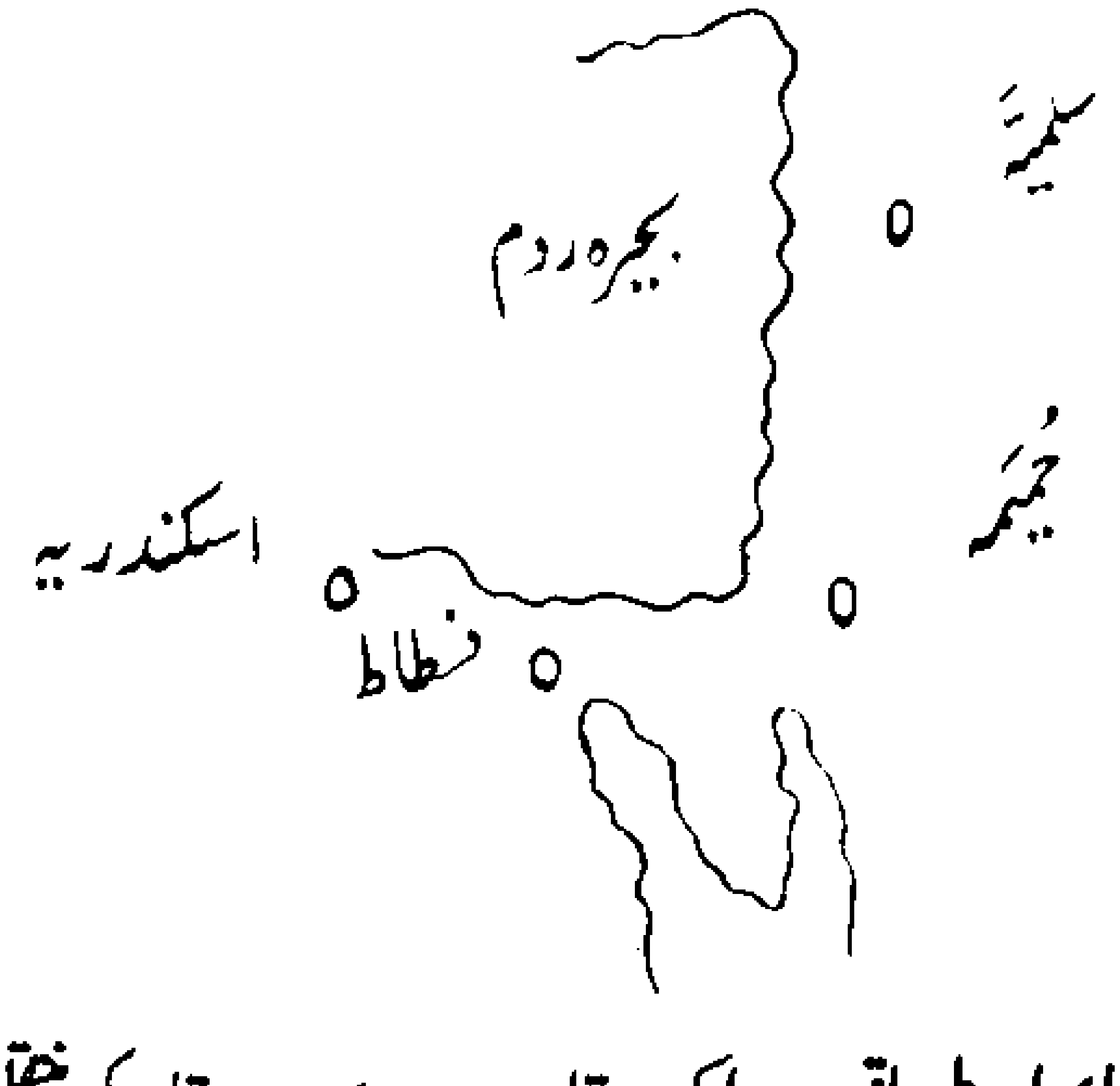

اس کے بعد انہیں پراسرار طریقے سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل کرتا رہا۔ بنو امیہ بے خبر رہے۔ ۴۔

امام ابراہیم کی وفات : ۱۳۲ ہجری میں امام ابراہیم نے وفات پائی۔ یہ خبر کوفہ پہنچی تو خلال نے

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ (۵) ابن اثیر' ابن کثیر۔ (۶) ابن اثیر۔

Marfat.com

چاہا کہ خلافت کا حق آل علی میں پھیر دیا جائے۔ عباسی تحریک کے دیگر رہنماؤں نے اتفاق نہ کیا اور ابو العباس کی بیعت ہوگئی۔ اتنے میں کوفہ فتح ہو چکا تھا۔ ابوالعباس یہاں آیا اور دارالامارت (گورنمنٹ ہاؤس) میں قیام کیا۔ جامع مسجد میں خطبہ دیا اور کوفہ والوں نے بیعت کی۔[1]

جنگ زاب: ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان سے نبڑنے کے لیے بھیجا مروان ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ جزیرہ کے علاقہ میں دریائے زاب کے کنارے خیرزن تھا۔ موصل کے قریب دو معرکے ہوئے پہلے معرکہ میں عبداللہ بن علی نے ایک دستہ بھیجا جو شکست کھا کر پلٹ آیا دوسرے روز عبداللہ بن علی بیس بائیس ہزار کے لشکر کے ساتھ خود مقابل ہوا مروان کی فوج بد دل تھی۔ جنگ میں حصہ نہ لیا اور بھاگ نکلی مروان کو بھی فرار ہونا پڑا۔[2]

مروان کا قتل: مروان بھاگ کر شام پہنچا تقدیر منہ موڑ چکی تھی نمک خواروں نے بھی آنکھیں پھیرلیں۔ بے نوا تاجدار کو کہیں جائے پناہ نظر نہ آئی۔ حمص والوں نے اسے گالیاں دیں اور لوٹنا چاہا۔ مروان بھاگ کر مصر گیا۔ عباسی افواج نے تعاقب کیا اور ایک معرکہ میں مار دیا۔ اس کے ساتھ بنو امیہ کی ہزار ماہہ سطوت بھی آخری ہچکی لے کر دم توڑ گئی۔

بنو امیہ کا انجام: ابو العباس عبداللہ نے جو سفاکی کی وجہ سے سفاح (خوں ریز) کہلاتا ہے تقریباً نوے امویوں کو دعوت پر بلایا اور انہیں ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کردیا۔ ان پر کپڑا بچھا کر کھانا کھایا۔ نیچے سے بعض نیم بسمل آدمیوں کی فریاد سنائی دیتی تھی۔ حضرت معاویہ سے لے کر بعد کے سب اموی تاجداروں کی قبریں اکھڑوا ڈالیں۔ صرف ہشام کی لاش سالم نکلی اسے نکلوا کر سپرد آتش کیا ایک ایک اموی کو ڈھونڈ کر ہلاک کیا۔ شیر خوار بچے زندہ رہے یا وہ افراد جو بھاگ کر اندلس پہنچے۔

ایک اموی شہزادہ عبدالرحمان نامی اندلس پہنچا اور وہاں کی سلطنت پر قبضہ جما کر خود مختار ہو بیٹھا۔

۱۔ ابن اثیر کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

بنو امیہ کے زوال کے اسباب

اموی سلطنت کی ظاہری توانائی اور استحکام پر نظر کرتے ہوئے کون کہہ سکتا تھا کہ اس کے فلک بوس کنگرے بھی کبھی پیوند خاک ہوجائیں گے لیکن قدرت کا قانون ہے کہ وہی چیز دنیا میں قائم و دائم رہتی ہے جو کار آمد رہے۔ اموی حکومت آہستہ آہستہ نفع رسانی کے وصف سے عاری ہوگئی اور اس کی طاقت نا طاقتی میں بدل گئی۔ اس کے کئی اسباب تھے۔ مثلاً

۱۔ آمریت: بنو امیہ کے زوال کا سب سے بڑا سرچشمہ اس کی آمریت تھی یعنی دولت امویہ کی انتہا اس کے آغاز ہی میں پنہاں تھی۔ اس کو قابل اور اولوالعزم بادشاہ نہ ملتے تو اس کی زندگی چند روزہ ہوتی۔

اسلام محض حکومت، شخصیت پرستی اور خاندانی استیلاء کو مٹانے کا پیغام لایا ہے۔ اموی طریق حکومت اسلام کی شورائی روح کے موافق نہ تھا۔ حق پرست مسلمان اگر وقتی مصلحت کی خاطر خاموش بھی تھے تو باطناً بنو امیہ کے مخالف رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت معاویہؓ سے برسر اجلاس کہا تھا کہ یہ خلافت نہیں ہرقلیت ہے۔ اہل اسلام کے جذبات کو مٹانا آسان نہ تھا اور پھر خلافت راشدہ کو گزرے زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی جب کہ حضرت عمر ایسے سخت گیر حاکم بھی مقامی عہدے داروں کا انتخاب بالعموم وہیں کے لوگوں کے سپرد کردیتے تھے۔ قرآن حکیم کے الفاظ "وامرھم شوریٰ بینھم" (اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں) اور "و شاورھم فی الامر" (اے نبی! ان سے مشورہ کیجیے) بار بار عوام کو یاد دلا رہے تھے کہ حکومت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ ملک کا سربراہ فقط ایک امین ہوتا ہے۔ اس کو من مانی کرنے کا حق نہیں لیکن اموی حکومت کا آئین کچھ اور تھا۔ حکومت کا سربراہ آمرانہ اور شاہانہ حیثیت کا مالک ہوتا تھا۔ بے شک دیگر معاصر حکومتوں کو دیکھا جائے تو ان کی نسبت سے اموی حکومت دنیا کی بہترین حکومت تھی اور عبیداللہ بن زیاد اور حجاج بن یوسف کے خونی دور سے قطع نظر اس کی آمریت مقابلتہً بہت محدود تھی لیکن اسلام کا معیار کچھ اور ہے اس کی نگاہ میں یہ ایک غاصبانہ اور استبدادی حکومت تھی۔ اس قدر وہی کرتے تھے جو غرض کے بندے تھے ورنہ علمائے حق اور عامتہ المسلمین اس کے خیر خواہ نہ تھے۔ لہٰذا اموی دور میں جب کبھی عوام کو موقع ملا انہوں نے حکومت کے خلاف سر اٹھایا۔ سوائے عمر بن عبدالعزیز کے کسی خلیفہ کو بغاوتوں کی طرف سے بے فکر ہونا نصیب نہیں ہوا۔

۲۔ دنیوی حکومت: بنو امیہ کی آمریت کا ایک نہایت ہی نامرغوب پہلو دنیا پرستی کا تھا اگر آمریت کے ساتھ ساتھ یہ لوگ دنیوی اور روحانی دونوں لحاظ سے امیر ہوتے تو ان کے حق میں

Marfat.com

بہت بہتر ہوتا لیکن وہ روحانیت۔ اور تدین میں اسلام کے معیار سے بہت فرو تھے۔ یہاں تک کہ بعض خلفاء نماز میں بھی تاخیر کرجاتے تھے۔ لے مروان اول کو لوگ منبر نبوی پر بیٹھا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ عید کی نماز کے بعد لوگوں کو اس کا خطبہ سننا گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ نماز عید سے قبل خطبہ دینا چاہا حضرت ابوسعید خدری نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر منبر کی طرف جانے سے روکنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ ۲۔ حجاج کے عہد سے تو مسلموں سے جزیہ وصول ہونا شروع ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ شاہی خزانے بھرتے رہیں چاہے اسلام کی اشاعت رک جائے اس بدعت کے خلاف نہایت خوفناک بغاوتیں ظہور پذیر ہوئیں۔

۳۔ **اخلاقی زوال**: دنیا پرستی کے طبعی اثر سے اموی خلفاء میں اخلاق کی قدر آہستہ آہستہ گھٹتی گئی۔ یزید ثانی کی بے دینی اور فسق و فجور کا جواب نہیں ملتا لازم تھا کہ ایسے بادشاہوں سے عوام نفور ہوجائیں۔

۴۔ **علمائے حق کی مخالفت**: بنو امیہ کے خلاف جس قدر معرکے میدان رزم میں ہوئے ان سے بڑھ کر موثر معرکے مدرسہ اور خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے زبان اور قلم سے کیے۔ یہ لوگ بہت کم علانیہ برسر جنگ ہوئے۔ صرف عبدالرحمان اشعث کی بغاوت میں ان کا واشگاف شمول نظر آتا ہے لیکن تعلیم و تلقین کے اسلحہ سے یہ لوگ برابر تاج شاہی پر ضربیں لگاتے رہے اور بار ہی جھیلے۔ اموی حکومت نے امام ابو حنیفہ کو سرکاری ملازمت پر مجبور کرنا چاہا۔ آپ نے تسلیم نہ کیا تو آپ کو کوڑوں سے پیٹا گیا لیکن آپ کے قدم نہ ڈگمگائے۔ ۳۔ یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جاسکتی تھیں۔ انہوں نے اموی خاندان کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

۵۔ **بنو ہاشم کا مقابلہ**: بنو امیہ کو نیچا دکھانے کی اہلیت اگر کسی میں تھی تو وہ بنو ہاشم تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی کشمکش کے بعد بنو امیہ اور بنو ہاشم کی رقابت شاید ختم ہوجاتی کیوں کہ اہل بیت قناعت پسند اور امن پرور لوگ تھے لیکن خلاف شرع امور کے خلاف ببانگ دہل آواز اٹھانا اور ان کے مٹانے کے لیے جان کی بازی لگانا انہی کا حصہ تھا۔ حضرت حسینؓ نے یزید کی حکومت سے انکار کیا اور اسلامی اصول کے گلے کو چھری سے بچانے کے لیے اپنے گلے پر چھری پھروادی اور تقریباً پورے کا پورا خاندان اسلام کی راہ میں قربان کردیا۔ آپ اہل اسلام کو سکھا گئے کہ دین کی حفاظت میں جان کس طرح نچھاور کی جاتی ہے حضرت حسینؓ اس دنیا سے سفر کرگئے لیکن ان کی روحانی سلطنت بڑھتی ہی گئی اور بالآخر اسی روحانی سلطنت کے سہارے بنو عباس نے بنو امیہ کا خاتمہ کرکے اپنی حکومت جمائی۔

اہل بیت کی پاکیزگی، فراخدلی اور کشادہ ظرفی میں انتہاء کی کشش تھی۔ اہل اسلام کا اس سے مسحور ہونا لازم تھا۔ حضرت معاویہؓ کی رواداری مشہور عام ہے لیکن حضرت علیؓ کی وفات کے بعد

لے تاریخ الخلفاء ذکر سلیمان۔ ۲۔ مسلم کتاب الصلوۃ العیدین۔ ۳۔ البدایہ والنہایہ "الانتقاء"۔

Marfat.com

انہوں نے آپ کے خلاف بر سر منبر تقریر کی رسم جاری کی۔ اس رسم کو ۹۹ ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ختم کیا۔ حضرت معاویہؓ جانتے تھے کہ شہید علیؓ زندہ علیؓ سے کم شہ زور نہیں۔ انہوں نے یہ رسم حضرت علیؓ کی روحانی قوت کو ضعف پہنچانے کے لیے چلائی لیکن حضرت معاویہؓ اور ان کے جانشین اپنا مقصود حاصل نہ کر سکے۔ نہ حضرت علیؓ کی طاقت گھٹی اور نہ بنو امیہ کی مقبولیت بڑھی بلکہ عوام کے دل ایسی حرکات سے برگشتہ ہونے لگے اور دردمند اہل اسلام کے جذبات اور جوش مارنے لگے۔

حضرت زین العابدین، حضرت محمد باقر اور حضرت جعفر صادق سیاست سے کنارکش اور دین کی اشاعت میں منہمک رہے۔ انہوں نے دین کی تعلیم نظری طور سے ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی دی عوام کے دلوں میں ان کی جو قدر و منزلت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کے مقدس پیکروں کا وجود ہی اموی تاجداروں کی آن کو خاک میں ملانے کے لیے کافی تھا۔

بنو امیہ نے بنو ہاشم کو دبانے کے لیے سخت قدم اٹھائے لیکن تاریخ کی رفتار کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ بنو امیہ کا ہر وار خودان کے اپنے خلاف پڑ رہا تھا۔ واقعات کا یہاں دہرانا غیر ضروری ہے۔ عباسی تحریک کے عنوان کے تحت ان کا سرسری جائزہ آچکا ہے۔

۶۔ **خوارج :** بنو امیہ کے کمزور پڑنے کا ایک سبب خوارج تھے۔ اس فرقہ کا سب سے بڑا اصول جمہوریت تھا۔ اس کے علاوہ یہ اخلاق میں بہت شدید تھے یہاں تک کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر اور مرتد کہتے تھے اور اس کا قتل مباح جانتے تھے۔ بنو امیہ سے انہیں بے پناہ عداوت تھی۔ ان کے پورے دور میں انہوں نے بازار جنگ گرم رکھا۔ اس جاں باز فرقہ کے پیرو ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ لیکن آئے دن سے زور شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ وہ بنو امیہ کو تخت سے تو نہ اتار سکے لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی طاقت کا ایک کثیر حصہ سلب کرلیا جو دیگر حریفوں پر صرف ہوتا۔

۷۔ **تاجداروں کا عوام سے دور رہنا :** اموی بادشاہوں اور عوام کے درمیان براہ راست رابطہ نہ تھا۔ وہ عوام سے بالا اور دور رہتے تھے تاکہ رعب وداب میں فرق نہ آئے۔ وہ امراء کے ذریعے حکومت کرتے تھے۔ امراء کو عوام سے اس قدر ہمدردی نہیں ہوتی تھی جتنی اپنے آقاؤں یا اپنی ملازمت سے۔ ان کی کوشش زیادہ تر اس امر پر مرکوز رہتی تھیں کہ شاہی خزانوں کو بھر کر خلفاء کو خوشنود کریں یا اپنے ہاتھ رنگ لیں۔ لہٰذا عوام کو خوب لوٹتے تھے۔

والیوں اور امراء کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ یہاں تک کہ جسے چاہتے بے دریغ قتل کردیتے۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ طاقت کے نشہ میں وہ بارہا حد سے گزر جاتے تھے۔ خلفاء اس

Marfat.com

وقت تک امراء سے باز پرس نہیں کرتے تھے جب تک دیکھتے کہ حکومت کے پایئے سلامت ہیں اور خزانہ میں دولت کے انبار چلے آتے ہیں۔ حجاج بن یوسف ایسا ظالم حکمران بیس برس تک عراق میں فرعونیت کی شان دکھاتا رہا اور کسی نے اس پر گرفت نہ کی ایسے میں عوام یہ سمجھنے پر مجبور تھے کہ بادشاہ خود پرست ہیں' اور رعیت کی بہبود سے غافل۔ عوام نے ان حالات کے خلاف بارہا علم بغاوت بلند کیا۔

۸ ۔ **عہدوں کی فروخت** : ولید ثانی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہدے بیچتا تھا خراسان کا صوبہ یوسف بن عمرو کے پاس بیچا۔ یوسف نے عوام سے قیمت نکالنا چاہی۔ ۱؎

۹ ۔ **خلفاء اور امراء کے درمیان عدم اعتماد** : امراء بادشاہوں کی خوشنودی کے لیے رعایا پر ظلم کرتے تھے لیکن خود بادشاہوں سے بھی انہیں کوئی محبت نہ تھی۔ اکثر امراء مطلب کے بندے ہوتے تھے۔ عبداللہ بن زیاد جس نے یزید کی خاطر کربلا میں خون بہایا تھا یزید کے مرنے کے بعد خود عراق پر قابض ہونے کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ اسی طرح دیگر امراء کی اکثریت بھی روگرداں ہوتی رہی بعد میں تو خلفاء کو امراء پر قطعاً کوئی اعتماد نہیں رہا تھا۔ مثلاً سلیمان کے عہد میں اسلام کے نامور اور پاکیزہ دامن فاتح محمد بن قاسم پر جو ناحق مصائب توڑے گئے وہ بجائے خود تاریخ کا ایک خونیں باب ہے۔ امراء کا بھروسہ بادشاہوں پر سے جاتا رہا۔ بعد میں امویوں کو مشکل سے کوئی وفادار جرنیل مل سکا۔ آخری اموی تاجدار مروان حمار جب زاب کے فیصلہ کن میدان میں عبداللہ بن علی کے خلاف فوجیں لے کر آیا تو ایک ایک سردار نے اپنے قبیلے لڑانے سے انکار کردیا۔ مروان نے ناچاران کے سامنے زروسیم کے ڈھیر لگا دیے کہ جنگ کرو تو یہ تمہارا مال ہیں مروان کی سپاہ اسے لوٹ کر ہزیمت! ہزیمت کی رٹ لگا کر فرار ہوگئی۔

۱۰ ۔ **عرب اور غیر عرب کی رقابت** : اموی دور میں رعایا عربی' شامی اور عجمی تین گروہوں میں بٹ گئی اور ان کے درمیان رقابت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ویسے تو بظاہر عربوں کی حکومت تھی لیکن انہیں شامیوں کا سا اقتدار حاصل نہ تھا۔ بنو امیہ نے اہل شام کے زور بازو سے حکومت حاصل کی تھی اس لیے انہوں نے اپنا مرکز حکومت دمشق میں رکھا۔ شامیوں کو ان سے بہت وفاداری تھی۔ اور اموی خلفاء ان پر بہت اعتبار کرتے تھے۔ اگر کہیں عربی اور شامی کا سوال پیدا ہوتا تو شامی کی طرف داری کرتے تھے۔ شامی سپاہ کی تنخواہ کی شرح عربی سپاہ سے زیادہ تھی۔ ابن اشعث کی بغاوت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔ رہے اہل عجم' تو ان کا کوئی مقام و مرتبہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے خلاف موثر تحریکیں عجم ہی میں اٹھیں۔ خوارج کے مرکزی خطے فارس' مصر اور افریقیہ تھے۔ بنو عباس کی دعوت کا مولد و منشاء عراق' ایران و خراسان وغیرہ تھے۔

۱؎ ابن [illegible] ۱۲۵ ہجری۔

Marfat.com

۱۱۔ عربوں کی باہمی رقابت: عربوں میں نسلی لحاظ سے دو بڑے گروہ تھے۔ مضراور یمانیہ۔ ان کی رقابت کے بارے میں عباسی تحریک کے ضمن میں کافی لکھا جا چکا ہے۔ امویوں نے اس خاموش آگ کو جان بوجھ کر دوبارہ بھڑکایا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہماری مقبولیت ختم ہو رہی ہے تو پھوٹ ڈال کر حکومت کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ انہوں نے سوچا کہ اہل عرب متحد ہو گئے تو ہماری حکومت کی بیخ کنی کر دیں گے۔ لیکن ان کا یہ داؤ خود اپنے خلاف پڑا۔

اس رقابت کی مختصر داستان یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں اہل شام اور یمنی قبائل برسر عروج تھے۔ ان ایام میں مضر زیر دست اور پامال رہے۔ عبدالملک اور حجاج بن یوسف کے عہد میں مضر کا دور دورہ ہوا۔ حجاج مضری تھا۔ اگرچہ اس کے ظلم سے کوئی نہیں بچا لیکن یمنیوں پر خصوصی مظالم ہوئے۔ ان کا جانشین یزید بن مہلب یمنی تھا۔ اس نے سلیمان کے عہد میں آل حجاج اور مضر سے چن چن کر انتقام لیا۔ یزید ثانی خلیفہ ہوا تو ابن مہلب پر گردش آئی۔ اور اس کا سارا خاندان یزیدی قہر کا شکار ہو گیا۔ ہشام کے عہد میں خالد بن عبداللہ قسری والی عراق و خراسان کے دم سے پھر اہل یمن کا طوطی بولنے لگا لیکن یہ بہار بھی چند روز تھی۔ ولید ثانی کے عہد میں خالد قسری کی جگہ یوسف مضری نے لی جس نے خلیفہ کے اشارہ سے خالد کو سنگ دلانہ اذیتوں سے ہلاک کیا۔ یزید ثالث کا شش ماہ عہد یمنیوں کے اقبال اور مضر کے ادبار کا عہد تھا۔ مروان ثالث کے تحت حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ وہ حصول تخت کے لیے مضر کا مرہون منت تھا۔ اس نے انہیں بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا۔ یمنیوں نے دیکھا کہ اب پھر برے دن آتے ہیں تو کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ ان کا سردار جدیع کرمانی تھا۔ وہ خراسان میں نصر بن سیار مضری کے خلاف صف آراء ہوا۔ ابومسلم نے اس تفرقہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے دونوں گروہوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دیا اور بالآخر انہیں ختم کر کے بلاشرکت غیرے خراسان کا مالک ہو گیا۔ پھر یہاں سے بڑھ کر ساری مملکت اسلامیہ پر چھا گیا۔

۱۲۔ فوج سے غفلت: اموی سلطنت کا فوجی نظام آہستہ آہستہ مختل ہوتا گیا۔ آخری سالوں میں فوج کی طرف سے بہت غفلت ہونے لگی اور ان کی بہبود کو نظرانداز کر دیا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کی کئی کئی ماہ کی تنخواہ واجب الادا رہنے لگی۔ فوج دل برداشتہ ہو گئی۔ لہٰذا مروان نے جب نصر کی مدد پر فوج بھیجنا چاہی تو عراق سے بارہ ہزار آدمی بھی فراہم نہ ہوئے۔

۱۳۔ معاشی بد حالی اور زراعت کی تباہی: امرء کے استحصال کی وجہ سے ملک میں افلاس بڑھنے لگا۔ آئے دن حاکم بدلتے تھے۔ لہٰذا کاشت کاروں سے غلہ کا بیشتر حصہ چھین لیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ زراعت تباہ ہو گئی اور اقتصادی تباہی ڈیرے ڈالنے لگی۔

۱۴۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز: حضرت عمر ثانی کی زندگی وفا کرتی تو آپ اموی حکومت کو

Marfat.com

یقیناً ٹھکانے لگا جاتے۔ تاہم آپ نے عوام میں ایک مدت کے بعد خلافت راشدہ اور جمہوریت کا جو عملی نمونہ پیش کیا اس نے آل امیہ کے زوال پر ایک اور مہر لگا دی۔ آپ کے بعد جس قدر بادشاہ آئے انہوں نے آپ کی قابل تقلید زندگی سے ایک بھی درس نہیں لیا اور خاندانی ڈگر پر چلتے رہے۔ عوام کی نفرت شدید تر ہو گئی۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد حکومت سنبھل نہ سکی۔ باغی قوتیں زور و شور سے ابھریں۔ خوارج نے طوفان مچائے اور اندر ہی اندر عباسی تحریک کا جال پھیلنے لگا۔ اب کسی خلیفہ کے قدم مضبوطی سے نہ جم سکے۔

۱۵۔ ولی عہدی کا غلط طریقہ : بنو امیہ میں ایک غلط رواج یہ چلا کہ خلیفہ اپنے بعد بالعموم دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین نامزد کر جاتا تھا۔ پہلے جانشین کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ بھائی کو ولی عہدی سے الگ کر کے اپنے بیٹے کو جانشین کر جائے۔ اس سے بھائیوں میں تفریق پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ خاندانی عصبیت جو اموی خاندان کی روح رواں تھی آہستہ آہستہ مضمحل ہو گئی۔

۱۶۔ خانہ جنگی : بنو امیہ کے زوال کی رہی سہی کسر خانہ جنگی نے پوری کر دی۔ اموی شہزادے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ باہمی تذلیل کا چکر چلا۔ بادشاہوں کی لاشیں سولی پر آویزاں نظر آئیں اور بادشاہ کے ساتھ خلافت کا جو کم از کم ظاہری تقدس تھا جاتا رہا۔

۱۷۔ عباسی تحریک کی تنظیم : بنو امیہ کی تباہی کا آخری سبب عباسی آئمہ کی ذہانت و قابلیت اور ابو مسلم کے خداداد جوہر تھے۔ عباسی قائدین اموی سیاست گروں کی خوب ٹکر ثابت ہوئے اور اپنی تنظیمی اہلیت اور سیاسی بصیرت کی مدد سے انہیں نیچا دکھایا۔ ابو مسلم ان کے حق میں آسمانی تائید کا نشان تھا۔

Marfat.com

اموی دور کی عوامی روح

اسلام کی تاریخ صرف سلاطین کی تاریخ نہیں۔ یہ عوام کی روداد بھی ہے۔ محض چند فرماں رواؤں کے عیب دیکھ کر ساری امت کو معیوب گرداننا انصاف سے بعید ہوگا۔ اگر اس دور میں یزید اول' یزید ثانی اور ولید ثانی ایسے لا ابالی امراء سامنے آئے تو ساتھ ہی ان کے اثرات کو زائل کرنے والی مقدس ہستیوں کی بھی کمی نہ تھی۔ جس دور میں امام علی زین العابدین' امام محمد باقرؒ امام مالک ' امام ابوحنیفہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ایسی رفیع القدر ہستیاں منصہ شہود پر آئیں اس دور کی رفعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ عوامی نقطہ نگاہ سے یہ وہ عہد تھا جس کی مثال خلافت راشدہ کے بعد کسی اور عہد یا ملک و ملت میں نظر نہیں آئے گی۔ یہ وہ ایام تھے جب دین کی روح شباب پر تھی اور شرم و حیا زندہ تھی۔ بے شک دنیا کی طرف بھی میلان تھا لیکن بحیثیت مجموعی لوگ دنیا کے غلام نہ تھے۔ اس کے مالک تھے۔ دین کو بالادستی حاصل تھی۔ جب قوم و ملت کی لاج کا سوال اٹھتا تھا تو مال و دولت کو مردانہ وار نچھاور کر دیا جاتا تھا' بلکہ زندگیوں سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ملک و ملت کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ چند بے کس عورتوں کی فریاد رسی کے لیے سندھ میں جہاد کا محاذ کھول دیا گیا۔ یہ آسان کام نہ تھا۔ پہلی دو مہمیں اوپر تلے ناکام ہوئیں۔ لیکن غیور مسلمانوں کے ولولے اور بڑھے۔ جو قوم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غیرت کا ثبوت دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلم خواتین کے پاسبانوں کو بالآخر شاندار کامیابی سے سرفراز کیا اور کراچی سے لے کر ملتان تک وسیع علاقہ ان کے قدموں میں رکھ دیا۔

دیگر اقوام نے بھی ملک فتح کیے ہیں۔ لیکن اموی عہد کی شان فاتحانہ کچھ اور تھی۔ اسلامی یلغار پر رحمت حق کے پھریرے لہرا رہے ہوتے تھے۔ فتوحات کے پیچھے دین کی حمیت اور قوم کی غیرت کار فرما تھی۔ ذاتی اغراض یا دنیوی حرص کی تحریک نہیں تھی۔ نیک نیتی کے نقوش کے زمانے کا بے رحم ہاتھ محو نہیں کر سکتا۔ ان کا نور تاریخ کے دریچوں سے ہمیشہ جھلملاتا نظر آتا ہے۔ بے شک بعد کے ادوار میں اموی جہانگیریوں کی میراث کہیں کہیں لٹ بھی گئی لیکن حسن نیت کی شمع کو کون بجھا سکتا ہے۔ اندلس سے مسلمانوں کو جس بے دردی سے نکالا گیا وہ تاریخ کا ایک خونیں باب ہے لیکن آج یورپ والے بھی برملا اعتراف کرتے ہیں کہ جب اسلام کا قافلہ اندلس سے نکلا تو اس بدنصیب ملک پر اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے۔

حقیقت شناس مورخ کی نگاہیں جب اسلام کے ماضی میں گزر کرتی ہیں تو وہ یہ دیکھ کر دم بخود رہ جاتا ہے کہ ہم جوں جوں قدامت کی طرف بڑھتے ہیں' ہمارے سامنے منور سے منور تر طبقے آشکارا ہوتے ہیں۔ تا آنکہ جب عہد نبوت کے قریب پہنچتے ہیں تو چکاچوند کا وہ عالم نظر آتا ہے

Marfat.com

کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ انہیں دیکھو تو اللہ کی رحمت یاد آ جائے۔ اموی عہد کے مسلمانوں کی غالب اکثریت ایسے ہی رحمت نشاں بندوں پر مشتمل تھی۔ ملک زیر کر کے وہ شان دلنوازی دکھاتے تھے کہ مفتوح اقوام انہیں دیکھ کر اسلام کی گرویدہ ہو جاتی تھیں۔ آج ایسی اقوام کی دنیا میں کمی نہیں جنہوں نے وسیع علاقوں پر صدیوں فاتحانہ حکومت کی۔ انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مفتوح اقوام کو اپنے مذہب کا پیرو کر دیں۔ لیکن ان کے مذہب سے رغبت کے بجائے الٹا نفرت پیدا ہو گئی کیوں کہ فاتحین رحمت الٰہی کے پیغام رساں نہ تھے۔ سنگ دلی اور بے مہری کے نقیب تھے۔ اموی کشور کشائیوں کی داستان اور ہے۔ لیکن ان پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے لیے اس نور بصیرت کی ضرورت ہے جس کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔

اموی دور بظاہر ملوکیت کا دور تھا۔ بعض تاجدار مطلوبہ معیار سے گرے ہوئے تھے۔ لیکن جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان کی حریت نواز روح جوان تھی۔ جو اثر ان کے قلوب اور اذہان پر قرآن و حدیث کا تھا وہ ملوک و امراء کا نہ تھا۔

اسلامی قوانین کی پابندی تھی۔ فقہ کا نہایت وسیع اور گراں قدر سرمایہ وجود میں آیا۔ یہ فقہ محض کتبی رونق یا ذہنی عیاشی کے لیے نہ تھا۔ ملت اس پر عمل پیرا تھی۔ صرف اس فقہی سرمایہ کو ہی سامنے رکھ کر سوچیے کہ جس دور میں اس پر عمل تھا وہ کس قدر صالح اور درخشاں دور ہوگا۔

اموی فرماں رواؤں کی خامیاں عوام کی نگاہ سے اوجھل نہ تھیں۔ عوام امراء کی خطاؤں اور قصوروں پر دلیری اور ثابت قدمی سے گرفت کرتے تھے۔ بنوامیہ کی شاہانہ زندگیاں عوام کی احتسابی نگاہوں کے محاصرہ میں رہتی تھیں۔ ملوکیت کبھی کھل کھیلتی تھی تو اسے سبق مل جاتا تھا۔

آج کل ہر حکومت کے احتساب کے لیے حزب مخالف کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اموی دور میں جو حزب مخالف کار فرما تھی اس نے دیانت داری اور فرض شناسی کا ناقابل تردید ثبوت پیش کیا' گھربار لٹوائے' سر قلم کروائے' ملک بدر ہوئے' کوڑوں سے پٹے' قید و بند کے دکھ جھیلے لیکن عیب کو عیب بتانے سے کبھی نہ چوکے۔ اس حزب مخالف کے سامنے کوئی ذاتی اقتدار نہ تھا۔ یہ اللہ مستوں اور فقر دوستوں کی جماعت تھی۔ یہ لوگ ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں رہتے تھے۔ یہ جماعت علمائے حق کی جماعت تھی۔ اس پاکیزہ گروہ نے اسلامی روح کے پاکیزہ ورثہ کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن سعی کی۔

تہذیب کا اصل کمال اس کے مادی ساز و سامان میں نہیں بلکہ اس کی مساوات' سادگی اور ہمدردی کی روح میں ہے۔ یہ روح جس بلند مرتبہ پر اموی دور میں تھی اس پر جتنا ناز کیا جائے کم ہے۔

Marfat.com

نظام حکومت

آئین : اموی دور کا نظام حکومت آمرانہ تھا۔ بیت المال پر آزادانہ تصرف رکھنے' عوامی سطح سے بلند تر رہنے اور بارہا حد سے نکلی ہوئی سخت گیری کی وجہ سے بنو امیہ کو اسلامی نقطہ نگاہ سے ملوک شمار کیا جائے گا۔ آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ سلطنت' ملک عضوض' (سخت گیر حکومت) تھی۔ لیکن عوام میں اسلام کی حمیت زندہ تھی۔ اس لئے بادشاہ ہر جہت سے مطلق العنان نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں سخت گیری کے باوصف اسلامی قوانین کی پاسداری پر بہت حد تک مجبور رکھا جاتا تھا۔ بادشاہ حد سے گزرتے نظر آتے تو عوام جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ اکثر اموی بادشاہوں کی یہ کوشش رہی کہ عوام کو ان پر اعتراض کرنے کا بہانہ نہ ملے۔ عبدالملک نے کسی سے پوچھا کہ آپ پر بڑھاپا بہت جلد چھا گیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ منبر کی خطابت اور تلفظ کی احتیاط نے یہ حال کیا ہے۔

بادشاہی کے لوازم اور سخت گیری یقیناً از حد معیوب تھی لیکن اس وقت کی معاصر حکومتوں کو دیکھا جائے تو اموی آمریت ان کے مقابلہ میں بہت محدود تھی۔ تاہم اسلام کی نگاہ میں اس کو کوئی جواز حاصل نہ تھا۔

اختیار اعلیٰ بادشاہ کے پاس ہوتا تھا جو خلیفہ اور امیر المومنین کہلاتا تھا۔ بادشاہ مشاورتی کونسل رکھنے یا عوام سے مشورت کرنے کا پابند نہ تھا۔ لیکن ہم بارہا بادشاہ اور حکام کو قبیلوی سرداروں سے رائے طلب کرتے دیکھتے ہیں۔ قبیلوی نظام اب بھی ایک حد تک بدستور قائم تھا۔ قبیلہ کے سردار کی جو رائے ہوتی تھی سب اہل قبیلہ کو منظور ہوتی تھی۔

ملک بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھا۔ ہر صوبہ کا بالعموم ایک ہی والی ہوتا تھا۔ لیکن بعض اوقات ایک والی کے تحت ایک سے زائد صوبے بھی ہوتے تھے۔ والی کا تقرر خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ صوبائی افسروں کا تقرر بالعموم والی ہی کرتا تھا۔ لیکن خلیفہ ضروری سمجھتا تو دخل دیتا تھا۔

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے شعبے تقریباً ایک سے ہوتے تھے۔ اہم ترین شعبے دیوان خاتم' برید' دفتر اموال' دفتر عطیات فوج اور شرطہ کے تھے۔ کاتب اور حاجب کے عہدے' مرکز کے علاوہ صوبوں میں بھی ہوتے تھے۔

خلیفہ کا انتخاب : خلیفہ کا انتخاب وراثت کے اصول پر ہوتا تھا۔ خلیفہ اپنے جانشین کو نامزد کر جاتا تھا۔ بالعموم وہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو ولی عہد بناتا تھا۔ عام اصول یہ تھا کہ سب سے بڑا بیٹا ولی عہد ہو۔

خانہ جنگی کے تدراک کے لئے خلیفہ اپنے بعد ایک سے زائد بیٹوں کو علی ترتیب ولی عہد نامزد کرتا تھا' لیکن اس رواج نے آہستہ آہستہ خرابیاں دکھانا شروع کیں۔ ہر جانشین کی یہ تمنا

Marfat.com

ہوتی تھی کہ بھائی کو ولی عہدی سے ہٹا کر اس کا حق اپنے بیٹے کو دلا دے۔ اس سے شکر رنجی پیدا ہونے لگی۔ اور بالآخر خانہ جنگی کی نوبت آ گئی۔

سیاسی پالیسی : ہر خلیفہ کی سیاسی روش اس کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی لیکن سخت گیری کا کم و بیش رنگ شروع سے آخر تک باقی رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اموی خلفاء کی چھاپ کی وجہ سے عوام کے دلوں میں جگہ پیدا نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے انہیں بارہا قہرمانیت کے ا۰ از دکھانے پڑتے تھے۔

عوام کی خواہشوں کو ہر قدم پر ٹھکرانا ناممکن ہے۔ بنو امیہ اس رمز سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لیے عام حالت میں وہ عوامی خواہشوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت کے عوام خلیفہ میں کیا اوصاف دیکھنا چاہتے تھے اس کا اندازہ یزید ثالث کے مندرجہ ذیل خطبہ سے ہوتا ہے جو اس نے ولید کا تخت الٹنے کے بعد دیا:

"ایہا الناس! تم پر میری اطاعت اس صورت میں لازم ہے کہ میں اپنے لئے نہ کوئی عمارت بناؤں' نہ نہر کھدواؤں' نہ ذاتی مال بڑھاؤں اور نہ بیوی بچوں کو مال دار کروں۔ میں کسی شہر سے اس وقت تک مال نہ نکالوں گا جب تک اس کا دفاع مضبوط نہ کر لوں اور وہاں کے لوگوں کی حاجتیں پوری نہ ہو جائیں۔ فاضل مال اس کی قریبی بادی میں بھیجا جائے گا۔ سرحدوں کے معاملہ میں تمہیں مصیبت میں نہیں ڈالوں گا۔ تم پر دروازہ بند نہیں کروں گا۔ زمیوں پر دست درازی نہیں کروں گا۔ تمہارے وظیفے ہر برس اور تمہاری تنخواہیں ہر ماہ ملیں گی اور قریب و بعید میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ اگر میں ان الفاظ کو نباہوں تو تم میرے احکام سنو' اور مانو اور میرا بوجھ بخوبی بٹاؤ۔ اگر میں انہیں نہ نباہوں یا پھر تائب نہ ہوں تو مجھے معزول کر دو۔ اگر تمہارے علم میں کوئی ایسا صالح شخص ہو جس سے تمہیں وہی امیدیں ہوں جو مجھ سے ہیں اور تم اس کی بیعت کرنا چاہو تو میں سب سے پہلے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا۔ اے لوگو! خالق کی نافرمانی کرنے والی مخلوق کی اطاعت مت کرو۔"

یزید ثالث اگر ان وعدوں کی بجا آوری کے باوصف ناکام رہا تو اس کی ایک قوی وجہ یہ تھی کہ وہ معتزلی عقائد رکھتا تھا۔ خلیفہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ صحیح العقیدہ ہو۔

بنو امیہ کو بدقسمتی سے اکثر ایسے امراء ملے جو نہایت جابر اور جفا کار تھے۔ مثلاً زیادہ بن سمیہ' عبید اللہ بن زیاد' حجاج بن یوسف بن عمرو وغیرہ۔ ان کی خون آشامیوں کی ذمہ داری سے خلفاء بچ نہیں سکتے۔ جن امراء کے نام مذکور ہوئے ہیں۔ یہ سب عراق پر مامور ہوئے۔ دیگر صوبوں میں ایسے امراء کے نام کم نظر آتے ہیں۔ عراقی طبیعت کا جو خاصہ ہے اس کے لئے آہنی گرفت کی

Marfat.com

ضرورت تھی۔ لیکن تاریخی واقعات یہ باور کراتے ہیں کہ ان امراء نے بارہا بے ضرورت سختیاں کیں۔ خلفاء نے ان سے دانستہ چشم پوشی کی۔ لہٰذا وہ بھی ان مظالم میں ایک حد تک شریک ٹھہرتے ہیں۔

خارجہ پالیسی : اندرونی پالیسی میں بارہا خلفاء کی ذاتی مصلحتیں ہمیں غالب نظر آتی ہیں۔ لیکن جہاں تک بیرونی پالیسی کا تعلق ہے اس میں نہ صرف بنو امیہ بلکہ ہر قبیلہ و عقیدہ کے لوگ ایک تھے۔ اس پالیسی کا ایک ہی نصب العین تھا اور وہ تھا اسلام کی آبرو۔ اگرچہ ہشام کے عہد میں حرث نے خاقان ترکستان سے ایکا کر کے اور عثمان نے ڈیوک آف ایکوی ٹین سے اتحاد کر کے غداروں کی فہرست بھی خالی نہیں رہنے دی لیکن یہ خال خال مثالیں ہیں۔ اموی دور کے مسلمان ہزار در ہزار آفریں کے حقدار ہیں کہ جب اسلام کا دشمن سامنے آتا تھا تو سب تفرقے بھلا کر اس کے خلاف ایک ہو جاتے تھے۔ اموی خلفاء اور حکام اس معاملہ میں کارواں کے رہبر تھے۔ حجاج کس قدر ظالم تھا۔ لیکن چند مظلوم مستورات کا انتقام لینے کے لئے اس نے سندھ کے دور افتادہ علاقہ پر فوج کشی کی ذمہ داری اٹھالی۔

مرکزی حکومت : اموی حکومت کا کاروباری نظام نہایت مختصر اور سیدھا سادہ تھا۔ اور نہایت خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔ تین عہدے دار ایسے تھے جن کے ہاتھ میں کوئی وسیع دفتری نظام تو نہ تھا لیکن ان کی اہمیت سب سے بڑھ کر تھی۔ ایک کاتب تھا' دوسرا حاجب اور تیسرا قاضی۔

۱۔ کاتب : کاتب کے لغوی معنی ہیں سیکرٹری۔ کاتب کے لئے انشاء پرداز ہونا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ اس کا حسن رائے اور حسن تدبیر سے بھی متصف ہونا لازم تھا۔ وہ خلیفہ کے اسرار کا امانت دار ہوتا تھا۔

۲۔ حاجب : حاجب کے لغوی معنی ہیں "روکنے والا" اگرچہ اس کا کام ناخواستہ لوگوں کو خلیفہ سے روکنا اور دور رکھنا بھی تھا۔ لیکن ضروری ملاقاتوں کا انتظام کرانا بھی اسی کے ذمے تھا۔ ہم اسے افسر رابطہ کہہ سکتے ہیں۔

محلاتی نظام بھی حاجب کے سپرد ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ امور خانہ داری کا وزیر تھا۔

۳۔ قاضی : یہ دمشق کا قاضی اعلیٰ تھا۔ مقامی عدلیہ کا نظام اسی کے تحت تھا صوبائی قضاۃ اس کے زیر انتظام نہ تھے۔

متفرق محکمے :

۱۔ دیوان خاتم : (ریکارڈ آفس)۔ اس دفتر میں خلیفہ کے فرامین کی نقول رکھی جاتی تھیں۔ خلیفہ کے فرمان کو بند اور سربمہر کر کے بھیجتے تھے۔ مہر کو عربی میں خاتم کہتے ہیں' اس لئے اس دفتر کا نام دیوان خاتم رکھا گیا۔ یہ دفتر کاتب کے زیر انتظام ہوتا تھا۔ دیوان خاتم کے بنا حضرت معاویہؓ

Marfat.com

نے رکھی۔
۲۔ دیوان اموال : یہ مالیات کا دفتر تھا۔ خلافت راشدہ میں بھی بیت المال کی آمدن اور خرچ کا حساب رکھا جاتا تھا لیکن اموی دور میں اس شعبہ کی بہت توسیع ہوئی۔ آمدن کی یہ مدیں تھیں : زکوٰۃ' جزیہ' خراج' غنیمت' خاصہ کی زمین' تجارتی ٹیکس' تحائف وغیرہ۔
۳۔ دیوان عطایا : (یا اعطیات) یہ مردم شماری اور وظائف کا رجسٹر تھا۔ کلیدی شہروں یعنی مکہ' مدینہ' دمشق' کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کو مقررہ وظائف ملتے تھے۔ نیز بڑے بڑے قبیلوں کے روساء کو بھی حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً مالی مدد ملتی تھی۔ محتاجوں اور معذوروں کے نام بھی وظیفے جاری تھے۔ اس بارہ میں حکمرانوں کا اپنا اپنا طریق کار ہوتا تھا جس کی وجہ سے اصحاب عطایا میں کمی بیشی اور تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔
۴۔ حرس : شاہی پہرہ داروں کے دستہ کو حرس کہتے تھے۔ یہ ایجاد اموی عہد کی ہے۔ خلافت راشدہ میں خلفاء کی حفاظت کے لئے کوئی پہرہ دار نہیں ہوتا تھا۔
۵۔ شرطہ : یعنی پولیس۔ اس کے ذمے شہری نظام کی نگرانی تھی۔ پولیس کے افسر اعلیٰ کو صاحب الشرطہ کہتے تھے۔ خلیفہ جب کہیں جاتا تو صاحب الشرطہ برچھی اٹھائے آگے آگے چلتا تھا تاکہ لوگ مرعوب رہیں۔
۶۔ احداث : ایک قسم کی ملیشیا تھی جس کا درجہ فوج اور پولیس کے درمیان ہوتا تھا۔ اس کے بانی حضرت عمرؓ تھے۔ خلافت راشدہ میں اس سے عارضی پولیس کا کام لیا جاتا تھا کیوں کہ اس وقت مستقل شرطہ کی ضرورت نہ تھی۔

حضرت معاویہؓ نے احداث کی نئے سرے سے تنظیم کی' لیکن بعد میں اس کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ ہشام کا وقت آیا تو اس نے اس کی پھر تدوین کی۔ اس کو یہ ضرورت غالباً مالی بچت کی خاطر پیش آئی۔ احداث کا یہ فائدہ تھا کہ مستقل پولیس اور فوج کی حاجت گھٹ جاتی تھی اور خزانہ پر بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔
۷۔ فوج : خلیفہ کے پاس مستقل فوج کی ایک پلٹن رہتی تھی۔ زیادہ فوج کی ضرورت ہوتی تو صوبائی حکام لشکر بھیجتے تھے۔ فوج کا دفتر دیوان الجند کہلاتا تھا۔
۸۔ بحریہ : بحریہ کا ناظم امیر البحر کہلاتا تھا۔ بحری بیڑہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت معاویہؓ کے ہاتھوں وجود میں آگیا تھا۔ حضرت معاویہؓ فرماں روا ہوئے تو اس کی طرف مزید توجہ دی۔ بحریہ کا الگ شعبہ قائم کیا اور وسیع پیمانے پر جہاز سازی شروع کرائی۔ موسیٰ بن نصیر نے اسے اور وسعت دی اور تیونس میں جہاز سازی کا ایک نیا کارخانہ قائم کیا۔ ہشامی عہد میں اس کارخانہ کی توسیع کی گئی۔

Marfat.com

۹۔ برید : یہ ڈاک کا محکمہ تھا۔ اس کے ذریعے سرکاری ڈاک کے علاوہ عوام کی ڈاک بھی جاتی تھی۔ اس کا رواج حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی تھا۔ لیکن اس کی باقاعدہ تدوین حضرت معاویہؓ نے کی۔ برید کا نام غالبا انہی کے عہد میں پڑا۔ ملک میں تقریبا بارہ بارہ میل کے فاصلے پر چوکیاں مقرر تھیں جہاں تیز رفتار گھوڑے تیار رہتے تھے۔ ہرکارے ان گھوڑوں پر نہایت سرعت سے منزل بہ منزل ڈاک پہنچاتے تھے۔ برید کے ذریعے ڈاک کی ترسیل ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ چھوٹی موٹی اشیاء بھی بھیجی جاتی تھیں۔ عبدالملک نے برید کی تنظیم کی طرف نئے سرے سے توجہ کی۔

عوام میں ڈاک بھیجنے کا وسیلہ برید ہی نہ تھی بلکہ قاصدوں اور ایلچیوں سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ کبوتروں سے نامہ بری کا کام لینے کا بھی عام رواج تھا۔ اس مقصد کے لئے کبوتروں کو نہایت عمدہ تربیت دی جاتی تھی۔

اہل ذمہ : اموی دور میں اہل ذمہ کے ساتھ بالعموم اچھا سلوک رہا۔ بعض عیسائی نہایت بلند عہدوں پر پہنچے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں ابن اوثال حمص کے دفتر خراج کا سیکرٹری تھا۔ ا۔ عبدالملک کا کاتب سرحون اور سلیمان کا کاتب ابن بطریق نصرانی تھے۔ ۲۔

صوبائی نظام : صوبائی گورنروں کی ملازمت کی مقرر معیاد نہیں ہوتی تھی۔ خلیفہ کو جب منظور ہوتا گورنر کو الگ کر دیتا تھا۔ گورنر کی سکونت گاہ دارالامارۃ کہلاتی تھی جو مسجد جامع کے ساتھ ملحق ہوتی تھی۔ کیونکہ جمعہ کی نماز گورنر ہی پڑھاتا تھا۔ گورنر کا طرز زندگی اور طرز حکومت خلیفہ کی تقلید میں ہوتا تھا۔ مرکز کی طرح صوبائی دفاتر کا بھی کوئی وسیع عملہ نہ تھا۔ مختصرا مندرجہ ذیل شعبے ہوتے تھے۔

۱۔ **دیوان خاتم :** اسے دیوان رسائل بھی کہتے تھے۔ احکام اسی دفتر سے جاری ہوتے تھے۔

۲۔ **دیوان الخراج :** یہ خراج کا دفتر تھا۔ اس کا ناظم اعلیٰ صاحب الخراج کہلاتا تھا۔ نظری لحاظ سے صاحب الخراج براہ راست مرکز کے تحت ہوتا تھا لیکن عملاً گورنر کو خزانہ پر پوری دسترس ہوتی تھی۔ خلیفہ دخل اندازی سے احتراز کرتا تھا۔ عبدالملک کے عہد تک خراج کے دفاتر صوبائی زبانوں میں ہوتے تھے۔ اس کے عہد میں عربی میں منتقل ہو گئے۔ دیوان اموال غالبا اسی دفتر کو کہتے تھے۔ آمدن کے مندرجہ ذیل شعبے تھے۔

زکوٰۃ، خراج، جزیہ، غنیمت، جرمانے، تجارتی ٹیکس وغیرہ۔ زکوٰۃ اہل اسلام سے وصول ہوتی ہے۔ خراج غیر مسلموں کی زمینی حاصلات پر وصول ہوتا تھا۔ جزیہ غیر مسلموں کی ذات پر عائد ہوتا تھا۔

۳۔ **شرطہ :** اس کے ناظم اعلیٰ کو صاحب الشرطہ کہتے تھے۔ جب کسی والی کے خلاف سارا شہر

ا۔ جشیاری صفحہ ۷ ۲۔ ۲۔ التنبیہ والاشراف مسعودی۔

Marfat.com

اچانک باغی ہو جاتا تو عام طور پر شرطہ ہی آڑے آتی تھی اور فوج کا کام دیتی تھی۔ ورنہ اس کے ذمے عام حالات میں پولیس کے فرائض ہوتے تھے۔

۴۔ **قاضی :** ہر صوبہ کے مرکزی شہر میں ایک قاضی اعلیٰ ہوتا تھا' جو صوبہ کے عدالتی نظام کا نگراں ہوتا تھا۔ عدلیہ بالعموم انتظامیہ سے الگ ہوتی تھی لیکن خالد قسری نے ہشام کے عہد میں احداث' شرطہ اور قضا کے محکمے ایک ہی شخص بلال بصری کو سونپے تھے اہل ذمہ مقدمات کا فیصلہ ان کے اپنے جج کرتے تھے۔

۵۔ **فوج :** چونکہ ہر مسلمان کے لئے بوقت ضرورت فوجی خدمت لازمی تھی اس لئے مستقل فوج کم تھی۔ وقت پڑنے پر متطوعہ یعنی رضاکاروں کی لام بندی کر لی جاتی تھی۔

زراعت : زراعت کی طرف اموی حکومت کی بہت توجہ رہی۔ متعدد نہریں کھدوائی گئیں عراق ہی میں نہروں کا جال نہیں بچھا بلکہ پہاڑی علاقوں میں بھی بعض جگہ نہریں کھودی گئیں۔ اگرچہ بعض گورنر زراعت سے غفلت کے مرتکب ہوئے۔ لیکن بالعموم کاشتکاروں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اگر فوجی نقل و حرکت میں کسی کی فصل برباد ہو جاتی تو اسے حکومت سے ہرجانہ وصول کرنے کا حق حاصل تھا۔

Marfat.com

علم و حکمت

صدر اسلام کے عرب علوم میں سوائے لغت، احکام شریعت اور طب کے جن کی شدید حاجت تھی اور کسی چیز سے اعتنا نہیں کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ نئے علوم کے دخل سے اسلام کے عقائد و قواعد پختہ ہونے سے قبل ہی خلل پذیر نہ ہو جائیں۔ اموی دور میں غالب کیفیت یہی رہی۔ البتہ حضرت معاویہؓ کے پوتے خالد بن یزید نے کیمیا اور طب وغیرہ کی طرف توجہ کی۔

اموی دور میں علوم دین اور عربیت کے میدان میں بے بہا کارنامے انجام دیے گئے۔ یہ زیادہ تر اہل علم طبقہ کی ذاتی کوششوں کا ثمرہ تھا۔ شاہان وقت نے بھی اپنے طور پر علم کی قدر افزائی کی۔ حضرت معاویہؓ اور ہشام نے تاریخ میں کتابیں لکھوائیں۔ ولید نے قرآن کی تعلیم کی طرف پوری توجہ دی اور حفاظ و قراء وغیرہ کے وظائف مقرر کیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اشاعت علم کی طرف خوب توجہ دی۔

اموی خلفاء نے ایک شاہی کتب خانہ بھی بنایا تھا لیکن اس کی تفصیلات معلوم نہیں۔

الغرض کچھ حکمران طبقہ کی توجہ سے اور زیادہ تر علماء کی ذاتی جدوجہد سے متفرق علوم کو بہت وسعت ملی۔ اس کا مختصر تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

عربیت : عجمی اقوام کے دائرہ اسلام میں آنے کی وجہ سے عربی لغت کو منضبط کرنے اور قواعد کو مرتب کرنے کی حاجت ہوئی۔ اس دور میں لغات و محاورات کی تحقیق کا دامن پھیلا اور صرف و نحو کے فنون ایجاد ہوئے۔ عربی قواعد کا سنگ بنیاد حضرت علیؓ نے رکھا تھا۔ ان کے شاگرد ابوالا سود دئلی نے اس فن کو اور وسعت دی۔

قرآنی علوم : ابتداء قرآن میں اعراب نہ تھے۔ اموی عہد میں پچاس ہجری کے بعد لگائے گئے۔ اعراب پہلے نقطوں کی صورت میں لکھے گئے۔ دیگر نقطوں سے تمیز کرنے کے لئے انہیں الگ سیاہی میں لکھا جاتا تھا۔ یہ خدمت حضرت علیؓ کے شاگرد ابوالاسود دئلی اور ان کے شاگرد نصر بن عاصم اور یحیٰ بن یعمر نے انجام دی۔ صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک نے اس کار خیر میں کس قدر حصہ لیا۔ ا۔

اموی دور میں تفسیریں بھی لکھی گئیں۔ ابن عباسؓ کے مولیٰ عکرمہ نے تفسیر میں ایک کتاب لکھی۔ سعید بن جبیر نے بھی ایک تفسیر سپرد قلم کی جو بعد میں عطا بن دینار کے نام سے مشہور ہوئی۔ مجاہد تابعی کی تفسیر اور بدء الخلق میں ہمام بن منبہ کی کتاب بھی قابل ذکر ہیں۔ ۲۔ ضحاک بن مزاحم (وفات ۱۰۵ یا ۱۰۶ھ) نے بھی ایک تفسیر سپرد قلم کی تھی۔ ۳۔

ابن عباسؓ کے نام سے ایک تفسیر تنویر المقباس نام آج کل مطبوعہ ملتی ہے۔ ان کے نام سے تفسیر کی اور کتابیں بھی منسوب ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں خود نوشت نہیں بلکہ اموی

ا۔ تعارف قرآن از شیخ محمد اقبال۔ ۲۔ تعارف قرآن از شیخ محمد اقبال۔ ۳۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۳۶، تہذیب التہذیب ابن حجر۔

Marfat.com

دور میں آپ کی روایات تحریر کر دی گئیں اور آپ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ا۔

حدیث : علم حدیث کے لئے زیادہ انحصار زبانی یادداشت پر تھا۔ تاہم اس دور میں حدیث کا ایک وسیع ذخیرہ معرض تحریر میں آیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی کتابیں غالباً خلافت راشدہ کے بعد ہی لکھی گئیں۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کی کتاب حضرت معاویہؓ کے عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی املا کردہ احادیث کی ایک کتاب الصحیفۃ الصحیفہ کے نام سے تھی۔ یہ حال ہی میں صحیفہ ہمام بن مبہ کے نام سے چھپ گئی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ملک گیر پیمانے پر تحریر حدیث کی تحریک چلائی۔ امام زہری نے حدیث کی تحریروں کے انبار لگا دیئے۔ امام مالک کی کتاب موطا کے بارے میں قطعیت سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اولین مسودہ اسی دور میں لکھا گیا۔ بعد میں اس میں ترمیم ہوتی رہی۔ اسی دور میں ابن جریج، اوزاعی، سفیان ثوری، ابو سلمہ حماد بن دینار، معمر بن راشد اور عبداللہ بن مبارک ایسے محدث موجود تھے۔ ان سب نے حدیث میں کتابیں لکھیں لیکن ان کے بارے میں ہم حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کی کتابیں اموی دور کی پیداوار ہیں یا عباسی دور کی کیونکہ ان اصحاب نے عباسی دور میں وفات پائی۔ ۲۔

تاریخ : اس دور میں سیرت نبوی پہ لکھنے والے دو غیر فانی شہرت کے عالم موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق زندہ تھے۔ انہوں نے علی الترتیب ۱۴۱ھ اور ۱۵۰ ہجری میں وفات پائی۔ اس لئے ان کی کتابوں کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ اموی دور میں لکھی گئیں یا عباسی دور میں۔ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب غالباً اسی دور میں لکھی گئی۔ ۳۔

حضرت معاویہؓ اور ہشام نے قدیم تاریخ کی کتابیں لکھوائیں۔ خالد بن ابی الهیاج نے ولید بن عبدالملک کے لئے تاریخ لکھی۔ عوانہ نے حضرت معاویہؓ اور بنو امیہ کی تاریخ لکھی (الفہرست) ابو مخنف صحابی نے تاریخ میں متعدد کتابیں لکھیں۔ (الفہرست)

فقہ : اس دور میں بہت بڑے بڑے فقہا پیدا ہوئے جن میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ سر فہرست ہیں۔ امام مالک عمر بھر مدینہ میں رہے۔ لوگ دور دور سے کھنچ کر آپ کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ امام ابوحنیفہ کو بھی علم فقہ میں شہرت جاوید حاصل ہوئی۔ آپ نے ایک ہزار ارباب علم کی ایک مجلس مشاورت قائم کی۔ اس میں چالیس صاحب الاجتہاد علماء تھے جو علم و ادراک کے آسمان کے آفتاب و مہتاب تھے۔ آپ فقہی مسائل کو اس مجلس کے سامنے پیش کرتے اور خوب بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا جاتا تھا۔ یہ مجلس اموی عہد کے اٹھارہ برس بعد تک قائم رہی۔ اس میں جو فتوے دیئے جاتے تھے انہیں لکھ لیا جاتا تھا۔ ۴۔

حکمت : خالد بن یزید بن معاویہ اسلام میں غالباً پہلا شخص ہے جس نے حکمت کی طرف اس حد

ا۔ تعارف قرآن از شیخ محمد اقبال۔ ۲۔ تعارف حدیث از شیخ ... بال۔ ۳۔ تعارف حدیث از محمد اقبال۔ ۴۔ تعارف فقہ از شیخ محمد اقبال۔

Marfat.com

تک توجہ دی کہ غیر زبانوں سے ترجمہ کا اہتمام کیا۔

خالد کو حکیم آل مروان کہتے تھے۔ اس نے مصر سے فلاسفہ یونان کی ایک جماعت منگوائی اور اسے حکم دیا کہ صنعت کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرو۔ اس سلسلہ میں طب' نجوم اور کیمیا کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اس نے خود بھی کیمیا میں کئی کتابیں تصنیف کیں جن سے چار کتابوں کا وجود چار صدی تک باقی رہا۔ [1]

مروان اول کے شاہی طبیب نے ایک سریانی کتاب کا ترجمہ کیا جسے شاہی کتب خانہ میں رکھا گیا۔

طب : اموی دور میں علم طب نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کیں۔ جراحی میں بعض اصحاب نے بہت دست گاہ پیدا کی۔ ایک جراح کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ اس نے ایک شخص کی آنکھ کا ڈھیلا نکال کر دوبارہ ٹھکانے جڑ دیا۔

۱۔ رسائل شبلی۔

Marfat.com

تہذیب و تمدن

اموی دور میں سپین اور بحر ظلمات (بحر اوقیانوس) سے لے کر سندھ تک اسلامی حکومت پھیل گئی۔ لیکن اسلامی آبادی انہی حدود میں مقید نہ تھی۔ مشرق میں چین اور جاوا سماٹرا تک اسلامی مبلغ اور تاجر پہنچے۔ ہندوستان کے جنوبی ساحل کے قریب ایک چھوٹی سی ریاست قائم تھی۔ یہاں کا ایک راجہ شق قمر دیکھ کر اسلام لے آیا تھا۔ راجہ داہر کے قزاقوں نے جن لوگوں کو لوٹا تھا وہ انہی علاقوں سے آ رہے تھے۔

اسلامی دور میں بیسیوں ملکوں اور قوموں کی تہذیب و تمدن کا سرمایہ یک جا ہوا۔ اس سنگھم نے ایک نئی تہذیب کی بنا رکھی جو کسی جغرافیائی خطہ سے منسوب نہ تھی۔ اس میں آفاقی وسعت تھی۔ دنیا کے جس خطہ میں جو اچھی چیز تھی اسے اختیار کر لیا گیا۔ بے شک بعض ناپسندیدہ چیزیں بھی کہیں کہیں رائج ہوئیں لیکن ان کو اسلام کی منظوری حاصل نہ تھی۔ اس لئے انہیں اسلامی تہذیب کا جزو قرار دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ اگر کسی شہر میں چند بدقماش افراد جوئے کا مرکز کھول لیں اور باقی شہر والے اس سے بیزاری کا اظہار کریں تو اس مرکز قمار کو اس شہر کے تمدن کا جزو قرار نہیں دیا جائے گا۔ کسی قوم سے وہی تہذیب و تمدن منسوب ہو سکتا ہے جسے اس کی اکثریت نے خوشی سے اختیار کیا ہو' اور اس پر فخر کیا ہو۔ جب ہم اسلامی تہذیب و تمدن کے خد و خال تلاش کریں گے تو ان اجزاء کو خارج کرنا پڑے گا جنہیں اکثریت نے قبول نہیں کیا یا من حیث القوم ان پر فخر کا اظہار نہیں کیا گیا۔

اسلامی تہذیب و تمدن کے اجزاء کی ایک عام پہچان یہ ہے کہ ان سے فضول خرچی' تضیع اوقات یا اخلاق سوزی وابستہ نہیں ہوتی۔ شطرنج' کبوتر بازی' کتوں اور بٹیروں کی لڑائی' فحش شاعری' عریاں لباس' لاابالی فیشن وغیرہ سے اسلامی تہذیب و تمدن کو کبھی واسطہ نہیں رہا۔ جب کبھی ان کا رواج ہوتا نظر آیا حکومت نے اس کا تدارک کیا۔ اس مقصد کے لئے احتساب کے صیغہ سے کام لیا جاتا تھا۔

اسلامی تہذیب و تمدن میں بعض ایسی اشیاء بھی داخل ہو گئیں جن کے حق میں دینی نقطہ نگاہ سے شاید کوئی دلیل نہ دی جا سکے اور نہ ان کی تردید ہو سکے لیکن بعض امور کی وجہ سے اہل اسلام نے ان پر فخر کیا اور انہیں اپنی تہذیب کا جزو قرار دیا۔ خلیفہ ولید نے جامع دمشق پر بڑی دولت صرف کی۔ بعض جگہ اس کو سونے چاندی کے پتروں سے ڈھک دیا اور قیمتی پتھر جڑوائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم دیا کہ یہ قیمتی سامان مسجد سے اتار کر قومی رفاہ میں خرچ کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ ایک عیسائی اس مسجد کو دیکھ کر اتنا مرعوب ہوا تھا کہ بے ہوش ہو گیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو جامع کو اپنے حال پر رہنے دو۔ اس

Marfat.com

لحاظ سے پرشکوہ تعمیرات اسلامی تمدن کا جزو بن گئیں۔

تعمیرات : اسلام سادگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے شروع میں رجحان عالی شان عمارات کے خلاف رہا۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد کرائے تو مکانوں کی گنجائش پر حد مقرر کر دی تھی۔ اموی دور میں آہستہ آہستہ پرشکوہ عمارتوں کا رواج پڑنے لگا۔ یہ ایرانی اور رومی تہذیب کا اثر تھا۔

سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے دمشق میں اپنے لئے محلات بنوائے۔ اس کے بعد صوبائی والیوں کا بھی ادھر میلان ہوا۔ ولید کا دور آیا تو امراء کو تعمیرات کا جنون سا ہو گیا۔ جگہ جگہ شاندار عمارتیں نظر آنے لگیں۔ مضبوطی کی خاطر زیادہ تر پتھروں کا استعمال ہوتا تھا۔

سب سے زیادہ توجہ مساجد کی طرف تھی۔ ولید کے عہد میں جو سب سے عالی شان عمارت بنی وہ جامع دمشق تھی۔ از بس دل کش تھی۔ مسجد النبی اور مسجد حرام کی بھی توسیع کی گئی اور ان کی شان میں اضافہ کیا گیا۔ جامع بصرہ، جامع کوفہ اور جامع عمرو بن العاص وغیرہ بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔

گنبد کا رواج عرب سے بیرونی دنیا میں پہلے سے تھا۔ لیکن اسلام نے اسے اس طرح اپنایا کہ اسلامی فن تعمیر کا نشان امتیاز ہو گیا۔ سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے دمشق میں ہرے رنگ کا گنبد بنایا جس میں وہ چالیس برس رہے۔[۱] عبدالملک نے بیت المقدس میں صخرہ پر جو گنبد بنوایا وہ آج بھی وجود میں ہے۔ اور دنیا کے نوادر میں سے ہے۔ حجاج بن یوسف نے واسط میں سبز گنبد بنوایا تھا جو مدت تک قائم رہا۔ اس کا دور دور تک شہرہ تھا۔

میناروں کا رواج حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوا۔ عربوں کو کشیدہ قامت کھجور سے جو محبت تھی معلوم ہوتا ہے کہ مینار اس کا مظہر ہے۔ یہ آہستہ آہستہ مساجد کی علامت جلال ٹھہرا۔

بڑی مسجدوں اور شاہی ایوانوں کے لئے بڑے بڑے کمرے بنائے جاتے تھے جن میں عموماً لکڑی کے ستون استعمال ہوتے تھے لیکن اس مقصد کے لئے کہیں کہیں پتھر بھی استعمال ہوا۔

شہروں کی آبادی : اموی دور میں کئی نئے شہر آباد ہوئے اور ویران قصبوں میں نئے سرے سے رونق آئی۔ شہروں کی آبادی کے کئی اسباب تھے۔ مثلاً :

۱۔ فوج کے مستقروں کے لئے نئے مقامات کی ضرورت تھی تاکہ باہر سے آنے والے سپاہی قدیم آبادی سے دور رہیں۔ اس مقصد کے لئے جو شہر آباد ہوئے ان میں واسط بہت مشہور ہے۔ یہ کوفہ اور بصرہ کے درمیان ہونے کی وجہ سے واسط کہلاتا تھا۔ یہ دجلہ کے کنارے تھا۔ دوسری طرف کسکر کا قدیم قصبہ تھا۔

۲۔ سرحدی حفاظت کے لئے فوجی چھاونیاں قائم کرنی پڑیں جو بعد میں بہت بڑے شہر بن

۱۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

گئے۔ اس سلسلہ میں قیروان، منصورہ اور محفوظہ وغیرہ کے شہر قابل ذکر ہیں۔ یہاں عرب آباد ہوئے۔ ان شہروں میں کہیں کہیں نہایت مضبوط قلعے بھی بنائے گئے۔

۳۔ بعض شہروں کی بنا کا سبب کسی خلیفہ کی محض خوش ذوقی تھی۔ مثلاً ہشام نے نزہت گاہ کے طور پر رصافہ آباد کیا۔

نئے شہر کی پہلے خط کشی ہوئی اور ایک نقشہ کے موافق محلے، گلیاں اور بازار معرض وجود میں آئے۔ آب رسانی کا خاطر خواہ انتظام ہوا۔

دمشق : اموی دور میں یوں تو کئی شہروں کی رونق بڑھی لیکن دمشق کو جو شوکت اور رعنائی حاصل ہوئی وہ اسی کا حصہ تھا۔ اس خوب صورت شہر کی رونق نے نقطہ کمال کو چھو لیا۔

دمشق بنو امیہ کا پایہ تخت تھا۔ اس کی بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ نہایت زرخیز خطہ میں واقع تھا جہاں آب رسانی کا اہتمام آسانی سے ہو سکتا تھا۔ اس کی شان سرعت سے بڑھتی گئی۔

یہ ایک قدیم شہر تھا۔ اس کی ہزاروں برس کی عمر تھی۔ فوجی نقطہ نگاہ سے از بس اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے گرد سنگین اور مستحکم فصیل تھی جس میں کئی مضبوط دروازے تھے۔

دمشق شام کے شہروں اور ایران و عرب وغیرہ سے قریب تھا۔ یہاں ایک بہت بڑی تجارتی منڈی قائم ہو گئی۔ بین الاقوامی تہذیب و تمدن کا سنگم بن گیا۔

پہلے یہاں عیسائی آباد تھے۔ اسلامی افواج نے اسے فتح کیا تو طے پایا کہ ایک حصہ میں عیسائی آباد رہیں گے اور ایک میں مسلمانوں کی آبادی ہو گی۔ اس سے غرض یہ تھی کہ باشندوں میں امن و امان قائم رہے۔ یہ مقصد پوری طرح حاصل ہوا اور سارے اموی دور میں یہ شہر سیاسی شورشوں سے مامون رہا۔ نتیجہ یہ کہ خوش حالی اور فارغ البالی انتہا کو پہنچی اور لوگ تہذیب و تمدن کی حیرت انگیز برکتوں سے ہم کنار ہوئے۔

دمشق میں شاندار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جامع دمشق کا تو جواب ہی تھا۔ عالی شان گرجوں کی بھی کمی نہ تھی۔ پرشکوہ قصر وجود میں آئے۔ یہ عمارات صرف مسلمان امراء سے مختص نہ تھیں۔ نصاری بھی ان میں برابر کے حصہ دار تھے۔

عیسائی اور مسلمان ساری آبادی فراغت سے بسر کرتی تھی۔ عیسائی بعض دفعہ نہایت اہم عہدے حاصل کر لیتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔

دمشق جنت کا نمونہ تھا۔ آب رسانی کا جو اہتمام اموی دور میں ہوا وہ اہل اسلام کی خوش ذوقی اور ذہانت کا دائمی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ گھر گھر پانی کی جدولیں پہنچیں۔ مکانوں کے ساتھ پائیں باغ تھے جہاں طرح طرح کے گل بوٹے بہار دکھاتے تھے۔ آب پاشی کا یہ نظام آج تک باقی ہے دمشق کے وسیع شہر میں کئی بازار تھے جو مسقف تھے۔ یہ بازار گرمیوں میں خوب ٹھنڈے رہتے تھے۔

Marfat.com

بنو عباس
ابوالعباس السفاح

(۱۳۲ تا ۱۳۶ھ) (۷۵۰ء تا ۷۵۴ء)

۱۳۲ ہجری (ذوالحجہ) میں عباسی حکومت کے بانی ابوالعباس عبداللہ بن علی کی بیعت ہوئی۔ اس کے بعد اس نے ایک خطبہ دیا جس میں کوفہ والوں کی ستائش کی اور کہا کہ میں نے تمہارے وظیفوں میں سو درہم بڑھا دیئے ہیں۔ اب کمر باندھ لو۔ میں سفاح' غلغلہ انداز' انتقام گیر اور ہلاکت خیز ہوں۔ اس نے اس اعلان کو سچ کر دکھایا اور تاریخ میں سفاح (یعنی خونریز) کے نام سے زندہ رہ گیا۔

ابوالعباس کے مسائل : ابوالعباس بے مثال حوصلہ و تدبر کا مالک تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اپنے خاندان ہی میں ایسے کار آگہ اور بیدار مغز صلاح کار مل گئے جنہوں نے قدم قدم پر اس کی مدد کی اور اس کی مشکلات کو آسان کر دیا۔ ابوالعباس کے سامنے کئی حوصلہ آزما مسائل اٹھے جنہیں اس نے ہمت اور تدبیر سے چٹکیوں میں حل کر لیا۔ بعض مسائل درج ذیل ہیں :

۱۔ **سابقہ خود سر امراء :** جن دنوں بنو امیہ پر ادبار کی گھٹائیں چھا رہی تھیں کئی امراء خود سر ہو گئے۔ حکومت بدلنے پر انہیں خود مختاری کا مزید حوصلہ ہوا۔ ابوالعباس نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا۔

۲۔ **جدید بندوبست :** اسلامی سلطنت نہایت وسیع و عریض تھی۔ سوائے سپین کے جس پر ایک اموی شہزادہ عبدالرحمن الداخل نے قبضہ کر لیا یہ ساری سلطنت بنو عباس کے ہاتھ میں آئی۔ اس میں ایک مضبوط بندوبست قائم کرنا تھا۔ ابوالعباس نے اس مقصد کے لئے سب صوبوں میں صاحب فہم اور قابل اعتماد امراء مقرر کیے۔ ان امراء کی وافر تعداد اس کے اپنے خاندان ہی سے فراہم ہو گئی۔ سوائے خراسان کے جو ابومسلم کے تحت تھا باقی کل اہم صوبوں میں اس نے اپنے بھائیوں' چچاؤں اور بھتیجوں کو مامور کیا۔ ان لوگوں نے ذہانت اور وفاداری کا ثبوت دیا اور حکومت کے پایے مضبوط کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

۳۔ **بنو امیہ کے حامی :** سفاح نے بنو امیہ کے آثار حکومت مٹانے کی یہاں تک کوشش کی کہ ان کے بادشاہوں کی قبریں تک کھدوا ڈالیں۔ تاہم شام اور جزیرہ کے علاقہ میں اب بھی ایسے لوگ موجود تھے جو بنو امیہ کے پروردہ اور ہوا خواہ تھے' قنسرین' حمص اور جزیرہ کے علاقوں میں انہوں نے ہتھیار اٹھائے لیکن بنو عباس کے زور کے سامنے ٹھہرنا مشکل تھا۔ ہار مان لی۔

۔ **اہل بیت کے حامی :** بنو عباس کی تحریک اہل بیت ک نام پر اٹھی تھی۔ نگاہیں مشتاق

Marfat.com

تھیں کہ کس وقت بنو امیہ کا قبضہ اٹھتا ہے اور مسند خلافت پر کوئی سید زادہ جلوہ افروز ہوتا ہے لیکن عوام کی تمنا بر نہ آئی۔ اہل بیت کے حامیوں نے سفاح کی بیعت کو پسند نہ کیا۔ ان کے قائدین میں ابو سلمہ خلال کا نام سرفہرست ہے۔

۵۔ ابو سلمہ خلال کا قتل : امام ابراہیم کی وفات کے بعد ابو سلمہ خلال نے خلافت اہل بیت میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے چالیس روز تک امام ابراہیم کی موت کی خبر پوشیدہ رکھی۔ جب داعیوں پر حقیقت کھلی تو انہوں نے ابوالعباس عبداللہ کی بیعت کر لی اور ابو سلمہ کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ تاہم اس کے دل سے یہ خیال نہ نکلا۔ ابوالعباس کو اس بات کا علم تھا۔ اس لئے اس نے ابو سلمہ کو رستہ سے ہٹانے کا ارادہ کر لیا۔

ابو سلمہ کی عوام میں بہت قدر و منزلت تھی۔ اس نے بنو عباس کی بے بہا خدمات انجام دی تھیں۔ اسے وزیر آل محمدؐ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ایسے شخص کو علی الاعلان قتل کیا جاتا تو عوام مشتعل ہو جاتے۔ اس لئے سفاح نے پراسرار طریق اختیار کیا۔ ابومسلم کی تائید ضروری تھی۔ اس کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ ابو مسلم نے جواب بھیجا کہ اگر آپ کو ابو سلمہ کے انحراف کے بارے میں اطلاع ہے تو اسے مار دیجئے۔ سفاح کو اس کے چچا داؤد بن علی نے رائے دی کہ تم خود اس کام کو ہاتھ میں نہ لو ورنہ ابومسلم اس واقعہ کو کسی دن تمہارے خلاف حجت بنا کر لائے گا۔ ابومسلم کو لکھو کہ وہی اس کام کو انجام دے۔ سفاح نے ابومسلم کو حکم بھیجا۔ اس نے ایک خفیہ کارندہ بھیجا۔ اس نے آکر سفاح کو اپنے مشن سے مطلع کیا۔ سفاح نے ایک باقاعدہ منصوبہ بنایا۔ اس کے اعلانچی نے منادی کی کہ امیرالمومنین اب ابو سلمہ سے خوشنود ہو گئے ہیں۔ سفاح نے ابو سلمہ کو خلعت پہنائی اور اس سے راہ و رسم بڑھائی۔ ایک رات ابو سلمہ دیر تک سفاح کے پاس بیٹھا رہا۔ واپس گیا تو تنہا تھا۔ ابومسلم کے کارندے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرے دن مشہور ہو گیا کہ ابو سلمہ کو خارجیوں نے مار دیا ہے۔ سفاح کے بھائی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پایہ تخت ہاشمیہ میں (جو کوفہ سے ملحق تھا) دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ ابوالعباس کی تخت نشینی کے پہلے برس کا ہے۔ ۱۔

ابوالعباس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اہل بیت کے سب حامیوں کو مٹانے پر تل گیا اور ابو مسلم کے ذریعے ابو سلمہ کے مقرر کردہ سارے عہدہ داروں کو ہلاک کروا دیا۔ ۲۔

ابو سلمہ خلال کی وفات کے بعد ۱۳۳ ہجری میں خراسان کے تیس ہزار آدمی باغی ہو گئے کہ ہم نے بیعت خوں ریزی پر نہیں کی تھی۔ ابومسلم نے اس بغاوت کو دبا دیا۔ ۳۔

۶۔ خوارج : خوارج جنہوں نے بنو امیہ کو ہمیشہ پریشان رکھا تھا بنو عباس کو کب چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ یہ فرقہ جمہوریت کا قائل تھا۔ جب ایک آمریت کی لاش سے دوسری آمریت نے جنم

۱۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔

Marfat.com

لیا تو یہ لوگ بر سر مقابلہ ہوئے اور جان کی بازی لگا دی۔ صرف ایک خارجی سردار جلندی ہی کے ساتھ دس ہزار آدمی مارے گئے۔ ابوالعباس نے ان کا زور توڑ دیا۔

۷۔ **رومی محاذ :** رومی حکومت نے اسلامی مقبوضات کی طرف پاؤں پھیلانا شروع کئے اور بعض اہم علاقے لے لئے۔ سفاح نے فوراً ایک مہم بھیجی جس نے دشمن کی پیش قدمی روک دی۔

دارالخلافہ : کوفہ کے قریب ایک بستی تھی جو اموی دور کے ایک گورنر ابن ہیرہ کے نام سے قصر ابن ہیرہ کہلاتی تھی۔ یہ دارالامارت یعنی گورنر کی رہائش گاہ تھی۔ سفاح نے اسے نئی رونق دی۔ اس کا نام بنو ہاشم کی نسبت سے ہاشمیہ رکھا اور وہاں اقامت اختیار کی' عوام کی زبان پر اموی دور کا نام ہی جاری رہا۔ ناچار اس نے ہاشمیہ کے نام سے قریب ہی ایک اور شہر آباد کیا۔ اسے دارالخلافہ قرار دیا۔ کوفہ کے اثرات یہاں بھی پہنچے تو اس جگہ سے بھی اٹھا۔ پاس ہی ایک اور آبادی میں جا بسا جو انبار کے نام سے معروف ہے۔ اب یہ دارالخلافہ تھا۔ ابوالعباس یہیں دفن ہوا۔

انبار کا یہ شہر بلخ کے اسی نام کے ایک قصبہ سے مختلف تھا۔

جدید انبار فرات کے کنارے آباد تھا۔ منصور شروع میں یہیں رہا۔ بعد میں اس نے چند میل دور بغداد کا شہر آباد کیا۔

وفات : سفاح نے ۱۳۶ ہجری (ذوالحجہ) میں چیچک سے وفات پائی۔ عمر غالباً ۳۳ برس تھی۔

وفات سے قبل وہ ایک بند وصیت نامہ میں منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو جانشین نامزد کر گیا۔[1]

اوصاف اور اخلاق : سفاح بلند قامت' سفید فام اور خوبرو تھا۔ وہ فصیح الکلام اور صائب الرائے تھا۔ نہایت بلند سیرت کا مالک تھا۔ اس کا دامن بنو امیہ اور خلال کے خون کے چھینٹوں کے سوا بہت حد تک صاف ہے۔

پالیسی : سفاح کی پالیسی کے مندرجہ ذیل عناصر تھے :

۱۔ **ارکان خاندان سے استمداد :** اموی حکومت کے ایام میں بھی اگرچہ شاہی خاندان کے افراد کو بلند عہدے ملتے تھے لیکن اہم ترین صوبوں پر ان کا تقرر کم ہوتا تھا۔ اموی خلفاء صرف اہل اور وفاکیش اصحاب کو منتخب کرتے تھے۔ اس میں ایک خرابی یہ تھی کہ ان امراء کی نگاہ میں صرف خلیفہ کی وقتی خوشنودی ہوتی تھی۔ اموی حکومت کی نیک نامی اور بقا پر ان کا دھیان کم ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ بنو امیہ عوام میں غیر مقبول ہونے لگے۔ سفاح نے کلیدی ولایات پر اپنے بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کو مقرر کیا جنہوں نے حکومت کو مستحکم کرنے میں ہر ممکن سعی کی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰۔

Marfat.com

۲۔ **سخت گیری :** ابوالعباس نے بنو امیہ کے ساتھ نہایت سنگ دلی کا سلوک کیا۔ اموی خاندان کے وہی افراد زندہ بچے جو بہت کم سن تھے یا قلمرو سے بھاگ نکلے۔ اس سخت گیری کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ عوام پر ہیبت چھا گئی اور حکومت کا دبدبہ بیٹھ گیا۔

۳۔ **عجم کی ترجیح :** بنو امیہ کی حکومت شام والوں کے سہارے قائم ہوئی تھی اس لئے انہیں ترجیح دی اور دمشق کو دارالخلافہ قرار دیا۔ عباسی حکومت کا قیام اہل عجم کا مرہون منت تھا۔ اس لئے ابوالعباس نے عجم کو عربوں پر بڑھانا شروع کیا اور دارالخلافہ عراق میں بنایا۔

نظام حکومت : سفاح کا نظام حکومت اموی دور سے کچھ مختلف نظر نہیں آتا۔ البتہ وزارت کا قیام سفاحی حکومت کا ایک نمایاں امتیاز ہے۔

وزارت : وزیر کے لفظ سے عربی زبان پہلے سے آشنا تھی۔ وزر کے معنی بوجھ کے ہیں اور وزیر کے معنی ہیں بوجھ اٹھانے والا۔ قرآن حکیم میں دو جگہ (طٰہٰ اور الفرقان میں) حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وزیر بتایا گیا ہے۔ لیکن وہاں اس کے معنی فقط مددگار اور کام بٹانے والے کے ہیں۔

اسلام سے قبل ایران میں عہدہ وزارت کا وجود تھا لیکن عہد اسلام میں سب سے پہلے اسے بنو عباس نے قائم کیا۔ بے شک اموی دور کے اخیر میں مروان ثانی کے وزیر عبدالحمید بن یحییٰ کا ذکر آتا ہے۔ ا۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ عبدالحمید کا وہی مقام تھا جو عباسی وزراء کو حاصل تھا۔ مسعودی نے حضرت معاویہؓ کی مجلس وزراء کا ذکر کیا ہے لیکن ان وزراء سے مراد مختلف شعبوں کا ناظمین اعلیٰ ہی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وزارت کی طرح بنو عباس نے ڈالی۔

سب سے پہلے وزیر کا لفظ ابو سلمہ خلال کے لئے مشہور ہوا۔ شروع میں یہ لقب اسے عوام نے محض اعزاز دیا۔ اسے وزیر آل محمدؐ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کا خادم کہتے تھے۔ عباسی حکومت میں اس کی زندگی فقط چند روزہ تھی۔ اس مختصر زندگی کے آخری ایام میں اس نے وزارت کے اختیارات پائے اور اپنی طرف سے کچھ عملہ بھی نامزد کیا جسے اس کی وفات کے بعد تہ تیغ کر دیا گیا۔

خلال کے ابو الجہم بن عطیہ سفاح کا وزیر ہوا۔ ۲۔ کہا جاتا ہے کہ خلال کے بعد خالد برمک نے وزارت پائی۔ لیکن یہ درست نہیں۔ وہ وزیروں کا سا مرتبہ رکھتا تھا لیکن سرکاری طور پر اسے وزیر نہیں کہا جاتا تھا۔ ۳۔

ا۔ ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۵۵۔ ۲۔ ابن اثیر ذکر موت سفاح۔ ۳۔ الفخری۔

Marfat.com

ابو جعفر عبداللہ بن محمد المنصور

۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ (۷۵۴ء تا ۷۷۵ء)

تعارف : منصور ۹۵ ہجری میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں سلامہ لونڈی تھی۔ اپنے بھائی سفاح سے عمر میں بڑا تھا۔

منصور کی پرورش مدینہ کے شہر میں ہوئی جو علم کا مرکز تھا۔ اس نے یہیں تعلیم پائی۔ اموی عہد میں اسے ایک بار قید بھی بھگتنی پڑی۔ ابوالعباس خلیفہ ہوا تو اسے آذربائیجان اور آرمینیہ کا گورنر مقرر کیا۔ مرنے سے پہلے اسے اپنا جانشین نامزد کر گیا۔ ۱۔

خلافت : سفاح کی وفات کے بعد منصور مکہ میں تھا۔ واپسی پر اثنائے سفر میں اسے سفاح کی موت کی خبر ملی اور رستہ ہی میں بیعت ہو گئی۔ ذوالحجہ کا مہینہ تھا۔ پہلے کوفہ آیا۔ بیعت لی اور پھر دارالخلافہ انبار میں چلا گیا اور انتظام و انصرام میں مشغول ہوا۔ ۲۔

منصور نے خلافت سنبھالی تو اسے قدم قدم پر آزمائشوں سے دو چار ہونا پڑا۔ مشکلات اس قدر ہجوم کر کے اٹھیں کہ نرے حوصلہ اور خالی شجاعت سے کام نکالنا مشکل تھا۔ منصور نے فریب کا حربہ بھی اٹھایا۔ جہاں دیکھا کہ سیدھی طرح بات نہیں بنتی وہاں فریب اور دھوکے سے حریف کو شکست دی یا اس کا کام تمام کر دیا۔

عبداللہ بن علی کی بغاوت۔ ۱۳۷ھ : منصور کو جس وقت خلافت کا مژدہ ملا وہ بہت فکر مند ہوا۔ ابو مسلم نے اس کے چہرے پر تفکر کے آثار دیکھے تو سبب پوچھا۔ منصور نے کہا کہ مجھے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی طرف سے کھٹکا ہے۔ ابو مسلم نے کہا' یہ معاملہ مجھ تک چھوڑیئے اور آپ بے فکر ہو جایئے۔ ۳۔

منصور کا اندازہ صحیح نکلا۔ عبداللہ بن علی نے بغاوت کر دی۔ وہ شام کا گورنر تھا۔ سفاح کی موت کی خبر آئی تو اس نے اعلان کیا کہ سفاح نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم مروان سے جنگ کر کے اس کا خاتمہ کر دو تو میں تمہیں اپنا جانشین کر جاؤں گا۔ بعض اصحاب نے عبداللہ بن علی کے اس دعوے کی تائید میں شہادت دی۔ اس کے پاس شام' جزیرہ اور خراسان کے جس قدر امراء تھے انہوں نے اس کی بیعت کر لی۔ وہ فوج لے کر عراق کی طرف روانہ ہوا۔ ۴۔

ابو مسلم خراسانی عبداللہ بن علی کے مقابلہ پر چلا۔ عبداللہ کو علم ہوا تو اپنی خراسانی سپاہ کو اس اندیشہ سے ابو مسلم سے مل نہ جائے تہ تیغ کر دیا۔ سترہ ہزار خراسانی مارے گئے۔ نصیبین کے مقام پر لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ پانچ ماہ تک معرکے ہوتے رہے۔ شامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ابو مسلم نے حربی لیاقت اور جرات کا خوب ثبوت دیا۔ عبداللہ بھاگ نکلا اور بصرہ جا کر

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر' ابن کثیر' ذہبی۔

Marfat.com

اپنے بھائی کے پاس جو وہاں کا والی تھا روپوش ہو گیا۔ منصور نے دو برس بعد ۱۳۹ ہجری میں اس حیلہ سے گرفتار کر لیا۔ اسے آٹھ برس بعد ۱۳۹ ہجری میں مروا دیا۔ قتل کی ترکیب یہ کی کہ نمک کی بنیاد پر ایک مکان تعمیر کروا کر عبداللہ کو اس میں رکھوایا اس کے بعد بنیادوں میں پانی چھوڑ دیا۔ مکان گرا اور عبداللہ دب کر ہلاک ہو گیا۔ ا۔

ابو مسلم کا قتل۔ ۱۳۷ ہجری : ابو مسلم خراسان کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ ایران کا بیشتر حصہ ان دنوں خراسان کہلاتا تھا۔ اس میں ایران کے سب مشرقی اور شمالی علاقے شامل تھے۔ باشندے سخت جان اور جنگ آرا تھے۔

منصور ایک مدت سے ابو مسلم کے خون کا پیاسا تھا اور مناسب وقت کا منتظر تھا۔ اس کے مزاج میں شک اور احتیاط کا مادہ غالب تھا۔ اسے جس آدمی کی طرف سے ادنیٰ خطرہ بھی ہوتا تھا۔ اسے ہلاک کئے بغیر چین نہیں لیتا تھا۔ ابو مسل خراسانی سے اسے چند در چند وجوہ کی بنا پر بہت خدشات تھے۔ مثلاً :

۱۔ ابو مسلم کے عروج نے اس کا دماغ بہت چڑھا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عباسی سلطنت میرے دم سے ہے۔ خلیفہ کو مجھ پر گرفت کرنے کا حوصلہ نہیں ہو سکتا۔ منصور کو تو وہ سفاح کی زندگی میں خاطر ہی میں نہ لاتا تھا۔

سفاح ابو مسلم کی بدماغی سے بہت آزردہ تھا۔ لیکن اس نے ہمیشہ درگزر کیا منصور نے اسے دوبار ابو مسلم کے قتل کی صلاح دی لیکن وہ ٹال گیا۔

۲۔ سفاحی عہد میں ابو مسلم کی رضا کے بغیر کوئی اہم کام طے نہیں ہوتا تھا۔ ان دنوں منصور نے سفاح کی منظوری سے ابن ہبیرہ سے صلح کی۔ ابو مسلم نے نہ مانا اور سفاح کو لکھا کہ اسے قتل کر دو۔ منصور نے بار بار تحریر کیا کہ اس کا قتل بے فائدہ ہو گا لیکن سفاح مجبور تھا۔ ناچار منصور نے ابن ہبیرہ کو قتل کر کے بدعہدی کی شرم اٹھائی۔ ۲۔

۳۔ ایک دفعہ ابو مسلم سفاح کے پاس حاضر ہوا اور اسے سلام کیا۔ منصور بھی پاس بیٹھا تھا لیکن اسے سلام نہ کیا۔ سفاح نے ابو مسلم کو توجہ دلائی اور کہا' یہ ابو جعفر (منصور) بیٹھا ہے۔ ابو مسلم بولا' اس جگہ فقط آپ کا حق ادا ہو گا۔ ۳۔

۴۔ سفاح کی زندگی کے آخری سال منصور اور ابو مسلم دونوں نے حج کا عزم کیا۔ سفاح نے منصور کو امیر حج مقرر کیا۔ ابو مسلم نے سنا تو بگڑ کر کہا' کیا منصور کو حج کے لئے کوئی اور برس نہیں ملتا تھا۔ ۴۔

۵۔ سفر حج کے دوران ابو مسلم کی شان و شوکت اور زرپاسی کے سامنے منصور کی حیثیت گھٹا گئی۔ ہر ایک زبان پر ابو مسلم کا نام تھا۔ منصور کے پہلو میں کانٹا گڑ گیا۔

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۵۴' ۵۵۔ ۳۔ عیون الاخبار' کتاب اول ص ۲۴۔ ۴۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

۶ - واپسی کے سفر میں ابو مسلم کی سواری منصور سے آگے آگے رہی۔ اس میں شہزادہ کی گستاخی تھی۔

۷ - اثنائے حج میں جب منصور حرم میں داخل ہوا تو جوتے اتار دیئے۔ باہر آیا تو ابو مسلم سے کہا کہ میرے جوتے لا دو۔ وہ جوتے لایا لیکن منصور کو پہنائے نہیں۔ ایک اور رئیس نے منصور کی فرمائش پر اسے جوتے پہنائے۔ منصور نے ابو مسلم کی اس بے توجہی کو یاد رکھا۔[۱]

۸ - رستہ میں جب سفاح کی موت کی خبر آئی تو ابو مسلم نے ایک خط منصور کو لکھا۔ اس میں اسے خلافت کی تہنیت نہ دی۔ اگرچہ بعد میں بیعت کر لی لیکن منصور کے دل میں گرہ پڑ گئی۔

۹ - جن دنوں ابو مسلم عبداللہ بن علی کے خلاف شام میں مصروف جنگ تھا منصور کو ایک شخص نے شکایت لکھی کہ تمہارا خط ابو مسلم کے پاس آتا ہے تو وہ اس کی ہنسی اڑاتا ہے۔[۲]

۱۰ - عبداللہ بن علی کی شکست کے بعد منصور نے ایک شخص ابو الخصیب نام کو غنیمت کے حساب اور دیکھ بھال کے لئے بھیجا۔ ابو مسلم طیش میں آگیا اور ابوالخصیب کو قتل کرنا چاہا لیکن لوگوں نے سفارش کر کے بچا لیا۔ ابو مسلم نے اس موقع پر کہا' خون ریزی میں تو مجھ پر اعتماد ہوتا ہے لیکن اموال کے معاملہ میں مجھے خائن سمجھا جاتا ہے۔ اس نے منصور کو گالیاں بھی دیں۔

منصور نے ابو مسلم کا صفایا کرنے کی ٹھان لی لیکن خراسانی فوج پر اس کا ایسا جادو تھا کہ اسے برملا قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے منصور نے ایک ترکیب کی۔ ابو مسلم ابھی شام میں تھا کہ اسے فرمان بھیجا کہ تمہیں بجائے خراسان کے شام اور مصر کا والی مقرر کیا جاتا ہے۔ مصر میں جسے چاہو نائب کر دو اور خود شام میں مقیم رہو۔ اس طرح تم میرے قریب رہو گے۔ مجھے تمہارے قرب کی خواہش ہے۔ ابو مسلم خراسان چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ شام سے خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔

منصور نے دیکھا کہ ابو مسلم کھل کر برخلاف ہو گیا ہے تو وہ بھی مستعد ہوا۔ اسے جب خبر ملی کہ ابو مسلم نے خراسان کی طرف کوچ کر دیا ہے تو دارالخلافہ سے نکل کر مدائن چلا آیا۔ یہ جگہ شام اور خراسان کے رستہ کے قریب تھی۔ مدائن سے اس نے ابو مسلم کو ایک خط لکھ کر بلا بھیجا۔ ابو مسلم نے جواب لکھا کہ بندہ تابع فرمان ہے لیکن دور سے۔ منصور نے اسے نرمی اور دل جوئی سے خط لکھے اور قابل اعتماد امراء کو بھیجا کہ کس طرح اس کو پھانس لائیں ادھر ابو مسلم

ا۔ عیون الاخبار' کتاب اول' ص ۲۷ - ۲۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

کے نائب کو خراسان کی ولایت کا پروانہ بھیج دیا۔ وہ ابو مسلم کے خلاف ہو گیا۔ ناچار ابو مسلم نے مدائن جانے کا فیصلہ کیا۔ شہر سے باہر بنو ہاشم' امرائے دولت اور عوام نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔ منصور کے پاس حاضر ہوا تو وہ بھی نہایت خوش خلقی اور تکریم سے پیش آیا۔ ا۔

چند روز بعد منصور نے ابو مسلم کو خیمہ میں بلا بھیجا اور پانچ آدمیوں کو مامور کیا کہ اوٹ میں چھپ کر کھڑے رہنا۔ جب میں تالی بجاؤں تو آکر ابو مسلم کا کام تمام کر دینا۔ ابو مسلم حاضر ہوا تو منصور نے بہانہ سے اس کی تلوار لے کر بستر کے نیچے رکھ لی اور سخت الفاظ میں عتاب کرنا شروع کیا کہ تم نے سفاح کو اس انداز سے خط لکھے جیسے کوئی کسی کو دین کی تعلیم دیتا ہو۔ مکہ کے سفر میں تم مجھ سے پیش پیش رہے۔ تم نے عبداللہ بن علی کی لونڈی پر قبضہ کرنا چاہا۔ میرے حکم کے خلاف شام سے خراسان روانہ ہوئے۔ میری پھوپھی آمنہ کو نکاح کا پیغام دیا اور اپنے کو سلیط بن عبداللہ بن عباس کا بیٹا بتاتے ہو۔ ابو مسلم ایک ایک سوال کا جواب دیتا گیا اور کہا کہ مجھے ان الزاموں کا ہدف بنانا مناسب نہیں۔ میں نے تمہاری جو خدمت انجام دی ہے وہ ہر ایک جانتا ہے۔ منصور نے کہا اگر اس کام کے لئے کوئی حبشی لونڈی بھی اٹھ کھڑی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہماری خاطر اسے کامیاب کر دیتا۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں قتل کروں گا۔ ابو مسلم نے کہا' مجھ اپنے اعداء کے لئے زندہ رہنے دو۔ منصور بولا' تم سے بڑھ کر میرا عدو کون ہو گا۔ اس نے تالی بجائی۔ آدمی نکلے اور ابو مسلم پر تلواریں برسا دیں۔ منصور نے اس کی لاش پر چادر ڈلوا دی۔ ۲۔ سر کٹوا کر سونے کے ٹکڑوں کے ساتھ اس کے سپاہ میں پھنکوا دیا۔ سپاہ سونا لوٹنے میں مصروف ہو گئی اور سر پر دھیان نہ دیا۔ ۳۔ اس کے بعد منصور نے لاش کے ٹکڑے کروا کر دجلہ میں ڈلوا دئے۔ ۴۔

بغاوتیں

۱۔ **خراسان** : ابو مسلم کو ایک گروہ خدا مانتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس گروہ کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک کا خیال تھا کہ خدا کی روح اب فیروز میں آگئی ہے۔ دوسری شاخ ابو مسلم کی بیٹی فاطمہ کو خدا ماننے لگی۔ ۵۔

ابو مسلم کے قتل کی خبر خراسان پہنچی تو رنج و الم کی لہر دوڑ گئی۔ اسی سال ۱۳۷ ہجری میں سنباد نام ایک مجوسی کے زیر قیادت خراسان کے لوگ بغاوت پر اتر آئے۔ منصور نے ایک سالار جہور ۶۔ (یا جمہور ۷۔) نام کے تحت فوج بھیجی۔ سنباد بھاگ نکلا اور بعد میں مارا گیا۔ خراسان کے دور افتادہ علاقہ میں رہ کر اب جہور کے دماغ میں بھی بغاوت کی ہوا سمائی۔ جس قدر اموال ہاتھ آئے ہڑپ کر لئے۔ منصور نے محمد بن اشعث کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ بھیجا۔ زور کی جنگ ہوئی۔ جہور بھاگ نکلا۔ بعد میں اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہ اس کا سر منصور کے پاس لائے۔

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ذہبی۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ عبیداللہ سندھی المہدی از حسن ابراہیم' ص ۳۳۔ ۶۔ طغری بردی' ابن کثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

۲۔ تین برس بعد ۱۴۰ ہجری میں اہل بیت کے لئے ایک تحریک اٹھی۔ منصور نے اسے سختی سے دبایا اور کئی سردار مروا دیے۔

۳۔ خوارج : جزیرہ اور افریقیہ میں خوارج کی خاصی تعداد تھی۔ انہوں نے بارہا قتل و فساد کی راہ اختیار کی لیکن ہربار مغلوب ہوئے۔

۴۔ سندھ : منصور کے عہد میں سندھ میں وقتاً فوقتاً بغاوتیں اٹھیں لیکن آسانی سے مٹا دی گئیں۔

۵۔ سرحدی علاقے : طبرستان کے علاقے میں آئے دن حکومت کے خلاف شورشیں اٹھتی رہتی تھیں۔ ۱۴۱ ہجری میں منصور نے ایک فوج بھیجی۔ یہاں کے امیر نے جو اصبہذ[ا] کہلاتا تھا صلح کر لی لیکن اگلے برس اس نے عہد شکنی کی اور کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ناچار پھر فوج کشی ہوئی۔ اصبہذ محصور ہو گیا۔ جب اسے بچ نکلنے کی آس نہ رہی تو زہریلی انگوٹھی چوس کر مر گیا۔ ۲

۱۴۳ ہجری میں دیلم والوں نے سرکشی کی۔ منصور نے ان کی گوشمالی کے لئے ۱۴۴ ہجری میں ایک لشکر بھیجا جس نے انہیں زیر کیا۔ ۳

ترکستانی خطوں میں بھی آئے دن اسلامی حکومت کے خلاف فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی تھی ۱۴۶ ہجری میں ترکوں اور خزر نے آرمینیہ کے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اگلے برس انہوں نے پھر یہ حرکت کی۔ منصور نے ۱۴۸ ہجری میں ان پر فوج بھیجی۔ مجاہدین پہنچے تو ترکوں کو غائب پایا۔ ۴

رومی مہمات : منصور کی تخت نشینی پر ابھی دو ہی برس گزرے تھے کہ شاہ روم نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ ۱۳۸ ہجری میں اس نے ملطیہ کا شہر لیا اور اس کی فصیلیں گرا دیں۔ ۱۳۹ ہجری میں اسلامی فوجوں نے اسے واپس لے لیا اور اسیروں کا مبادلہ ہوا تاہم چپقلش ختم نہ ہوئی اور منصور کو آئے دن رومی حکومت کے خلاف مہمات بھیجنی پڑیں۔ آخر شاہ روم عاجز آ گیا اور ۱۵۵ ہجری میں اس نے جزیہ کی شرط پر صلح کی درخواست کی۔ کشیدگی پھر بھی نہ گئی۔ دو برس بعد اسلامی فوجوں کو رومی علاقوں کا پھر رخ کرنا پڑا۔ روم کے شہنشاہ نے ۱۵۸ ہجری میں وفات پائی تو سکون ہوا۔ یہی سال منصور کی وفات کا بھی ہے۔ ۵

راوندیہ کی بغاوت۔ ۱۴۱ ہجری : اصفہان کے قریب راوند ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس کے انتساب سے ۱۴۱ ہجری میں ایک انوکھا فرقہ نمودار ہوا جسے راوندیہ کہتے تھے ان کے عجیب و غریب عقائد تھے۔ تناسخ کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ آدم کی روح ان کے لیڈر عثمان میں پلٹ آئی ہے اور ہیثم بن معاویہ جبرئیل ہے۔ بادشاہ وقت کو پروردگار مانتے تھے کہ یہ ہمیں کھلاتا پلاتا ہے۔ ایک دن ان کا چھ سات سو کا گروہ منصور کے محل کا طواف کرنے لگا اور پکارنا شروع کیا کہ یہ

ا۔ اصل میں یہ فارسی کا لفظ اسپبد (یعنی سپہ سالار) ہے۔ ۲۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر' ذہبی۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

ہمارے پروردگار کا محل ہے۔ منصور نے ان کے سرغنوں کو جیل میں ڈال دیا۔ راوندیہ بگڑ گئے۔ جیل پر حملہ کر دیا اور قیدیوں کو لے گئے۔ پھر منصور کا رخ کیا اور اسے مارنے پر تل گئے حالانکہ اسے خدا مانتے تھے۔ منصور کے حامی جاں نثاری نہ کرتے تو وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اس نے ایک ایک راوندی کو مروایا۔ مقتولوں میں ان کا قائد عثمان بھی تھا۔ ۱۔

راوندیہ ابو مسلم خراسانی کے عقیدت مند تھے۔ ۲۔

استاذسیس کی بغاوت - ۱۵۰ ہجری : منصور کو ۱۵۰ ہجری میں خراسان کے ایک کافر استاذسیس کی بغاوت کی خبر ملی۔ ۳۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے ساتھ قزاق اور بدقماش تھے۔ استاذسیس کے پیروؤں کی تعداد اچانک بڑھ کر تین لاکھ ہو گئی۔ اس نے خراسان کے بیشتر حصہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کے اسلامی دستہ نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن مارا گیا۔ منصور نے اب ایک بھاری فوج بھیجی جس نے بڑی مشکل سے استاذسیس کو شکست دی۔ اس کے ستر ہزار پیرو مارے گئے اور چودہ ہزار قید ہوئے۔ استاذسیس بھی کام آیا۔ ایک خیال یہ ہے کہ استاذسیس کی بغاوت ابومسلم کے انتقام کے لئے تھی۔ ۴۔

اندلس : ایک اموی شہزادہ عبدالرحمن بن معاویہؒ بن ہشام بنو عباس سے جان بچا کر افریقیہ پہنچا۔ وہاں ایک جماعت فراہم کی اور اس کی مدد سے اندلس میں داخل ہو کر قابض ہو گیا۔ اب یہ صوبہ عباسی مملکت سے کٹ گیا۔

محمد نفس زکیہ کا مقابلہ : ۱۴۵ ہجری میں امام محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی نے منصور کے خلاف پرچم بلند کیا۔ آپ بنو ہاشم کے ایک ہردلعزیز رکن تھے۔ آپ زہد و اتقاء اور پاکیزگی کا پیکر تھے اس لئے النفس الزکیہ یعنی پاکیزہ روح کہلاتے تھے۔

مروان حمار کے آخری ایام میں ایک رات بنو ہاشم نے مشورہ کیا تھا۔ اس میں حجاز کے بعض اور لوگ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس موقع پر امام محمد نفس زکیہ کی بیعت کی۔ بیعت کرنے والوں میں سفاح اور منصور بھی تھے۔ البتہ امام جعفر صادق موجود نہ تھے۔ ۵۔ جب اموی دولت کی شمع گل ہوئی تو بساط حکومت پر اچانک بنو عباس متمکن ہو گئے حالانکہ اس بیعت کی رو سے حق محمد نفس زکیہ کا تھا۔

منصور خلیفہ ہوا تو امام محمد بیعت کے لئے نہ آئے۔ منصور انتہا کا شکی اور پیش بین تھا اسے امام کی طرف سے کھٹکا لگا کہ کسی وقت وہ اٹھ کر عباسی حکومت کے خلاف شمشیر بکف نہ ہو جائیں۔ حضرت امام محمد بھی بے خبر نہ تھے۔ ابو مسلم وغیرہ کا انجام ان کے سامنے تھا۔ وہ جان بچانے کے لیے روپوش ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی ابراہیم بھی تھے۔ دونوں [illegible] دور و نزدیک کے شہروں میں سر چھپاتے پھرے۔ یہاں تک کہ ہندوستان بھی آئے۔ شاہی [illegible]

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ذہبی۔ ۲۔ النجوم الزاہرہ ۱۳۸، ۳۳۷۔ ۳۔ النجوم الزاہرہ میں اسبازلیس ہے۔
۴۔ عبیداللہ المہدی از حسن ابراہیم، ص ۲۳۔ ۵۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ابن خلدون، الفخری۔

Marfat.com

کی طرح ساتھ تھے اس لیے کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ آپ کی مقبولیت اور بیدار طبعی کا یہ عالم تھا کہ منصور اپنے تمام شاہانہ وسائل کے باوجود سراغ نہ لگا سکا۔ اسے جب ناکامی کا خیال آتا تو جھنجلا کر رہ جاتا۔ دونوں بھائی مکہ آکر بارہا حج بھی کر گئے اور منصور کو خبر نہ ہوئی۔ ایک دفعہ حج کے موقعہ پر امام محمد کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ منصور کو صفا و مروہ کے درمیان اچانک قتل کردیں لیکن عبداللہ بن حسن نے اس جگہ کے شرف کے پیش نظر اجازت نہ دی۔ ۱ۓ

ایک دفعہ حج کے ایام میں منصور نے امام محمد کے والد جناب عبداللہ بن حسن سے کہا کہ اپنے بیٹوں محمد اور ابراہیم کا پتہ بتائیں۔ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ منصور نے بار بار تقاضا کیا۔ عبداللہ غضب ناک ہوگئے اور کہا' اللہ کی قسم! اگر وہ اس وقت میرے قدموں کے نیچے ہوں تو بھی پتہ نہ دوں۔ منصور نے حضرت عبداللہ کو قید میں ڈال دیا اور ان کا مال و اسباب بکوا دیا۔ اسی پر بس نہ کیا بلکہ حضرت حسن مثنیٰ کی سب اولاد کو قید کیا۔ اس کے بعد امام محمد و ابراہیم کی تلاش تیز تر کردی۔ ان کی موجودگی کا زیادہ تر امکان مدینہ میں ہوسکتا تھا اس لیے منصور نے اس شہر کے پے در پے کئی حاکم بدلے تاہم گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ مدینہ کے حاکم رباح نے اس سلسلہ میں لوگوں پر بہت مظالم ڈھائے لیکن وہ بھی ناکام رہا۔ ایک بار امام محمد کہیں جارہے تھے کہ رباح کے سامنے آنکلے۔ آپ مڑکر ایک کنوئیں پر پانی پینے بیٹھ گئے۔ رباح نے نہ پہچانا اور دیکھ کر کہا' اس دیہاتی کی کہنیاں کتنی حسین ہیں۔ ۲ۓ

آل حسن مثنیٰ کے قیدیوں میں ان کے ایک قریبی رشتہ دار محمد بن عبداللہ عثمانی بھی تھے۔ آپ حضرت حسین علیہ السلام کے نواسے تھے۔ منصور نے انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے ۱۵۰ کوڑے پڑوائے۔ تیس کوڑے ان کے سر پر پڑے۔ آنکھ پھوٹ کر بہہ گئی۔ کوڑوں کے اثر سے ان کا چاندی سا سفید بدن سیاہ پڑگیا۔ چند خراسانیوں نے محمد بن عبداللہ عثمانی کی جاں بخشی کی سفارش کی۔ منصور نے ان کا سر کٹوا کر خراسان بھجوادیا کیونکہ وہاں ان کے حامیوں کی خاصی تعداد تھی۔ ۳ۓ

سادات کو مدینہ سے اونٹوں پر بٹھا کر ہاشمیہ کے شہر میں منتقل کیا۔ ۴ۓ ان کے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق تھے۔ رستہ میں امام محمد و ابراہیم بدوؤں کے بھیس میں آتے اور والد ماجد سے بر سر مقابلہ ہونے کی اجازت چاہتے وہ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ مناسب وقت کا انتظار کرو۔ قیدیوں کو ہاشمیہ میں ایک تنگ و تاریک زندان میں بند کردیا گیا۔ منصور نے امام ابراہیم کے فرزند محمد کو اپنے سامنے بلوایا۔ اس سید زادے کے حسن سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ انہیں دیباج اصفر یعنی زرد ریشم کہا کرتے تھے۔ لوگ انہیں ایک نگاہ دیکھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ منصور

ا۔ ابن اثیر' ابن کثیر' ابن خلدون۔ ۲۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۴۔ ابن خلدون۔

Marfat.com

نے ان کو دو ستونوں کے درمیان زندہ ڈلوا کر اوپر دیوار چنوادی۔ جو حضرات زندان میں رہے ان میں سے اکثر نے وہیں سفر آخرت کیا۔ جناب عبداللہ نے تین برس کی قید گزار کر زندان ہی میں وفات پائی جو اصحاب زندہ بچے ان کو منصور کے مرنے کے بعد رہائی ملی۔ ا۔

منصور کے مظالم دیکھ کر امام محمد نے پہلے تو ارادہ کیا کہ اپنے کو منصور کے حوالے کر دیں لیکن قیدیوں کو علم ہوا تو انہوں نے روک بھیجا اور کہا کہ ہم استقامت دکھائیں گے۔ دونوں بھائیوں نے روپوشی ترک کی اور علانیہ میدان میں آگئے۔ کہتے ہیں کہ امام محمد نے مہدی کا لقب اختیار کیا کیونکہ ایک حدیث ہے کہ میرے بعد میرا ہم نام ایک شخص محمد بن عبداللہ اٹھے گا جو مہدی ہوگا۔ ۲۔ منصور کے بھی ایک بیٹے کا نام محمد تھا۔ اس کو بھی منصور نے مہدی کا لقب دیا۔ اتفاق دیکھئے کہ وہ بھی محمد بن عبداللہ (المنصور) تھا اس کو کسی نے مہدی نہ مانا لیکن امام محمد کو مہدی ماننے والوں کی کمی نہ تھی۔

امام محمد نے مدینہ میں اعلان جنگ کیا۔ مدینہ کی اکثریت نے آپ کی بیعت کی اور شہر پر آپ کا قبضہ ہوگیا۔ رباح حاکم مدینہ کو آپ نے گرفتار کرلیا۔ امام مالک اور ابوحنیفہ نے آپ کے حق میں فتوے دے۔ آپ نے مکہ پر بھی فوج بھیج کر قبضہ کرلیا۔ الغرض حجاز، یمن اور بصرہ کے علاقے آپ کے مطیع ہوگئے۔ سندھ کا حاکم بھی خفیہ طور پر ساتھ مل گیا۔ آپ نے اہل شام کو بھی بیعت کی دعوت بھیجی لیکن انہوں نے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ ہم جنگوں سے عاجز آچکے ہیں۔ ۳۔

منصور نے نفس زکیہ کے حالات سنے تو جان کے لالے پڑگئے لیکن جی سنبھالا اور عدیم المثال سکون و متانت کا ثبوت دیا۔ اس نے جناب محمد کو لکھا کہ اگر تم میری بیعت کرلو تو تمہیں امان دے دوں گا اور تمہاری سب ضرورتیں پوری کروں گا۔ امام محمد نے جواب میں لکھا کہ میں بھی تمہیں امان پیش کرتا ہوں۔ میرا حق تسلیم کرلو۔ اس کے بعد مزید مراسلت ہوئی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ۴۔

منصور کو مشیروں نے صلاح دی کہ محمد کے مقابلہ پر ایسے شخص کو بھیجو جو خاندانی وجاہت اور اعزاز و احترام کا مالک ہو۔ منصور نے اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو دس ہزار منتخب سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ ۵۔ عیسیٰ کو اس مہم پر بھیجنے کا ایک اور مقصد یہ تھا کہ وہ منصور کے بعد وارث تخت تھا۔ اگر وہ جنگ میں کام آجاتا تو منصور کے لیے اپنے بیٹے مہدی کی ولی عہدی کا رستہ صاف تھا۔ ۶۔ منصور نے عیسیٰ کو ہدایت کی کہ نفس زکیہ پر فتح پالو تو تلوار نیام کرلینا اور امان عام دے دینا۔ ۷

امام محمد نے مدینہ میں بیٹھ کر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس خندق کو جو نبی اکرم علیہ الصلوۃ

۱۔ ابن کثیر، ابن اثیر، الطبری، ابن خلدون۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر، ابن اثیر، دحلان، ابن خلدون۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ دول الاسلام ذہبی، ۷۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

والسلام کی زندگی میں کھودی گئی تھی تازہ کرایا۔ ؎۱

عیسیٰ بن موسیٰ نے شہر کے باہر خیمے لگائے۔ مدینہ میں ایک لاکھ افراد تھے۔ امام محمد نے انہیں اکٹھا کر کے تقریر کی کہ میری طرف سے تم آزاد ہو۔ چاہو تو مدینہ میں رہو اور چاہو تو شہر سے باہر چلے جاو۔ شہر کی اکثریت جنگ سے یک سو رہنے کے لیے باہر نکل گئی اور نواحی زمینوں اور پہاڑیوں میں بیٹھ گئی۔ ؎۲ عیسیٰ نے محمد کو امان کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم میری دعوت قبول کر لو اور میرے ساتھ شرکت کرو۔ مجھے تو اپنے موقف سے موت ہی ہٹا سکتی ہے تین روز سفیروں کی آمدورفت رہی۔ صلح کی صورت نہ بنی۔ ؎۳

شاہی فوج کی آمد کے چوتھے روز جنگ چھڑی۔ عصر کے بعد تک جنگ رہی۔ امام محمد کے سپاہی چھٹتے گئے۔ عصر تک کل تین سو تیرہ آدمی رہے۔ ؎۴ ان میں بھی کمی آتی گئی۔ امام نے شیر دلی کا ثبوت دیا۔ بعض ساتھی شہادت پا گئے۔ اور بعضوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ آخری لمحوں میں اکیلے رہ گئے۔ آپ کے ہاتھ میں حضرت علیؓ کی ذوالفقار تھی۔ سامنے جو قسمت کا مارا آتا دو نیم ہو کر رہ جاتا تھا۔ آپ نے اکیلی جان سے ستر دشمنوں کو ٹھکانے لگایا۔ دشمن چہار طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ آپ زخمی ہو کر گھٹنوں کے بل گرے ایک دشمن نے سر مبارک کاٹ کر الگ کر دیا۔ یہ رمضان ۱۴۵ ہجری کا واقعہ ہے اس جنگ میں ذوالفقار بنو عباس کے ہاتھ آئی۔ ؎۵

امام محمد کا سر منصور کے پاس بھیجا گیا۔ اس نے ایک سفید طبق میں رکھوا کر مختلف شہروں میں پھروایا۔ مدینہ کے ان سرداروں کو بلوایا جنہوں نے امام محمد کا ساتھ دیا تھا۔ کسی کو معاف کیا' کسی کو کوڑے پڑوائے اور کسی کو قتل کروا دیا۔ ؎۶

ابراہیم بن عبداللہ کی شہادت : ابراہیم بن عبداللہ نے بصرہ میں پوشیدہ طور سے خاصی جمعیت پیدا کر لی تھی۔ امام محمد کے انتقال کے بعد علانیہ مقابلہ پر آئے ؎۷ دونوں بھائیوں کو قرار داد کے موافق بیک وقت مدینہ اور بصرہ سے اعلان جنگ کرنا تھا لیکن ابراہیم پر چیچک کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے انہوں نے تاخیر کر دی۔ ؎۸

منصور کو بصرہ کے حالات کا علم ہوا تو بغداد سے نکل کر کوفہ آیا تاکہ یہاں کی آبادی کو اپنی گرفت میں رکھ سکے جس کسی پر ابراہیم کی طرف داری کا شبہ ہوتا اسے رات کے وقت مروا دیتا تھا۔ عراق کے گوشہ گوشہ سے ابراہیم کے ہوا خواہ بصرہ کا رخ کر رہے تھے۔ منصور نے راہوں پر جگہ جگہ دستے مقرر کر دیے جو ان کے سر کاٹ کر منصور کے پاس لاتے وہ سروں کو شہر میں جابجا آویزاں کر دیتا تاکہ لوگ ہراساں ہوں تاہم ابراہیم کی طاقت بڑھتی گئی اس نے بصرہ کے حاکم کو نکال دیا اور عراق کے مرکزی حصوں نیز اہواز' فارس اور واسط وغیرہ کو زیر نگیں کر لیا۔ ؎۹

منصور یہ حالات سن کر بہت فکرمند ہوا اس کے لشکر اطراف میں پھیلے ہوئے تھے انہیں بصرہ

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر' ذہبی۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ ابن اثیر۔ ۹۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

پر جمع ہونے کے فرمان بھیجے[1] پچاس روز اپنی نمازگاہ میں عبادت اور دعا میں مصروف رہا[2] اس نے عہد کیا کہ جب تک ابراہیم کا سر نہ دیکھ لوں گھر سے غرض نہ رکھوں گا۔[3]

امام محمد کی وفات کی خبر ابراہیم کے لیے بہت اندوہناک تھی تاہم ہمت نہ ہاری۔ ایک لاکھ فوج لے کر کوفہ کی طرف کوچ کیا۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کے زیر کمان پندرہ ہزار فوج بھیجی۔ کوفہ سے سولہ میل دور باخمراء کے مقام پر لشکروں نے صف بندی کی اور خون ریز جنگ چھڑی۔ پہلی نوبت میں عیسیٰ کی فوج بھاگی لیکن وہ اپنے خاندان کے ایک سو آدمیوں کے ہمراہ ثابت قدم رہا۔ اس نے کہا کہ مرنے سے پہلے یہاں سے نہ ہلوں گا پھر اچانک اس کی ہزیمت خوردہ فوج واپس آگئی اور اس زور سے فوج ابراہیم پر حملہ کیا کہ اس کے قدم اکھڑ گئے۔ جناب ابراہیم صرف پانچ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں رہ گئے۔ ان میں سے بھی ستر باقی رہے۔ ابراہیم نے بے جگری سے جنگ کی اور شہادت پائی۔ عیسیٰ نے منصور کو فتح کا مژدہ بھیجا۔ منصور کو اس وقت تک یقین نہ آیا جب تک کہ جناب ابراہیم کا سر پیش نہ ہوا۔ یہ واقعہ ۱۴۵ ہجری کا ہے۔[4]

بصرہ کے جن جن گھروں میں ابراہیم کی بیعت ہوئی تھی منصور نے انہیں مسمار کرا دیا اور ان کے نخلستان برباد کروائے۔[5]

عبداللہ بن محمد کی شہادت : امام محمد کے ایک فرزند عبداللہ نام نے سندھ جاکر وہاں کے گورنر کو اپنا ہمدرد بنالیا تھا۔ وہ بظاہر منصور کا تابع رہا جب امام محمد کی وفات کی خبر آئی تو اس نے جناب عبداللہ کو ایک ہندو راجہ کی پناہ میں بھیج دیا۔ منصور نے سندھ میں ایک نیا گورنر بھیجا جس کے ایک دستہ سے عبداللہ کا کہیں سامنا ہوگیا۔ تلوار چل نکلی اور عبداللہ کام آئے۔ اس کے بعد سندھ کے والی نے ہندو راجہ پر چڑھائی کی اور اس کے علاقہ کو تاراج کیا۔[6]

ولی عہدی میں تغیر : سفاح منصور کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کر گیا تھا۔ منصور نے چاہا کہ اسے الگ کرکے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد کرے۔ اس نے عیسیٰ کو رستہ سے ہٹانے کے لیے ایک چال چلی۔ اپنے چچا عبداللہ بن علی کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دینا۔ عیسیٰ کو ہوا خواہوں نے مشورہ دیا کہ اگر تم نے عبداللہ کو قتل کیا تو کل منصور تمہیں یہ کہہ کر ہلاک کردے گا کہ میں نے تمہیں قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ عیسیٰ نے اس رائے کو قبول کرلیا۔ کچھ عرصہ بعد منصور نے چند آدمیوں کی موجودگی میں عیسیٰ سے کہا کہ میں نے عبداللہ کو معاف کردیا ہے اسے میرے سامنے پیش کرو عیسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے اسے آپ کے حکم سے مار ڈالا تھا۔ منصور بولا کہ میں نے تمہیں اس کو مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ منصور نے عیسیٰ کے قتل کا فرمان دیا تو عیسیٰ نے عبداللہ کو حاضر کردیا اور جان بچالی۔ اس کے بعد منصور نے عیسیٰ کی ولی عہدی منسوخ کردی۔ عیسیٰ تسلیم کرنے کو تیار نہ

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر ص ۳۔ ۲۔ ابن اثیر ص ۱۰۳۔ ۶۔ ابن کثیر ۱۵۱ھ' جلد ۱۰ ص ۱۰۸۔

Marfat.com

تھا۔ منصور نے اس کی تحقیر و تذلیل کرنی شروع کی اور دھمکیاں دیں۔ مجبوراً عیسیٰ نے ولی عہدی سے دست بردار ہو کر عوض میں کچھ رقم لے لی۔ مہدی خواص و عوام میں بہت مقبول تھا۔ لوگوں نے نہایت گرم جوشی سے اس کی بیعت کی۔ اس کے بعد جس قدر عباسی خلفاء ہوئے منصور کی نسل سے تھے۔ [1]

منصور نے مہدی کے بعد عیسیٰ کو ولی عہد رکھا۔

وفات : منصور ۱۵۸ ہجری میں حج پر روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار پڑ گیا۔ مکہ کی حدود میں پہنچا تو جان دے دی۔ وہیں دفن ہوا۔ [2] آج اس کی قبر کا نشان بھی نہیں ملتا۔

منصور کے عہد پر تبصرہ

: منصور کی بیدار مغزی' کار آگاہی اور حسن انتظام کو دیکھتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ کار فرمائے قدرت نے اسے جہاں بانی کے لیے ہی پیدا کیا تھا۔ سفاح کا عہد عبوری اور مختصر تھا۔ عباسی حکومت کا حقیقی بانی منصور ہی نظر آتا ہے کیونکہ اس نے حکومت کی بنیادوں کو خوب پختہ اور مرتب کیا وہ اختراعی ذہانت سے مالا مال تھا۔ اس نے ایک اچھوتا اور خوش آیند نظام قائم کیا۔ نئے قواعد بنائے اور دنیا کو درو بست کے جدید انداز سے آشنا کیا۔

منصور کی روشن طبعی کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ایک بار اس نے ایک جنگی مہم پر تنزین جانے کا ارادہ کیا لیکن منزل مقصود سب ارکان حکومت سے پوشیدہ رکھی۔ اس کے وزیر اور دیگر زعماء نے باہم مشورہ کیا اور منزل کا راز حاصل کرنے کے لیے اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجا۔ وہ منصور کے پاس حاضر ہوا اور حیلہ کر کے اس کا عندیہ پانے کی کوشش کی۔ منصور تاڑ گیا۔ اس نے محض اندازہ سے اس کو ان کی مجلس کی تمام کارروائی بتادی' گویا وہ خود وہاں موجود تھا۔ [3]

منصور نے اپنے اطوار و کردار سے عمال کے ذہنوں میں یہ بات پختہ کردی تھی کہ اس کی ملک دارانہ صلاحیتوں اور حاکمانہ گرفت سے سر نکالنا مشکل ہے۔ منصور اپنے ارکان دولت اور عمائد سلطنت کی اہلیت سے خوب کام لیتا تھا۔ وہ حکومت کے امور میں ان سے مشورہ کرتا تھا لیکن اپنی آہنی شخصیت کے جلال سے انہیں مرعوب کر رکھا تھا تاکہ وہ خود فریبی اور خود سری پر نہ اتر آئیں۔

ذاتی انہماک : منصور کو کاروبار سلطنت میں دن بھر انہماک رہتا تھا۔ عشاء کے بعد دیر تک جاگتا تھا اس وقت ڈاک کا مطالعہ کرتا اور احکام صادر کرتا تھا۔ رات کا صرف تہائی حصہ سوتا تھا۔ [4]

رعب و ضبط : منصور کی ہیبت امرائے سلطنت ہی پر نہیں کل رعیت پر چھائی ہوئی تھی باغیوں کو دردناک سزائیں دیتا تھا بنو عباس اچانک مسند خلافت پر پہنچے تھے اس سے قبل ان کی حیثیت

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ کتاب الوزراء جشھیاری۔ ۴۔ طبری۔

Marfat.com

اس قدر ممتاز نہ تھی اس لیے وقار کو مضبوط کرنے کے لیے منصور نے رعب و جلال کا شیوہ اختیار کیا تاکہ نہ صرف آل علیؓ اور بنو امیہ مرعوب ہوجائیں بلکہ دیگر کسی فریق کو بھی مقابلہ کا حوصلہ نہ ہو۔ بنو عباس کی شان بڑھانے کے لیے منصور نے انہیں بڑے بڑے عہدے دے اور ان کے گھر مال و دولت سے بھر دیے۔

منصور نہایت جبارانہ ہیبت سے دربار میں قدم رکھتا تھا۔ آنکھیں جلال سے سرخ ہوتی تھیں۔ بیٹوں سے کہا کرتا تھا کہ جب میں شاہی لباس پہن کر دربار عام میں جاؤں تو میرے قریب نہ پھٹکو۔[۱] اپنے وزیر ابو ایوب موریانی کو جب کبھی بلاتا تو اس کا رنگ فق ہوجاتا تھا۔ اس کے سب عہدہ دار اس سے لرزاں رہتے تھے۔

والیوں کے خلاف شکایات آتیں تو توجہ سے سنتا تھا اور درست نکلتیں تو ان کو گوشمالی کرتا تھا ایک گورنر کے بارہ میں اطلاع ملی کہ شکار کا بہت شائق ہے۔ اسے خط لکھا کہ میں نے تمہیں مسلمانوں کے امور پر مقرر کیا ہے صحرائی جانوروں پر مامور نہیں کیا۔[۲] بھتیجے کے خلاف شکایت آئی تو اسے معزول کردیا۔[۳] اپنے بھائی عباس کو جزیرہ کی ولایت سے سبکدوش کیا اور بھاری تاوان لگایا۔[۴] ایک امیر کو قیمتی لباس میں دیکھا تو پندرہ کوڑے مارے۔[۵]

منصور آئے دن گورنروں کی تبدیلیاں کرتا تھا اور ادنی شک پر انہیں قتل کردیتا تھا۔ ابو ایوب موریانی کو قتل کیا تو ساتھ ہی اس کی کمائی پر پلنے والے سب رشتہ داروں کا صفایا کر دیا۔ جب کسی والی کو معزول کرتا تو اسے زیر حراست لے لیتا اور اس کا مال جمع کرلیتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک خزانہ اموال بنایا تھا جسے بیت المظالم کہا جاتا تھا۔

رواداری: منصور کی سخت گیری نظم و ضبط کے معاملہ میں تھی ورنہ رعیت کے حق میں بہت فراخ دل اور کشادہ ظرف تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مسجد النبی میں خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے اٹھ کر سختی سے ٹوکا۔ منصور نے عالی ظرفی کے ساتھ تحمل کیا۔

نصر بن سیار بنو امیہ کا ایک نمک حلال جرنیل تھا۔ عیسی بن موسی نے اس کی اولاد میں سے ایک شخص کو جو روپوش ہوگیا تھا گرفتار کرکے مار ڈالا۔ منصور نے عیسی کو سزا دینا چاہی لیکن پھر اس کی لاعلمی کا خیال کرکے چھوڑدیا۔ اسے ایک خط لکھا کہ اب کے درگزر کرتا ہوں لیکن عرب کا باشندہ ہو یا عجم کا سرخ فام ہو یا سیاہ فام کسی سے ایسا سلوک نہ کرنا اور نہ میرے حکم کے بغیر سزا دینا۔[۶]

خبر گیری: منصور انتہا کا خبر گیر تھا۔ حکومت کا کوئی کونہ گوشہ یا اہل کاروں کی کوئی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں رہتی تھی۔ منصور کے ملازمین اس کے کامیاب تجسس سے اس قدر تنگ آگئے تھے کہ انہوں اس کے طبیب کو ورغلایا کہ منصور کو دوا کے بہانہ سے شراب کی لت لگا دو لیکن

۱۔ الفخری۔ ۲۔ طبری۔ ۳۔ جہشیاری۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ طبری۔ ۶۔ طبری۔

Marfat.com

طبیب ناکام رہا۔[1]

منصور ایک دن محل پر بیٹھا دجلہ کا نظارہ کر رہا تھا دیکھا کہ ایک ماہی گیر نے ایک بہت بڑی مچھلی شکار کی ہے۔ منصور نے آدمی بھیجا کہ جس نے اس مچھلی کو خریدا اسے گرفتار کرلانا۔ ایک عیسائی پکڑا گیا منصور نے پوچھا' تمہارے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ راز کھلا کہ اس کے پاس غبن کی دولت ہے۔ سب ضبط کرلی۔[2]

صوبوں اور اضلاع میں خفیہ خبر رسانی کا کام برید کے ذمے تھا۔ منصور کو بلاناغہ ملک کے کونہ کونہ سے ہر نوع کی خبریں آتی تھیں۔ منڈیوں کے بھاؤ کی اطلاع ملتی تھی۔ قضاۃ اور حکام کے معمولات اور فیصلوں کی رپورٹیں پہنچتی تھیں۔ خفیہ اطلاع نامے دن میں دو وقت آتے تھے رات کی خبریں فجر کو پہنچتیں اور دن کی مغرب کے بعد۔ منصور ان رپورٹوں پر غور کرتا۔ غلہ کے بھاؤ کو اعتدال میں رکھنے کے ذرائع سوچتا اور سرکاری منصب داروں کے خلاف شکایت آتی تو انہیں تنبیہہ کرتا تھا۔[3]

ارکان حکومت :منصور عہدہ داروں کے انتخاب میں بہت فکرواحتیاط سے کام لیتا تھا۔ حتی الوسع کارآمد اور ذمہ دار عملہ ملازم رکھتا تھا۔ کہا کرتا تھا کہ حکومت کے چار ارکان ہوتے ہیں اول بے خوف قاضی' دوم صاحب الشرطہ جو ضعیف کو طاقت ور سے داد دلوائے' سوم' صاحب الخراج جو ایک ایک پائی وصول کرے لیکن ظلم نہ کرے۔ چہارم' صاحب البرید جو ان کی درست اطلاع دے۔[4]

منصور نے عملہ کے انتخاب میں اہلیت کے علاوہ وفاداری کو بھی مدنظر رکھا کلیدی عہدے اکثر اپنے اقرباء کو دے یا اہل خراسان کو جن کی نمک حلالی پر اسے اعتماد تھا اس نے عربوں کو بہت حد تک بے دخل کردیا۔ عرب پر غیر ملکی حاکم سب سے پہلے منصور کے عہد میں مقرر ہوئے۔ خراسانیوں کا وقار حد سے گزرنے لگا۔

خلافت راشدہ اور اموی حکومت کے بعد منصور آخری حکمران ہے جس کی حکومت میں عورتوں کا دخل نہیں تھا۔ اس کے جانشین مہدی کے عہد سے عورتیں حکومت میں دخیل ہونے لگیں۔

مالیات :منصور کہا کرتا تھا کہ جب تک خزانہ بھرپور ہو خلیفہ محبوب رہتا ہے وہ غیر ضروری خرچ سے بہت بچتا تھا۔ سستا جبہ پہنتا اور قمیض میں پیوند لگاتا تھا۔ اہل کاروں سے ایک ایک پائی کا حساب لیتا تھا جس کی وجہ سے ابوالدوانیق یعنی دمڑیوں والا کہلاتا تھا۔[5]

منصور نے ایک دفعہ دیکھا کہ گھر کی ڈیوڑھی میں قندیل جل رہی ہے۔ حکم دیا کہ بلا ضرورت قندیل مت جلاؤ۔[6] وہ اس قدر خزانہ چھوڑ مرا کہ دس سال کے لیے کافی تھا۔[7]

۱۔ کتاب الوزراء جشیاری۔ ۲۔ جشیاری۔ ۳۔ طبری۔ ۴۔ طبری۔ ۵۔ فوات الوفیات۔ ۶۔ جشیاری۔
۷۔ ابن اثیر' ابن خلدون۔

Marfat.com

عدلیہ: منصور کو انصاف کا بہت دھیان رہتا تھا۔ اگر کسی قاضی کے خلاف شکایت آتی تو جواب طلب کرتا تھا۔

منصور ایک دفعہ مدینہ گیا تو چند شتربانوں نے اس کے خلاف نالش کی۔ قاضی نے اسے عدالت میں بلایا۔ وہ آیا تو قاضی تعظیم کو نہ اٹھا اور اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ منصور بہت خوش ہوا اور دس ہزار دینار انعام دے۔[1]

ایک شخص کے ذمے منصور کا قرض تھا وہ مرا تو منصور نے عامل کو لکھا کہ اس کے ترکہ سے پہلے میرا حق وصول کرو اور جو باقی بچے قرض خواہوں پر بانٹ دو عامل نے خط نظرانداز کر کے رقم سب پر برابر تقسیم کر دی۔ منصور نے اسے لکھا کہ تم نے زمین کو عدل و انصاف سے لبریز کر دیا ہے۔[2]

فوج: منصور نے فوج کی تعداد بڑھائی اور اسے مضبوط کیا وہ جانتا تھا کہ مستحکم حکومت کے لیے طاقتور فوج لازمی ہے۔ اس نے اپنے جانشین مہدی کو بھی نصیحت کی تھی کہ فوج اور اسلحہ بڑھانا۔

منصور کی فوجی تنظیم ہی کا نتیجہ تھا کہ اس نے بڑی بڑی زبردست قوتوں کو شکست دی اور بربر کے دور ترین علاقوں تک فتوحات پھیلادیں۔

سرحدی حفاظت: رومی حکومت کی طرف سے پیہم خطرہ رہتا تھا۔ منصور نے سرحدوں کا دفاع مضبوط کیا۔ شام کے ساحل پر قلعے بنوائے اور نئی آبادیاں بسائیں۔[3]

خوشحالی: منصور کا عہد امن و سکون اور عافیت کا عہد تھا۔ قانون کا احترام کیا جاتا تھا اور عوام کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت تھی۔ غلہ سستا تھا۔

مسجد حرام کی توسیع: مسجد حرام کو وسیع تر کرنے کی ضرورت تھی منصور نے ۱۴۰ ہجری میں اس نیک کام کو انجام دیا۔[4]

علمی حرکت کا آغاز: منصور علم کا جویا تھا۔ اسے نہ صرف علم دین بلکہ دیگر علوم سے بھی بہت شغف تھا۔ بغداد کی تعمیر کے بعد اس نے علماء و فضلاء کو اطراف ملک سے بلایا اور ان کی قدر افزائی کی۔ یہ اس علمی حرکت کا آغاز تھا جو عباسی حکومت کا طغرائی امتیاز ثابت ہوئی۔[5]

منصور کے عہد میں غیر زبانوں میں لکھی ہوئی کئی قدیم کتابوں کو عربی زبان کا لباس پہنایا گیا۔ اگرچہ اس کام کی طرف سب سے پہلے اموی دور میں حضرت معاویہؓ نے توجہ دی تھی اور شاہی کتب خانہ قائم کیا تھا لیکن اس مہم کو ایک وسیع پیمانے پر ترتیب دینے کا سہرا منصور کے سر ہے۔ اس نے ارباب کمال کی خوب قدر کی انہیں دریا دلی سے نوازا' نتیجہ یہ کہ اصحاب علم و حکمت دور دور سے کھچ کر اس کے دربار میں آئے اور بعید و قریب اقوام کے علوم عربی زبان کی

۱۔ تاریخ خلفاء سیوطی۔ ۲۔ مستطرف باب ۱۹' ص ۱۴۲۔ ۳۔ بلاذری۔ ۴۔ النجوم الزاہرہ۔ ۵۔ طبری' طغری بردی۔

Marfat.com

گود میں گھر کرنے لگے اس کے عہد میں کئی متفرق کتب مثلاً کلیلہ و منہ' السند ہند اور اقلیدس وغیرہ ترجمہ ہو کر عوام میں پھیلیں اور لوگ ان سے استفادہ کرنے لگے۔

شہروں کی آبادی: منصور نے کئی شہر آباد کیے جن میں بغداد اہم ترین ہے۔ شام میں منصور نے اسی طرز پر رافقہ کا شہر آباد کیا اور اس کے گرد فصیل کھنچوائی۔ کوفہ' بصرہ اور نیشا پور کے شہروں کے گرد فصیلیں بنوائیں اور خندقیں کھدوائیں۔[1] افریقیہ میں عباسیہ کے شہر کی بنیاد ڈالی۔[2]

بغداد: یہ منصور کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ منصور نے اسے امن کی بحالی اور نظم و نسق کے استحکام کے لیے تعمیر کیا۔

کوفہ کا شہر امن سوز اور پر آشوب تھا امویوں نے والی کی سکونت گاہ کے لیے شہر سے باہر ایک بستی آباد کی تھی جو قصر ابن ہیرہ کہلاتی تھی۔ بنو عباس نے اس کے پہلو میں ہاشمیہ کے نام سے ایک اور قصبہ آباد کیا لیکن کوفہ کے اثرات سے یہ جگہ بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ عوام ارباب حکومت کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتے تھے لہٰذا دارالخلافہ انبار میں منتقل ہوا۔ راوندیہ کی بغاوت کے بعد منصور نے خالد بن برمک کے مشورہ پر اس شہر کو چھوڑ کر نیا دارالخلافہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔[3]

موزوں جگہ کے انتخاب کے لیے پہلے چند ماہرین روانہ کیے۔ اس کے بعد دجلہ اور فرات کی وادی کا خود دورہ کیا۔ موجودہ بغداد کی جگہ پسند آئی۔ یہاں چند راتیں بسر کیں۔ صبح و شام کی صاف و بے غبار اور روح افزا ہواؤں نے اس کا دل موہ لیا۔ یہ جگہ قلمرو کے مرکز میں تھی اس لیے اطراف سلطنت سے رابطہ بہ آسانی قائم ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ دفاعی نقطہ نظر سے بھی یہ جگہ بہت موزوں تھی دجلہ و فرات اور دیگر نہروں کے درمیان ہونے کی وجہ سے حملہ آور کا یہاں تک بڑھنا دشوار تھا۔[4]

۱۴۴ یا ۱۴۵ ہجری میں دجلہ کے مغربی کنارے شہر کی تعمیر شروع ہوئی۔ پہلے انجینیروں نے نقشہ تیار کیا۔ مٹی سے خط کشی ہوئی۔ منصور اس خاکہ میں خود پھرا اور اسے خوب سراہا۔ اس کے بعد چار صاحب کمال انجینیروں پر کام بانٹ دیا۔ سنگ بنیاد خود رکھا۔[5]

کاریگروں اور صناعوں کی بیش قرار اجرتیں مقرر کیں۔ جگہ جگہ کے کاریگر ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہوئے۔

منصور نے مدائن کے قصر ابیض کو جسے ساسانی بادشاہوں نے تعمیر کیا تھا مسمار کر کے اس کا سالہ بغداد لانا شروع کیا لیکن مزدوری زیادہ پڑتی تھی' اس لیے پھر چھوڑ دیا۔ واسط کے ایک محل میں بہت بڑے پتھر لگے ہوئے تھے۔ انہیں بھی منگوایا۔

بغداد میں یہ جدت تھی کہ گول تھا کیونکہ منصور چاہتا تھا کہ سب اہل شہر سے اس کا برابر کا

۱۔ النجوم الزہراء' ابن کثیر۔ ۲۔ بلاذری۔ ۳۔ ابن کثیر' ابن کثیر' الفخری' خطیب۔ ۴۔ ابن اثیر' ابن کثیر' الفخری' خطیب۔ ۵۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

قرب رہے۔ شہر کی دو بلند فصیلیں تھیں اور باہر خندق تھی اندرونی فصیل بیرونی فصیل سے اونچی تھی۔ فصیلیں قاعدہ پر بچاس ہاتھ اوپر جا کر بیس ہاتھ چوڑی تھیں۔[1]

شہر کے چار بڑے دروازے تھے' باب الکوفہ' باب الشام' باب البصرہ اور باب الخراسان۔ ہر دو دروازوں کے درمیان اٹھائیس برج تھے۔ دروازے دوہرے تھے اور درمیان ڈیوڑھی تھی۔ ہر دروازہ پر گنبد کی چھت کا ایک کمرہ تھا۔ منصور ان کمروں میں بیٹھ کر بیرونی دنیا کا نظارہ کیا کرتا تھا۔[2]

بغداد کا فرضی خاکہ

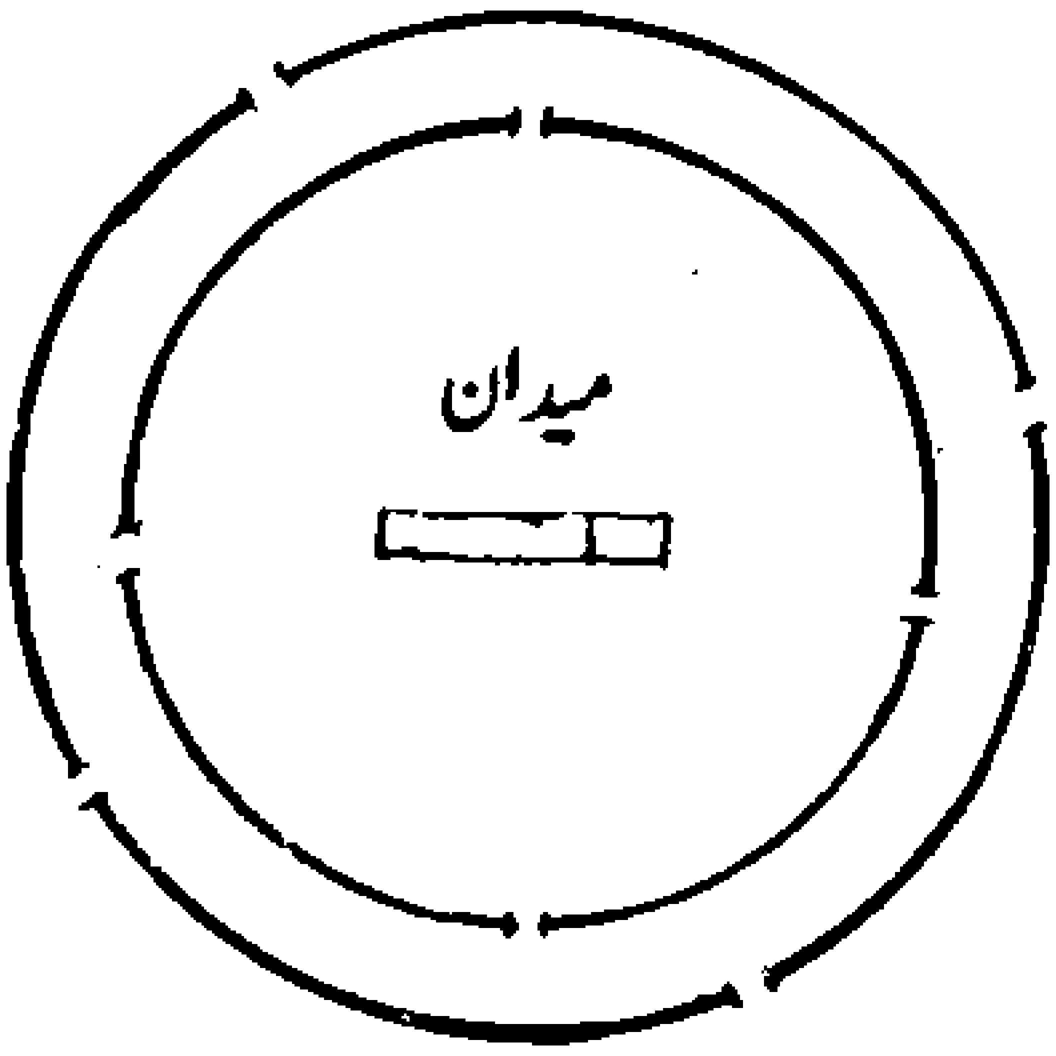

قصر خلافت شہر کے مرکز میں تھا۔ اس کے پہلو میں شاہی جامع مسجد تعمیر کی گئی جس کو جامع منصور کہتے تھے۔ عوام کے لیے الگ جامع مسجد تھی۔ جامع منصور کے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس کے حاشیوں پر ارکان سلطنت کے محلات تھے۔[3]

قصر خلافت نہایت دل کش تھا۔ اس کے وسط میں تیس ہاتھ لمبا اور بیس ہاتھ چوڑا ایوان تھا۔ اس پر دوہرا گنبد تھا۔ بالائی گنبد سبز رنگت کی وجہ سے قبتہ الخضراء کہلاتا تھا۔ یہ سطح زمین سے اسی ہاتھ اونچا تھا۔ عرض میں بیس ہاتھ تھا۔ یہ بغداد کا تاج تھا۔ اس قدر مضبوط تھا کہ تقریباً دو سو برس تک سالم رہا۔[4]

شہر سے باہر دجلہ کے کنارے منصور نے ایک اور محل بھی بنوایا جسے قصر المسور کہتے تھے۔ اس پر سونے کا کام ہوا تھا۔ نہایت خوب صورت اور دل آویز تھا۔ اس لیے اسے قصر الخلد یعنی جنت کا محل بھی کہتے تھے۔[5]

شروع میں بازار محل کے قریب تھے۔ شوروشغب سے بچنے اور جاسوسوں کو دور رکھنے کے لیے منصور نے ۱۵۷ ہجری میں دور ہٹوا دیے۔ بازاروں کی وسعت بڑھوادی۔ رستے چالیس چالیس

۱۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۲۔ خطیب بغدادی' مسعودی۔ ۳۔ ابن کثیر' خطیب بغدادی' مسعودی۔ ۴۔ خطیب' ابن کثیر۔ ۵۔ خطیب بغدادی' ابن کثیر' ص ۲۲۳۔

Marfat.com

ہاتھ چوڑے رکھوائے۔[1]

شہر محلوں میں تقسیم تھا۔ ضرورت کی دکانیں ہر محلہ میں تھیں۔[2] پہلے پانی اور سبزہ کی کمی تھی۔ اس لیے منصور نے دجلہ و فرات سے نہریں کھدوائیں شہر کا گوشہ گوشہ سیراب ہوا اور کثرت سے باغ اور چمن نظر آنے لگے۔[3]

۱۵۱ ہجری میں منصور نے اپنے بیٹے مہدی کے لیے دجلہ کے شرقی کنارے بغداد کے مقابل رصافہ یعنی ہمسان آباد کیا۔ اس کو بعد میں مہدیہ بھی کہتے تھے۔ غربی شہر ایک مدت تک مدینہ ابو جعفر یا مدینتہ المنصور کہلاتا رہا۔ دونوں حصوں کو ملا کر بغداد کہتے تھے۔[4]

رصافہ کے گرداگرد فصیل و خندق اور اس سے متصل باغ تھے۔[5]

دجلہ کی وادی کو وادی السلام کہتے تھے۔ منصور نے اسی نسبت سے شہر کا نام دارالسلام رکھا۔ سرکاری اور دفتری نام یہی رہا لیکن عوام میں قدیمی نام بغداد ہی مقبول تھا کیونکہ اس نام کی پہلے یہاں ایک بہت پرانی بستی تھی۔ بعض لوگ بغداد کو زوراء بھی کہتے تھے۔[6]

لفظ بغداد کے کئی معنی بتائے جاتے ہیں لیکن غالبا بغ اور داد سے مرکب ہے اس کے ایک معنی تو یہ بتاتے ہیں کہ داد نام ایک شخص تھا جس کا یہاں باغ تھا اور دوسرے یہ کہ بغ ایک عجمی بت کا نام تھا لہٰذا بغداد کے معنی ہیں' بغ کا دیا ہوا۔

بغداد کی رونق دن دوگنی اور رات چوگنی بڑھتی گئی۔ علم اور تہذیب کا معدن ہوگیا۔ بغداد کو سینکڑوں مایہ ناز علماء کا مسکن ہونے کا فخر حاصل ہے۔

ابتداء میں یہ شہر نہایت خوشحال اور فارغ البال تھا۔ اشیاء بہت سستی تھیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے ہر سفر میں مسافرت کے انداز دیکھے لیکن بغداد میں خود کو گویا اپنے گھر میں پاتا ہوں۔

۱۔ ابن اثیر' ابن کثیر ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ خطیب۔ ۴۔ مسعودی' ابن کثیر' ص ۲۶۴ خطیب' ذہبی' امیر علی' الفخری۔
۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

محمد المہدی

(۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ) (۷۷۵ء تا ۷۸۵ء)

منصور نے مکہ میں وفات پائی تو بنو ہاشم کے سرداروں اور دیگر ارکان سلطنت نے جو اس وقت وہاں موجود تھے منصور کے دفن سے پہلے مہدی کی بیعت کر لی اور اس کی اطلاع مہدی کو بھیج دی۔ بغداد میں بھی اس کی بیعت ہو گئی۔ ۱۔

جنگی مہمات

۱۔ رومی محاذ: مہدی کے اثنائے خلافت میں تقریباً ہر سال روم سے معرکہ آرائی ہوئی اور طرفین کے نقصان ہوتے رہے۔ شہزادہ ہارون الرشید نے ۱۶۳ اور ۱۶۵ ہجری میں جو حملے کیے ان میں رومیوں کی بہت تباہی ہوئی۔ دوسرے حملہ پر روم کی ملکہ نے خراج دے کر صلح کر لی۔ ۲۔

۲۔ سندھ: مہدی نے ۱۵۹ ہجری میں باربد (بھاڑ بھوت) کے ہندو راجہ کے خلاف ایک گراں لشکر بھیجا۔ راجہ کو شکست ہوئی اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ۳۔

۳۔ اندلس: ۱۶۱ ہجری میں ایک سردار کو اندلس فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ مارا گیا۔ ۴۔

بغاوتیں

۱۔ ۱۶۰ ہجری میں خراسان میں ایک شخص یوسف بن ابراہیم نے جو یوسف البرم کہلاتا تھا بغاوت کی۔ خلق کثیر اس کی تابع ہو گئی اور اس کی طاقت بہت بڑھی۔ مہدی نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر گردن مروا دی۔ اس کے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ۵۔

۲۔ ۱۶۲ ہجری میں جرجان میں محمرہ یعنی سرخ پوشوں کا فرقہ عبدالقہار نام ایک شخص کے زیر قیادت اٹھا۔ شاہی فوجوں نے انہیں ٹھکانے لگا دیا۔ ۶۔

۳۔ ایک شخص عبدالسلام بن ہاشم نے قنسرین کے علاقہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ بہت لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اس نے شاہی افواج کو پے در پے شکستیں دیں لیکن سلطنت کے مقابلہ میں اس کی طاقت بالآخر ٹوٹ گئی اور وہ قتل ہوا۔ ۷۔

۴۔ **خوارج:** خوارج نے موصل کے علاقہ میں سر اٹھایا۔ مہدی نے وفات سے ایک سال قبل ان کا خاتمہ کر دیا۔ ۸۔

۵۔ **مقنع خراسانی:** اس کا نام عطاء تھا۔ عوام میں حکیم کے نام سے مشہور تھا۔ نہایت ذہین سائنس دان تھا۔ اس نے اپنی سائنس دانی کو غلط مصرف میں برتا اور خدائی کا

۱۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر' ابن السیوطی۔ ۳۔ ابن اثیر' ابن کثیر' تاریخ اسلام شاہ معین الدین۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

دعویٰ کر کے نادان لوگوں کو ساتھ ملا لیا۔ پست قد' کانا اور بدصورت تھا۔ چہرے پر طلائی نقاب ڈالے رکھتا تھا۔ اس لیے لوگ اسے مقنع (نقاب پوش) کہتے تھے۔ ۱۔

مقنع خراسان کے شہر مرو کا رہنے والا تھا۔ ابتداء میں دھوبی تھا لیکن کرشمہ بازی کر کے اس نے لوگوں کو اپنے دام میں پھانس لیا۔ اس نے یہ فلسفہ بگھارا کہ اللہ تعالیٰ کی روح پہلے آدم میں آئی۔ پھر انبیاء میں ہوتے ہوئے ابومسلم کے بدن میں منتقل ہوئی اور اس کے بعد ہاشم میں حلول کیا۔ مقنع نے اعلان کیا کہ ہاشم میں ہوں۔ اس نے پیرووں کی ایک کثیر جماعت پیدا کر لی۔ اس کو سجدہ کیا جاتا تھا۔ ۲۔

مقنع نے ۱۵۹ ہجری میں سیحوں پار کے علاقہ میں ظہور کیا۔ اس نے ایک چاند ایجاد کیا جس کی روشنی دو میل کی مسافت سے نظر آتی تھی۔ ۳۔ فارسی ادب میں اس چاند کی بہت شہرت ہے۔ اسے ماہ نخشب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نخشب (یا نسف) ماوراء النہر کا ایک مشہور شہر ہے۔

بخارہ اور سغد کے علاقہ میں ایک سفید پوش فرقہ نمودار ہوا جسے مبیضہ کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ بظاہر مقنع کے دین کے پیرو نہ تھے لیکن اس کی عقیدت سے خالی بھی نہ تھے۔ انہوں نے مقنع کی کھلم کھلا مدد کی۔ غیر مسلم ترکوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کو لوٹ لیا۔ ۴۔

شاہی فوجیں مقنع کے سر پر پہنچیں تو وہ علاقہ کش کے ایک قلعہ میں محصور ہو گیا۔ مسلمانوں نے زور ڈالا تو کئی ساتھی اس سے الگ ہو گئے۔ اس کے پاس گنتی کے افراد رہ گئے۔ آخر مقنع مایوس ہو گیا۔ قلعہ کی سب چیزوں کو نذر آتش کیا۔ پھر ایک الاؤ روشن کیا۔ اور ہمراہیوں سے کہا کہ جو شخص میرے ساتھ آسمان کو پرواز کرنا چاہتا ہے وہ اس آگ میں کود پڑے۔ یہ کہہ کر بال بچوں سمیت آگ میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے مریدوں نے بھی تقلید کی۔ مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے تو ہر طرف خاکستر نظر آ رہی تھی۔ ۵۔

ایک بیان یہ ہے کہ مقنع نے مایوس ہو کر زہر کھا لی اور بیویوں کو بھی زہر کھلا کر ہلاک کر دیا۔ اس کا سر مہدی کے پاس لایا گیا۔ ۶۔ مقنع کا خاتمہ ۱۶۱ ہجری میں ہوا۔ اس کے بعد سفید پوش فرقہ کی گوشمالی میں تقریباً چار ماہ لگے۔ ۷۔

ولی عہدی میں تبدیلی: مہدی نے ۱۶۰ ہجری میں عیسیٰ بن موسیٰ کو مجبور کر کے ولی عہدی سے دستبردار کرایا اور اپنے بیٹے موسیٰ کے لیے بیعت لی۔

وفات: مہدی نے ۱۶۹ ہجری (محرم) میں وفات پائی۔ وفات کی روایات مختلف ہیں۔ قابل

۱۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر' ابن کثیر' الفخری۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر' ابن اثیر' الفخری۔ ۶۔ ابن کثیر' ذہبی۔ ۷۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

وثوق روایت یہی نظر آتی ہے کہ ایک دفعہ شکار کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ شکار ایک پرانے کھنڈر میں جا گھسا۔ مہدی کا گھوڑا دروازے سے گزرا تو اسے چوٹ آ گئی۔ اس سے جانبر نہ ہو سکا۔

مہدی کے عہد پر تبصرہ

مہدی کا دور حکومت بعض معمولی شورشوں کو چھوڑ کر خوش حالی اور امن و سکون کا دور ہے۔ سفاح اور منصور نے حریفوں کو رستہ سے ہٹا دیا تھا اور حکومت کو جن جن رخنوں سے کچھ خطرہ ہو سکتا تھا وہ بند کر دیئے تھے۔ انہوں نے اپنے سترہ سال کے دور حکومت میں عباسی سلطنت کی بنیادیں خوب پختہ کر دی تھیں۔ خزانہ کو معمور کر دیا اور محاصل بڑھا دیے۔ عوام کی نگاہ میں عباسی حکومت اب ایک مستقل حکومت تھی۔

منصور کی مآل اندیشی نے مہدی کی مقبولیت کے لیے کئی سامان پیدا کر دیئے تھے۔ منصور نے اپنے عہد میں جس قدر تاوان لگائے تھے۔ وہ مظالم کے بیت المال میں نشان لگا کر رکھ دیئے تھے۔ مرنے سے پہلے مہدی کو وصیت کی کہ میرے بعد یہ تاوان مالکوں کو واپس کر دینا۔ اس سے تم ہر دلعزیز ہو جاؤ گے۔ ۱۔ مہدی نے نہ صرف یہ کہ اس نصیحت پر عمل کیا بلکہ منصور کے عہد میں مدینہ کے جن باشندوں کے وظائف ضبط ہوئے تھے بحال کیے اور منصور کے کل سیاسی قیدی رہا کر دیئے۔ صرف ان قیدیوں کو جیل میں رہنے دیا جو قتل، لوٹ مار یا فساد کے مجرم تھے۔ ۲۔ عوام مہدی کے اس اقدام سے بہت خوش ہوئے۔ وہ شہزادگی ہی میں پسندیدہ اطوار تھا اور فیاضی کی وجہ سے خاصا مقبول تھا۔ اب اس کی مقبولیت کو چار چاند لگ گئے۔ مہدی نے دست سخاوت ہمیشہ کشادہ رکھا۔ صرف مکہ کے لوگوں پر وقتاً فوقتاً لاکھوں دینار تقسیم کیے۔ اہل مدینہ کی خوشنودی کی خاطر پانچ سو انصار اپنے محافظ دستہ کے لیے منتخب کیے۔ ۳۔

نظم و ضبط : مہدی سادہ طبیعت تھا۔ اس سے قبل خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں اہل دربار سے پس پردہ بیٹھتے تھے۔ مہدی نے یہ تکلف اٹھا دیا۔ ۴۔ لیکن طبعی نرمی اور عفو شعاری کے باوصف نظم و نسق کے معاملہ میں سخت گیر تھا۔ اس نے ایک نیا دفتر قائم کیا جس کا نام دیوان الازمہ تھا۔ ۵۔ اس محکمہ کا کام دیگر محکموں کی نگرانی کرنا تھا۔

ہر عامل کو نگرانی میں رکھنے کے لیے اس نے امین مقرر کیے۔ امناء کے ذمے یہ کام تھا کہ عامل کو خلیفہ کی طرف سے جو احکام جائیں ان کی تعمیل کروائیں۔ ۶۔

عدل و انصاف : مہدی کے ایام میں عدل کی پوری رعایت تھی۔ ایک دفعہ اس کے

۱۔ الطبری۔ ۲۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر ۱۶۰ ہجری۔ ۴۔ المامون شبلی۔ ۵۔ ابن اثیر ۱۶۲ ہجری۔ ۶۔ ابن کثیر ۱۶۹ ہجری۔

Marfat.com

متسم نے ایک آدمی کی زمین پر قبضہ کر لیا۔ اس نے آ کر مہدی کے پاس درخواست دی۔ قاضی بھی موجود تھا۔ اس نے مہدی سے سوال کیا تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مہدی بولا' یہ زمین میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ قاضی نے پوچھا' تم نے اس پر کب قبضہ کیا' خلافت سے پہلے یا بعد؟ مہدی نے جواب دیا بعد میں۔ قاضی نے حکم دیا' تو پھر یہ زمین اس شخص کے حوالے کرو' مہدی نے تعمیل کی۔ ا۔

مہدی نے بصرہ میں دو قاضیوں کا بنچ قائم کیا۔ ۲۔

مالیات : خراج کی وصولی کے لیے مستقل ضوابط کی ضرورت تھی۔ مہدی نے اس طرف توجہ دی اور اپنے وزیر معاویہ سے خراج پر ایک کتاب لکھوائی۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی۔ ۳۔ مہدی کا اس ضمن میں ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ اس نے امام ابو یوسف کو قاضی بنایا۔ قاضی صاحب بہت بڑے فقیہ تھے اور خراج میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے کتاب الخراج لکھی جس کو آج تک سند کا درجہ حاصل ہے۔

برید (ڈاک) : مدینہ اور یمن کے درمیان برید کا انتظام نہ تھا۔ مہدی نے ان علاقوں میں برید جاری کی۔ ۴۔

دینی خدمات : مہدی کے دل میں دین کی بہت حمیت تھی۔ اس نے مسجد النبی اور مسجد حرام کی توسیع کرائی۔ اس مقصد کے لیے ملحقہ مکانات خرید کر ان کا رقبہ ان مسجدوں میں ملایا۔ ۵۔ مہدی نے کعبہ کو ابن زبیرؓ کی مقرر کردہ بنیادوں پر تعمیر کرانا چاہا۔ امام مالک سے مشورہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسے اپنے حال پر رہنے دو ورنہ خلفاء اسے کھیل بنا لیں گے۔ ۶۔

مہدی ۱۶۰ ہجری میں حج کے لیے گیا تو لوگوں نے کہا' کعبہ پر بہت غلاف چڑھ چکے ہیں' مبادا عمارت ان کے بوجھ تلے دب جائے۔ مہدی نے سب غلاف اتروائے اور نیا غلاف چڑھایا۔ ۷۔

مسجد النبیؐ میں حضرت معاویہؓ کے وقت سے ایک مقصورہ تھا جہاں خلفاء ذاتی تحفظ کی خاطر عام صفوں سے الگ نماز پڑھتے تھے۔ مہدی نے اسے گروا دیا اور حکم جاری کیا کہ کسی مسجد میں مقصورہ نہ ہو۔ ۸۔ ایک اور فرمان یہ دیا کہ کسی مسجد کا منبر مسجد النبیؐ کے منبر سے بڑا نہ ہو۔ ۹۔

زندقہ کا استیصال : بے ڈھب اور مخلوط عقائد کا نام زندقہ ہے۔ ایسے عقیدہ والے شخص کو زندیق کہتے ہیں۔ زندیق کی جمع زنادقہ ہے۔

ا۔ طبری۔ ۲۔ تاریخ القضاۃ ابن مرزوق۔ ۳۔ الفخری۔ ۴۔ سیوطی۔ ۵۔ ابن اثیر' ابن کثیر ۱۶۵' ۱۶۷ ہجری۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۹۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

یہ لوگ ہنگامی ضرورتوں اور سفلی جذبات کی تسکین کے لیے کچھ عقائد ادھر ادھر سے مانگ لیتے ہیں اور کچھ اپنے پاس سے گھڑتے ہیں۔ زندیقوں کا کوئی ایک ٹولہ نہیں ہوتا۔ ہر شاطر رہنما ایک نیا فرقہ تخلیق کرتا ہے۔ زنادقہ میں حسب ذیل باتیں مشترک ہوتی ہیں۔

(۱) **کسی مقبول دین سے ظاہری وابستگی:** عجم کے زنادقہ دو خداؤں کے قائل تھے بعضوں نے اسلام کے نام کا سہارا لیا۔

(۲) **اشتمالیت اور آزادگی:** اس کے اثر سے بالخصوص جنس کے پیاسے لپک کر آتے ہیں۔

زنادقہ کے کھانے پینے اور پہننے کے انداز نئے سے نئے ہوتے ہیں چنانچہ محمرہ اور مبیضہ کے نام ہی لباس کے انوکھے پن کی طرف اشارہ کرتے ہیں خرمیہ اور مقنع کے پیرو بھی اسی قبیل سے تھے۔

(۳) **غلبہ کی تلاش:** ان کا ایک بنیادی نصب العین حکومت پر قبضہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

(۴) **قانون شکنی:** زندیقوں کی راہیں کسی الہامی دین یا منظم افکار سے سازگار نہیں ہوتیں اس لیے حکومت اور قانون کا وجود ان کے لیے سنگ گراں ہوتا ہے طاقت حاصل ہوجائے تو قتل و غارت شروع کر دیتے ہیں عجم کے زنادقہ معصوم بچوں تک کو اٹھا کر لے جاتے تھے۔

قدیم ایران کے معتقدات پر مزدک اور مانی کا گہرا اثر تھا۔ انہوں نے اشتمالیت اور اخلاقی بے قیدی کی راہ دکھائی تھی اگرچہ انہیں مرے ایک مدت ہو چکی تھی لیکن ان کے نظریات میں رہ رہ کر نئی جان آجاتی تھی۔ زنادقہ انہی نظریات کی شاخوں کے برگ و بار تھے۔ مہدی کے عہد میں ان پر ایک بار پھر شباب آیا۔ بعض علاقوں میں حکومت کا نظام معطل ہو کر رہ گیا۔ لہٰذا مہدی نے زندیقوں کو مٹانے پر کمر باندھ لی۔ اس نے اس غرض کے لیے ایک شعبہ قائم کیا۔ جس کا ناظم صاحب الزنادقہ کہلاتا تھا۔ اس محکمہ نے زندیقوں کا کھوج لگایا اور چہار سو سے تلاش کر کے انجام کو پہنچایا۔ ان کی کتابیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جلائیں البتہ یہ بات ضرور کھٹکتی ہے کہ مہدی نے بعض لوگوں کو محض شبہ پر بغیر ثبوت قتل کردیا۔ [۱]

مہدی نے اہل علم اور متکلمین کو ہدایت کی کہ زندیقوں کے خلاف کتابیں تحریر کریں۔ [۲]

رفاہ عامہ: عراق اور مکہ کی راہ دشوار اور ویران تھی مہدی نے حکم دیا کہ اس راہ پر

۱۔ سیوطی، ذہبی، ابن اثیر۔ ۲۔ مسعودی ذکر قاہر باللہ۔

Marfat.com

کنوئیں کھودے جائیں اور اقامت گاہوں کی تعمیر ہو۔ دس برس تک تعمیرات کا کام ہوتا رہا حتیٰ کہ یہ عمدہ ترین اور محفوظ تریں رستہ ہوگیا۔ ا۔

قیدیوں اور کوڑھیوں کے وظائف: کوڑھیوں کو وظائف سابق حکومتوں میں بھی ملتے رہے لیکن ملک بھر میں قیدیوں کے وظیفے جاری کرنے کا امتیاز مہدی ہی کو حاصل ہے۔

سرحدی انتظامات: منصور نے شامی سرحدوں کے استحکام کی خاطر تعمیرات کا جو سلسلہ شروع کیا تھا مہدی نے اسے تکمیل کو پہنچایا۔ ۲۔

ملکہ خیزران: خیزران لغت میں نرم شاخ کو کہتے ہیں۔ مہدی کی ملکہ کا نام تھا۔ خیزران یمن کی رہنے والی تھی۔ کمسنی میں اسے بردہ فروش پکڑ لائے مہدی نے اسے ایک لاکھ درہم میں خریدا۔

خیزران نے شاہی محل میں پرورش پائی۔ نہایت ذہین تھی۔ مروجہ علوم میں مہارت حاصل کرلی جوان ہوئی تو مہدی نے اس سے نکاح کرلیا۔ وہ جلد ہی مہدی کے دل و دماغ پر چھاگئی۔

مہدی خلیفہ ہوا تو خیزران نے حکومت کے کاروبار میں دخل دینا شروع کیا اور ملکہ نورجہان کی طرح آہستہ آہستہ زمام اختیار ہاتھ میں لے لی۔ مہدی اس کے معاملات میں حتیٰ الوسع دخل سے گریز کرتا تھا۔

ہادی اور ہارون خیزران کے بطن سے تھے۔ ہادی خلیفہ ہوا تو خیزران نے بدستور اپنا تسلط رکھنا چاہا لیکن ہادی نے آہستہ آہستہ اسے بے دخل کردیا۔ ہارون کی خلافت کے ساتھ خیزران کا اقتدار پھر بحال ہوا لیکن دو تین برس بعد ۱۷۳ہجری میں انتقال کرگئی۔

خیزران پاک باز اور دین دار عورت تھی اس نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ پر ایک مسجد تعمیر کرائی۔ حضرت ارقمؓ صحابی کا گھر اسلام کی تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ یہاں خیزران نے نئے سرے سے مکان بنوایا جسے دارالارقم کے علاوہ دارالخیزران بھی کہنے لگے۔

ا۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۲۔ طبری۔

Marfat.com

موسیٰ الہادی

۱۶۹ تا ۱۷۰ھ   ۷۸۵ تا ۷۸۶ء

موسیٰ الہادی نے ۱۶۹ھ میں مسند خلافت سنبھالی۔ اس وقت وہ تقریباً بائیس برس تھا۔ اس کی ماں خیزران ایک لونڈی تھی۔

معرکہ فخ : حسین بن علی بن حسن مثنیٰ نے مدینہ میں مقابلہ کی ٹھانی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور مکہ چلے گئے۔ ہادی نے ایک لشکر بھیجا جس نے ایام حج کے فوراً بعد مکہ کے قریب فخ (ف خ) کے مقام پر ان سے جنگ کی۔ حسین بن علی کام آئے۔ ان کے بھتیجے ادریس بن عبداللہ بھاگ کر مغرب پہنچے۔ وہاں ادریسی حکومت کی بنیاد رکھی۔

رومی محاذ : رومی محاذ پر مختصر سے معرکے ہوئے۔

خوارج : خوارج نے جزیرہ کے علاقہ میں حرکت کی۔ شاہی افواج نے انہیں جلد ہی زیر کر لیا۔

ولی عہدی کا قضیہ : ہادی کی خواہش تھی کہ ہارون کی ولی عہدی منسوخ کر کے اس کا منصب اپنے نابالغ بیٹے جعفر کو دے۔

مہدی کی بیوی ملکہ خیزران حکومت کے کاروبار میں بہت دخیل تھی۔ مہدی کے ایام حکومت میں ارکان سلطنت اس کے اشاروں پر چلتے تھے۔ یہی کیفیت کچھ عرصہ ہادی کے عہد میں بھی رہی لیکن اس نے چار ماہ بعد اعلان کیا کہ جو امیر خیزران کے دروازے پر جائے گا اس کی گردن اڑا دوں گا تاہم ملکہ کے اثر و رسوخ کو مٹانا آسان نہ تھا۔ خیزران ہارون الرشید کے حق میں تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ اسے ولی عہدی سے ہٹایا جائے۔ ۱

ہارون الرشید خلافت چھوڑنے پر آمادہ تھا لیکن اس کے اتالیق یحییٰ نے منع کیا۔ ہادی نے یحییٰ کو قید میں ڈال دیا۔ یحییٰ نے ملاقات کی درخواست کی اور حاضر ہو کر ہادی سے کہا کہ جعفر نابالغ ہے۔ آپ اس کا نام ہارون الرشید کے بعد رکھیں۔ اگر آج آپ کا وقت آخر ہو جائے تو عوام اس کی خلافت کو نہیں مانیں گے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اغیار طالع آزمائی کرنے لگیں؟ ہادی یہ سن کر خاموش ہو گیا تاہم یحییٰ کو دوبارہ قید کر دیا۔ ۲

وفات : ہادی نے ۱۷۰ ہجری میں وفات پائی۔ ایک قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی ماں خیزران نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ۳ خیزران کو ایک تو یہ رنج تھا کہ مہدی نے اسے حکومت

---

۱ ابن اثیر۔ ۲ ابن کثیر۔ ۳ یہ روایت ابن خلدون نے بیان کی ہے۔

Marfat.com

سے بے دخل کر دیا تھا اور دوسرے وہ ہارون الرشید کی ولی عہدی کو منسوخ نہیں دیکھنا چاہتی تھی' اس لئے اس نے مہدی کی جان لے لی۔ یہ قصہ ایک تو نظر بہ ظاہر ہی قابل قبول نہیں اور دوسرے آگے جا کر اس میں واضح تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک بیان یہ ہے کہ خیزران نے اسے زہر دلایا اور دوسرا یہ کہ سوتے میں ایک لونڈی کے ہاتھ سے مروا ڈالا۔ ان متضاد بیانوں سے قصہ کا رہا سہا اعتبار بھی اٹھ گیا ہے۔

Marfat.com

ہارون الرشید

۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ   ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء

ہارون الرشید نے ۱۷۰ ہجری میں ہادی کی وفات کے بعد نظام حکومت سنبھالا۔ اس وقت اس کی عمر بائیس برس تھی۔ یہ خیزران کے بطن سے تھا۔

بغاوتیں اور شورشیں

۱۔ یحییٰ بن عبد اللہ کا مقابلہ: محمد نفس زکیہ کے چھوٹے بھائی یحییٰ بن عبد اللہ نے ۱۷۶ ہجری میں دیلم کے علاقہ میں حکومت کے خلاف جنگ کی طرح ڈالی۔ دیلم اور اس کے نواح کی ایک کثیر آبادی نے ساتھ دیا اور شوکت و جمعیت کے سامان پیدا ہو گئے۔ ہارون نے سنا تو گھبرا اٹھا۔ فضل بن یحییٰ کو پچاس ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ پر بھیجا۔ فضل نے یحییٰ بن عبد اللہ کو خط لکھا جس میں بہت امیدیں دلائیں اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اس کے پاس آ جائے تو اسے رشید سے معافی دلا دے گا۔ اس اثنا میں ہارون نے بھی دیلم کے حاکم کو لکھا کہ اگر وہ یحییٰ کو اس کے پاس بھیج دے تو دس لاکھ درہم انعام پائے گا۔ یحییٰ نے ان حالات میں صلح میں بہتری دیکھی اور فضل کو خط لکھا کہ میں سپرد ہونے کو تیار ہوں بشرطیکہ رشید اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر بھیجے۔ رشید نے منظور کیا اور امان نامہ تحریر کر کے بھیجا جس پر قضاۃ، فقہاء اور ہاشمی روساء کے دستخط تھے۔ رشید نے اس تحریر کے ساتھ تحفے بھی روانہ کیے۔ یحییٰ بغداد آئے تو رشید نے عہد شکنی کی اور انہیں جیل میں ڈال دیا۔ تین روز کے بعد انہیں جیل سے نکالا اور اپنی بدسلوکی پر پشیمانی کا اظہار کر کے ان کے نام ایک بھار وظیفہ جاری کیا۔ جناب یحییٰ اس کے بعد کل ایک ماہ زندہ رہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ یحییٰ نے قید میں وفات پائی۔[۱]

۲۔ نزار و یمانیہ کا فتنہ: عرب کے قبائل نسلی لحاظ سے دو بڑے گروہوں میں منقسم تھے: نزار (یا مضر) اور یمانیہ یعنی یمنی قبائل۔ ان کے درمیان اسلام سے قبل گہری رقابت تھی جو وقتاً فوقتاً جنگ و جدل کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ اسلام نے اس رقابت کو بہت حد تک دبا دیا۔ خلافت راشدہ کے اختتام تک یہ قبائل صلح و صفائی سے رہے۔ اموی عہد میں بعض بادشاہوں نے اپنی مصلحت کی خاطر خفتہ عصبیت کو جگایا اور انہیں باہم دست و گریباں کر دیا۔ عباسی دور میں نزار اور یمانیہ کی آتش رقابت کچھ عرصہ بجھی رہی لیکن ہارون کے عہد میں اچانک بھڑک اٹھی۔ ۱۷۶ ہجری میں شام کے علاقہ میں ان کے درمیان خوفناک فساد پیدا ہوا۔ بے شمار آدمیوں کا خون بہ گیا اور جاہلیت کی یاد تازہ ہوئی۔ ہارون الرشید نے موسیٰ بن عیسیٰ کو چند قومی رہنماؤں کے ہمراہ مداخلت کے لئے بھیجا۔ انہوں نے صلح کرا دی اور فتنہ گر سرداروں کو بغداد لے آئے۔ چار برس

---

[۱] ابن کثیر۔

Marfat.com

بعد فساد کی ایک اور لہر اٹھی۔ ہارون نے اس کے مداوا کے لئے جعفر برمکی کو بھیجا۔ اس نے خوش تدبیری سے کام لیا اور فریقین کو رام کر لیا۔ امن کو دیرپا بنانے کے لئے اس نے شام کے لوگوں سے اسلحہ جمع کر لیا۔ ا۔

شام کی خانہ جنگی نے سندھ کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ حکومت کئی برس کی مشکلات کے بعد یہاں امن قائم کرنے میں کامیاب ہوئی۔ ۲۔

۳ ۔ خوارج : خوارج نے ۱۷۱ ہجری میں جزیرہ کے علاقہ مین سر اٹھایا لیکن جلد ہی دب گئے۔ اس کے بعد ۱۸۰ ہجری میں انہوں نے بہت زور و شور سے بغاوت کی۔ جزیرہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں مار دھاڑ کر کے دہشت پھیلا دی۔ ان کا سردار ولید بن طریف تھا۔ اس نے بہت شوکت پیدا کی۔ ہارون نے یزید بن مزید کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ولید بن طریف کام آیا۔ اس کی بہن لیلیٰ نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن وہ بھی شکست کھا گئی۔ ۳۔

۴ ۔ زنادقہ : ۱۸۰ ہجری میں جرجان میں زندیقوں کی ایک جماعت محمرہ (سرخ پوش) نے بغاوت کی۔ ان کا سردار مارا گیا۔ اگلے سال انہوں نے جرجان میں غلبہ حاصل کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد یہاں بھی ان کا زور توڑ دیا گیا۔

۵ ۔ افریقیہ کی بغاوت : افریقیہ میں ایک شخص عبداللہ بن جارود کے زیر قیادت بغاوت ہوئی۔ ۱۷۸ ہجری میں باغیوں نے افریقیہ کے والی فضل بن روح کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ہارون الرشید نے ہرثمہ کو بھیجا۔ ابن جارود مقابلہ سے عاجز آیا اور گرفتار ہو گیا۔ تاہم افریقیہ کا طلاطم تھمتا نہیں تھا۔ ہرثمہ نے ناچار استعفاء دے دیا۔ ہارون نے اپنے رضائی بھائی محمد بن مقاتل کو اس کی جگہ مامور کیا۔ ابن مقاتل بد خو اور بے تدبیر تھا۔ فوج ناراض ہو گئی۔ اس کے ایک گروہ سے ابن مقاتل کی جنگ چھڑ گئی۔ ہارون نے اسے الگ کر کے ابراہیم بن اغلب کو بھیجا۔ اگرچہ وہ ابتداء میں کامیاب رہا لیکن پھر اسے بھی شورشوں نے گھیر لیا۔ ۴۔

۶ ۔ مصر کی بغاوت : ۱۷۸ ہجری میں قیس اور قضاعہ کے قبیلوں نے مصر کے والی کے خلاف بغاوت کر دی۔ ہارون نے ہرثمہ کو بھیجا۔ اس نے باغیوں کے دم خم نکال دیئے۔ ۵۔

۷ ۔ سمرقند : ۱۹۰ ہجری میں سمرقند کے حاکم نے سرتابی کی۔ اس کی بغاوت کو جلد فرو کر دیا گیا۔

رومی محاذ : ہارون الرشید نے شہزادگی کے دوران میں رومی محاذ پر شاندار فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس کی خلافت کے اثناء میں بھی اس محاذ کو رومیوں نے ٹھنڈا نہ پڑنے دیا۔ ۱۸۱ ھ میں ہارون الرشید بنفس نفیس فوج لے کر گیا۔

روم کا شہنشاہ قسطنطین ایک کم سن بچہ تھا۔ اس کی ماں رینی Rene سربراہ تھی۔ اس ظالم عورت نے اس اقتدار پر قناعت نہ کی۔ ۱۸۲ ہجری میں اپنے بیٹے کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

اسے اندھا کر دیا۔ اور خود اغسطہ Augusta کے لقب سے تخت نشین ہوئی۔

مہدی کے عہد میں جب ہارون الرشید نے روم پر حملہ کیا تھا۔ تو ملک روم نے ستر ہزار دینار سالانہ خراج پر صلح کی تھی۔ ۱۸۷ ہجری میں رومیوں نے رینی کو معزول کر کے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور نقفور Nicephorus نے تاج و تخت سنبھالا۔ رینی نے اسلامی حکومت سے صلح کا جو معاہدہ کیا تھا نقفور نے توڑ ڈالا۔ ا۔

نقفور کو روما والے بہت بہادر مانتے تھے۔ وہ شجاعت کے نام سے متوالا ہو کر ہارون الرشید کے خلاف کمربستہ ہو گیا۔ اس نے ہارون کو ایک خط لکھا کہ ملکہ رینی نے جو خراج تمہیں ادا کیا تھا حق یہ ہے کہ تم اس سے کئی گنا زیادہ خراج اسے ادا کرتے مگر عورت ذات کی کم عقلی اور کمزوری نے یہ گل کھلایا۔ تم یہ خط پڑھتے ہی تمام ادا شدہ خراج واپس کر کے اپنی جان بچالو۔ ورنہ ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ ۲۔

ہارون نے یہ خط پڑھا تو غصے سے ایسا بھڑکا کہ اہل دربار دیکھ کر سکتے میں آگئے۔ اس کی طرف نہ کوئی نظر اٹھا سکا اور نہ زبان ہلا سکا۔ ہارون نے قلم دوات منگوا کر خط کی پشت پر لکھا:

رومی کتے نقفور کی طرف!

میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تم اس کا جواب سننے سے پہلے دیکھ لوگے۔

اس کے بعد ہارون نے فوراً کوچ کیا اور ہرقلہ Heracleh کے دروازے پر جا دم لیا۔ شہر کو تلوار کے زور سے سر کیا اور قتل و غارت کرتا رومی سلطنت میں بڑھتا گیا۔ نقفور کے اوسان خطا ہوئے اور خراج کی شرط پر صلح کی درخواست کی جسے ہارون نے منظور کیا اور واپس روانہ ہو گیا۔ ۳۔

ہارون نے رومی سلطنت سے قدم نکالے ہی تھے کہ نقفور وعدہ سے پھر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ کڑاکے کے جاڑے میں اور برف باری کے ایام ہیں، ہارون کا پلٹ کر آنا ناممکن ہے۔ لیکن اس کے اندازے غلط نکلے۔ ہارون کو جونہی اس غداری کا علم ہوا سردی اور برف باری سے بے نیاز ہو کر الٹے پاؤں مڑا اور رومیوں کو بدعہدی کا مزا چکھایا۔ ۴۔

اگلے برس ۱۸۸ ہجری میں ہارون نے ابراہیم بن اسرائیل کو نقفور کو سبق پڑھانے کے لئے بھیجا۔ نقفور مقابلہ پر نکلا لیکن راہ سے پلٹ گیا۔ واپسی میں ایک اسلامی دستے سے مڈبھیڑ ہوئی۔ نقفور نے تین زخم اٹھائے۔ اس کے چالیس ہزار سے زائد آدمی ڈھیر ہوئے۔ ۵۔

۱۹۰ ہجری میں ہارون نے خود رومی سرزمین میں یلغار کی۔ اس نے طوانہ میں جا کر ڈیرے ڈالے ہی تھے کہ نقفور نے سر اطاعت خم کر دیا اور خراج اور جزیہ حاضر کیا۔ آئندہ تین لاکھ دینار سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ نقفور کی بہو ہارون کے پاس اسیر تھی۔ اسے ہارون نے تحائف کے

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن العبری، دول الاسلام صدیقی۔ ۳۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ذہبی۔ ۴۔ ابن اثیر، ذہبی۔ ۵۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

ساتھ واپس کیا اور نقفور سے عہد لیا کہ وہ ہرقلہ کو آباد نہیں کرے گا۔ ا۔

۱۹۱ ہجری میں نقفور نے پھر بدعہدی کی اور جنگوں کا سلسلہ دوبارہ چلا۔ بالآخر رشید نے خود کمان سنبھالی اور ایک جرار لشکر لے کر پہنچا۔ ہارون نے ہرقلہ کی چھاؤنی فتح کر کے برباد کر دی اور رومی علاقوں پر فوج پھیلا دی۔ پانچ سالار مقرر کیے اور انہیں مختلف اطراف میں بھیجا۔ بعض بری علاقوں کے علاوہ قبرص کے جزیرہ پر بھی حملہ ہوا اور یہاں کے لوگوں کو خوب سزا ملی۔ ۲۔ اگلے برس دونوں حکومتوں میں صلح ہوئی۔ ۳۔

ہارون کی توجہ کئی برس رومی محاذ پر رہی۔ اس نے سرحدی شہر رقہ ہی میں اقامت اختیار کر لی اور رومی مفسدہ پردازوں کے خلاف استحکامات میں مصروف رہا۔

برامکہ کا عروج و زوال : شخصی حکومتوں میں افراد کا اچانک عز وقار کے آسمان پر پہنچنا اور وہاں سے سر کے بل زمین پر آنا شب و روز کا تماشا ہوتا تھا۔ ہارون رشید کے عہد میں برامکہ کے سر پر بھی ایسی ہی گھڑیاں گزر گئیں۔ انہوں نے اسلام کی تاریخ میں بہت نام پیدا کیا۔ رعایا کی نگاہ میں ان کا احترام بادشاہ سے بھی دو چند تھا۔ پھر تقدیر نے پلٹا کھایا اور ان کی تباہی دنیا والوں کے لئے عبرت کا درس بن کر رہ گئی۔

برآمکہ اپنے مورث اعلیٰ برمک کے نام سے منسوب ہیں۔

برمک : بلخ کے شہر میں بدھوں کا ایک شہرہ آفاق تیرتھ تھا جس کو نوبہار کہتے تھے۔ اس کا سربراہ برمک کہلاتا تھا۔ آخری برمک کشمیر میں پلا۔ وہیں اس نے طب' نجوم اور دیگر علوم میں مہارت پیدا کی۔ اموی عہد میں بلخ فتح ہوا اور وہ اسلام لایا۔

برمک کی اموی امراء کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی۔ اسے بعض دفعہ نہایت اہم امور سونپے گئے۔ عباسی تحریک پھیلی تو یہ اس سے منسلک ہوا اور ابومسلم کی فوج میں شامل رہا۔ ۴۔

خالد : برمک کے پوتے خالد نے نمایاں مقام پیدا کیا۔ سفاح نے ۱۳۲ ہجری میں اسے دیوان خراج کا ناظم مقرر کیا۔ ۵۔ نہایت ذہین اور طباع شخص تھا۔ سفاح کے عہد سے اس کا اقتدار بڑھتا گیا۔ منصور کے مشیروں میں شامل ہوا۔ منصور کو بغداد آباد کرنے کی صلاح خالد ہی نے دی تھی۔

منصور نے ۱۵۸ ہجری میں ناراض ہو کر خالد پر تاوان لگایا اور تین دن کی مہلت دی۔ وہ رقم پوری نہ کر سکا۔ موت کا انتظار کر رہا تھا۔ کہ حالات نے اچانک یاوری کی۔ موصل میں فساد اٹھا۔ اس کو دبانے کے لئے خالد سے بڑھ کر موزوں آدمی کوئی نہ تھا۔ منصور نے ناچار اسے موصل کا والی بنا کر روانہ کیا اور اس کے بیٹے یحییٰ کو آذربائیجان کی حکومت دی۔ ۶۔ خالد وفات

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر نے یہ واقعہ ۱۹۰ ہجری میں بیان کیا ہے۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن کثیر اور ابن اثیر کے متفرق سنین۔ معجم البلدان ذکر نو بہار۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔

Marfat.com

تک موصل کی حکومت پر فائز رہا۔ اس کا سال وفات ۱۲۶ ہجری ہے۔ ا۔
یحییٰ: منصور کے عہد میں آذربائیجان کا والی ہوا۔ مہدی کے دور میں اس کا ستارہ خوب چمکا۔ مہدی نے اسے دفتر عطا اور دفتر رسائل کا ناظم مقرر کیا۔ ۲۔ اس کے علاوہ ہارون الرشید کی تربیت بھی اسے سپرد کی۔

رشید نے یحییٰ کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے یحییٰ کو اس سے بہت الفت تھی۔ ہادی نے جب ہارون الرشید کو ولی عہد سے ہٹانا چاہا تھا تو ہارون دست برداری پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن یحییٰ نے روکا۔ ہادی نے اس کی پاداش میں اسے قید کر دیا۔ یحییٰ زندان میں تھا کہ ہادی نے وفات پائی۔ ہارون نے قید سے نکالا اور مسند وزارت پر بٹھایا۔ ۳۔ وہ یحییٰ کو ابا کہا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ سب اختیارات اس کے حوالے کر دیئے۔ یحییٰ ملکہ خیزران کے زیر ہدایت حکومت کا کاروبار چلاتا تھا۔ اس کے وقار کا یہ حال تھا کہ وہ بغیر اجازت حاصل کیے خلیفہ کے پاس آ جاتا تھا۔

یحییٰ نہایت قابل اور کرم شعار شخص تھا۔ علماء و فضلاء اور ارباب فنون کا قدر دان تھا۔ یحییٰ کے چار لڑکے تھے۔ فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد۔ فضل اور جعفر نے بہت شہرت پائی۔ یہ دونوں بھائی وزیر صغیر کہلاتے تھے۔ ۴۔

فضل: فضل یحییٰ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ہارون الرشید سے عمر میں صرف چھ روز بڑا تھا۔ ۵۔ رشید کا رضاعی بھائی تھا۔ خیزران نے فضل کو دودھ پلایا تھا اور ام الفضل نے رشید کو۔ ۶۔ فضل کا رشید کے ہاں بڑا مرتبہ تھا۔ کئی عہدوں پر فائز رہا۔ اس نے بڑی بڑی مہمات انجام دیں۔ اور شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ یحییٰ علوی کو بغیر جنگ و پیکار کے ہارون کی اطاعت میں لانا فضل ہی کا کام تھا۔ اس نے کابل اور ماوراء النہر کے کئی علاقے فتح کیے۔ بغداد واپس آیا تو ہارون نے اکابر ملت، شعراء اور خطباء کو لے کر پیشوائی کی۔ ۷۔

فضل بہت فیاض تھا لیکن تکبر اور ترشروئی سے خالی نہ تھا۔

جعفر: اس نے سات برس جاہ و جلال سے وزارت کی۔ تدبر کے جوہر سے آراستہ تھا۔ شام میں نزار اور یمانیہ کا فتنہ اس نے محض حکمت عملی سے فرو کیا۔ لیاقت کا یہ عالم تھا کہ ایک رات ہارون کے سامنے ایک ہزار احکام لکھے۔ ان میں ایک غلطی بھی نہیں کی۔ ہارون نے مامون کو ولی عہد بنایا تو جعفر کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ دیوان خاتم پہلے فضل کے پاس تھا۔ ہارون نے جعفر کو دلوایا۔ ۸۔ جعفر فصاحت و بلاغت میں جواب نہیں رکھتا تھا۔ جود و سخا میں ممتاز تھا۔ خوش مزاج اور کشادہ جبیں تھا۔

جعفر ہارون کا ہم نوالہ و ہم پیالہ تھا۔ اس پر اس حد تک حاوی تھا کہ ایک رات اس سے پوچھے بغیر اس کی بیٹی کا عقد ایک شخص سے کر دیا۔ دوسرے دن ہارون کو بتایا اس نے تسلیم کر

ا۔ ابن خلدون، طغری بردی۔ ۲۔ ابن کثیر و ابن اثیر ۱۶۳ ہجری۔ ۳۔ ابن اثیر، ابن کثیر، فخر رازی۔ ۴۔ دول الاسلام فخر رازی۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ دول الاسلام فخر رازی۔

Marfat.com

لیا۔ ؎

یحییٰ کے چاروں بیٹوں نے بلند مرتبے حاصل کیے اور بے پناہ دولت کمائی۔ منصور کے آباد کردہ بغداد کے سامنے ان کے پرشکوہ محلات تھے۔ ان کے دروازوں پر سائلوں اور حاجت مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔ عوام ان کے مداح خواں اور شعرا قصیدہ گو تھے۔

برامکہ کا زوال: سترہ برس کے جاہ و جلال کے بعد ۱۸۷ ہجری میں برامکہ پر اچانک ہارون کا غضب برق بن کر گرا اور ان کے خرمن حیات کو راکھ کر دیا۔ دنیا انگشت بہ دنداں ہے کہ ہارون نے ایسا کیوں کیا؟ لوگوں نے سراغ لگانے کے لئے بہت سرمارا لیکن ناکام۔ ایک دفعہ کسی نے ہارون سے برامکہ پر ناراضی کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اگر میری قمیض کو بھی اس راز کا علم ہو جائے تو اسے جلا دوں۔ قطعی ثبوت چونکہ میسر نہ تھا اس لئے لوگوں نے اپنے اپنے خیال دوڑائے۔ مثلاً

۱۔ ہارون کی ایک بہن تھی جس کا نام عباسہ تھا۔ اس کی شادی ایک رشتہ دار محمد بن سلیمان سے ہوئی تھی۔ لیکن ایک ہی برس بعد محمد بن سلیمان نے وفات پائی۔ ایک رات عباسہ حسب معمول ہارون اور جعفر کی مجلس طرب میں شامل تھی۔ ہارون نے اس کا نکاح جعفر سے کر دیا۔ ایک مدت بعد ہارون نادم ہوا اور جعفر پر غصہ نکالا۔

۲۔ رشید نے یحییٰ بن عبداللہ کو جعفر برمکی کے حوالے کیا کہ قید میں رکھو۔ جعفر نے ان سے نرمی کا سلوک کیا اور پھر چھوڑ دیا۔ ہارون الرشید کو علم ہوا تو قسم کھائی کہ جعفر کو قتل کر کے رہوں گا۔

یحییٰ بن عبداللہ کے حالات سابقہ صفحات میں آچکے ہیں۔ ان کے انجام کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ہارون نے انہیں آزاد کر کے ان کا وظیفہ جاری کیا اور دوسری یہ کہ انہوں نے قید خانہ میں وفات پائی۔ یہ تیسری روایت بالکل مختلف ہے' لہٰذا ناقابل اعتبار۔ اس کے علاوہ ایک اور قابل غور امر یہ ہے کہ یحییٰ علوی کا واقعہ ۱۷۶ ہجری کا ہے اور جعفر کا قتل ۱۸۷ ہجری میں پیش آیا۔ گیارہ برس تک ہارون کو کس بات کا انتظار تھا؟

۳۔ کہا جاتا ہے کہ برامکہ عقائد کے لحاظ سے زندیق تھے۔ اس لئے رشید نے ان کا کام تمام کیا۔ یہ بھی محض افسانہ ہے۔ البتہ برامکہ آزاد خیال ضرور تھے۔

۴۔ برامکہ اہل بیت کے معتقد تھے لہٰذا ہارون نے ان کا استیصال کر دیا۔ یہ بیان بھی درست نظر نہیں آتا۔ بیشک برامکہ کو اہل بیت سے اعتقاد تھا لیکن ہارون کی ناراضی کا سبب یہ نہیں ہو سکتا۔ ہارون انہیں شروع ہی میں سبکدوش کر سکتا تھا۔

۵۔ ایک گمان یہ ہے کہ برامکہ ہارون الرشید کی خلافت کی بیخ کنی کرنا چاہتے تھے لیکن اس

؎ دول الاسلام فخر رازی' تحفۃ المجالس سوطی۔

Marfat.com

کا ثبوت کسی واقعہ سے نہیں ملتا۔

۶۔ برامکہ حکومت پر ایسے چھا گئے تھے کہ ہارون کا فقط نام باقی رہ گیا تھا بلکہ بعض علاقوں میں تو نام بھی جعفر کا چلتا تھا۔ ہارون اگر کسی ولایت' بستی یا کھیت سے گزرتا تو یہی سنتا کہ یہ سب کچھ جعفر کا ہے۔ ہارون آہستہ آہستہ بدگمان ہو گیا۔ ابتدائے خلافت کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ یحییٰ کے دروازے پر سائلوں کا ہجوم دیکھ کر ہارون نے کہا کہ خدا یحییٰ کو جزائے خیر دے۔ اس نے مجھے صعوبت سے بچا رکھا ہے۔ لیکن ایک مدت بعد یحییٰ کے دروازے پر ایسی ہی بھیڑ دیکھ کر بولا' یحییٰ نے سب امور پر قبضہ کر لیا ہے۔ اصل خلافت اس کی ہے۔ میرا فقط نام ہے۔

۷۔ جعفر نے ایک مکان بنایا جس پر دو کروڑ درہم اٹھے۔ رشید کو شک گزرا کہ اس کے دیگر اخراجات کا کیا عالم ہو گا۔ یحییٰ پر بھی شبہ تھا کہ اس نے خزانہ میں خرد برد کیا ہے۔ ہارون کو ضرورت ہوتی تو ٹال دیتا تھا اور وہ خود اور اس کے بیٹے بے دریغ رقمیں لٹاتے تھے۔ [1]

۸۔ حاسدوں نے برامکہ کے خلاف ہارون کے کانوں میں زہر بھرا۔ چنانچہ ہارون نے ایک بار خود بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے مجھے برامکہ کے خلاف بھڑکایا۔ [2]

برامکہ کے بدخواہوں میں ملکہ زبیدہ اور فضل بن ربیع کا نام لیا جاتا ہے لیکن قطعیت سے بتانا مشکل ہے کہ واقعی انہوں نے برامکہ کی تباہی کا سامان کیا۔ برامکہ کے بعد فضل بن ربیع وزیر ہوا۔ عین ممکن ہے یہ سب اس کی کارستانی ہو۔

۹۔ اتنا یقین سے کہ جا سکتا ہے کہ برامکہ کی تباہی کا بنیادی سبب جعفر اور ہارون کا حد سے بڑھا ہوا قرب تھا۔ یحییٰ جانتا تھا کہ شاہوں کے پیار میں قہر کے بھی آثار ہوتے ہیں۔ اس نے جعفر کو آگاہ بھی کیا تھا کہ تم انجام بھگت کر رہو گے۔ یحییٰ کہا کرتا تھا کہ ہمارے گھرانے کی ہلاکت جعفر کے ہاتھوں ہو گی چنانچہ ہارون نے برامکہ میں سے صرف اسی کو قتل کیا۔ اس کے بھائیوں کو گرفتار کیا لیکن قید میں عموماً ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھا اور انہیں بیڑیاں نہیں پہنائیں یحییٰ کو پہلے اس کے گھر میں نظر بند رکھا اور پھر اجازت دی کہ جہاں چاہو جا سکتے ہو لیکن اس کے لئے اب گوشہ راحت کہیں نہ تھا۔

واقعات: برامکہ پر تباہی نازل کرنے سے کچھ عرصہ قبل ہی ہارون کی روش میں تغیر آ گیا تھا۔ اس نے فضل کو کل عہدوں سے الگ کر دیا تھا۔ یحییٰ نے بھانپ لیا کہ علامات خطرہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ وہ ہارون کے دل سے غبار دور کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہو گیا لیکن

۱۔ ابن کثیر ذکر واثق ۲۲۹ ہجری۔ ۲۔ ابن کثیر ۱۸۷ ہجری۔

Marfat.com

ہارون کی بدگمانی کم نہ ہوئی اگرچہ اس نے اسے حتی الوسع چھپانے کی کوشش کی۔ ا۔
برامکہ کے خلاف عملی قدم اٹھانے سے ایک برس پہلے ہارون نے ایک افسر سے کہہ دیا تھا کہ اگلے برس آج کی تاریخ برامکہ اور ان کے اموال و املاک کو تمہیں نگرانی میں لینا ہو گا۔ ۲۔
۱۸۷ ہجری میں ہارون حج سے لوٹا تو انبار کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ جعفر بھی اس کے ساتھ تھا۔ ایک رات جدا ہوئے تو ہارون نے جعفر کو سینے سے لگایا الوداع کہا اور ایک آدمی کو چپکے سے روانہ کیا کہ بغداد میں جا کر برامکہ کے گھروں کو نگاہ میں رکھو۔ ۳۔
جعفر نے قیام گاہ میں جا کر مجلس سرود گرم کی۔ وقتاً فوقتاً خلیفہ کے قاصد خیر خواہی اور خیریت طلبی کے پیغام لاتے رہے۔ جعفر شاداں و سرشار تھا۔ رات گزرنے والی تھی کہ اچانک ہارون کا خادم آیا اور کہا امیر المومنین نے تمہاری موت کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اس کو گھر والوں سے ملاقات کی اجازت بھی نہ ملی۔ اسے ذلت سے کھینچ کر ہارون کے پاس لے گئے۔ ہارون نے ایک کمرے میں بند کرا دیا اور جلاد کو اس کی گردن مارنے بھیجا۔ جعفر نے منتیں کر کے ٹالا کہ دوبارہ پوچھو شاید ہارون نے نشہ میں حکم دیا ہو۔ ہارون نے پھر وہی حکم دیا۔ اب کے بھی جعفر نے جلاد کو تحقیق کے لئے واپس بھیجا۔ ہارون ناراض ہوا اور جلاد سے کہا کہ جعفر کا سر لاؤ ورنہ تمہارا سر منگواؤں گا۔ اس نے جعفر کا سر اتار کر ہارون کے آگے ڈال دیا۔ رات نہایت سرد تھی۔ ہارون نے حکم دیا کہ بنو برمک جہاں کہیں ملیں انہیں گرفتار کر لو۔ چھوٹے بڑے سب قید میں ڈال دیئے گئے فضل کو سو کوڑوں کی مزید سزا دی۔ ہارون نے جعفر کی لاش کے دو ٹکڑے کروائے اور بغداد کے دونوں پلوں پر آویزاں کر دیئے۔ بعد میں انہیں جلوا دیا۔ یحیٰی کے بیٹے محمد کو خلیفہ نے امان دے دی اور کہا کہ یہ میرا خیر خواہ ہے۔ قید خانے برامکہ کے نمک خواروں سے بھر گئے اور ان کے گھر بار اجڑ گئے یحیٰی نے دو برس بعد ۱۸۹ یا ۱۹۰ ہجری میں اور فضل نے چند مزید برس گزار کر قید میں وفات پائی۔ برامکہ کے بعد ہارون کی زندگی بے کیف اور بے راحت ہو گئی۔ کہا کرتا تھا کاش میں آدھی عمر اور آدھی سلطنت دے دیتا اور انہیں اپنے حال پر رہنے دیتا۔ ۴۔

برامکہ کے بعد بخت یشوع طبیب اور اس کا بیٹا ہارون کے مشیر خاص اور محرم راز ہوئے۔

ولی عہدی کا قضیہ : ہارون الرشید کے تین بیٹے تھے، محمد (امین) عبداللہ (مامون) اور قاسم (موتمن)۔ امین زبیدہ کے بطن سے تھا۔ مامون مراجل لونڈی کا بیٹا تھا۔ موتمن کی ماں بھی لونڈی تھی۔ اس کا نام قصف تھا۔ ہارون مامون کا بڑا مداح تھا اور اسے جانشین کرنا چاہتا تھا لیکن بیوی زبیدہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر امین کو ولی عہد بنایا۔ ۵۔ ہارون کو اپنے بیٹوں سے اتحاد کی توقع نہ تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ یہ حکومت کے لئے دست و گریباں ہوں گے چنانچہ ہارون نے زندگی کے

ا۔ جہشیاری۔ ۲۔ جہشیاری۔ ۳۔ مروج الذھب۔ ۴۔ جہشیاری، ابن کثیر ذکر ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۳ ہجری۔ ۵۔ ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۱۷۵۔

Marfat.com

آخری ایام میں ایک بار کہا بھی تھا کہ میرے تینوں بیٹے میرے سانس گن رہے ہیں۔ ۱۔ ہارون نے بیٹوں کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ملک کو تین حصوں میں بانٹ دیا خلافت و اقتدار اعلیٰ اور عراق و شام کے علاقے امین کو دیئے۔ شرقی بلاد مامون کو ملے اور جزیرہ مع سرحدی علاقوں کے موتمن کے حصہ میں آیا۔ ہارون نے اس مضمون کی ایک دستاویز لکھ کر وزرا اور امراء کے دستخط کرائے اور اسے کعبہ میں محفوظ رکھ دیا۔ ۲۔

وفات : ہارون کو آنتوں کی دق تھی۔ سفر کے دوران میں طوس کے مقام پر وفات پائی۔ طوس کی ایک بستی سناباز میں دفن ہوا۔

ہارون کے عہد پر تبصرہ

ہارون کے عہد کو ابتداء سے بنو عباس کا زرین دور شمار کیا جاتا ہے۔ خلیفہ لائق' مدبر اور صاحب ہمت تھا۔ اس کے علاوہ انتہا کا خوش ذوق اور خوش طبع تھا۔ دولت کی بے مثال فراوانی تھی۔ پانچ کروڑ دینار فقط خراج کے وصول ہوتے تھے۔ اجناس اور مال غنیمت اس کے سوا تھے۔ اس زمانے میں جب کہ حکومت کے محکمانہ اخراجات بہت کم تھے خزانوں کا بھرپور ہو جانا لازم تھا۔ لیکن ہارون نے منصور کی طرح خزانوں پر قفل نہیں ڈالے۔ دل کھول کر خرچ کیا۔ اس سے بڑھ کر داد و دہش برامکہ نے کی۔ یہ سب دولت علمی' ادبی اور تمدنی تحریکوں پر اٹھ رہی تھی۔ اس لئے بغداد میں خوب رونق اور گہما گہمی ہوئی۔ شہر تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن گیا۔ منصور کے عہد میں تدین پر بہت توجہ رہی۔ وہ طنبورہ کا نام تک نہیں جانتا تھا۔ ہارون کو بھی مذہب کا خیال تھا لیکن اس نے خوش وقتی کی بزم بھی جمائی۔ شراب کو منہ لگایا' نغمہ و رنگ میں دل دیا اور چوگان اور شطرنج وغیرہ میں حصہ لیا۔

ہارون ایک سال حج کو جاتا تھا اور ایک سال تلوار سنبھال کر جہاد کے میدان میں اترتا تھا۔ ایک طرف عبادت گزاروں میں نام پایا اور دوسری طرف غازیوں کی صف اول میں کھڑا نظر آیا۔ عوام میں محبوب ہونے کے علاوہ یہی دو وصف کافی تھے لیکن عجم کی بہار آفرین سرزمین پر رہ کر وہ شعر و نغمہ اور بادہ کشی سے دور رہتا تو شاید ایک آدھ گروہ میں اس کا مقام کم ہوتا۔ الغرض ہارون خواص و عوام سب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حق پرست علماء اس کے بعض افعال کو یقیناً اچھا نہیں جانتے ہوں گے لیکن اس کی تاجدارانہ عظمت کا کوئی بھی منکر نہ تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ خوش حالی اور خوش باشی کے دن تھے۔ دور و نزدیک کے علاقوں میں امن و امان تھا اس لئے زبان خلق نے فتویٰ دیا کہ ہارون کی حکومت بہترین اور خوب ترین ہے۔ ہارون فیاض اور دریا دل تھا۔ مورخین' حفاظ اور فقہا کے گراں قدر وظائف مقرر تھے جتنے

۱۔ ابن اثیر ۱۹۳ ہجری۔ ۲۔ ابن کثیر ۱۸۶ ہجری۔

Marfat.com

اہل علم، نیکو کار اور پرہیزگار لوگ رشید کے عہد میں تھے اتنے بعد کے کسی دور میں نہ ہوئے۔

بغداد جو مرکز خلافت تھا عروج کے آخری نقطہ پر پہنچا۔ یہاں غریبی اور محتاجی کا قلع و قمع ہو گیا۔ ہارون نے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ ہر روز اپنے مال سے علاوہ زکوۃ کے ایک ہزار درہم کا صدقہ دیتا تھا۔ بغداد دنیائے اسلام کا تجارتی مرکز بھی تھا۔ اس لئے ہر طرف سے دولت سمٹ کر آنے لگی۔ زندگی نے خوش باشی کا وہ رنگ اختیار کیا جس کی ساحرانہ جھلک آج بھی الف لیلہ کی داستانوں میں ملتی ہے۔ بے شک اس میں تخریب کا پہلو بھی تھا لیکن یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ ہارون الرشید کا عہد فارغ البالی کے مرتبہ کمال پر تھا۔

منصور کے بعد بغداد کی نظر فریب اور عالی شان عمارتوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا تھا۔ دجلہ کے دونوں طرف امراء کے خوش نما محلات کھڑے تھے۔ برامکہ کے قصر سب سے بازی لے گئے۔ جعفر نے جو محل بنایا اس پر اتنی دولت خرچ ہوئی کہ ہارون بھی بدگمان ہو گیا۔

الغرض بغداد اپنی وضع و ہیئت، زیب و زینت، خوش حالی اور خوش وقتی کے لحاظ سے ایک طلسماتی دور سے گزر رہا تھا۔ اس میں ہارون کی خوش انتظامی اور خوش ذوقی بہت حد تک کارفرما تھی۔

نظم و نسق : ہارون کے عہد میں ابتدا کچھ شورشیں ہوئیں لیکن ان کا سختی سے قلع و قمع ہوا۔ ۱۸۰ ہجری کے بعد ملک سے بدامنی اور بغاوت کے آثار تقریباً معدوم ہو گئے۔ ہارون کو رعایا کی بہبود و آسائش کی بہت لگن تھی۔ بارہا رات کو بھیس بدل کر گلیوں میں پھرتا تھا۔ ایسے خلیفہ کے عہد میں امن شکنی کا وجود مشکل تھا۔ اس نے اپنے حاجب کو حکم دے رکھا تھا کہ جو عرضی بھی آئے اسے میرے سامنے پیش کرو۔

عدلیہ : ہارون الرشید نے عدالتی نظام بہتر کرنے کے لئے چند نہایت کار آمد اقدام کیے مثلاً

۱۔ قاضی القضاۃ کا عہدہ قائم کیا۔ تمام مملکت کے قاضی ایک محکمہ میں منسلک ہو گئے۔ قاضی القضاۃ ان کا نگران اعلیٰ تھا۔ وہ ان کو ہدایات دیتا تھا اور ان کی کارگزاری کو زیر نگاہ رکھتا تھا۔ خلیفہ قاضیوں کا تقرر اسی کے مشورہ سے کرتا تھا۔ اس عہدہ کی خوش قسمتی دیکھئے کہ سب سے پہلے امام ابویوسف نے اسے زینت دی۔ ان کی کتاب جامع الفتاوی رہنمائی کا کام دیتی تھی۔[1]

۲۔ قاضیوں کا خاص لباس تجویز ہوا تاکہ وہ عوام سے ممتاز رہیں۔

۳۔ ہارون الرشید سے قبل عدالتی ریکارڈ کی حفاظت کا خاص اہتمام نہ تھا۔ اب زیر سماعت مقدموں کو مہر کردہ صندوقوں میں رکھنے کا بندوبست ہوا۔[2]

قاضی کے انتخاب میں ہارون الرشید کی نظر کس قدر صائب تھی اس کا اندازہ اس مثال سے

۱۔ تاریخ القضاۃ فی الاسلام ابن عرنوس۔ ۲۔ ابن عرنوس۔

Marfat.com

کیجئے کہ ایک دفعہ اس نے ایک شخص کو قاضی بنانا چاہا۔ اس نے جواب دیا کہ میں فقیہہ نہیں۔ ہارون نے کہا تم میں شرف ہے' اس لئے گھٹیا پن سے بچتے رہو گے۔ دوسرے تم حلیم ہو' اس لئے عجلت نہ کرو گے۔ اور جو شخص جلد باز نہیں ہوتا وہ غلطیاں کم کرتا ہے تیسرے تم مشورہ کرتے ہو ایسے شخص کے فیصلے اکثر درست ہوتے ہیں۔ رہا فقہ تو کسی فقیہہ کو تمہارے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اس قاضی کے دوران منصب میں کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔[1]

فوج : ہارون کو جہاد میں جو بصیرت حاصل تھی وہ کسی اور عباسی تاجدار میں نظر نہیں آتی۔ رومیوں سے اس کے تلے ہوئے معرکے ہوئے۔ اس مقصد کے لئے ہارون نے لشکر کا خاطر خواہ اہتمام کیا۔ اسلحہ کا اس قدر شاندار ذخیرہ بہم پہنچایا کہ اس میں دس ہزار تلواریں تو ایسی تھیں جن پر سونا چڑھا ہوا تھا۔[2]

ہارون کو جہاد میں حصہ لینے کا بہت شوق تھا۔ ہر دوسرے سال رومی محاذ پر جا کر شرکت کرتا تھا۔ اس نے رومی پیش دستی کا استیصال کا اور حریفوں کے سر جھکا دیئے۔

سرحدی استحکام : ہارون نے سرحدوں کو بیش از پیش مضبوط کیا۔ اس سلسلہ میں اس نے مندرجہ ذیل اقدام کیے۔

۱۔ جزیرہ اور شام کی بعض سرحدوں کو ملا کر ایک الگ ولایت (یعنی صوبہ) بنایا تاکہ ان کا انتظام بخوبی ہو سکے۔ اس کا نام عواصم رکھا۔[3]

۲۔ سرحدوں پر اسلامی آبادی بڑھائی۔ رومیوں کے مقابلہ میں طرسوس کے سرحدی شہر کی تعمیر و آبادی کی ضرورت مدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ ہارون نے ۱۷۲ ہجری میں اس ضرورت کو پورا کیا۔ اس کے لئے اس نے مصیصہ' مرعش' عین زربا اور ہارونیہ وغیرہ کے سرحدی شہر آباد کیے اور قلعے بنوائے۔[4]

مالیات : عباسی حکومت جب سے قائم ہوئی تھی خراج اور لگان کا دروبست عمدہ تھا۔ ہارون کے عہد میں صیغہ محاصل کا انتظام اور بھی بہتر ہوا۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج لکھی جو اپنے فن میں لاجواب ہے۔ یہ محکمہ مال کے اہل کاروں کے لئے ایک دستور نامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بدولت تمام مملکت میں مال گزاری کے قواعد یکساں ہو گئے اور بدعنوانیوں کا احتمال بہت گھٹ گیا۔

رفاہ عامہ : ہارون حج بیت اللہ کا بہت دلدادہ تھا۔ ایک دفعہ اس نے پیدل حج کیا اس مقصد کے لئے مکہ کی راہ ہموار کی گئی۔ جا بجا نہروں اور حوضوں وغیرہ سے پانی کا اہتمام ہوا۔ مکہ اور مدینہ کے شہروں میں بھی اس ۔ آب رسانی کا عمدہ بندوبست کیا۔ اس سلسلہ میں اس کی بیوی

۱۔ کتاب عیون الاخبار ۱۔ ۶۲۔ ۲۔ المامون شبلی۔ ۳۔ بلاذری۔ ۴۔ بلاذری' مسعودی ذکر قاہر باللہ۔

Marfat.com

ملکہ زبیدہ کا کارنامہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اس نے طائف اور مکہ کے درمیان مشاش نام پہاڑیوں سے ایک بارہ میل لمبا چشمہ کھدوایا۔ اس کا نام عین المشاش تھا۔ اس کا پانی عرفات سے گزر کر مکہ میں آیا۔ رستہ میں گھاٹیوں اور پہاڑیوں کی رکاوٹیں آتی تھیں۔ زبیدہ نے زر کثیر صرف کر کے چشمہ کو ان میں سے گزروایا۔[1] یہ چشمہ اب بھی نہر زبیدہ کے نام سے موجود ہے۔

محکمہ صحت: ہارون الرشید کے عہد میں پہلی بار شفاخانوں کا ایک مستقبل صیغہ نظر آتا ہے۔ ہارون اور برامکہ طب کے بہت سرپرست تھے۔ انہوں نے متعدد ہسپتال بنوائے۔ ان میں کثیر عملہ کام کرتا تھا۔ ایک ایک ڈاکٹر کے تحت کئی شفاخانے ہوتے تھے۔ ان سب کا نگران اعلیٰ رئیس الاطباء کہلاتا تھا۔[2]

علم و حکمت: بنو عباس کا خانوادہ شروع سے علم و حکمت کا شیدا تھا۔ ہارون نے یہ وصف وراثتہً پایا اور اسے بڑھایا۔ جس علمی حرکت کا آغاز منصور نے کیا تھا ہارون نے اسے کمال تک پہنچایا۔

شعراء ادباء اور فقہاء کی طرف ہارون کا طبعی میلان تھا۔ ایک بار ایک نابینا عالم کو دعوت پر بلایا اور اس کے ہاتھ خود دھلوائے۔ حضرت امام مالک سے موطا سننے کے لئے مدینہ حاضر ہوا۔[3] علماء کے پاس بیٹھنے کا اس قدر فریفتہ تھا کہ بھیس بدل کر خود ان کی محفلوں میں جا پہنچتا تھا۔[4]

ہارون نے علمی ذوق کی پرورش کے لئے نہایت عمدہ ماحول پایا۔ ایک تو بغداد کا شہر جس کی فضائیں ہی علم کی بے تاب روح سے معمور تھیں۔ اس کے علاوہ قاضی ابویوسف، خاندان برامکہ اور ملکہ زبیدہ، سب علم کے سرگرم خادم تھے۔ برامکہ نے بے اندازہ دولت کمائی لیکن علم و ادب کی سرپرستی میں اڑا دی۔ ہارون نے ان کا مال ضبط کیا تو جعفر اور موسیٰ کے گھر سونے، چاندی کی ٹھیکریوں سے خالی پائے۔[5] ملکہ زبیدہ کی علم پرستی کا یہ عالم تھا کہ اس کی سو لونڈیاں تھیں اور وہ سب حافظ قرآن تھیں۔[6] ہارون نے ارباب علم کی قدر افزائی کی اور ان کو مال و دولت سے نوازا۔

ہارون نے ملک ملک سے علماء و حکماء کو بلایا۔ اس باب میں مذہب و ملت کا کوئی فرق نہ کیا منکہ طبیب کو ہندوستان سے منگوایا۔ بخت یشوع[7] بن جورجیس اس کا شاہی طبیب عیسائی تھا۔ یہ عہدہ اس کے بعد اس کے بیٹے جبریل کو ملا۔ باپ بیٹا دونوں رئیس الاطباء رہے۔

بیت الحکمت: منصور نے اپنے عہد میں غیر ملکی کتابوں کا ترجمہ عربی میں شروع کرایا تھا۔ ہارون نے اسے ایک ادارہ کی حیثیت دی اور ترجمہ کا ایک محکمہ قائم کیا جو بیت الحکمت کہلایا۔ یہ ایک وسیع کتب خانہ اور متعدد ترجمہ نگاروں پر مشتمل تھا۔

۱۔ الامامۃ و السیاسۃ، مسعودی حال قاہر باللہ، معجم البلدان۔ ۲۔ رسائل شبلی بحوالہ طبقات الاطباء۔ ۳۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ۴۔ الامامۃ و السیاسۃ۔ ۵۔ جہشیاری۔ ۶۔ ابن کثیر ۲۰۶ ہجری۔ ۷۔ اصل میں بخت یسوع ہے یعنی مسیح کا عطیہ عربی والے تا کو مفتوح کر کے بختیشوع بولتے ہیں۔

Marfat.com

کتب خانہ کو خزانۃ الحکمت کہتے تھے۔ اس کا افسر اعلیٰ جو ایک بلند پایہ عالم ہوتا تھا امین خزانۃ الحکمت کہلاتا تھا۔

بیت الحکمت میں عظیم پیمانہ پر کام ہوا۔ ایشیائے کوچک کی فتوحات کے دوران میں بے شمار یونانی کتابیں ہارون کے ہاتھ آئیں۔ ان کو سنبھال کر ساتھ لایا اور خزانۃ الحکمت میں داخل کیا۔[1] اور ان کو عربی کا جامہ پہنوایا۔

بیت الحکمت کا سب سے پہلا امین ایک عیسائی طبیب یوحنا بن ماسویہ تھا۔ اس نے کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔[2]

ہارون نے ہندوستان سے بھی بعض طبیب منگوائے جنہوں نے سنسکرت کی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ ان میں منکہ بہت مشہور تھا۔ یہ برامکہ کے ہسپتال کا ناظم اعلیٰ تھا۔[3]

صنعت و حرفت : ہارون کے عہد میں صنعت کے بعض گوشے اچانک ترقی کی اس قدر بلندی پر نظر آتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ہارون الرشید نے شارلیمن شہنشاہ فرانس کو ایک گھڑی تحفہ بھیجی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے بارہ دروازے تھے۔ ہر گھنٹہ کے گزرنے پر گھنٹوں کی تعداد کے موافق دروازے کھلتے تھے اور اسی تعداد کے موافق تانبے کی گولیاں ایک آہنی توے پر گر کر آواز دیتی تھیں۔ یہ دروازے برابر کھلتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دور پورا ہو جاتا تو بارہ سوار دروازوں سے نکل کر گھڑی کی بالائی سطح پر چکر لگاتے تھے۔[4]

تجارت : بین الاقوامی تجارت اموی عہد سے مسلمان تاجروں کے ہاتھ میں تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اسے ترقی ملتی گئی۔ ہارون کے عہد تک بغداد تجارتی لحاظ سے نہ صرف اسلامی مملکت کا دل تھا بلکہ عالمی تجارت کا بھی مرکز تھا۔ دور دراز خطوں کی خام اشیاء مصنوعات اور دولت امنڈ کر اس شہر میں جمع ہونے لگی۔ سیاست کا افق پھیلا اور تہذیب تمدن کا چہرہ روشن ہوا۔

تاریک پہلو : ہارون الرشید کے عہد کا جائزہ لیتے وقت ایک باریک بین نگاہ یہ دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے کہ زندگی کی رعنائیوں میں تخریب کے عناصر بھی پوشیدہ تھے۔ جس عیش و عشرت کی بنا ہارون نے رکھی اس نے اس کے خانوادے کو بہت جلد ڈبو دیا۔ امین ہارون کا لاڈلا تھا۔ اس نے جس انداز سے حکومت کی اگر مامون سامنے نہ آتا تو عباسی حکومت کے فوری خاتمہ میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ ہارون نے شاہی محلات کو نشاط کے گہوارے بنا کر بعض پہلوؤں سے ملک و ملت کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس صاحب اقبال تاجدار کی سیرت میں روشن اور تاریک پہلو دونوں پوری قوت سے جلوہ گر ہیں۔

۱۔ رسائل شبلی۔ ۲۔ ابن الندیم' ابن العبری۔ ۳۔ رسائل شبلی صفحہ ۱۷۳۔ ۴۔ رسائل شبلی۔

Marfat.com

محمد الامین

۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ ۸۰۹ء تا ۸۱۳ء

ہارون کے بعد محمد الامین کی بیعت ہوئی۔ امین ملکہ زبیدہ کے بطن سے تھا جو ہارون الرشید کے چچا کی بیٹی تھی۔ امین نے ۱۷۰ ہجری میں رصافہ میں ولادت پائی تھی۔
امین بے پروا اور شوقین مزاج تھا۔ لہو و لعب اور خوش وقتی کا قائل تھا۔ نہایت فیاض تھا۔

امین و مامون کی ناچاقی : ہارون کو اپنے بیٹوں سے یگانگت کی توقع نہ تھی۔ اس لئے وہ ان کے مناصب کی تقسیم خود ہی کر گیا تھا۔ افسوس اس کی پیش بندی نے کچھ کام نہ دیا۔ اس کے آنکھ بند کرتے ہی امین اور مامون کے درمیان اختلاف نے سر اٹھایا جس نے بڑھتے بڑھتے جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ امین کا وزیر فضل بن ربیع تھا اور مامون کا مشیر باتدبیر ذوالریاستین فضل بن سہل۔ انہوں نے بھائیوں کے درمیان آگ بھڑکانے کی تابڑ توڑ کوششیں کیں۔ اگر یہ دونوں وزیر صلح جویانہ روش اختیار کرتے تو حالات روبہ اصلاح ہو جاتے لیکن انہوں نے اپنے مفاد کی خاطر ہارون اعظم کے بیٹوں میں تلوار چلا دی۔

اختلاف کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہارون نے مامون کی دلجوئی کے لئے مرنے سے پہلے حکم دیا کہ میرا ذاتی سامان' اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ مامون کے پاس بھیج دیئے جائیں۔ امین کو اس حکم کی خبر ہوئی تو برا مانا۔ اس وقت ابن ربیع ہارون کے ساتھ تھا۔ اس نے امین کے حکم سے یہ سب اشیاء بغداد پہنچا دیں۔ مامون خراسان میں تھا۔ اسے خبر گئی تو رنجیدہ ہوا لیکن تحمل سے کام لیا۔ امین کو اطاعت کا خط لکھا اور تحائف بھیجے۔ امین نے مامون اور موتمن دونوں کی ولایت ان کے علاقوں میں تسلیم کر لی۔[۱]

۱۹۳ ہجری میں امین نے اپنے بھائی موتمن کو جزیرہ سے معزول کر کے بغداد بلا لیا۔ یہ اقدام ہارون کے طے کردہ عہد نامہ کے خلاف تھا۔ مامون کا ماتھا ٹھنکا کہ کسی دن میری سبکدوشی بھی ہو جائے گی۔ اس نے خراسان میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنی شروع کر دی۔ قیام حق' احیائے سنت اور استیصال مظالم کی طرف توجہ کی۔ سرداران قبائل کی دل جوئی کی اور ان کے مراتب بڑھائے۔ خراج کا چوتھائی حصہ معاف کر دیا۔ لوگ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ مامون ہمارے نبی کا چچیرا بھائی اور ہمارا بھانجا ہے۔[۲]
فضل بن ربیع کو مامون ناپسند کرتا تھا۔ اسے خدشہ ہوا کہ اگر خلافت کسی روز مامون کے ہاتھ

۱۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

میں آئی تو مجھ پر ترس نہیں کرے گا۔ اس لئے وہ مامون کو ولی عہدی سے ہٹانے کے لئے فکر کرنے لگا۔ امین کو پٹی پڑھائی کہ اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد نامزد کر دو۔ امین نے شروع میں ہامی نہ بھری لیکن پھر مان گیا۔ اور موسیٰ کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ مامون کو علم ہوا تو امین سے مراسلت ترک کر دی۔ اس کا نام سکوں پر کندہ کرنا چھوڑ دیا اور کھلم کھلا اختلاف کا اظہار کیا۔ ا۔

اس اثنا میں رافع بن لیث اور ہرثمہ نامی دو جرنیل مامون سے ملحق ہو گئے۔ امین کو برا لگا اس نے مامون کو خط لکھا اور سرکردہ امراء کو سفیر کر کے بھیجا کہ موسیٰ کی ولی عہدی تسلیم کرو۔ ان میں سے ایک نے مامون کی بیعت کرلی اور بغداد جا کر مامون کے لئے خفیہ خبررسانی کا کام کرنے لگا۔ ۲۔ اس کے بعد امین نے مامون سے کچھ علاقہ طلب کیا۔ مامون نے اس سے بھی انکار کیا۔ ۳۔ اب امین نے مامون کے پاس تحفے بھیج کر اسے بلا بھیجا۔ مامون تیار ہو گیا کیونکہ اس میں مقابلہ کا حوصلہ نہ تھا لیکن ذوالریاستین نے ہمت بندھائی اور جانے سے منع کیا۔ مامون نے امین کو تحریر کیا کہ والد ماجد نے مجھے اس صوبہ میں مقیم کیا تھا کہ سرحدوں کی حفاظت کروں۔ میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ ۴۔ فضل بن ربیع کے لئے نادر موقع تھا۔ اس نے امین کو اکسا کر مامون کی ولی عہدی کی منسوخی کا اعلان کرا دیا۔ امین اور مامون کے درمیان طویل خط و کتابت ہوئی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ۵۔ مامون نے تیاریاں تیز تر کر دیں اور ناکے بند کر دیئے تاکہ جاسوسی نہ ہو سکے۔ ۶۔ مامون نے آس پاس کے سرحدی بادشاہوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے طے کر لیے۔ ۷۔ امین نے کعبہ سے ہارون کا وصیت نامہ منگوا کر چاک کر دیا اور اعلان کیا کہ وہ سب سکے جن پر مامون کا نام ہے غیر قانونی ہیں۔ آئندہ خطبات میں مامون کا نام نہ لیا جائے۔ ۸۔ ادھر مامون نے بھی امام المومنین کا لقب اختیار کر لیا۔ ۹۔

امین اور مامون کے درمیان جنگ : پہلی فوج : امین نے ۱۹۵ھ میں علی بن عیسیٰ کو جو ابن ماہان کہلاتا تھا چالیس ہزار کا آراستہ لشکر دے کر مامون کے خلاف بھیجا۔ روانگی سے قبل زبیدہ لشکر میں آئی اور علی بن عیسیٰ کو نصیحت کی کہ مامون کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آنا۔ اسے نقرئی بیڑی دی کہ مامون کو اس میں باندھ کر احترام سے لانا۔ امین نے بھی ہدایت دی کہ مامون کو مارنے کے بجائے گرفتار کرنے کی کوشش کرنا۔ رے کے مقام پر مامون کے جرنیل طاہر بن حسین نے چار ہزار لشکر کے ساتھ سامنا کیا۔ بغدادی فوج کو خراسانی فوج کے سامنے ٹھہرنا مشکل تھا۔ خراسانی ایک تو بغداد کی شہری فوج کے مقابلہ میں زیادہ بہادر اور سخت جان تھے اور دوسرے انہیں مامون سے سچی ارادت تھی۔ بغدادی فوج بھاگی اور ابن ماہان مارا گیا۔ امین مچھلی کا شکار کر رہا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ سن کر قاصد سے کہا' تمہارا برا ہو' مجھے نہ

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن کثیر۔ ۹۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

چھیڑو۔ کوثر (غلام) نے دو مچھلیاں شکار کر لی ہیں اور میں نے ایک بھی نہیں پکڑی۔ بعد میں جب
امین نے دیکھا کہ شکست نے بغداد میں اضطراب پیدا کر دیا ہے تو ہوش آئے اور عہد شکنی پر
نادم ہوا۔ ۱۔

دوسری فوج (۱۹۵ھ): امین نے اب ایک اور لشکر بھیجا جس کی تعداد بیس ہزار تھی اس کا
سالار عبدالرحمن بن جبلہ تھا۔ طاہر بن حسین سے ہمدان کے قریب ایک شدید جنگ ہوئی دونوں
طرف سے کثیر جانیں ضائع گئیں۔ بغدادی فوج نے بزدلی دکھائی۔ عبدالرحمن بن جبلہ بھاگ کر
ہمدان میں پناہ گیر ہوا۔ مختصر سے محاصرہ کے بعد اس نے صلح کی التجا کی۔ طاہر نے امان دے دی
عبدالرحمن بغداد کا قصد کر کے روانہ ہوا لیکن پھر خراسانی فوج کو غافل دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا
اور بہت لوگ مار دیئے۔ خراسانیوں نے مقابلہ پر تلوار اٹھائی تو بغدادیوں کے قدم نہ جم سکے۔
عبدالرحمن کام آیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ ۲۔

فراری فوج شہر میں آئی تو ہلچل مچ گئی اور نظام متزلزل ہونے لگا۔ طاہر نے امین کے عہدہ
داروں کو قزوین اور اس کی اطراف سے نکال دیا۔ وہاں کے کارندوں نے کام سنبھالا اور اس کی
طاقت بڑھ گئی۔ ادھر شام میں اچانک بغاوت ہو گئی۔ امین کو اس کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کرنی
پڑی۔ ۳۔ امین ان حالات میں بھی گھبرایا۔ برابر خوش وقتی اور نادنوش میں مصروف رہا۔ فضل
بن ربیع جھنجھلا اٹھا۔ اس نے ایک عرب سردار اسد بن یزید کو بلایا۔ فضل کی آنکھیں اس وقت
غصہ سے انگارہ تھیں۔ اس نے اسد سے کہا امین نشہ میں ڈوبا ہوا ہے۔ مامون دور بیٹھے تاک
تاک کر موت کے تیر نشانہ پر پھینک رہا ہے۔ ہلاکتیں گھوڑوں پر صف بستہ ہیں۔ مصائب نے
نیزوں کی انیوں اور تلواروں کی دھاروں کو نشیمن بنا لیا ہے۔

اے اسد! ہم ایک تنے کی دو شاخیں ہیں۔ تنہ پختہ رہا تو ہم بھی توانا رہیں گے اور کمزور ہوا
تو ہم بھی ناطاقت ہو جائیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ ہم بھی اس کے ساتھ ہلاک نہ ہو جائیں۔ مجھے
تجھ پر بھروسا ہے۔ تم مامون کے مقابلے میں تیار ہو جاؤ۔ ربیع اور اسد دونوں امین کے پاس گئے۔
اسد نے رائے دی کہ اگر مامون اطاعت نہ کرے تو اس کے دونوں بیٹے جو اس وقت بغداد میں
امین کے پاس ہیں قتل کر دیئے جائیں۔ امین کی حمیت نے جوش کھایا اور اسد سے کہا کہ میں
تمہیں رفعت دلا رہا ہوں اور تم مجھے اپنی اولاد اور کنبہ کو ذبح کرنے کا سبق پڑھاتے ہو۔ امین نے
اسد کو قید میں ڈال دیا اور پھر اس کے چچا احمد بن مزید کی سفارش پر رہا کیا۔ ۴۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امین کے دل میں اپنے بھائی کے خلاف عداوت تھی بھی تو
دیوانگی کی حد تک نہ تھی۔ ایک تو وہ طبعاً لا ابالی تھا اور دوسرے یہ دیکھ کر کہ کا مقابلہ بھائی سے
ہے اس نے گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا جنگی تیاریوں میں فضل بن ربیع کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ جسے

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

امین سے زیادہ اپنی گردن کی فکر تھی۔

تیسری فوج: امین نے احمد بن مزید اور عبداللہ بن حمید کو بیس بیس ہزار کے لشکروں کے ساتھ روانہ کیا۔ امین کی یہ فاش غلطی تھی کہ ایک ہی فوج پر دو الگ الگ سردار مقرر کیے۔ طاہر بن حسین نے اس دوئی سے خوب فائدہ اٹھایا۔ طاہر اس وقت حلوان میں تھا۔ شاہی فوج قریب آئی تو اس نے اپنے گرد خندق کھود لی اور سرمیدان آنے کے بجائے انہیں دھوکے سے شکست دینے کی سوچی۔ اس نے شاہی کیمپ میں جاسوس روانہ کیے تاکہ دونوں سرداروں اور فوج کے درمیان پھوٹ پیدا کریں۔ انہوں نے طرح طرح کی افواہیں پھیلائیں جس میں سے ایک یہ تھی کہ امین نے اپنے ملازموں میں تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں اور ان کی شرحیں بہت بڑھا دی ہیں۔ اس افواہ سے نہ صرف فوج میں بلکہ سالاران لشکر میں بھی نزاع پیدا ہو گئی اور باہم تلوار چل گئی۔ نتیجہ یہ کہ دونوں امیر طاہر سے جنگ کیے بغیر واپس چلے گئے۔ ۱۔

مامون ابھی تک امام المومنین کہلاتا تھا۔ اب اس نے خلافت کا دعویٰ کیا اور امیر المومنین کہلانے لگا۔ ۲۔ اس نے طاہر کے علاوہ ہرثمہ بن امین کو بھی امین کے خلاف مامور کیا۔ ۳۔ یہ دونوں سالار نہایت تیز رفتاری سے امین کے علاقے زیر نگیں کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

مامون کی حرمین میں بیعت: مکہ کے عامل داؤد بن علی نے عمائد ملت کو اکٹھا کر کے کہا کہ ہارون نے اپنے بیٹوں کے حق میں ہماری بیعت لی تھی اور قرار داد کعبہ میں محفوظ رکھ دی تھی لیکن امین نے عہد شکنی کی اور اپنے دودھ پیتے بچے کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی ہے لہٰذا ہماری اطاعت کا حق دار نہیں۔ سب نے اتفاق کیا امین کی بیعت فسخ کر دی اور مامون کی اطاعت کر لی۔ ۴۔

بغداد کا حال: امین کی پے در پے ناکامیوں کو دیکھ کر بغداد کی ایک کثیر آبادی نے اس سے سرکشی کی اور مامون کے حق میں ہو گئے۔ بغداد کے گلی کوچوں میں جنگ چھڑ گئی۔ عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ نے امین کو حراست میں لے لیا اور اس کی ماں زبیدہ کو کوڑوں سے پٹوایا۔ لیکن فوج نے امین کا ساتھ دیا اور اسے رہا کر کے زمام اختیار سونپی۔ چند روز بعد فضل بن ربیع فرار ہو گیا۔ ۵۔

خلیفہ امین بغداد کی شورشوں میں گرفتار تھا اور طاہر اس کے صوبوں پر قبضہ کیے جا رہا تھا۔ امین کے تصرف میں بہت کم علاقے رہ گئے۔ طاہر نے بغداد کا رخ کیا اور صرصر ندی کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ امین نے اس کو روکنے کے لئے یکے بعد دیگرے کئی لشکر بھیجے لیکن ناکام۔ ۶۔

طاہر اور ہرثمہ نے ۱۹۷ ہجری میں بغداد کو گھیرے میں لے لیا۔ شہر کے باہر منجنیقیں نصب کیں۔ اور اندر جاسوسوں اور کارندوں کو بھیجا کہ امین کے خلاف بے چینی پھیلائیں۔ جگہ جگہ

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔

Marfat.com

فتنے بھڑکنے لگے امین کے حامیوں اور مخالفوں میں جھڑپوں کا دروازہ کھل گیا۔ شہر کا نظام درہم برہم ہوا۔ لوٹ مار عام ہو گئی' یہاں تک کہ بھائی کی تلوار بھائی کی گردن پر چلنے لگی۔ ا۔

امین پر حصار کا دائرہ تنگ ہو تا گیا۔ اس کے لشکری ایک ایک کر کے بھاگنے اور طاہر کے پاس پناہ لینے لگے۔ امین کی نقدی ختم ہو گئی۔ سرکاری سامان بیچنا شروع کیا اور سونے چاندی کے سکے ڈھلوائے۔ جب مایوس ہوا تو جانے کس مصلحت سے گراں بہا محلات اور مکانوں کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔ ادھر طاہر نے بھی بیرونی علاقوں میں یہی کاروائی شروع کی۔ یوں معلوم ہو تا تھا۔ کہ بغداد راکھ کا ڈھیر ہو جائے گا۔ ۲۔

طاہر نے اعلان کیا کہ جو شخص مامون کی بیعت کر لے گا اس کو امان حاصل ہو گی۔ چیدہ چیدہ امراء اور عوام نے اس کا رخ کرنا شروع کیا۔ جو محلے اس کے قبضہ میں تھے وہاں امن و امان بحال ہوا۔ ۳۔ اس لئے لوگ اس طرف اور راغب ہونے لگے۔

محاصرہ پر تقریباً ایک برس گزر گیا۔ امین کی تنگ دستی اور تنگ حالی حد سے گزرنے لگی۔ ایک دن امیروں اور مشیروں کو اکٹھا کیا۔ پوچھا کہ اب کیا کیا جائے بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ ٹھہرا کہ امین ہرثمہ کے پاس پناہ لے۔ ہرثمہ کو پیغام بھیجا گیا تو اس نے بخوشی منظور کیا اور قول دیا کہ فلاں رات امین کو خود لینے آؤں گا۔ امین نے مقررہ وقت پر خلافت کا لباس زیب تن کیا۔ بچوں کو بلا کر سینے لگایا اور آنسو پونچھتا ہوا محل سے نکلا۔ ہرثمہ پیشوائی کو موجود تھا اس نے اپنے ساتھ کشتی میں بٹھالیا۔

طاہر کو اس منصوبہ کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ امین میری فوج کے علاقہ میں ہے اور میرے محاصرے سے عاجز آ کر امان کا طالب ہوا ہے۔ اب اگر وہ ہرثمہ کی پناہ اختیار کرے تو فتح ہرثمہ کے حصے میں آئے گی۔ طاہر چند آدمی لے کر موقع پر پہنچا اور کشتی پر پتھر برسا کر اسے غرقاب کر دیا امین بڑی مشکل سے تیرتا ہوا کنارے لگا۔ چند سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے ایک مکان میں بند کر دیا۔ وہ نیم لباس میں تھا۔ خوف و دہشت سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ سحر قریب تھی۔ طاہر کے آدمی اسے قتل کرنے آئے۔ امین اٹھا اور کہنے لگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا میرا کوئی فریاد رس نہیں؟ اس نے سرہانہ اٹھا کر اپنی ڈھال بنایا اور قاتلوں کو روکنا چاہا۔ انہوں نے زخمی کر کے گرایا اور سر کاٹ کر الگ کر دیا۔ ۴۔

امین کے قتل کے بعد شہر میں امن ہو گیا۔ لوگوں نے مامون کی بیعت کر لی۔

امین کا سر طاہر کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے نیزہ پر گاڑ کر ایک دروازے کے پاس نصب کیا۔ اس کے بعد اسے مامون کے پاس روانہ کیا۔ مامون دیکھ کر سجدہ شکر بجا لایا لیکن اس کے دل میں طاہر کے خلاف گرہ پڑ گئی کیونکہ مامون نے امین کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ ۵۔

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

فضل بن ربیع امین کو موت کے حوالے کر کے روپوش ہو گیا۔ مامون نے اسے امان نامہ لکھ بھیجا۔ جب وہ اس کے پاس حاضر ہوا تو معاف کر دیا لیکن فضل کے بگڑے دن سنور نہ سکے۔ وہ ۲۰۸ ہجری میں گمنامی کی موت مر گیا۔ [1]

امین اور مامون کی خانہ جنگی کے نتائج: مامون اور امین کی خانہ جنگی کے مندرجہ ذیل نتائج تھے۔

۱۔ بغداد کے شہر کو بے اندازہ نقصان پہنچا۔ کتنے ہی گھر خاک سیاہ ہوئے اور گھرانے بربادی کی آغوش میں چلے گئے۔

۲۔ خلیفہ کو گرفتار کر کے نہایت بے دردی سے ذبح کیا گیا۔ اس سے خلافت کی بے رعبی ہوئی۔

۳۔ فضل بن سہل خلیفہ پر حاوی ہو گیا۔ اسے بہت مدت تک کاروبار حکومت سے جدا رکھا۔ جگہ جگہ بغاوتیں رونما ہونے لگیں۔

۴۔ فضل بن سہل عجمی تھا۔ اس کے دم سے عجمیت کا فروغ شروع ہوا اور عربوں کی قومیت اور تہذیب کا وقار گھٹنے لگا۔

۵۔ علویہ کی قدر بڑھی۔ عجم کے لوگ اہل بیت کے بہت معتقد تھے۔ ان کی برتری کے ساتھ اہل بیت کی قدر و منزلت بھی جم گئی۔ مامون نے حضرت علی الرضا کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔

---

[1] ابن کثیر ۲۰۸ ہجری۔

Marfat.com

عبداللہ المامون

۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء

تعارف : امین کے قتل کے بعد مامون حکومت پر قابض ہوا۔ مامون ۱۷۰ ہجری میں ایک لونڈی مراجل کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ جس رات وہ عالم وجود میں آیا اس رات ہادی نے وفات پائی اور مامون کے باپ ہارون کو خلافت کا مژدہ ملا۔

المامون نے متعدد علوم میں دستگاہ پیدا کی تھی۔ قرآن حکیم کا حافظ تھا۔ حدیث اور فقہ کے علاوہ نحو، عربیت، علم الکلام اور علم نجوم میں بھی کمال رکھتا تھا۔ اس کو خوش قسمتی سے جعفر برمکی ایسا اتالیق میسر ہوا۔ جس نے اس کی قدرتی استعداد کو چمکا کر قابلیت کے انتہائی درجہ تک پہنچا دیا۔

مامونی حکومت کا پہلا دور

المامون کے عہد حکومت کو ہم دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔ پہلا دور ۱۹۸ تا ۲۰۲ھ تک ہے۔ ان دنوں مامون خود خراسان کے مرکز مرو میں مقیم رہا اور سلطنت میں ہر طرف فتنوں کے جھکڑ چلتے رہے۔ دوسرا دور قیام بغداد کا ہے۔ یہ امن اور تعمیر کا دور ہے۔

مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی اس لیے اس کا مرہون احسان تھا۔ اسے ذوالریاستین کا لقب دیا اور بعض بڑے بڑے صوبے اس کے تصرف میں دے دیئے۔ ا۔ ذوالریاستین کے معنی ہیں، دو ریاستوں والا یعنی ریاست حرب (امارت فوج) اور ریاست تدبیر (وزارت) دونوں کا مالک۔ ۲۔

فضل بن سہل سیاہ و سفید کا مالک تھا، اس کی کوشش رہی کہ مامون مرو ہی میں بیٹھا رہے اور اسے امور حکومت کی کوئی اطلاع نہ ہو۔ مامون نے تقریباً چار برس یہیں اقامت رکھی۔ فضل اس اثناء میں من مانی کاروائیاں کرتا رہا۔ فضل کی خود سری کی وجہ سے لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ عوام میں مشہور ہو گیا کہ اس نے مامون کو مغلوب کر کے ایک قلعہ بند کر رکھا ہے۔ ۳۔ یہ سن کر بنوہاشم اور دیگر عمائد قوم فکر مند اور رنجیدہ تھے۔ عوام میں بھی شبہات پھیلے۔ قسمت آزماؤں کو موقع ملا اور ہر طرف فتنوں اور شورشوں کا دور دورہ ہو گیا۔

نصر بن سیار بن شبث کی بغاوت : المامون کی خلافت کے پہلے ہی برس شام کے علاقہ میں ایک شخص نصر نام نے جو امین کا حامی تھا بغاوت کر دی۔ وہ تقریباً گیارہ برس تک حکومت کو چیلنج کرتا رہا۔ مامون کی چھوٹی موٹی مہمیں ناکام رہیں۔ آخر عبداللہ بن طاہر بن حسین نے پانچ برس کی جنگ کے بعد اسے محصور کیا۔ نصر نے تنگ آ کر امان طلب کی۔ عبداللہ نے مامون کو

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ جہشیاری صفحہ ۳۰۵۔ ۳۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

اطلاع دی۔ اس نے اجازت دے دی۔ اور نصر امان حاصل کر کے ۲۱۰ ہجری میں بغداد میں مامون کے پاس حاضر ہوا۔ ۱

حسن ابن الہرش کی بغاوت : ۱۹۸ ہجری میں ایک شخص حسن بن الہرش نے علم بغاوت بلند کیا۔ لوٹ مار کی اور فساد پھیلایا۔ مامون کے لشکر نے ۱۹۹ ہجری میں اس کا خاتمہ کیا۔ ۲۔

ابن طبا طبا : ۱۹۹ ہجری میں محمد بن ابراہیم نے جو ابن طبا طبا کہلاتے تھے کوفہ میں خروج کیا۔ آپ حضرت حسن مثنیٰ کی اولاد سے تھے۔ رضا من آل محمد اور کتاب و سنت کی دعوت دیتے تھے۔ کوفہ اور اس کے نواح کے علاوہ بعض دور افتادہ علاقوں کے بادیہ نشین بھی ان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ ۳۔

ابن طبا طبا کا دست راست ایک شخص ابو السرایا سری بن منصور شیبانی نام تھا۔ ۴۔ ابو السرایا کے معنی ہیں لشکروں والا۔ پہلے گدھے کرایہ پر چلاتا تھا۔ پھر لوٹ کھسوٹ اور قزاقی کا پیشہ اختیار کیا۔ بعد میں مختلف امرائے فوج کے تحت وقتاً فوقتاً کام کرتا رہا۔ امین کے محاصرہ کے دوران میں ہرثمہ کے لشکر میں تھا۔ پھر اس سے ناراض ہو کر چلا گیا اور ادھر ادھر چھاپے مارتا رہا۔ محمد بن ابراہیم سے ملاقات ہوئی تو ان کی بیعت کر لی۔ کوفہ کے قبضہ میں اس کی مدد شامل تھی۔ ۵۔

حسن بن سہل نے بغداد سے دس ہزار فوج کوفہ کی بازیافت کے لئے بھیجی۔ مقابلہ ہوا تو ابن طباطبا نے فتح پائی لیکن دوسرے روز اچانک رحلت کر گئے۔ آپ کی وفات کے بارے میں خیال ہے کہ ابو السرایا نے آپ کو زہر دے دی تھی۔ آپ کی زندگی میں ابو السرایا کا چراغ جلنا مشکل تھا۔ وہ اقتدار کا بھوکا تھا' اس لئے راستہ سے ہٹا دیا۔ ۶۔

ابو السرایا نے ایک کم عمر سید زادے محمد بن محمد کو ابن طبا طبا کا جانشین کیا۔ محمد بن محمد حضرت حسینؓ کی اولاد سے تھے۔ ابو السرایا نے آپ کی کم سنی سے فائدہ اٹھا کر اختیارات کی زمام اپنے ہاتھ میں رکھی۔ بغداد سے چار ہزار کا لشکر آیا۔ ان میں سے کوئی واپس نہ جا سکا' مارا گیا یا گرفتار ہوا۔ ۷۔ اس کے بعد ابو السرایا ک طاقت اچانک بڑھ گئی۔ حجاز' یمن' فارس وغیرہ پر اس کے عمال قابض ہو گئے۔ کوفہ میں ابو السرایا نے اپنے سکے ڈھالے۔ ۸۔

حالات دگرگوں ہو گئے تو حسن بن سہل نے ہرثمہ بن اعین کو مدد کے لیے لکھا۔ ہرثمہ نے ابو السرایا کے لشکروں کو تابڑ توڑ شکستیں دیں اور انہیں کوفہ تک محدود کر دیا۔ پھر کوفہ پر محاصرہ ڈالا۔ کوفیوں نے تنگ آ کر ابو السرایا کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ کوفہ سے نکل گیا اور ہرثمہ نے قبضہ کر لیا۔ ابو السرایا پہلے قادسیہ گیا۔ وہاں سے نکلا تو ایک مامونی حاکم نے رستہ روکا۔ ابو السرایا گھائل ہو کر جزیرہ میں اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ اس کے سب ساتھی چھٹ گئے۔ رستہ میں شاہی فوج کے

۱۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۷۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۸۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

ایک دستہ نے اسے گرفتار کر لیا اور حسن بن سہل کے سامنے پیش کیا اس نے گردن مروا دی۔ سر مامون کے پاس بھیجا۔ جسم کے دو ٹکرے کروائے اور بغداد میں دجلہ کے دونوں پلوں پر ایک ایک حصہ آویزاں کیا۔ ا۔

ابوالسرایا نے تقریباً دس ماہ کوفہ اور اس کے گرد نواح میں حکومت کی۔ اس نے بنو عباس کے حامیوں پر بڑے بڑے ظلم کیے اور کوفہ میں ان کے گھروں کو جلا دیا۔ اس اثنا میں اس نے ایک سپہ سالار حسین الافطس بن حسن کو مکہ پر قبضہ کے لئے بھیجا۔ افطس چپٹی ناک والے کو کہتے ہیں۔ عباسی حاکم اس کی آمد کی خبر سن کر فرار ہو گیا۔ حسین افطس نے کعبہ سے عباسیوں کے پہنائے ہوئے غلاف اتروائے اور ابوالسرایا کا بھیجا ہوا غلاف پہنایا۔ اس پر ابوالسرایا کا نام تھا جن جن لوگوں کے پاس بنو عباس کی امانتیں تھیں چھین لیں۔ بعض لوگ غلط فہمی میں اپنے اموال سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ اس کے ساتھیوں نے مزید ظلم یہ کیا کہ کعبہ اور مسجد حرام میں جو قیمتی چیزیں نظر آئیں اس پر قبضہ کر لیا۔ حد یہ کہ مسجد حرام کی جالیاں اکھڑوا کر اونے داموں بیچ دیں اہل مکہ پر ناگفتہ بہ مظالم ہوئے۔ کئی لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ ۲۔ جب افطس کو ابوالسرایا کی موت کی خبر ملی تو گھبرایا۔ اس نے ایک عابد دین دار اور ہر دلعزیز شخص محمد بن جعفر صادق سے درخواست کی کہ آپ اپنی خلافت کا اعلان کریں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ لیکن افطس کے اصرار پر مان گئے حسین الافطس نے محمد بن جعفر صادق کی بیعت کر لی۔ وہ بوڑھے تھے۔ سب اختیارات افطس نے ہاتھ میں رکھے۔ عباسی لشکر آیا تو افطس ایک مقابلہ کے بعد بھاگ نکلا۔ ۳۔ ابوالسرایا کے حامی اس کی وفات کے بعد بھی کچھ دن شورش کرتے رہے۔ ۴۔

ابراہیم جزار : ابراہیم بن موسیٰ علوی نے ابوالسرایا کے قتل کے بعد مکہ سے نکل کر یمن پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ۲۰۰ ہجری میں ایک عقیلی کو امیر الحج بنا کر روانہ کیا۔ وہ مکہ میں جانے کی ہمت نہ کر سکا۔ رستہ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا اور حاجیوں کے ایک قافلہ کو لوٹ لیا۔ شاہی دستہ نے انہیں شکست دے کر مال واپس لے لیا۔ ابراہیم نے یمن میں اس قدر خوں ریزی کی کہ لوگ اسے جزار (قصاب) کہنے لگے۔ ۵۔

زید النار : ۲۰۰ ہجری میں زید بن موسیٰ علوی نے بصرہ پر قبضہ کیا۔ بنو عباس اور ان کے حامیوں کے گھر جلا دیئے جو سیاہ لباس والا آدمی ملتا اسے جلا دیتا۔ اس بے باک آتش زنی کی وجہ سے لوگ اسے زید النار یعنی آگ والا زید کہتے تھے مامون کا لشکر آیا تو زید نے بغیر مقابلہ کئے امان طلب کی جو مل گئی۔ ۶۔

بغداد میں بدنظمی : مامون حکومت کی باگ ڈور فضل بن سہل اور اس کے بھائی حسن بن

ا۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر' ابن کثیر سن ۲۰۰ ہجری۔ ۶۔ ابن اثیر۔

Marfat.com

سہل کے حوالے کر کے مرو میں بے فکری کے دن گزار رہا تھا۔ فضل نے اس کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ خلافت کا کاروبار خوب چل رہا ہے۔ عراق اور بغداد میں آئے دن جو ہنگامے اٹھ رہے تھے مامون کو ان کی خبر نہ تھی۔ ہرثمہ بن اعین نے ابوالسرایا کو شکست دینے کے بعد فیصلہ کیا کہ مامون کو سب حالات سے آگاہ کرنا چاہیے۔ وہ مرو کی طرف روانہ ہوا۔ فضل کو ہرثمہ کی نیت سے آگاہی ہوئی تو مامون کے کان بھرے کہ ہرثمہ کی ابوالسرایا سے ساز باز تھی۔ اس نے ابوالسرایا کو مقابلہ پر اکسایا تھا۔ مامون پر ان دنوں فضل کا جادو سوار تھا۔ مان گیا۔ ہرثمہ مامون کے پاس حاضر ہوا تو اس نے زد و کوب کے بعد قید میں ڈال دیا۔ چند دن بعد قتل کروا دیا۔ ۱

بغداد میں ہرثمہ کے مال کی خبر پہنچی تو رنج و الم کی لہر دوڑ گئی۔ ہرثمہ ایک محبوب جرنیل تھا۔ وہ عرب تھا اور سہل کے بیٹے عجمی تھے۔ عرب آبادی کو ہرثمہ کی موت کا بہت صدمہ ہوا۔ وہ جان گئے کہ یہ فضل اور حسن کی سازش کا نتیجہ ہے۔ حسن کا سلوک بغدادی فوج سے اچھا نہیں تھا۔ ان کی تنخواہیں بھی کئی ماہ سے واجب الادا تھیں۔ فوج کے ایک حصہ نے بغاوت کر دی۔ بغداد میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک حسن کے حامیوں کا اور ایک مخالفین کا تھا۔ تین روز کی جنگ کے بعد اس شرط پر عارضی صلح ہوئی کہ وہ انہیں تنخواہ کا کچھ حصہ رمضان کے اخراجات کے لئے دے گا۔ اس نے اس عہد کا ایفا نہ کیا اور بدستور ٹالتا رہا۔ ۲

حسن بن سہل بغداد کا نظام بحال رکھنے میں ناکام رہا۔ نہایت بے تدبیر اور متعصب تھا۔ اس کو بغداد اور اہل بغداد سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ نظم و نسق بد سے بدتر ہوتا گیا۔

بغداد کی بدنظمی ۲۰۱ ہجری تک انتہا کو پہنچ گئی۔ شہر اور اس کے نواح میں عیاروں (غنڈوں) شاطروں (نوسربازوں) اور فاسقوں (بدمعاشوں) کی بہتات ہو گئی۔ غنڈے راہ چلتے کو روکتے اور ان کے مال و آبرو پر حملے کرتے تھے۔ لوگوں کے دروازوں پر پہنچ کر زبردستی قرض یا عطیہ طلب کرتے۔ اگر صاحب خانہ انکار کرتا تو اندر گھس کر سارا گھر لوٹ لیتے تھے شہر والوں نے منصور بن مہدی کو مجبور کیا کہ خلافت ہاتھ میں لے لیں۔ انہوں نے پہلے نہ مانا لیکن پھر لوگوں کے اصرار پر مامون کے نائب کی حیثیت میں انتظام سنبھال لیا۔ حسن بن سہل کے نائب کو نکال دیا گیا۔ منصور بن مہدی بھی امن بحال نہ کر سکا۔ آخر دو شخصوں خالد الدریوش اور سہل بن سلامہ نے جمعیت بنا اوباشوں کا قلع قمع کیا۔ اس کے بعد حسن نے آکر فوج سے مصالحت کر لی اور منصور بن مہدی ایک طرف ہو گئے۔ ۳

بابک خرمی : بابک بڑے بابا کو کہتے ہیں۔ بابک خرمی کے لغوی معنی ہیں' خوش باشوں کا بابا جی۔ ۲۰۱ ہجری میں بابک خرمی نے ایک نئے مذہب کی بنا رکھی۔ یہ زندقہ کی شاخ تھی۔ بعض

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

نادان اور جاہل لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ بابک کا دعویٰ تھا کہ جاویدان ایک لافنا ہستی تھی۔ اس کی روح اب میرے بدن میں مقیم ہے۔ بابک نے اپنے مریدوں کو جنسی آزادی دے دی۔ اس لئے اس کا قبیلہ یعنی خوش باش کہلایا آج کل یورپ کے ہپی یہی معنی رکھتے ہیں۔ بابک کی جماعت بہت بڑھی۔ اس کا مرکز کوہستان میں تھا۔ شاہی فوج اس کی سرکوبی سے عاجز تھی۔ خرمی تقریباً بیس برس بعد معتصم کے عہد میں گرفتار ہوا۔ ا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ بابک خرمی ابومسلم خراسانی کی اولاد سے تھا۔ ۲۔

حضرت علی الرضا کی ولی عہدی : المامون اہل بیت کا بہت معتقد تھا۔ آٹھویں امام حضرت علی الرضا ان دنوں زندہ تھے۔ آپ نہایت پاک باز اور قابل ہستی تھے۔ مامون ان کی خوبیوں کا معترف تھا اور دین و عمل میں ان سے بہتر کسی کو نہ جانتا تھا۔ اس نے امام علی رضا کے حق میں دست بردار ہونے کا ارادہ کیا۔ امام نے نہ مانا تو انہیں اپنے بعد ولی عہد نامزد کر دیا۔ ۲۰۱ ہجری میں ان کے لئے بیعت لے لی اور فرمان جاری کیا کہ حکومت کا شعار اب بجائے سیاہ کے سبز لباس ہو گا۔ ۳۔ اس نے امام علی سے اپنی بیٹی ام حبیب کا نکاح کر دیا اور ان کے بیٹے محمد سے اپنی دوسری بیٹی ام فضل کا۔ ۴۔

ابراہیم بن المہدی کی بغاوت : المامون نے جناب علی الرضا کو ولی عہد مقرر کیا تو عباسیوں نے مقابلہ کی ٹھان لی۔ مہدی کے دو بیٹوں ابراہیم اور منصور نے ان کی قیادت سنبھال لی۔ ۲۰۲ ہجری کے پہلے دن ابراہیم بن مہدی کی المبارک کے لقب سے بغداد میں بیعت ہو گئی۔ ۵۔ عوام کی اکثریت نے دل و جان سے ابراہیم کا ساتھ دیا کیونکہ ان کے خیال میں مامون ایک بے بس حکمران تھا اور اصل حکومت فضل بن سہل کے ہاتھ میں تھی۔ فضل اہل بیت کا ارادت مند اور ہوا خواہ تھا۔ لوگوں نے سوچا کہ اسی نے امام علی کو ولی عہد نامزد کیا ہے۔ ۶۔

ابراہیم نے کوفہ اور اس کے اردگرد کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے پاس خزانہ کی کمی تھی فوج کو تنخواہیں نہ دے سکا۔ اہل فوج نے آس پاس لوٹ مچا دی۔ ادھر بغداد کی آبادی بھی دو گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک گروہ نے مامون کی حمایت کی اور ابراہیم سے برسر جنگ رہا۔ ۷۔

مامون کی بغداد کو روانگی (۲۰۲ ہجری) : المامون کی حکومت کے پرزے ہو رہے تھے۔ بغداد پر ابراہیم' کا قبضہ تھا۔ عراق و عرب کے دیگر علاقوں میں طوائف الملوکی کا سا نقشہ تھا۔ لیکن مامون اپنی آنکھوں پر فضل بن سہل کی پٹی باندھے مرو میں راحت کے مزے لے رہا تھا۔ فضل کا اس قدر دبدبہ تھا کہ کسی امیر کو جرات نہیں ہوتی تھی کہ مامون کو بگڑے ہوئے

ا۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔ ۲۔ عبید اللہ المہدی از حسن ابراہیم صفحہ ۳۳۔ ۳۔ ابن کثیر جلد ا صفحہ ۲۴۷۔ ۲۵۰۔ ۴۔ ابن کثیر سن ۲۰۲ ہجری۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

حالات سے آگاہ کرے۔ آخر حضرت علی الرضا نے مامون کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا اور صاف صاف بتا دیا کہ عراق شورشوں اور فتنوں کی آماج گاہ بن چکا ہے۔ بنو عباس نے مشہور کر رکھا ہے کہ مامون سحر زدہ اور زندان نشین ہے' بنو عباس میری بیعت کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ مامون نے امرا' و اقرباء سے امام رضا کی تصدیق چاہی تو انہوں نے فضل بن سہل کے جوش انتقام سے بچنے کے لئے پہلے اس سے امان حاصل کی اور پھر امام رضا کی تصدیق کی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ہرثمہ اور طاہر تمہارے خیر خواہ تھے۔ تم نے فضل کے بہکاوے میں آکر ہرثمہ کو ہلاک کر دیا اور طاہر بن حسین کو رقہ بھیج دیا جہاں وہ بے کار پڑا ہے اور تمہاری کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ مملکت کا طول و عرض شر و فساد سے معمور ہو چکا ہے۔ مامون نے یہ سن کر بغداد جانے کا فیصلہ کیا۔ ۱۔ فضل بن سہل کو حقیقت حال کا علم ہوا تو جن امراء نے مامون کے سامنے حالات کھولے تھے انہیں مارا پیٹا اور داڑھیاں نچوا دیں۔ ۲۔ حالانکہ انہیں مامون کی طرف سے امان حاصل تھی۔ مامون نے درگزر کیا اور فضل کو ہمراہ لے کر بغداد کی طرف کوچ کیا۔

سرخس کے مقام پر پہنچے تو چار غلاموں نے فضل بن سہل کو حمام میں مار دیا اور فرار ہو گئے۔ ۳۔ مامون نے ان کی گرفتاری پر دس ہزار دینار کا انعام کا اعلان کیا۔ وہ پکڑے گئے۔ مامون کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے پوچھا' تم نے فضل کو کیوں ہلاک کیا تھا؟ وہ بولے' تم نے ہی تو ہمیں اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ مامون نے ان کی گردنیں کٹوا دیں اور سر حسن بن سہل کے پاس بھیجے۔ ۴۔ حسن کو تعزیت کا خط لکھا اور فضل کی جگہ وزیر بنایا۔ حسن کی مزید دلجوئی کے لئے اسی سال اس کی بیٹی بوران سے نکاح کیا۔ ۵۔

مامون کا گزر رستہ میں طوس پر ہوا جہاں اس کا باپ ہارون کا مزار تھا۔ یہاں چند روز قیام کیا۔ ان ایام میں امام رضا نے انگور کھائے اور ان سے بیمار پڑ کر اچانک وفات پائی۔ مامون نے بہت رنج و غم کا اظہار کیا اور اپنے باپ کے پہلو میں دفن کیا۔ حسن بن سہل کو امام رضا سے بہت محبت تھی۔ اسے تعزیت کا خط لکھا ۶۔ کہا جاتا ہے کہ مامون نے امام رضا کو زہر دی تھی لیکن یہ محض افسانہ ہے۔

مامون نے بنو عباس کے عمائد کو خط لکھا کہ جس ہستی کے سبب تم مجھ سے بگڑتے تھے وہ وفات پا گئی۔ اس لئے اب اطاعت کر لو۔ بنو عباس نے سخت جواب دیا۔ حسن بن سہل کو پابہ زنجیر کر کے بند کر دیا گیا۔ مامون کو خبر ملی تو رفتار تیز تر کر دی۔ ۷۔ بغداد کا ایک حصہ مامون کا طرف دار تھا۔ وہ بدستور ابراہیم سے معرکہ آراء رہا۔ شہر کی حالت بدامنی کے سبب نازک تھی۔ مامونیوں کا پلہ بھاری ہونے لگا اور شہر میں مامون کا خطبہ جاری ہو گیا۔ اس کے فرستادہ لشکر نے شہر کو گھیر لیا۔ ابراہیم کی فوج نے روپیہ کے لالچ میں اس کے لشکر سے ساز باز کر لی۔ ابراہیم نے

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

یہ حالات دیکھے تو روپوشی اختیار کی۔ یہ ۲۰۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ ابراہیم تقریباً چھ برس روپوش رہا۔ اس کے بعد مامون نے معاف کر دیا۔

المامون ہر منزل پر ایک دو دن قیام کرتا نہروان پہنچا۔ یہاں اس کے خاندان کے ارکان اور افسران فوج نے اپنے عساکر سمیت استقبال کیا۔ یہیں طاہر بن حسین بھی رقہ سے آکر حاضر ہوا۔ مامون نہروان میں آٹھ روز مقیم رہا اور پھر شان و شوکت سے بغداد میں داخل ہوا۔ ا۔

مامون بغداد میں بدستور سبز لباس پہنتا رہا۔ اہل بغداد نے بھی یہی رنگ اختیار کیا۔ بنو عباس اور قائدین نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ طاہر بن حسین منصور کے پاس حاضر ہو کر اس سے سیاہ پوشاک اختیار کرنے کی درخواست کرے۔ وہ آٹھویں روز طاہر جب مامون کے پاس حاضر ہوا تو مامون نے کہا اپنی حاجتیں طلب کرو۔ طاہر بولا' میری پہلی حاجت یہ ہے کہ آپ سیاہ لباس پہنیں کیونکہ یہ آپ کے آباء کا لباس ہے۔ مامون نے دربار لگایا۔ سیاہ پوشاک زیب تن کی اور امراء کو سیاہ خلعتیں دیں۔ شہر میں بھی سیاہ لباس رائج ہو گیا۔ ۲۔

دوسرا دور

المامون ۲۰۴ ہجری میں بغداد آیا۔ اور زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہاں سے اس کی خلافت کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اب سب امور مامون کی نگاہ میں تھے اور وہ اپنی صواب دید سے ہر معاملہ میں آزادانہ قدم اٹھاتا تھا۔

مامون کے بغداد میں مقیم ہونے کے بعد شورشیں برائے نام رہ گئیں۔ بابک خرمی اور نصر بن شبث بدستور باغی تھے لیکن ان کی جولاں گاہیں سرحدوں پر تھیں اور اندرونی امن و امان میں دخل انداز نہ تھے۔ قم' یمن اور کرمان کے علاقوں میں بغاوت ہوئی لیکن برائے نام تھی۔ البتہ مصر کی شورشیں قابل ذکر ہیں۔ یہاں ۲۱۰ ہجری کے بعد بغاوت کے شعلے وقتاً فوقتاً بھڑکے اور بجھتے رہے تاہم تشویش کی بات نہ تھی۔

اندرونی پریشانیوں سے خلاصی پانے کے بعد مامون اس قابل ہو گیا کہ بیرونی مہمات کی طرف قدم بڑھا سکے۔ اس کے عہد میں کابل کا بادشاہ اسلام لایا۔ ماوراء النہر کا بھی ایک بادشاہ حلقہ اسلام میں داخل ہوا۔ سقلیہ پر کامیاب حملے ہوئے اور کریٹ فتح ہوا۔

روم کا شہنشاہ اسلامی سلطنت سے طاقت آزمانے کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتا تھا۔ ہارون نے رومیوں کی خوب گوشمالی کی تھی لیکن پھر بھی وہ نچلے نہ بیٹھ سکے۔ مامون نے اپنے اولوالعزم باپ کی طرح اس جہاد میں حصہ لیا۔ ۲۱۵ ہجری میں رومی علاقوں میں بڑھا۔ ایشیائے کوچک کے کچھ رقبے تسخیر کر کے واپس آیا۔ ۲۱۶ ہجری میں رومی شہنشاہ نے طرطوس میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد قتل کر ڈالی اور مامون کو ایک سخت خط لکھا۔ مامون نے یہ خط پڑھا تو اسی وقت اٹھا اور اس

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔

Marfat.com

کے خبر لینے چل دیا۔ اس نے کئی شہر زیر نگیں کیے۔ قیصر کو سامنے آنے کی جرات نہ ہوئی اور مامون لوٹ آیا۔ اگلے برس پھر گیا قیصر فرار ہو گیا اور امان کا طالب ہوا۔ مامون نے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔ ۲۱۸ ہجری میں مامون نے اپنے بیٹے عباس کو رومی سرحد پر بھیجا اور حکم دیا کہ طوانہ کا شہر آباد کرو۔ مامون نے جا بجا سے مزدور اور کاریگر روانہ کیے اور یہ دفاعی شہر ایک مضبوط فصیل کے ساتھ تیار ہوا۔ ا۔

بوران کی عروسی : المامون نے ۲۰۲ ہجری میں حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے نکاح کیا تھا۔ ۲۱۰ ہجری میں عروسی کی رسم ادا ہوئی۔ مامون اپنے امرا اور خدم و حشم کے ساتھ حسن کا مہمان ہوا اور سترہ دن مقیم رہا۔ حسن بن سہل نے ضیافت پر پانچ کروڑ درہم خرچ کیے۔ عروسی کی شب مامون کو زر تار قالین پر بٹھایا گیا۔ بوران کی دادی ام فضل نے ایک ہزار نفیس ترین موتی نچھاور کیے۔ حسن نے کاغذ کے پرزوں پر جاگیروں کے نام لکھ کر امراء پر بکھیرے۔ جس کے پاس کاغذ کا پرزہ آیا اس پر لکھی ہوئی جاگیر اس کے نام کر دی اس رات چالیس من عنبر جلایا گیا۔ ۲۔ اس وقت کے عطاروں کا من تقریباً اڑھائی چھٹانک کا ہوتا تھا۔ یعنی پچیس سیر عنبر ہوا۔

فتنہ خلق قرآن : مامون کو عقائد میں بہت جستجو تھی۔ حقیقت تک پہنچنے کے لئے علماء میں مناظرے کراتا رہتا تھا۔ شروع میں اہل السنت و الجماعت سے وابستہ تھا۔ پھر شیعیت کی طرف راغب ہوا۔ ۲۱۱ ہجری میں اس نے اعلان کر دیا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت کا قائل نہیں ہو گا میں اس کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیتا۔ ۳۔ کچھ عرصہ بعد وہ معتزلہ کے دام آ گیا۔ یہ گروہ اموی دور میں پیدا ہوا لیکن عوام اور حکومت کی مخالفت کی وجہ سے محدود رہا۔ ہارون کے عہد تک ان پر کڑی پابندی تھی۔ معتزلہ نے منجملہ دیگر انوکھے عقائد کے ایک عقیدہ یہ ایجاد کیا کہ قرآن مخلوق ہے اور جو آدمی اس کا اقرار نہیں کرتا وہ واجب القتل ہے۔

معتزلہ کا سارا سرمایہ عقل پرستی اور علم الکلام ہی تھا' اس لئے وہ بحث آرائی اور دلیل بازی میں بہت مشاق تھے۔ مامون کو علم الکلام اور مناظرات کی بہت لگن تھی اس لیے معتزلہ کے زیر اثر آ گیا اور ان کے عقائد قبول کر لیے۔ وہ فقط اپنے عقائد تک محدود رہتا تو کوئی حرج نہ ہوتا لیکن بدقسمتی سے اس نے تمام امت سے خلق قران کا عقیدہ جبراً منوانے کا تہیہ کر لیا۔

اہل السنت و الجماعت کے علما بات بات پر عقل محض کی کاروائی کے قائل نہیں۔ وہ اکثر مسائل میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں بھی انہوں نے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق مامون کو یہ گوارہ نہ تھا۔ اس نے ۲۱۸ ہجری میں اپنے عقیدہ کی شدومد اور جوروجفا سے اشاعت

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر' ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر' دول الاسلام۔

Marfat.com

شروع کی۔ جن علماء نے ہم نوائی نہ کی انہیں پابند سلاسل کیا' اور بعض کے گلے کٹوا دیے۔

المامون نے بغداد کے قاضیوں اور محدثین کی طرف خصوصی دھیان دیا۔ ان دنوں وہ طرسوس میں تھا۔ اس نے بغداد کے حاکم اسحاق بن ابراہیم کو لکھا کہ شہر کے قاضیوں اور علماء کو بلا کر ان سے خلق قرآن کا اقرار لو۔ جو تسلیم نہ کرے اسے میرے پاس بھیج دو۔ شہر کے متعدد محدثین اپنے عقیدہ پر قائم رہے۔ اسحاق نے انہیں زنجیروں میں جکڑ کر طرسوس روانہ کیا۔ انہیں میں امام احمد بن حنبل بھی تھے۔ ان حق کوشوں کا قافلہ ابھی راہ میں تھا کہ مامون کی موت کی خبر آئی۔ ا۔

مامون کو جس شخص نے ان مظالم پر اکسایا وہ اس کا منظور نظر عالم احمد بن ابی دواد تھا۔ مامون نے مرنے سے پہلے اپنے جانشین معتصم کو وصیت کی کہ احمد کا خیال رکھنا۔

مامون کی وفات : مامون نے ۲۱۸ ہجری میں ۴۸ برس کی عمر میں طرسوس کے مقام پر وفات پائی۔ مدت خلافت بیس برس ہے۔ ۲۔ وفات سے قبل اپنے بھائی معتصم کو جانشین کر گیا۔

اوصاف و اخلاق : مامون عالم تھا اور علماء کا قدردان۔ سخاوت کی صفت سے بھی آراستہ تھا۔ آئے دن لوگوں کو گراں بہا عطیات سے نوازتا تھا۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں اس نے نہایت سنگدلی کا مظاہرہ کیا لیکن ویسے وہ بہت فراخ دل تھا۔ بڑے سے بڑے دشمنوں کو معاف کر دیتا تھا۔ فضل بن ربیع ایسا دشمن جب جان بخشوانے آیا تو معافی دے دی۔

مامونی عہد پر تبصرہ

المامون کے عہد حکومت کے بارے میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ یہ دو حصوں میں تقسیم تھا۔ پہلا دور وہ ہے جب وہ کار خلافت سے بے خبر خراسان میں بیٹھا علمی بحثیں سن رہا تھا اور نظام کار روز بروز مختل ہوا جاتا تھا۔ ان دنوں مامون کو مسند شہی سے کوئی خاص شوق نہ تھا۔ پہلے اس نے خلافت امام رضا کو سونپنا چاہی اور پھر انہیں اپنا جانشین نامزد کرنے پر اکتفا کیا۔ دوسرا دور وہ ہے جب وہ بغداد میں منتقل ہوا اور سیاہ و سفید اپنے ہاتھ میں لیا۔

مامون اپنے پیشرو عباسی خلفاء کی طرح جہاں داری کے جوہروں سے مالا مال تھا۔ اب اس نے ہر کام کو خود زیر نگاہ رکھا۔ وزراء و عمال سب کی نگرانی کرتا تھا۔ اس نے پوری قلمرو کا دورہ کیا۔ وہ پہلا عباسی خلیفہ ہے جس نے مصر کا سفر کیا اور دیہات میں پھر کر حالات کا جائزہ لیا۔

عباسی عہد میں وزیر کا عہدہ کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ مامون کی رائے وزیر کے بارے میں یہ تھی کہ صاحب عفت اور شستہ آداب ہو' پختہ رائے رکھتا ہو' راز کی حفاظت کر سکے۔ علم اور علم سے بہرہ ور ہو' امیرانہ دبدبہ رکھتا ہو' علماء کی طرح بے غرور اور فقہا کی طرح خرد مند ہو۔

ا۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

مامون نے یہ اوصاف وزیر کے لئے لازم قرار دیے تھے لیکن اس کی سیرت و کردار کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان میں سے کوئی وصف نہ تھا جو خود مامون میں بھی بمرتبہ کمال موجود نہ ہو۔ مامون کی ہمہ گیر اور بوقلموں شخصیت امراء و رعیت سب پر حاوی ہو گئی۔ وہ اپنے باپ ہارون الرشید کی طرح خوش ذوق، باشعور اور حامی علم و دین تھا۔ اس لیے ہارون کے عہد نے جو زرین رنگ اختیار کیا تھا اس کی تابانی میں فرق نہ آنے دیا۔

نظم و ضبط: مامون کے نظم و انضباط میں مندرجہ ذیل عناصر نظر آتے ہیں:

۱۔ نرمی و سخت گیری کا خوش گوار امتزاج: مامون حکومت کے معاملہ میں سخت گیر اور بے لاگ تھا۔ لیکن ذاتی معاملات میں انتہا کا متحمل اور نرم مزاج تھا۔ کہا کرتا تھا کہ اگر لوگوں کو میرے حلم و عفو کا علم ہو تو میرا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہے ملازم بعض دفعہ اکڑ جاتے اور وہ نظر انداز کر دیتا۔ ایک دن کشتی میں سوار تھا۔ ایک ملاح کو دوسرے شخص سے کہتے سنا کہ مامون اپنے بھائی کو قتل کرنے کے بعد مجھے کیوں کر اچھا لگ سکتا ہے۔ مامون اپنے حاشیہ نشینوں سے فقط اتنا کہہ کر چپ رہ گیا کہ کیا کوئی مجھے بتا سکتا ہے کہ میں اس جلیل القدر ہستی کی نگاہ میں کیسے عزت پاؤں۔ ۱۔

۲۔ خبر گیری: مامون رعایا کے احوال سے باخبر رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ ہارون بھیس بدل کر خود گلیوں میں پھرتا تھا لیکن مامون نے جاسوسی نظام پر زور دیا۔ صرف بغداد کے شہر میں سترہ سو بڑھی عورتیں جاسوسی پر مامور تھیں۔ مرد جاسوسوں کا قیاس کر لو۔ نتیجہ یہ کہ مامون لاتعداد افراد سے ذاتی طور پر مکمل آگاہی رکھتا تھا۔ ۲۔

۳۔ احتساب: احتساب کا شعبہ حضرت عمرؓ کے وقت سے قائم تھا۔ مامون کے عہد میں محتسب پیادوں کو لے کر گلی کوچوں میں پھرتا تھا۔ "اس کو ان باتوں کی خبر گیری کرنی ہوتی تھی کہ بازاروں یا عام مجمعوں میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر ان کی طاقت سے زائد بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیاد آدمی سوار نہ ہونے پائیں۔ رستہ پر یا سڑک پر جو مکانات گرنے کے قریب ہوں ان کو مالکوں سے کہہ کر گروا دے۔ جو معلمین لڑکوں پر زیادہ سخت کرتے ہوں ان کو سزا دے۔ کوئی شخص ترازو یا پیمانہ وزن سے کم رکھنے نہ پائے۔" (المامون شبلی) مامون نے پیمانوں میں یکسانی پیدا کی۔ ۳۔ تاکہ کمی بیشی نہ ہو سکے۔

۴۔ دیوان المظالم: جن قضیوں میں فقہی باریکیوں کا سوال نہیں اٹھتا تھا اور ظلم کی فوری تلافی ضرورت ہوتی تھی وہ والی المظالم کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ وہ فوراً ان کا تصفیہ کرتا تھا۔

مامون کی فریاد رس طبیعت فقط والی المظالم کی کارگزاری پر کیسے مطمئن ہو سکتی تھی۔ پیر کے روز وہ خود مظالم کے دفعیہ کے لئے اجلاس کرتا تھا۔ ۴۔

۱۔ ابن کثیر صفحہ ۲۷۸۔ ۲۔ مستطرف جلد ۱ باب ۱۳ عصر المامون۔ ڈاکٹر رفاعی، المامون شبلی۔ ۳۔ یعقوبی صفحہ ۲۲۔ ۴۔ سیوطی، احکام السلطانیہ ماوردی۔

Marfat.com

۵ ۔ متولی اللیل : شہر کے شبانہ نظم و ضبط کے لئے متولی اللیل کا عہدہ تھا۔ وہ غنڈوں اور معاشرہ دشمن افراد کی خبر لیتا تھا۔

عدلیہ : عدالتی انصاف مامونی عہد میں اسلامی روایات کے موافق بلند معیار پر قائم رہا۔ قابل اور صاحب کردار قاضی مامور تھے۔ ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر تھیں تاکہ رشوت کی طرف رخ نہ کریں۔ اگر ہارون کو قاضی ابویوسف ایسی زندہ جاوید ہستی میسر آئی تو مامون کو یحیٰی بن اکثم ایسے لازوال شہرت کے فقیہہ کی خدمات سے فائدہ پہنچا۔ یحیٰی نہایت قابل اور بے خوف قاضی تھے۔ مامون کو غلط اقدامات پر رو در رو ٹوکنا انہی کا کام تھا۔

قاضی یحیٰی کی بے خوفی اور مامون کی انصاف دوستی کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نے مامون پر تیس ہزار کا دعوی کیا۔ دونوں قاضی یحیٰی کے سامنے پیش ہوئے مدعی نے مامون کے بیٹھنے کے لئے چٹائی بچھائی۔ قاضی نے مدعی سے کا کہ اپنے حریف کو عدالت میں شرف مجلس نہ دو۔ مدعی کے پاس چونکہ ثبوت نہ تھا اس لیے قاضی نے مامون کو قسم دلانا چاہی۔ مامون نے مدعی کو مطلوبہ رقم دے دی اور کہا یہ رقم اس لیے دیتا ہوں کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے زبردستی تمہارا مال مار لیا۔ ۱۔

فیصلوں کا ریکارڈ رکھنے کا اہتمام حضرت معاویہؓ کے عہد سے تھا۔ بعد میں وقتا فوقتا اس ضمن میں مزید اہتمامات ہوتے رہے۔ مامون کے عہد تک عدالتی ریکارڈ بہت مضبوط صورت اختیار کر گیا۔

مالیات : مامون کے عہد تک محاصل میں اس قدر اضافہ ہو چکا تھا کہ اس نے مالیہ کی شرح گھٹا دی۔

فوج : مامون کے ایام میں جس قدر مستقل فوج تھی اس سے قبل کسی خلیفہ کے عہد میں نہ تھی۔ ۲۔ اس کی تعداد تقریبا ۳۔ دو لاکھ تھی۔ سواری اور ہتھیار سرکار کی طرف سے ملتے تھے۔

بحریہ : اموی عہد میں تیونس میں جہاز سازی کا جو کارخانہ قائم ہوا تھا مامون نے اسے اور پھیلایا۔ بحری بیڑا بہت وسیع ہوا۔ آتش باز جہاز بھی بنائے گئے۔ جنہیں حراقہ کہتے تھے۔ ۴۔

علم و حکمت : علم و حکمت کی تحریک جسے منصور نے اٹھایا اور ہارون نے آگے بڑھایا مامون کے عہد میں انتہائی منزلوں تک پہنچ گئی۔ مامون حافظ قرآن تھا۔ فقہ و حدیث اور ادب و شعر میں بہت دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے منقولات سے بھی زیادہ دلچسپی معقولات میں لی اور آخر اس نتیجہ تک پہنچا کہ اشاعت دین کا صرف یہی ذریعہ ہو سکتا ہے کہ اسے عقل کی بارگاہ میں صحیح اور درست ثابت کیا جائے۔ اس نے ایک مجلس مذاکرہ قائم کی جس میں سب ادیان پر تقاریر اور

۱۔ مستطرف باب اول صفحہ ۱۳۸۔ ۲۔ لیفنور ۶ ۔ ۲۲۔ ۳۔ المامون شبلی۔ ۴۔ المامون شبلی۔

Marfat.com

مباحثے ہوتے تھے۔ مامون کی یہ دھن بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھی کہ وہ مسلمان کے عقلیت پرست گروہ معتزلہ کا شکار ہو گیا اور ان کے کہے میں آکر خلق قرآن کا فتنہ اٹھایا اور علمائے حق کو دکھ دیے۔ تاہم عقلی علوم منافع سے خالی نہ تھے۔ ان سے ملک کی معیشت و معاشرت کو بہت فائدے پہنچے۔

مامون نے ارباب علم و فن کو اپنے گرد اکٹھا کیا اور ان سے متفرق علوم میں کتابیں تصنیف کرائیں۔ اس نے خود بھی تین کتابیں لکھیں۔ ایک تو تبلیغی خط تھا جو برغز یعنی بلغاریہ کے شاہ کو تحریر کیا تھا۔ ایک کتاب علامات نبوت میں تھی اور ایک خلفائے راشدین کے مناقب میں۔ فراء نحوی اس سے وابستہ تھا اور اس کے بیٹوں کا اتالیق تھا۔ اس سے نحو اور معانی میں ایک کتاب لکھوائی جس کی املاء کثیر التعداد لوگوں نے کی جن میں اسی قاضی تھے۔ [۱] الجبرا کی بنیاد بھی مامون کے حکم سے رکھی گئی۔

بیت الحکمت : المامون کے عہد میں دارالحکمت کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں یوحنا بن اسویہ (ماس ویہ) اب بھی اس کا افسر اعلیٰ تھا۔ بڑے بڑے ماہرین فن اس کے معاون تھے۔ مامون نے کتب خانہ میں قدیم کتابیں' دستاویزیں اور دیگر علمی یادگاریں ڈھونڈ ڈھونڈ کر مہیا کیں۔

یونانی کتب کا ایک ذخیرہ ہارون الرشید ایشیائے کوچک سے لایا تھا۔ مامون نے ان پر اضافہ کیا کہ شاہ روم کے پاس حکماء کا ایک وفد بھیجا۔ اس نے اپنے ہاں کا ایک قدیم اور سربستہ کتب خانہ ان کے آگے کھول دیا۔ یہ حکماء کام کا سرمایہ چھانٹ کر ساتھ لائے اور دارالحکمت میں ان کے ترجمہ کا آغاز ہوا۔ [۲] ان میں اکثر فلسفہ کی کتابیں تھیں۔ ان کے ترجموں کی عام اشاعت ہوئی۔

بیت الحکمت کی ممتاز ترین ہستیوں میں حنین بن اسحاق' محمد بن موسیٰ خوارزمی اور یعقوب کندی تھے۔ حنین بن اسحاق فلسفہ کا ماہر تھا۔ اس نے کتابوں کی تلاش میں جگہ جگہ کی خاک چھانی۔ اور پھر انہیں عربی کے خوب صورت قالب میں ڈھالا۔ اس نے ایک سو سے زائد کتابوں کو ترجمہ کا لباس پہنایا۔ خوارزمی وہ ہستی ہے جس نے جبرو مقابلہ (الجبرا) پر دنیا کی پہلی کتاب لکھی۔ یہ مامون کی فرمائش کا نتیجہ تھی۔ یعقوب کندی فلاسفہ عالم میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔

علم نجوم و ہیت : علم نجوم کے سلسلہ میں کئی تحقیقات ہوئیں اور ایک نئی زیج وجود میں آئی جس کو زیج المامونی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا بھر کی زیجوں سے بازی لے گئی۔ اجرام فلکی کے مطالعہ کے لئے ایک عظیم الشان رصد گاہ قائم ہوئی جس میں مایہ ناز علماء کام کرتے تھے۔

ہیت کے ماہرین میں خوارزمی کا نام سرفہرست تھا۔ مامون کے حکم سے زمین کی گولائی کا اندازہ کیا گیا جو ۲۴ ہزار میل نکلا۔

۱۔ شذرات الذھب۔ ۲۔ الفہرست۔

Marfat.com

تابناک دور : مامون کا عہد ہر لحاظ سے بنو عباس کا تابناک ترین عہد تھا۔ منصور' مہدی اور ہارون کی ان تھک مساعی کا مشترکہ ورثہ مامون کے حصہ میں آیا۔ اس نے خداداد قابلیت اور شبانہ روز محنت سے اسے چار چاند لگائے۔ انصرام اور نظم و ضبط کا یہ عالم کہ کوئی جرم پوشیدہ نہ رہ سکتا اور نہ مجرم سزا سے بچ سکتا تھا۔ امن شکنی کا حوصلہ کرنا آسان نہ تھا۔ شہر آباد اور رستے پر امن تھے۔ ملک میں غلہ کی بہتات تھی اور آمدن کثیر تھی۔ احتیاج کے پھندے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ "مامون نے ملک کے ہر حصے میں معذور' اپاہج' بیوہ' یتیم سب کے روزینے جاری کر دیے۔ جو آدمی کام سے نہیں لگا ہوتا تھا اس کے لیے کام مہیا کیا جاتا تھا یا اسے وظیفہ ملتا تھا۔" ۱۔ مامون نے وزیر زادی بوران سے شادی کی تو انیس دن تک جب کہ برات وزیر کے ہاں مہمان تھی چکا چوند کا عالم تھا۔ تقریباً پانچ کروڑ درہم خرچ ہوئے۔ جن سے بغداد کے امراء و غربا سب نے برابر کا حظ اٹھایا۔

حکومت کے میلان سے رعیت بھی متاثر ہوتی ہے۔ مامون اور امراء و حکما کی مساعی سے بغداد کی سرزمین سے علم و حکمت کے وہ بھرپور سوتے جوش زن ہو کر رواں ہوئے جنہوں نے صدیوں نہ صرف عالم اسلام بلکہ یورپ کے ذوق علم کو بھی سیراب رکھا۔ صنعت و حرفت نے آسائشیں اور آرائشیں بہم پہنچائیں۔ زندگی فرحت و مسرت کی گود میں کھیلنے لگی۔

عہد مامونی کی نعمتیں صرف اہل اسلام کے لئے نہ تھیں بلکہ اہل ذمہ کے لیے بھی وقف تھیں۔ بغداد میں عیسائیوں کی کثیر تعداد آباد تھی۔ یہ لوگ چین سے اپنے نو تعمیر گرجوں میں عبادت کرتے تھے۔ طب اور فلسفہ کی اقلیم پر بالعموم عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ ان کے علماء قابل رشک مشاہرے اور صلے وصول کرتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ رکھتے تھے۔

المامون کا بیرونی دنیا پر بھی رعب و داب تھا۔ اس کی بری اور بحری فوج نے بڑے بڑے ملکوں کو ہلا دیا تھا۔ اس کو اسلامی عظمت کا بہت خیال رہتا تھا۔ ایک دفعہ شاہ روم نے اسے قیمتی تحفے بھیجے۔ مامون نے کہا کہ اس کے عوض دوگنا تحائف بھیجو تاکہ اسے اسلامی غلبہ کا احساس ہو۔ ۲۔

مامونی جلال ہمیں ولیدی عظمت کی یاد دلاتا ہے۔ ان دونوں فرمانرواؤں میں بہت حد تک مماثلت نظر آتی ہے۔ ولید اول کی سطوت بھی نہ صرف مملکت کے اندر بلکہ باہر بھی مسلم تھی۔ اس کا عہد بھی فراغت اور راحت کا عہد تھا۔ محتاجوں اور ضرورت مندوں کے روزینے جاری تھے۔ علم کی گرم بازاری تھی۔

۱۔ المامون شبلی۔ ۲۔ فوات الوفیات۔

Marfat.com

معتصم باللہ

۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ ۸۳۳ء تا ۸۴۱ء

تعارف : معتصم مامون کا بھائی تھا اور اسی کی طرح کنیز زادہ۔ اس کی ماں کا نام ماردہ تھا۔ ۱۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اگرچہ علمی لیاقت نہ رکھتا تھا تاہم مامون نے اسے اپنی اولاد پر ترجیح دی اور جانشین نامزد کیا۔

بابک خرمی : بابک نے مامون کے عہد میں ظہور کیا تھا۔ وہ اسے زیر کرنے میں ناکام رہا۔ اس کا مذہب تیزی سے پھیلنے لگا۔ خلق کثیر اس کی پیرو ہو گئی۔ معتصم نے اس کے خلاف بڑے بڑے لشکر بھیجے۔ خرمیہ ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے تاہم ان کا زور شور بڑھتا گیا۔ ۲۲۰ھ میں معتصم نے حیدر بن کیکاؤس کو جو افشین کہلاتا تھا بابک پر فوج کشی کے لیے بھیجا۔ بابک پر پیچ اور دشوار گزار پہاڑیوں میں رہتا تھا۔ افشین نے نہایت ہوشیاری سے جنگ کا نقشہ بنایا اور قلعوں اور کمین گاہوں سے خوب کام لیا۔ بابک اور افشین کے درمیان ایک خوفناک جنگ ہوئی۔ بابک کے ایک لاکھ سے زیادہ مرید ڈھیر ہوئے اور وہ برے حالوں اپنے شہر البد میں جا کر قلعہ گیر ہو گیا۔ افشین کو اس مہم پر دو برس گزر گئے۔ معتصم نے ۲۲۲ ہجری میں اس کی مدد پر ایک لاؤ لشکر بھیجا۔ افشین نے البذ فتح کر کے خوب تاراج کیا۔ بابک اپنے اہل و عیال کے ساتھ رومی سلطنت میں پناہ لینے کی نیت سے بھاگا۔ رستہ میں معتصم کا ایک حاکم خیر خواہی کا اظہار کر کے اسے اپنے قلعہ میں لے آیا اور افشین کو اطلاع کر دی۔ اس کے امیروں نے آکر گرفتار کیا اور افشین کے پاس لائے۔ افشین اسے لے کر خلیفہ کی طرف روانہ ہوا۔ معتصم کو یہ خبر سن کر اس قدر خوشی ہوئی کہ افشین کے استقبال کے لیے اپنے بیٹے واثق کو بھیجا۔ خود پوشیدہ طور سے گیا اور ایک دو دن پہلے بابک کو راستے میں پہلے دیکھ آیا۔ معتصم نے بابک کو ہاتھی پر بٹھا کر شہر میں پھرایا۔ پھر اس کے ہاتھ پاؤں کٹوائے۔ سر قلم کروایا اور بطن چاک کرنے کا حکم دیا۔ اس کا سر خراسان میں بھجوایا اور جثہ اپنے پایہ تخت سامرا میں آویزاں کر دیا۔ بابک نے بیس برس کی مدت میں تقریباً ڈھائی لاکھ مسلمانوں کا خون بہایا تھا اور بے شمار لوگوں کو قید و بند میں ڈالا تھا۔ تقریباً آٹھ ہزار آدمی افشین نے اس کی غلامی سے نکالے۔ معتصم نے افشین کے سر پر تاج رکھا اور جواہر کی مالا پہنائی۔ اسے سندھ کی ولایت عطا کی اور شاعروں کو حکم دیا کہ اس کی مدح کریں۔ [1]

بابک کا فرقہ اس کے مرنے کے بعد بھی ایک طویل مدت تک قائم رہا۔ [2]

محمد بن قاسم علوی : ۲۱۹ھ میں محمد بن قاسم علوی نے خراسان میں عباسی حکومت کے خلاف تحریک اٹھائی اور ایک بڑی جماعت پیدا کر لی۔ حکومت نے متعدد معرکوں کے بعد آپ کو گرفتار کر

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ مسعودی ۳ : ۳۰۵۔

Marfat.com

کے قید میں ڈال دیا۔ آپ کسی طرح فرار ہو گئے۔ بعد میں آپ پر کیا گزری آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ ا۔

مازیار بن قارن کی بغاوت ۲۲۴ھ: طبرستان میں ایک شخص مازیار نام نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ اس کی بابک سے بھی ساز باز تھی۔ طبرستان عبداللہ بن طاہر کا علاقہ تھا۔ افشین عبداللہ کا زور توڑنے اور اس کی ولایت حاصل کرنے کے لیے مازیار کا دل بڑھاتا تھا۔ عبداللہ نے مازیار کے خلاف ایک لشکر بھیجا۔ طویل جھڑپوں کے بعد مازیار گرفتار ہوا۔ اس نے اعتراف کیا کہ افشین کی میرے ساتھ خط و کتابت ہے۔ عبداللہ نے اسے معتصم کے پاس بھیجا۔ اس نے مروا کر اس کی لاش کو بابک کے برابر لٹکوا دیا۔ ۲۔

افشین کا قتل ۲۲۵ھ: معتصم کے دل میں قوی شبہ تھا کہ افشین کی مازیار سے گٹھ جوڑ تھی۔ اس کے بعد خبر رسانوں نے اطلاع دی کہ افشین بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے۔ معتصم نے اسے فوراً گرفتار کر کے ایک نہایت تنگ کمرہ میں بند کروا دیا۔ معتصم نے اکابر سلطنت کی ایک مجلس منعقد کی اور افشین کو سامنے لا کر الزام لگایا کہ تم دکھاوے کے مسلمان ہو۔ باطنا ابھی تک بت پرست ہو۔ تم نے ایک امام اور ایک موذن کو محض اس لیے ہزار ہزار کوڑوں کی سزا دی ہے کہ انہوں نے بت کدے میں مسجد بنا لی تھی۔ تمہارے پاس کلیلہ و دمنہ کی سونے اور جواہر سے آراستہ مصور کتاب ہے۔ عجم کے لوگ تمہیں خط لکھتے ہیں تو بندہ معبود سے خطاب کرتے ہیں۔ تم جھٹکے کو ذبیحہ پر ترجیح دیتے ہو۔ افشین ان اعتراضات کا خاطر خواہ جواب نہ دے سکا۔ معتصم نے اسے قید میں لوٹا دیا۔ افشین نے ۲۲۶ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ نے اس کا جثہ جلوایا اور خاکستر دجلہ میں بہا دی۔ افشین کے بعد اس کے گھر سے سونے اور جواہر سے لدے ہوئے بت اور مجوسیت کے حق میں کتابیں نکلیں۔ ۳۔

مبرقع: ۲۲۷ ہجری میں ابو حرب نامی ایک شخص نے شام میں بغاوت کر دی۔ یہ البرقع الیمانی یعنی یمنی نقاب پوش کے نام سے مشہور ہوا۔

بغاوت کی وجہ یہ تھی کہ ابوحرب کی غیر حاضری میں ایک لشکری نے اس کے گھر میں قیام کرنا چاہا۔ اس کی بیوی نے روکا تو لشکری نے اسے پیٹا جس کا نشان اس کی کلائی پر پڑ گیا۔ ابو حرب گھر آیا۔ اسے واقعہ معلوم ہوا تو لشکری کو قتل کر دیا۔ اور پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ حکومت کی نگاہوں سے بچنے کی خاطر نقاب اوڑھے رکھتا تھا' اس لیے اسے البرقع کہتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دیتا تھا اور خلیفہ کی مذمت کرتا تھا۔ دیہات والوں کو اس سے بڑی عقیدت ہوئی۔ کہنے لگے یہ وہی سفیانی ہے جس کے بارے میں سنتے ہی نہ شام پر حکومت کرے گا۔ معتصم نے رجاء بن ایوب کو مبرقع کے خلاف روانہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ مبرقع کے پاس

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

لاتعداد مخلوق جمع ہے۔ اس نے خیال کیا کہ یہ کاشتکار لوگ ہیں۔ جب کھیتی کے دن آئیں گے تو سب چل دیں گے۔ اس لیے مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ رجاء کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ مبرقع کے پاس ایک قلیل تعداد رہ گئی تو وہ اسے گرفتار کر کے معتصم کے پاس لے گیا۔ ا۔

زط کی بغاوت : زط یعنی جاٹوں نے بصرہ کے نواح میں مامون کے عہد سے فتنہ فساد برپا کر رکھا تھا۔ معتصم کے عہد میں بال بچوں سمیت ان کے ستائیس ہزار آدمی قید ہوئے۔ اس نے انہیں شامی سرحد پر بھیج دیا۔ رومیوں نے ان پر حملہ کیا اور ایک ایک کر ختم کر دیا۔ ۲۔

عباس بن مامون : معتصم رومی محاذ سے واپس آ رہا تھا کہ شام کے علاقہ سے گزرا تو المامون کے بیٹے عباس نے بعض فوجی افسروں کی ترغیب سے اس کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ راز فاش ہوگیا۔ خلیفہ نے عباس کو قید کر دیا۔ کئی روز اسے بھوکا رکھا پھر بہت سا کھانا اس کے آگے رکھوا دیا۔ اس نے پیٹ بھر کر کھایا اور پانی مانگا۔ کسی نے ایک قطرہ تک نہ دیا۔ عباس پیاسا تڑپ کر مر گیا۔ معتصم نے مامون کی اولاد سے اور بھی کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ۳۔

رومی محاذ : بابک جب اپنے شہر میں محصور ہوا تو شاہ روم کو لکھا کہ اسلامی افواج میرے ساتھ الجھی ہوئی ہیں۔ اطراف ملک غیر محفوظ ہیں۔ تمہارے لیے موقع ہے ملحقہ اسلامی علاقوں پر دھاوا کر دو۔ ۲۲۳ ھ میں رومی شہنشاہ توفیل بن میخائل ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ نکلا۔ یہاں کے زندیقوں نے بھی اس کا ساتھ۔ ملطیہ اور اس کے مضافات کے مسلمانوں پر غارت کی۔ لاتعداد مسلمانوں کو قتل و قید کیا۔ ایک ہزار عورتیں اسیر ہوئیں۔ جو مسلمان ہاتھ آئے ان کے ناک اور کان کاٹ ڈالے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں۔ ۴۔

معتصم کو ان حالات کی خبر ہوئی۔ جب ایک ہاشمی عورت کو رومیوں نے گرفتار کیا تو اس نے چلا کر کہا' اے معتصم تیری دہائی ہے۔ معتصم نے یہ الفاظ سنے تو اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہی جواب دیا' لبیک لبیک (میں حاضر ہوا' میں حاضر ہوا) فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور تیاری کا حکم دیا۔ ۵۔ قاضی اور گواہوں کو بلا کر وصیت کی کہ میری جاگیر کا ایک تہائی حصہ صدقہ ہے۔ ایک تہائی اولاد کے لیے اور ایک تہائی آزاد کردہ غلاموں کے لیے ہے۔ ۶۔

معتصم نے چند سرداروں کو ہراول کے طور سے نہایت تیز رفتار سے بڑھنے کا حکم دیا۔ شاہ روم کو دور ہی سے خبر ملی تو اپنے علاقہ میں گھس گیا۔ ان سرداروں نے واپس آ کر خلیفہ کو اطلاع کر دی۔ بابک سے فارغ ہونے کے بعد معتصم خود قیصر کی گوشمالی کو روانہ ہوا۔ معتصم کی فوج گراں' ساز و سامان اور آلات حرب سے لدے ہوئے جانوروں نے حرکت کی تو یوں معلوم ہوا کہ پہاڑ جنبش میں آ گئے ہیں۔ اس سے قبل کسی خلیفہ نے اتنے بھاری لشکر کے ساتھ کوچ نہیں

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ ابن اثیر' ابن کثیر۔

Marfat.com

گیا تھا۔ شاہ روم خود سامنا کرنے آیا۔ طرسوس کے قریب فریقین چار فرسخ کے فاصلہ سے خیمہ زن ہوئے۔ افشین جو دوسری طرف سے آیا تھا۔ رومی فوج کے عقب پر جا نکلا۔ شاہ روم نے لشکر کا ایک حصہ معتصم کے مقابلہ پر چھوڑا اور افشین سے لڑنے لگا۔ وہاں سے منہ کی کھا کر نکلا تو دیکھا کہ باقی لشکر پہلے ہی منتشر ہو چکا ہے۔ اسے بھی عافیت کی راہ تلاش کرنی پڑی۔ اسلامی عساکر یہاں سے چلے اور انقرہ کے مقام پر اکٹھے ہوئے۔ معتصم نے کل فوج کو تین حصوں میں بانٹا۔ قلب میں خود رہا اور دائیں بائیں دو دو فرسخ کے مقابلہ سے افشین اور اشناس کو کمان سونپ کر عدو کی سرزمین کو پامال کرتا اور ظالموں کو ان کے ظلم کا بدلہ دیتا بے روک بڑھتا گیا۔ انقرہ سے سات منزل کا سفر کر کے عموریہ پہنچا۔ ا۔

عموریہ کا شہر رومی حکومت کا دل تھا۔ قسطنطنیہ سے بھی بڑھ کر اہمیت رکھتا تھا۔ آج تک مسلمان فاتحین کے قدم یہاں تک نہیں آئے تھے۔

اسلامی عساکر نے عموریہ کو گھیر لیا۔ شہر کی فصیل نہایت سنگین تھی۔ اس پر بلند اور عظیم برج تھے۔ معتصم نے ایک ایک برج کے سامنے ایک ایک امیر مقرر کیا۔ ۲۔ شہر والے فصیل کی طرف سے مطمئن تھے۔ شہنشاہ کی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ اس نے ان کے لیے تقدیر کی مدد کافی سمجھی۔

پچیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ فصیل پر سنگ باری ہوتی رہی لیکن ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ عموریہ میں ایک مسلمان عیسائیت لا کر اور وہیں شادی کر کے مقیم تھا۔ اسلامی فوج آئی تو وہ اسلام لے آیا اور ایک قابل شکست جگہ کا سراغ دیا۔ مجاہدین نے اس جگہ شگاف ڈال دیا۔ لیکن محصورین نے بڑی بڑی لکڑیوں سے اسے پر کر دیا۔ انہوں نے شہنشاہ سے مدد کی درخواست کی۔ وہ کمک بھیجنے سے معذور تھا۔ فصیل کے گرد خندق تھی۔ اسلامی سپاہ نے اسے بھر دیا اور فصیل شکن آلات لگا کر شگافتہ جگہ کو اور چوڑا کر دیا۔ اس مقام کے رومی سالار نے دیگر سالاروں سے مدد طلب کی لیکن انہوں نے صاف جواب دیا کہ ہم اپنے ٹھکانوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ امیر معتصم کے پاس چلا آیا۔ اسلامی لشکر تکبیر کے نعرے مارتا شگاف میں سے اندر داخل ہو گیا۔ شہر کے حاکم نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن آخر گلے میں تلوار لٹکائے عاجزانہ انداز سے خلیفہ کے سامنے پیش ہوا۔ ۳۔

ترکوں کی آمد: معتصم کے پاس تقریباً بیس ہزار ترکی جوان تھے۔ لیکن معتصم نے انہیں فرغانہ کی نسبت سے فراغنہ کہتا تھا۔ ترک نوجوانوں کی اس قدر عظیم درآمد سے معتصم کا مطلب غالباً یہ تھا کہ عربوں اور خراسانیوں سے بے نیاز ہو کر اپنی حفاظت کے لیے الگ الگ جتھہ بنائے۔ عراق کے لوگ اعتماد کے قابل نہ تھے۔ اس لیے بنوامیہ نے اپنا مرکز حکومت شام میں رکھا تھا۔ بنو

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔

Marfat.com

عباس عراق میں مقیم ہوئے لیکن مقامی آبادی کے ہاتھوں ہمیشہ پریشان رہے۔ ابوالعباس نے کوفہ کو ترک کیا۔ منصور نے بغداد کا الگ شہر بسایا لیکن بغداد کی آبادی کوفہ سے بھی بڑھ کر امن کی دشمن نکلی یہاں عربوں کے علاوہ عجمی بھی آباد ہوئے اور مستقل گروہ بندی ہو گئی۔ ہارون نے ایک طویل مدت تک اپنا قیام رقہ میں رکھا۔ مامون نے بھی اول اول بغداد سے دور رہنا پسند کیا لیکن مجبوراً واپس آنا پڑا۔ ان حالات کے پیش نظر معتصم نے ترکوں کا سہارا لیا۔

ترکوں کی طرف اس کے رجحان کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس کی ماں ماردہ ترکوں کے قبیلہ سغد سے تھی۔ معتصم نے مصر وغیرہ سے بھی کچھ نفری منگوائی تھی جنہیں اس نے مغاربہ کا نام دیا۔

سامرا کی آبادی : معتصم ایک تو ویسے بھی بغداد والوں کو پسند نہیں کرتا تھا اور دوسرے اس کے بیس ہزار ترک زادوں کو اہل بغداد کے ساتھ صلح و آشتی سے رہنا ناممکن تھا۔ ترک جاہل اور کڈھب تھے۔ گلیوں میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔ بارہا بچے اور عورتیں جھپٹ میں آ جاتیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی غلام مارا جاتا تھا۔ وہ بھی گاہے گاہے مقامی آبادی پر ہاتھ صاف کر جاتے تھے۔ بغدادی رؤسا نے بارہا معتصم سے شکوہ کیا اور مشورہ دیا کہ ترک بچوں کو شہر سے نکال لے جائیے۔ ایک دفعہ عید کے دن ایک بڈھے شخص نے معتصم پر سخت لہجہ میں ترکوں کے خلاف اعتراض کیے کہ تم انہیں کیوں لائے ہو۔ معتصم عید کی نماز پڑھنے کے بعد بغداد واپس آیا اور ایک نئے دارالخلافہ کی تعمیر شروع کر دی۔ [۱] ایک حسین شہر وجود میں آیا جس کا نام سرمن رای (جس نے دیکھا مسرور ہوا) پڑا۔ جو مخفف ہو کر سامرا کہلانے لگا۔ اس کے تسمیہ کی اور بھی وجہیں بتائی جاتی ہیں لیکن یہ سب سے زیادہ مقبول ہے۔

فتنہ خلق قرآن : خلق قرآن کے جس فتنہ کو مامون نے اٹھایا تھا۔ معتصم نے اسے بیدار رکھا۔ اس نے امام احمد بن حنبل پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔

وفات : معتصم نے آٹھ سال آٹھ ماہ اور آٹھ دن کی حکومت کے بعد ۲۲۷ ہجری میں ۴۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ یہ آٹھواں خلیفہ تھا اور حضرت عباس کی آٹھویں پشت سے تھا۔ آٹھ بیٹے اور آٹھ بیٹیاں چھوڑ کر مرا۔ اس کو خلیفہ المثمن بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی زندگی میں آٹھ کے ہندسہ کو بہت دخل ہے۔ [۲]

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

واثق باللہ

۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ ۸۴۱ء تا ۸۴۷ء

واثق باللہ معتصم کا لڑکا تھا۔ اس کا عہد کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ ترکوں کے قدم مزید پختہ ہوئے اور حکومت میں ان کا دخل بڑھنے لگا۔ ا۔

واثق خلق قرآن کے مسئلہ میں بہت شدید تھا۔ رات دن اس کی تبلیغ کرتا تھا۔ مخالفین کو کڑی سزائیں دیں۔ ۲۔

واثق کو استسقاء ۳۔ کا مرض ہو گیا۔ تنور پر بیٹھا کرتا تھا کہ درد کم ہو۔ ایک دن تنور ضرورت سے زیادہ گرم کرایا۔ جب اسے اٹھایا گیا تو تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ ۴۔

ا۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ یعنی پیٹ میں پانی پڑ جانا۔ ۴۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

اسلامیات پرچہ ب۔ بی اے

وقت ۳ گھنٹے　　　پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۲ء　　　کل نمبر ۱۰۰

۱۔ مندرجہ ذیل میں سے کوئی دو احادیث کا بامحاورہ اردو ترجمہ اور جامع تشریح کیجیے :

الف۔ عَنْ اَنَسٍ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِیْ مَا لَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ۔

ب۔ وَعَنِ الْمُغِیْرَةِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ وَوَادَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعًا وَّهَاتِ وَکَرِهَ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالَ وَکَثْرَةَ السُّؤَالِ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ۔

ج۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔

د۔ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ، قَالَ: سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ۔ فَقَالَ: اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِیْ صَدْرِکَ وَکَرِهْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْهِ النَّاسُ۔ ۸، ۸

۲۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک حدیث شریف کا بامحاورہ ترجمہ کیجیے تشریح کی ضرورت نہیں۔

الف۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ یَهْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ وَیَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّیْقًا وَاِیَّاکُمْ وَالْکِذْبَ فَاِنَّ الْکِذْبَ یَهْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیْ اِلَی النَّارِ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَکْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْکِذْبَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ کَذَّابًا وَفِیْ رِوَایَةِ الْمُسْلِمِ قَالَ اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْکِذْبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیْ اِلَی النَّارِ۔

ب۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ، قَالَ: اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰی، قَالَ: اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهُ، فَاَتَیْتُ بَابَهُ، فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ

Marfat.com

فَرَجَعْتُ۔ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاْتِيَنَا فَقُلْتُ: اِنِّیْ اَتَيْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰی بَابِكَ ثَلَاثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَيَّ فَرَجَعْتُ، وَقَدْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فَلْيَرْجِعْ قَالَ عُمَرُ: اَقِمْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ۔ قَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ: فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰی عُمَرَ فَشَهِدْتُ۔ ۱۰

۳۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک باب کا خلاصہ اس طرح تحریر کریں کہ اس باب کی تمام احادیث کا احاطہ ہو جائے۔

الف ۔ باب الاسامی ب۔ باب البیان والشعر

۴۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک عبارت کا ترجمہ وتشریح کیجیے۔ ۱۴

الف۔ وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّيْ اَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهٖ اَوْ بِجَسَدِهٖ وَلَا يُقَلِّبُ الْحَصٰی اِلَّا اَنْ لَا يُمْكِنُهُ السُّجُوْدُ عَلَيْهِ فَيُسَوِّيْهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَلَا يُفَرْقِعُ اَصَابِعَهٗ وَلَا يَتَشَبَّكُ۔

ب۔ لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ فِيْ مُصَلَّى الْمِصْرِ وَلَا تَجُوْزُ فِي الْقُرٰی وَلَا تَجُوْزُ اِقَامَتُهَا اِلَّا لِلسُّلْطَانِ اَوْ لِمَنْ اَمَرَهُ السُّلْطَانُ ۵، ۱۰

۵۔ قدوری کے مندرجہ ذیل ابواب میں سے کسی ایک باب کا خلاصہ اس طرح تحریر کریں کہ باب میں موجود تمام مسائل کا احاطہ ہو جائے۔

الف ۔ باب قیامِ شَهْرِ رمضان ب۔ باب اَوْقَاتِ الصَّلٰوۃ ۵،

۶۔ بنو امیہ کے زوال کے اسباب بیان کیجیے۔ یا مامون الرشید کے عہد کی علمی وثقافتی ترقی پر روشنی ڈالیے۔ ۱۵

۷۔ درج ذیل عنوانات میں سے کسی دو پر نوٹ لکھیے:

الف ۔ حضرت امام حسینؓ

ب ۔ عباسیوں کے زوال کے بنیادی اسباب۔

ج ۔ الواثق۔ ۱۵

Marfat.com

اسلامیات اختیاری پرچہ ب۔ بی اے

وقت ۳ گھنٹے	پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۳ء	کل نمبر ۱۰۰

۱۔ مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی ایک کا با محاورہ اُردو ترجمہ کیجیے تشریح مطلوب نہیں۔

الف۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَی الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ یَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَیَشْهَدُهٗ اِذَا مَاتَ وَیُجِیْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِذَا لَقِیَهٗ وَیُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَیَنْصَحُ لَهٗ اِذَا غَابَ اَوْشَهِدَ وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ كِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ بِرِوَایَةِ النَّسَائِیِّ۔

ب۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَی السَّاعَةُ قَالَ وَیْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَّ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُّ لَهَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرْحَهُمْ بِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)۔ ۱۰

۲۔ مندرجہ ذیل ابواب میں سے کسی ایک باب کا خلاصہ اس طرح تحریر کریں کہ اس باب کی تمام احادیث کا احاطہ ہو جائے نیز خلاصہ تحریر کرتے ہوئے کوئی ایک حدیث عربی متن کے ساتھ لکھیے۔

بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ	بَابُ الظُّلْمِ	۱۵

۳۔ مندرجہ ذیل ابواب میں سے کسی ایک باب کا خلاصہ باب میں مذکورہ احادیث کی روشنی میں لکھیے۔

بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ	بَابُ الْغَضَبِ وَالْكِبْرِ	۱۵

۴۔ مندرجہ ذیل عبارات میں سے کسی ایک کا اردو ترجمہ کیجیے (تشریح مطلوب نہیں)

الف۔ اَلشَّهِیْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِی الْمَعْرَكَةِ وَبِهٖ اَثَرُ الْجِرَاحَةِ اَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْمًا وَلَمْ تَجِبْ بِقَتْلِهٖ دِیَةٌ فَیُكَفَّنُ وَیُصَلّٰی عَلَیْهِ وَلَا یُغَسَّلُ وَاِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِّلَ وَكَذٰلِكَ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَكَذٰلِكَ الصَّبِیُّ۔

Marfat.com

ب۔ وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْاِمَامِ وَلَا عُذْرَ لَهُ كُرِهَ لَهُ ذٰلِكَ وَجَازَتْ صَلٰوتُهُ فَاِنْ بَدَا لَهُ اَنْ يَحْضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ اِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلٰوةُ الظُّهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ بِالسَّعْيِ اِلَيْهَا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا تَبْطُلُ حَتّٰى يَدْخُلَ مَعَ الْاِمَامِ۔ ۱۰

۵۔ مندرجہ ذیل ابواب میں سے کسی ایک کے تمام مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے خلاصہ تحریر کریں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمُسَافِرِ   بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ ۲۰

۶۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سیرت وکردار اور نظامِ حکومت کو وضاحت کے ساتھ لکھیے۔

یا

ہارون الرشید کے عہدِ حکومت پر تبصرہ لکھیے۔ ۱۵

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک شخصیت کے سیرت وکردار اور خدمات پر وضاحت کے ساتھ لکھیے۔

ا۔ حضرت عبداللہ ابنِ زبیرؓ   ب۔ حضرت امیر معاویہؓ

ج۔ المامون ۱۵

Marfat.com

Marfat.com

ذخیرہ

Marfat.com

Marfat.com

متفق علیہ تراجم کی

یہ ہیں کہ متن کسی سطر

تشریح طلب الفاظ کی

ترجمے کے تحت دیئے

باتیں پوچھیے

حرف، جملہ، مرکب

کو نکال کر الگ

اور قرآن مجید

ہوا گیا ہے کہ

قرآن کے شایان شان

Marfat.com

دیباچہ الف

متفق علیہ تراجم کی

یہ ہیں کہ متن کسی سطر

تشریح طلب الفاظ کی

ترجمے کے تحت دیئے

ئیں پوچھیے

حروف مجردہ ، مرکب

کو نکال کر الگ

اور قرآن مجید

ا گیا ہے کہ

ان کے شایان شان

Marfat.com

68

توضیح الحدیث
والفقہ والتا

قبال

سرخان محمد چاولہ

لاہور

Marfat.com